مغربی بنگال



پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

جلد نمبر ۲۴ ■ یکم جنوری ۱۹۹۷ء ■ شمارہ نمبر ۱

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپئے • نصف سالانہ : پانچ روپئے

• فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

• ہر پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفتر ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

ترتیب

وزیراعلیٰ نے سالٹ لیک میں بار کونسل بھون کا سنگ بنیاد رکھا



وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے حال ہی میں سالٹ لیک میں بار کونسل بھون کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ مسلسل عدالتی مداخلت جس نے انتظامی کام کاج کو مفلوج کر دیا ہے، پارلیمانی جمہوریت کے لئے نقصان دہ ہے تاہم ان دنوں نامعقول عدالتی اور مٹھی بھر بدعنوان سیاست دانوں نے حالات کو ابتر بنا دیا ہے اس لئے تنقید کے لئے تھوڑی بہت گنجائش رہ جاتی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

شری باسو نے مزید بتایا کہ عوام اپنی امیدوں اور تمناؤں کی تکمیل کے لئے خاص طور پر عدالتوں پر انحصار کرتے ہیں لیکن جب عدالتیں خود شدید بدعنوانی میں ملوث ہو جائیں انھیں اپنے آخری راستے کے طور پر کورٹ جانا پڑتا ہے۔ اس طرح عدالت اپنے حلقۂ اختیار سے باہر ہو کر عدالتی اور انتظامیہ کے دیگر شعبوں میں مداخلت کرنے لگتی ہے اور وہ اس لئے کہ کورٹ کو پارلیمانی اور انتظامیاتی اداروں کو درگزر کرکے عظیم اختیار حاصل ہے۔ ملک کے عوام کو ایسے کسی بھی رجحان کے خلاف ہوشیار رہنا ہوگا۔ ہر شخص کو ہمارے دیرینہ سماجی اقدار کی بحالی کے لئے سخت جدوجہد کرنی ہوگی۔

سالٹ لیک میں بار کونسل بھون ریاستی حکومت کی جانب سے فراہم کردہ ۵،۳۳۲ کٹھا قطعات آراضی پر تعمیر کیا جائے گا جس میں ایک لائبریری، ایک آڈیٹوریم اور ایک طبی مرکز ہوں گے۔ وہ وکلاء جو دور دراز علاقوں سے شہر میں آتے ہیں، اس بھون میں انھیں عارضی طور پر رہائشی سہولت حاصل ہوگی۔

وزیراعلیٰ موصوف نے یہ مشورہ دیا کہ اس بھون میں ان غریبوں کے لئے مفت قانونی صلاح دینے کے لئے ایک مرکز بھی ہو جو روپے کی وجہ سے قانونی تحفظ نہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ ■■

1

وزیر اعظم کے نام وزیر اعلیٰ کا مکتوب

ڈیر وزیر اعظم!

آپ کو معلوم ہے کہ حکومت عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش حکومت ہند سے فرخا میں گنگا کے پانی کی تقسیم پر ایک معاہدے کیلئے درخواست کر رہی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ بھاگیرتی ۔ ہگلی ندی میں جہازرانی کی اہلیت کو برقرار رکھنے کے لئے سال بھر ۴۰ ہزار کیوسک پانی ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ سوکھے موسم (یکم جنوری تا ۳۱ مئی) کے دوران فرخا بیرج میں پانی کی موجودہ دستیابی ' فیڈر نہروں کے ذریعہ ۴۰ ہزار کیوسک کے بہاؤ کو یقینی بنانے کے بعد حکومت بنگلہ دیش کی امیدوں کو پورا کرنے کے لیئے ناکافی ہے۔

اگر حکومت ہند یہ محسوس کرتی ہے کہ دو پڑوسی ملکوں کے درمیان پُرخلوص تعلقات کو برقرار رکھنے کیلئے حکومت بنگلہ دیش کے ساتھ معاہدے کی ضرورت ہے تو مندرجہ ذیل نکات کے ذریعہ ایسے انتظام کی پشت پناہی ہونی چاہیئے:

(الف) سوکھے موسم کے دوران فرخا بیرج پانی کے اوپری بہاؤ کی دستیابی کو بڑھانے کے لئے حکومت ہند کی جانب سے موثر معینہ میعادی اقدامات کئے جاسکتے ہیں، اس سلسلہ میں، نئی دہلی میں میرے گذشتہ دورے کے دوران سنکوش ہائیڈرو الیکٹرک پروجکٹ سے متعلق ہماری بات چیت کو دہرانے کی درخواست کرتا ہوں۔

(ب) ریور ٹریننگ ورکس کے ساتوں یونٹوں کو، جنہیں ۱۹۸۱ء میں کلکتہ پورٹ ٹرسٹ کی جانب سے حکومت ہند کو جمع کیا گیا تھا، تیزی سے مکمل کئے جانا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف ایک یونٹ کو ابتک چالو کیا گیا ہے۔

(ج) کلکتہ پورٹ ٹرسٹ کو دریائی ہگلی پوئنٹ کے اوپری بہاؤ اور نچلی بہاؤ دونوں کی بنیادی صفائی اور متواتر صفائی کے انتظام کے لئے کلکتہ پورٹ ٹرسٹ کو مناسب فنڈ فراہم کرنا چاہیئے۔

(د) اوپری ساحلی ریاستیں ۔ بہار اور یوپی مذکورہ بالا سوکھے موسم بالخصوص ۱۵ مارچ تا ۱۵ مئی کے خشک ترین عرصہ کے دوران دریا گنگا یا اس کی شاخوں سے مزید کوئی پانی نہیں لے جاسکے اس بات کو یقینی بنانے کیلئے انتظام کرنا چاہیئے۔

مذکورہ بالا چار نکات پر جلد از جلد آپ اپنی یقین دہانی ارسال فرماکر مجھے ممنون کریں۔

بصد خلوص

مخلص

(دستخط: جیوتی باسو)

وزیرِ اعلیٰ کے نام وزیرِ اعظم کا مکتوب

ڈیر شری جیوتی باسو!

مجھے فرخا میں گنگا پانی کی تقسیم پر نئے معاہدے کے نتیجہ میں حسب ضرورت انتظامات کرنے سے متعلق آپ کا مکتوب بتاریخ ۴ دسمبر ۱۹۹۶ء موصول ہوا اور آپ کے مذکورہ نکات پر بغور نظر ڈالی۔

فرخا میں پانی کے اضافہ کے لئے ایک سے زائد اختیاری نکات پیش کئے گئے ہیں۔ سنکوش پروجکٹ پر خصوصی زور دینے کے ساتھ ان تمام اختیاری نکات پر جلد ہی مطالعہ کیا جائے گا اور متعلقہ پارٹیوں کے ساتھ صلاح مشورہ سے ان میں سب سے بہترین اختیاری نکتہ کو حتمی بنایا جائے گا۔ اس پروجکٹ کو جلد از جلد حتمی بنانے کے بعد نویں پنج سالہ منصوبہ کے دوران روبہ عمل لایا جائے گا۔

دریا کی صفائی کی مہم میں آپ کے مشورے کے مطابق، تیزی لائی جائے گی بشرطیکہ ٹکنکل طور پر یہ قابل عمل ہو۔ موجودہ بندوبست کے مطابق دریا کی صفائی کے انتظام کی لاگت میں سے حکومت ہند کی جانب سے رعایت دی گئی ہے۔ مستقبل میں بھی اس کا انتظام جاری رہے گا اور اس مقصد کے لئے مناسب فنڈ فراہم کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں بنیادی صفائی بھی جاری رکھی جائے گی۔

گنگا کے گھاٹی علاقہ میں مستقبل میں کسی پروجکٹ کی منظوری پر فرخا میں سوکھے موسم کے بہاؤ کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی غور کیا جائے گا۔

میں ان سبھی اقدامات پر آپ کو اپنی پوری حمایت اور تعاون دینے کا یقین دلاتا ہوں۔

بصد خلوص

مخلص

دستخط:

(ایچ ڈی دیوے گوڑا)

ہند۔بنگلہ دیش معاہدہ ۱۹۹۶ء کی اہم خصوصیات

گذشتہ ۱۲ دسمبر کو حکومت ہند اور بنگلہ دیش کے درمیان گنگا کے پانی کی تقسیم پر ایک ۳۰ سالہ معاہدے پر دستخط ہوا ہے۔ اس معاہدے سے دونوں ملک مستفید ہوں گے جس سے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات خوشگوار ہوں گے۔ مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۱۳ دسمبر کو رائٹرس بلڈنگس کے روٹنڈا میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس معاہدے سے صنعت و تجارت، آمد و رفت اور ثقافتی تبادلہ کے نئے ابواب کھل جائیں گے۔ انھوں نے اس معاہدے پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ شری باسو نے اس موقع پر پریس کے ایک طبقہ کی گمراہ کن خبروں کو افسوسناک بتایا۔ ذیل میں اس معاہدے کی اہم خصوصیات قارئین کے مطالعہ کیلئے پیش ہیں۔ (ادارہ)

یہ معاہدہ ہندوستان کے مفادات بالخصوص کلکتہ پورٹ کی بہتری کا تحفظ کرتا ہے۔ دریں اثناء یہ گنگا کے زیادہ پانی کی تقسیم کے ذریعہ بنگلہ دیش کو مدد بہم پہنچاتا ہے۔

اس معاہدے کے مطابق ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان فرخا پر گنگا کے پانی کی تقسیم سے متعلق جدول I میں پیش کردہ فارمولا کے ذریعہ رہنمائی کی گئی ہے۔ ایک سال میں یکم جنوری تا ۳۱ مئی کے سوکھے موسم کے دوران ہند اور بنگلہ دیش کے درمیان فرخا میں ۵۰:۵۰ فیصد کی بنیاد پر دستیاب پانی کی تقسیم پر فارمولا کا وصف مبنی ہے۔ اسکے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ کلکتہ پورٹ کے لئے ۴۰ ہزار کیوسک بہاؤ اور بنگلہ دیش کے لئے ۳۵ ہزار کیوسک کے بہاؤ کی ضرورت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ مزید برآں سوکھے موسم میں یکم مارچ تا ۱۰ مئی کے سنگین عرصہ کے دوران ہندوستان اور بنگلہ دیش کو تین دس روزہ مدتوں کے نئے متبادل ترتیب میں ۳۵ ہزار کیوسک پانی کا بہاؤ دستیاب ہوگا جس کی گرانٹی دی گئی ہے۔

جملہ فارمولے کے نتائج کو جدول II میں ظاہر کیا گیا ہے۔

کلکتہ پورٹ کے مفاد میں ہندوستان کے لئے ۴۰ ہزار کیوسک پانی کے بہاؤ سے تجاوز کم سے کم ہونا چاہئے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۷ء کے ہند۔بنگلہ دیش معاہدے میں مندرجہ پانی کی تقسیم کے پروگرام میں ہندوستان کے لئے ۴۰ ہزار کیوسک پانی کے بہاؤ کا بندوبست صرف ایک دس روزہ مدت کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

گذشتہ ۲۰ برسوں (۱۹۷۷ تا ۱۹۹۷ء) کے

دوران اصل متناسب بہاؤ یہ بتاتا ہے کہ ہندوستان کو حتیٰ کہ ایک بار بھی ۱۰ روزہ مدت کے لئے اوسطاً ۴۰ ہزار (چالیس ہزار) کیوسک کا بہاؤ نہیں ملا۔ موجودہ معاہدے کے مظہر جدول میں ہندوستان کے لئے چالیس ہزار (۴۰ ہزار) کیوسک پانی کے بہاؤ کے دس روزہ مدتوں کا نتیجہ پیش کیا گیا ہے۔ مزید برآں ہندوستان کے لئے پینتیس ہزار (۳۵ ہزار) کیوسک بہاؤ کے تین دس روزہ مدتوں کی گرانٹی دی جائے گی۔

جدول — I



شرائط کے مطابق ہندوستان اور بنگلہ دیش کو یکم مارچ تا ۱۰ مئی کے عرصہ کے دوران متبادل تین ۱۰ روزہ مدتوں میں ۳۵ ہزار کیوسک پانی ملے گا جس کی گرانٹی کی گئی ہے۔

جدول ـــــ II ،۱۰ ایف آئی اے آئی سی

گنگا کے پانی میں ہندوستان کا حصہ ـــ ۱۲ ایف ـــ ۲

(کیوسک میں)

ماہ۔مدت		۱۹۷۷ء کا معاہدہ	۱۹۹۷-۹۶ء کے دوران پانی چھوڑنے کا اوسط	۱۹۹۶ء کے معاہدے کے نتائج
جنوری	۱ – ۱۰	۴۰,۰۰۰	۳۸۲۲۶	۴۰۰۰۰
	۱۱ – ۲۰	۳۸,۵۰۰	۳۷۷۸۲	۴۰۰۰۰
	۲۱ – ۳۱	۳۵۰۰۰	۳۶۸۱۸	۴۰۰۰۰
فروری	۱ – ۱۰	۳۳۰۰۰	۳۴۸۹۱	۴۰۰۰۰
	۱۱ – ۲۰	۳۱۵۰۰	۳۳۳۵۹	۴۰۰۰۰
	۲۱ – ۲۸/۲۹	۳۰۷۵۰	۳۲۷۱۹	۴۰۰۰۰
مارچ	۱ – ۱۰	۲۶۷۵۰	۳۰۴۴۶	۳۹۴۱۹
	۱۱ – ۲۰	۲۵۵۰۰	۲۸۲۸۶	۳۳۹۳۱
	۲۱ – ۳۱	۲۵۰۰۰	۲۶۱۸۴	* ۳۵۰۰۰
اپریل	۱ – ۱۰	۲۴۰۰۰	۲۶۰۲۴	۲۸۱۸۰
	۱۱ – ۲۰	۲۰۷۵۰	۲۷۳۲۷	* ۳۵۰۰۰
	۲۱ – ۳۰	۲۰۵۰۰	۲۸۶۲۰	۲۵۹۹۲
مئی	۱ – ۱۰	۲۱۵۰۰	۳۰۶۷۳	* ۳۵۰۰۰
	۱۱ – ۲۰	۲۴۰۰۰	۳۳۴۸۶	۳۸۵۹۰
	۲۱ – ۳۱	۲۶۷۵۰	۳۴۴۴۶	۴۰۰۰۰

* گارنٹی دی گئی۔

پولیو سے پاک دنیا کی جانب



• شری جیوتی باسو ایک بچے کو پولیو کا خوراک دیتے ہوئے

پولیو مائیلائیٹس انسان کو معذور بنانے والی ایک بیماری ہے جو نظام اعصاب پر اثر انداز ہوکر مریض کو مفلوج اور معذور بنا دیتی ہے۔ حالانکہ پولیو کی بیماری میں کمی آئی ہے لیکن اس بیماری کے ایک واقعے کو بھی پولیو ختم کرنے کی حکمت عملی کے لئے اہم معاملہ سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا جرثومہ صرف انسانی آنتوں ہی میں زندہ رہ سکتا ہے اور منہ کے راستے اور کبھی کبھی سانس کے ذریعہ بھی پھیلتا ہے تاہم اس کا تکنیکی اور عملی علاج ممکن ہے۔ بنیادی طور پر اس بیماری کا حملہ پانچ برس سے کم عمر کے بچوں پر ہوتا ہے۔ پولیو کے جراثیم، جو صرف انسانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں خاص طور سے پاخانے کے ذریعہ ایک بچے سے دوسرے بچے میں منتقل ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کی بھی بڑی اہمیت ہے کہ عالمی مجلس صحت (ورلڈ ہیلتھ اسمبلی) نے اس بیماری کو ختم کرنے کے لئے ۱۹۸۸ء میں ایک قرارداد منظور کی تھی۔

پولیو کے مبینہ واقعات کی تعداد ۱۹۸۷ء میں ۲۸۲۵۷ تھی۔ جو ۱۹۹۴ء میں گھٹ کر ۵۹۰۲ ہو گئی۔ ۱۹۷۹ء میں بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے قومی پروگرام میں پولیو کے ٹیکہ کی خوراک پلانے کے طریقہ کو شامل کیا گیا تھا۔ ۱۹۹۳ء - ۱۹۹۴ء میں تیسری خوراک کے احاطہ کی ۹۳ فیصد سے زیادہ تھی۔

اس وقت دنیا میں پولیو کے جتنے واقعات پائے جاتے ہیں، ان میں سے ۶۰ فیصد سے زیادہ واقعات ہندوستان میں ہیں۔ ایک سو پچاس ممالک پولیو سے پوری طرح نجات حاصل کر چکے ہیں۔ پولیو سے نجات پا جانے والے ان ملکوں کے لئے تشویش کا سبب بین الاقوامی نقل وطن یا ہجرت ہے۔ اس بیماری کو دنیا بھر میں جڑ سے اکھاڑنے کی بڑی کوشش کا آغاز اسی وقت ہوگا جب ہندوستان بھی اس کے لئے ایک کامیاب پروگرام شروع کرے گا۔ چیچک کے معاملہ میں بھی باقیماندہ دنیا نے اسی وقت اس بیماری کو ختم کرنے کی شروعات کی تھی جب ہندوستان نے اس سلسلہ میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔

پولیومائیلائیٹس کو ختم کرنے کی حکمت عملی

پولیومائیلائیٹس کو ختم کرنے کی حکمت عملی کے دو مرحلے ہیں۔ پہلے مرحلے کا تعلق پولیو کے ٹیکہ کی خوراک (او پی وی) سے ہے۔ اس سے پولیو کی سطح گر جاتی ہے۔ دوسرا مرحلہ او پی وی کی دو خوراکیں ۵ سال کی عمر تک وقفہ وقفہ سے دینے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح پولیو کو معمول کے مطابق ٹیکہ کی خوراک پلانے کی مہم کے ساتھ ساتھ قومی پیمانہ پر پلس پولیو کے ٹیکہ کی خوراک اور اس بیماری پر نظر رکھنے کے مؤثر طریقے کے ذریعہ ختم کیا جا سکتا ہے۔

پی پی آئی مہم کے دوران کسی بھی ملک کے ۵ برس سے کم عمر کے تمام بچوں کو پولیو کی دو خوراکیں ۴ سے ۶ ہفتوں کے فاصلے سے ان کے سابقہ ٹیکے لگوانے کے ریکارڈ سے قطع نظر کر کے دی جاتی ہیں اسے ۳ سے ۴ سال تک دہرایا جانا ضروری ہے۔ لاطینی امریکہ کے تمام ممالک اور ایشیا کے بہت سے ملکوں نے اس طریقے پر کامیابی سے عمل کیا ہے اور اب ۱۵۰ ممالک میں پولیو کی بیماری صفر تک پہونچ گئی ہے۔

نشانے کی تکمیل

پلس پولیو کے ٹیکے کی خوراک دینے کیلئے ۷ دسمبر اور ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء کی تاریخیں مقرر کی گئی ہیں اس کا سلسلہ گزشتہ سال ۳ سال تک کی عمر کے بچوں کو سامنے رکھ کر شروع کیا گیا تھا جس کو تین سال تک مسلسل جاری رکھنا ضروری ہے۔ ہندوستان نے پلس پولیو کے ٹیکہ (پی پی آئی) کی پہلی مہم کے لئے ۹ دسمبر ۱۹۹۵ء اور ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء کی تاریخیں مقرر کی تھیں اور لگ بھگ ۹ کروڑ بچوں کو اس مہم کے دوران پولیو سے محفوظ رکھنے کی یہ خوراکیں پلائی گئی تھیں۔

لیکن پی پی آئی کی مہم کے دوران ۵ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کو او پی وی (پولیو کی خوراک پلانے کا عمل) دینے کا نشانہ پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے آبادی میں پولیو کی بیماری پیدا کرنے والے جرثومہ کو پوری طرح ختم کرنے میں مدد ملتی ہے چونکہ پولیو کے جراثیم سے پوری طرح محفوظ کئے جانے والے کچھ بچوں کی آنتوں میں پولیو کے جراثیم باقی بھی رہ سکتے ہیں۔ اس لئے '۵' پانچ برس تک کی عمر کے تمام بچوں کو پولیو کے ٹیکہ کی اثر آفرینی کے لئے او پی وی کی خوراک دینا ضروری ہے۔

پی پی آئی کے دوران دی جانے والی او پی وی کی خوراکیں فاضل خوراکیں ہوتی ہیں جو معمول کے مطابق ٹیکہ کی خوراک دینے کے عمل کی جگہ نہیں لیتیں بلکہ اس عمل کی اثر انگیزی میں اضافہ کرتی ہیں۔ ان خوراکوں کے باوجود پولیو کے ٹیکہ کی خوراکیں لینے کی ضرورت رہتی ہے۔ او پی وی کی مقررہ مدت میں خوراک دینے اور پی پی آئی کی خوراک دینے کے درمیان کوئی کم وقفہ نہیں ہوتا۔

پولیو کے خاتمہ کے فائدے

چیچک کے بعد پولیو دوسری بیماری ہے جس کو ختم کرنے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے اس کے خاتمہ سے ہونے والے مالی فائدے بے شمار ہیں اس وقت صرف پولیو کے ٹیکہ کی خوراک پلانے پر ہندوستان میں سالانہ ۲۵ کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ اگر پولیو کا خاتمہ ہو جائے تو اس رقم کو بچایا جا سکتا ہے اور پوری دنیا میں ہر سال ۱۵ کروڑ امریکی ڈالر کی بچت ہوگی۔

پولیو کو ختم کرنے میں کامیابی ملنے سے بیماریوں سے محفوظ رکھنے کیلئے دی جانے والی دواؤں کا حلقہ وسیع کرنے اور دیگر تدارکی صحتی خدمات کی توسیع میں بھی مدد ملے گی۔

اس مہم سے دستیاب صحتی خدمات کے تعلق سے عوامی بیداری پیدا ہوگی اور وہ یہ بھی جان سکیں گے کہ ملک کے حکام، آبادی کے طبقات اور افراد جب مل کر بیماری پر قابو حاصل کرنے کی مؤثر تدابیر کرتے ہیں تو کیسی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

سماجی بیداری

پروگرام کیلئے ضروری ہے کہ پلس پولیو ٹیکہ کی خوراک پلانے کے مراکز ایسی جگہوں پر قائم کرنے کی غرض سے سماجی بیداری پیدا کی جائے۔ جہاں تک آسانی کے ساتھ بچے پہنچ سکیں اور دور دراز کے ہر گاؤں اور گھر میں پولیو کے سدباب کا پیغام بھی پہنچ سکے مناسب درجہ حرارت میں ٹیکہ کی بروقت فراہمی کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دور تک رہنے والے تمام علاقوں کے بچوں تک رسائی حاصل کی جائے تاکہ مقررہ تاریخوں پر ۵ سال کی عمر کے تمام بچوں کو بروقت او پی وی کی خوراکیں پلائی جا سکیں۔ اس مقصد کیلئے کابینہ سکریٹری کی صدارت میں ایک قومی اسٹیئرنگ کمیٹی بنائی گئی ہے تاکہ وہ رہنمائی کا کام بھی کر سکے اور مہم کی پیش رفت پر بھی نظر رکھ سکے۔ ایک قومی پلس پولیو تال میل کمیٹی بھی بنائی گئی ہے۔ جو اصلاحاتی حکمت عملی میں تال میل کمیٹی بھی بنائی گئی ہے۔ اور اس کے لئے ایک نیشنل پلس پولیو میڈیا کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے۔ ریاستیں اور مرکز کے زیر انتظام علاقے بھی اپنی اپنی ریاستی اور ضلعی پلس پولیو کمیٹیاں بنا رہے ہیں۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

ریاست میں نیتا جی کی صد سالگرہ تقریبات

حکومت مغربی بنگال نے ریاستی سطح پر ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی کی چیئرمین شپ میں تقریباً ۵۰ ممبروں پر مشتمل ایک نیتا جی تقریبات کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ اس کمیٹی کا انتظامیہ چیئرمین وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ہوئے ہیں۔ اس کمیٹی میں مختلف ریاستی وزراء کے علاوہ عظیم ہستیاں اور ممتاز شخصیتیں شامل ہیں۔ اس سے قبل فارورڈ بلاک کے لیڈر اور ریاستی وزیر خوراک و رسد شری نرین دے کی قیادت میں ایک ورکنگ کمیٹی کی تشکیل ہو چکی تھی۔ ۱۹، دسمبر کو نندن میں منعقدہ ایک میٹنگ میں نئی ریاستی تقریبات کمیٹی کی تشکیل کے فوراً بعد وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹا چاریہ نے رائٹرس بلڈنگس میں پریس نمائندوں کو نیتا جی سبھاش چندر بوس کی صد سالہ تقریبات کیلئے مرتب پروگراموں سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر شری نرین دے بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔

نیتا جی سبھاش چندر بوس کی صد سالہ تقریبات کے لئے مرتبہ پروگرام حسب ذیل ہیں:

۱ :- ۲۳، جنوری کو صبح میں اسپلینڈ میں نیتا جی کے مجسمہ کی گلپوشی کی جائے گی۔ اس موقع پر منعقدہ تقریب کی صدارت کے لئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے منظوری دے دی ہے۔ اسی ایک وقت میں ایک ساتھ ریاست بھر میں نیتا جی کے مجسموں اور شبیہوں کی گلپوشیاں کی جائیں گی۔ عوام کو اس لمحہ سنکھ بجانے کی اپیل کی جائیگی۔ شہری دفاع کے محکموں سے سائرن بجانے کی درخواست کی گئی ہے اور ڈی جی اور آئی جی پی کو سپرنٹنڈنٹس آف پولس کے دفتروں سے اور تمام سب ڈویژنل پولس آفیسروں کو ریاست بھر میں بندوق کی سلامی دینے کو کہا گیا ہے۔ آزاد ہند فوج کے ترانوں اور نیتا جی کی تقریر پر مشتمل ایک سمعی کیسٹ نکالا جا رہا ہے۔ ریاست بھر میں تمام ضلعوں کو ۲۳، جنوری ۹۷ء کو ۱۲ بجکر ۵ منٹ پر اس کیسٹ کو بجانے کے انتظام کرنے کی درخواست کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔

اسی دن مقام گلپوشی کے قریب کلکتہ پولس اور کلکتہ این سی سی کے طلباء ایک پریڈ میں حصہ لیں گے۔ فوجی حکاموں نے فوجی بینڈ پر آزاد ہند فوج کے ترانے بجانے پر اپنی رضامندی دیدی ہے۔

۲ :- آزاد ہند فوج سے منسلک تقریباً ۱۹۰، افراد کو آئندہ کلکتہ کے مہاجتی سدن میں آئندہ ۱۱، فروری کی ۴ بجے شام کو منعقدہ ایک تقریب میں شرکت کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ جہاں انھیں اعزاز سے نوازا جائے گا۔ انھیں ۲۰، دسمبر تک اپنی رضامندی ظاہر کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ اس اعزازیہ تقریب میں ثقافتی پروگرام (رقص۔ ڈرامہ تاثیر دیش) منعقد کیا جائے گا۔

۳ :- ہندوستانی جد و جہد آزادی میں نیتا جی اور آزاد ہند فوج کے کردار پر ایک سمینار ۳۱، جنوری، یکم فروری اور ۲، فروری ۹۷ء کو منعقد کیا جائے گا۔ مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے ۲، فروری کو منعقدہ اختتامی تقریب میں صدارت کی رضامندی دیدی ہے۔

۴ :- نیتا جی پر ایک یادگار کتاب شائع کی جا رہی ہے۔ حکومت مغربی بنگال کے ترجمان پچھیم بنگا، ویسٹ بنگال اور مغربی بنگال کے خصوصی شمارے شائع کئے جا رہے ہیں۔ بنگلہ اکاڈمی خصوصاً جوانوں کے لئے مرتبہ کتابیں شائع کرے گی۔

۵ :- ایڈین گارڈین میں نیتا جی پر ایک نوری و صوتی نظام کی نمائش شروع کی جائے گی۔ مشہور بنگلہ ادیب شری سنیل گنگو پادھیہ اس کی اسکرپٹ لکھ رہے ہیں۔ شری اشوک مکھو پادھیہ نے آرٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے رہنے کی رضامندی دے دی ہے۔ شری کونسکو سین اس نظام کے تکنیکی پہلو کے ہمہ جہت ذمہ داری پر رہیں گے۔ یہ نظام فلپس انڈیا لمیٹڈ کے اشتراک سے قائم کیا جائے گا۔

۲۳، جنوری ۱۹۹۷ء تک اس نظام کے قیام کے انتظام کو مکمل کرنا ممکن نہیں ہو پائے گا۔ لہٰذا اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس نظام کو ۲۱، اکتوبر کو آزاد ہند حکومت کے یوم کے موقع پر رسمی طور پر چالو کر دیا جائے گا۔

۶ :- اسکول کے نصاب میں نیتا جی کی نگارشات سے اقتباسات

شامل کرنے کے لئے شعبۂ تعلیم سے درخواست کی گئی ہے۔

۷:۔ اسکول اور کالج کے طالب علموں کے درمیان حب الوطنی سے سرشار نغموں پر مقابلے کا اہتمام کیا جائے گا۔

۸:۔ نیتاجی پر ایک مستقل نمائش منعقد کرنے کی تیاری کی گئی ہے اور مہاجاتی سدن میں اسے منعقد کیا گیا ہے۔

۹:۔ ۲۶ جنوری ۹۷ء کو نئی دہلی میں یوم جمہوریہ کے پریڈ کے موقع پر نیتاجی پر ایک جھانکی کی نمائش کی جائے گی۔

۱۰:۔ ۲۳ جنوری ۹۷ء کی شام کو سرکاری عمارتوں کو چراغاں کرنے کی شعبۂ تعمیرات عامہ سے درخواست کی گئی ہے۔

عوام سے اپیل کی جائے گی کہ وہ اپنے گھروں کو ۲۳ جنوری کی شام کو چراغاں کریں۔

تمام چیمبرس آف کامرس سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس شام اپنے مختلف اداروں اور فیکٹریوں کو چراغاں کرنے کے لئے ضروری اقدامات کریں۔

۱۱:۔ ضلع پریشد کی سبھادھی پتیوں اور ضلع مجسٹریٹوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اضلاع میں نیتاجی کی صد سالہ منانے کیلئے کمیٹیوں کی تشکیل کریں اور پروگرام مرتب کریں۔ اضلاع سے ابھی تک ایسے پروگراموں کی تفصیل موصول ہو رہی ہیں۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ شاندار طریقے سے صد سالہ تقریبات منانے کیلئے مختلف اضلاع میں باضابطہ طور پر تیاری اقدامات کئے گئے ہیں۔

۱۲:۔ نیتاجی کی صد سالہ تقریبات کے پیش نظر نیتاجی پر دستاویزی فلم بنانے کی تجویز رکھا [illegible]

۱۳:۔ اس موقع پر اتپل دت کا ڈرامہ "دلی چلو" اسٹیج کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس ڈرامہ کی پیشکش شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کا لوک رنجن شاکھا کر رہے ہیں۔

طالب علموں۔ نوجوانوں کا ریاستی تہوار برائے سنہ ۱۹۹۶

ریاستی حکومت کے شعبۂ اسپورٹس اور خدمات نوجوان کے زیر اہتمام آئندہ ۵ جنوری تا ۹ جنوری ۹۶ء کو بردوان میں طالب علموں۔ نوجوانوں کا ریاستی تہوار ۱۹۹۶ء کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ اس تہوار میں متعدد ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ بلاک / میونسپل سطح، ضلع سطح اور ریاستی سطح پر بشمول درجات ثقافتی مقابلوں کا اہتمام کیا گیا ہے جس میں تقریباً ۵ لاکھ نوجوان حصہ لیں گے۔ ان مقابلوں میں ریاستی سطح پر کامیاب ہونے والے نوجوانوں کو ریاست کی نمائندگی کیلئے قومی نوجوان تہوار میں حصہ لینے کیلئے بھیجا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ریاستی حکومت نے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی سرپرستی میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی ہے جس میں حکومت مغربی بنگال کے کئی وزراء، ذی وقار ہستیاں اور ممتاز شخصیتیں شامل ہیں۔ اس تہوار کو ہندوستان کی آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں نوجوان فنکاروں کے علاوہ قومی شہرت یافتہ فنکار بھی حصہ لیں گے۔ بردوان ٹاؤن کے مختلف جگہوں میں ہر روز سیمینار، سمپوزیم اور مختلف کھیل کود پر ریاستی سطح کے مقابلوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مختلف علاقوں سے کافی تعداد میں لوگ متعدد عوامی نمائشیں نیز تہوار کو دیکھنے کے لئے شرکت کریں گے۔

اس تہوار کے سالانہ انعقاد کا مقصد عوام کی ثقافتی زندگی اور اسپورٹس کو فروغ دینے اور لوگوں کی سرگرمیوں، ان کے اندر جسمانی و دماغی صحت کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اس لئے شعبۂ ہٰذا کی جانب سے اس تہوار کی نمائش و مقابلہ میں جوق در جوق شرکت کرنے اور اسے کامیاب بنانے کے لئے عام لوگوں سے استدعا کی گئی ہے۔

بقیہ:۔ پولیو سے پاک دنیا کی جانب

عالمی مجلس صحت (ورلڈ ہیلتھ اسمبلی) نے ۲۰۰۰ء تک پولیو کو ختم کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ روٹری انٹرنیشنل، یونیسیف اور ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نیز دیگر بین الاقوامی تنظیمیں بھی حکومتوں کے ساتھ پولیو کے ختم کرنے کی مہم میں شریک ہیں۔ لہٰذا سماجی بیداری پولیو کو ختم کرنے کی کوششوں کی کلید ہے۔ ہر شہری کی سرگرم شرکت ہندوستان کو پولیو سے نجات یافتہ دنیا کے لئے اہم خدمت انجام دیگی۔ (بشکریہ پی آئی بی)

عبد الغفور نساخ

عبد الغفور نام، خان بہادر خطاب اور نساخ تخلص تھا۔ ۱۲۴۹ھ میں کلکتہ میں پیدا ہوئے اور یہیں ۱۳۰۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے والد قاضی فقیر محمد ابن قاضی محمد رضا دیوانی عدالتِ عالیہ کلکتہ میں سرکاری وکیل تھے۔ اسکولی تعلیم مدرسہ عالیہ کلکتہ سے اور اعلیٰ تعلیم ہوگلی محسن کالج سے حاصل کی۔ نساخ نے بنگال میں اردو کی ترویج و توسیع میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ انھوں نے بڑی سرگرمی سے اردو شعر و سخن کی خدمت کی۔ دفتر بے مثال اور ارمغان کے علاوہ انکے کئی مجموعہائے کلام نیز متعدد تالیفات ان سے یادگار ہیں۔ جن میں سخن الشعراء، تذکرۃ المعاصرین، انتخاب نقص اور زبان ریختہ اہم ہیں (ادارہ)

نساخ جذبِ شوق سے وعدہ مگر ہے آج
کیوں ہر گھڑی نگاہ تری سوئے در ہے آج

جانے کا ان کو قصد یہاں سے مگر ہے آج
گردش پھر آسماں کی برنگِ دگر ہے آج

دشمن نظر میں یار کا کیوں بار اور ہے آج
شاید رقیب تیرہ دروں کا گزر ہے آج

شاید کہ مشق تیغ زنی کر رہے ہیں وہ
کیوں دوش پر وبال مجھے اپنا سر ہے آج

پوچھو نہ مجھ سے کوچۂ گیسو کا حال واں
سودا زدہ کوچۂ آشفتہ سر ہے آج

اس رشکِ گل کو سیرِ چمن کا ہے قصد کیا
چشم ہزار فرش سرِ رہگزر ہے آج

ان کی نگاہ سے کہیں دشمن گرا نہ ہو
کیوں خود بخود دماغ مرا عرش پر ہے آج

ہشیار رہے تو ایک تری چشمِ مست ہے
ورنہ جو تیری بزم میں ہے بے خبر ہے آج

چہرہ خوشی سے سرخ ہے قاتل کا دیکھنا
عشاق کے جو خون پہ باندھی کمر ہے آج

وہ دیکھتے ہیں میری طرف عین مہر سے
ہر آہ اپنی مردمِ چشم اثر ہے آج

زانو پہ کیوں رکھے ہوئے ہے سر کو یا خدا
مایوس میری زیست سے کیا چارہ گر ہے آج

نساخ کس کی پھرتی ہے تقدیر دیکھیے
پھر دو چشم یار برنگ دگر ہے آج

یہی صورت ہے گر آہ و فغاں کی
خرابی آ چکی زار نہاں کی

ہے پیش نالہائے عرش پرواز
حقیقت کیا بھلا ہفت آسماں کی

یہی ہے زندگی تو عدن میں بھی
کسے خواہش ہے عمر جاوداں کی

بھلا میں کیا عدو سے کب نبھے گی
یہی گردش رہی گر آسماں کی

وہ پردے سے نکل آئے جو باہر
حقیقت کھل گئی راز نہاں کی

تمہارے ظلم کے خوگر ہوئے ہیں
نکالو اور صورت امتحاں کی

کبھی ایسی نہ تھی آگے شبِ ہجر
ڈرانی ایسی ہے صورت آسماں کی

بنی حسرت سرِ خم خاک میری
تبرا ہے خدمتِ پیرِ مغاں کی

میرے سیلِ سرشکِ غم کے آگے
بھلا کیا خاک بنیاد آسماں کی

کہا کیا بد حواسی میں نہیں یاد
عجب صورت ہے شب سے رازداں کی

ہے گویا وصل ہجراں میں بھی نساخ
خوشی ایسی ہے مرگِ ناگہاں کی

اسی کی یاد سے نساخ ہر دم
بنی ہے بات مرگِ ناگہاں کی

پرویز شاہدی

از: سعید احمد اکبرآبادی

پرویز شاہدی میرے نہایت عزیز اور مخلص دوست تھے میں نے سب سے پہلے انکو ۱۹۴۹ء میں مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ یہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ آگے چل کر اس ملاقات نے گہری دوستی کا روپ دھار لیا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے شریک جلوت وخلوت دوست بن گئے۔ اس حیثیت سے میں نے ان کو مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں دیکھا اور آزادی بھی، ان کی غریبی و پریشان حالی دیکھی اور ان کی آسودگی اور معاشی اطمینان بھی۔ انھیں تجرد کے عالم میں بھی دیکھا اور تاہل کے عالم میں بھی لیکن ہر جگہ اور ہر حالت میں ان کی طبیعت اور مزاج کا رنگ ایک ہی تھا۔ پرویز شاہدی کے کرکٹر کی جن خصوصیات نے مجھکو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اس میں سر فہرست یہ بات ہونی چاہیئے کہ مرحوم کا ظاہر و باطن بالکل یکساں تھا ان میں نفاق یا دورنگی کا کہیں دور تک بھی گذر نہیں تھا۔ وہ اخلاص کے پتلا تھے۔ خود کسی شخص کی بھی وہ مدد کرسکتے تھے، مدد کرتے تھے لیکن کسی سے بھی مدد کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ قلندری ان کا وصف خاص تھی۔ نہ وہ غم زندگی رکھتے تھے اور نہ زرسیم زندگی۔ ان کی نجی زندگی میں جو کرکٹر یا کردار تھا وہ شاعری میں بھی تھا مسلک کے اعتبار سے وہ یقیناً ترقی پسند شاعر تھے لیکن انھوں نے یہ مسلک خوب اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد اپنایا تھا اس بنا پر وہ اپنے فن میں نہ کسی کے مقلد تھے اور نہ کسی روایتی اسلوب وضع کے پابند تھے۔ چنانچہ انھوں نے خیالات، افکار اور معانی و مطالب کے لحاظ سے اپنی شاعری کو افکار نو کا ترجمان بنا کر پیش کیا۔ اور افکار نو بھی وہ جو سماج میں ایک عظیم انقلاب کی دعوت دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے شاعری کا آہنگ نہیں بدلا گویا جام و مینا وہی ہے لیکن شراب پرانی نہیں نئی ہے اور وہ بھی اس درجہ وتند و تیز کہ: ؎ سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

پرویز کی ترقی پسندی وقت کا فیشن نہیں تھی۔ اس لئے انھوں نے اسکو نہ خود پروپگنڈا بنایا اور نہ دوسروں کے پروپگنڈے سے متاثر ہوئے۔ ان کے فکر و خیال میں ندرت کے ساتھ انفرادیت بھی تھی اور ان کے اسلوب بیان و پیرایۂ اظہار میں ندامت کے ساتھ ایک خاص قسم کی لطافت رنگینی اور اُپج تھی۔ میرے نزدیک پرویز شاہدی کی خودداری، آزادئ رائے اور بے غرضی و خلوص ہی وہ اوصاف و کمالات ہیں جن کے باعث ان کو اردو شاعری کے موجودہ ایوان میں وہ جگہ نہیں ملی جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔ اپنی آزادروی استغنا اور خلوص کے باعث جہاں تک شعراء کی موجودہ تقسیم کا تعلق ہے وہ سچ مچ کسی سے ہم آہنگ نہیں تھے۔ پرویز شاہدی کو غالبؔ خود بھی اپنی تنہائی کا احساس تھا چنانچہ انھوں نے اپنے پہلے مجموعۂ کلام "رقص حیات" کا ایک نسخہ کمال مہربانی سے مجھکو بطور ہدیہ پیش کیا تو، شروع کے سادہ ورق پر اپنے دستخط سے یہ عبارت لکھی ـــــ

محب گرامی حضرت سعید احمد اکبرآبادی
پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ
کی خدمت میں

پرو کر رشتہ الفاظ میں بے تابیاں اپنی
دل بیتاب شاعر دھڑکنوں کا ہار لایا ہے

دستخط پرویز شاہدی ۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء

ملتی نہیں شراب میخانوں میں ممنوع ہے اس کا دور نادانوں میں
کرتا ہوں میں نذر دوست خوفناک جگر
لفظوں کے کھنکتے ہوئے پیمانوں میں ـــــ پرویز شاہدی

پرویز کو اس کا احساس ضرور تھا لیکن وہ طبعاً منسوڑ، بے پروا، اور مستغنی المزاج تھے۔ اس لئے زبان سے اس کا اظہار کبھی نہ کرتے تھے ان کو اپنے فن سے اس درجہ عشق اور لگاؤ تھا کہ وہ اس میں محو رہتے اور پلٹ کر یہ بھی نہیں دیکھتے تھے کہ کوئی انھیں داد بھی دے رہا ہے یا نہیں۔ ان کی شاعری میں "غم دل" بھی ہے اور غم گیتی بھی اور ہر جگہ اس کی حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کا ایک ہی عالم ہے۔ ایک غزل کھلونے میں کس طنطنے سے کہتے ہیں ؎

غزل

پرویز شاہدی

فرسودہ ہے علم، حرفہائے کتاب بجھ کے رہ گئے ہیں ــــ ہے راکھ ہی راکھ مدرسوں میں نصاب بھی بجھ کے رہ گئے ہیں
دلوں میں شعلے سسک رہے ہیں جمی ہوئی برف ہے لبوں پر ــــ سوال بھی بجھ کے رہ گئے ہیں جواب بھی بجھ کے رہ گئے ہیں

نہیں ہے محفل میں کوئی گرمی بجھے ہوئے ہیں دل سرد مطربوں کے ــــ دھواں نکلتا ہے انگلیوں سے رباب بھی بجھ کے رہ گئے ہیں
چراغ ساغر سے لو نہ لگا کر نہ پایا کچھ بھی فسردگی نے ــــ ستم تو یہ ہے کہ شعلہ ہائے شراب بھی بجھ کے رہ گئے ہیں

گرفت طوفاں میں آ گیا ہے خیال کا شعلہ پوش دامن ــــ رہے حقیقت ہی جن سے روشن وہ خواب بھی بجھ کے رہ گئے ہیں
بجھا بجھا سا ہے قلب صحرا ابھی بجھی سی ہے ریگ تاباں ــــ فریب کھائے گی تشنگی کیا سراب بھی بجھ کے رہ گئے ہیں

ہے منفعل ذوقِ شعلہ چینی عرق عرق ہے جبینِ خرمن
کہاں سے آئیں گے برق پارے سحاب بھی بجھ کے رہ گئے ہیں

تلاطم میں اکثر پڑی کشتیِ دل ــــ لگا ہوں کے بے رحم دھاروں سے کھیلا

اور جہاں تک غم گیتی کا تعلق ہے ان کی نظم "تضاد" اردو شاعری کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گی۔ یہ نظم جب پہلی بار میں نے ان کی زبان سے ایک شعری و ادبی مجلس میں سنی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دلوں میں آگ لگ گئی اور طبلِ جنگ پر چوٹ پڑ گئی ہے اور فوج مارچ کر رہی ہے۔ پرویز جتنے بڑے شاعر اور فنکار تھے، اخلاق و عادات و اطوار کے اعتبار سے بھی اتنے ہی قابل قدر اور محبت کے لائق تھے، نہایت ذہین و طباع تھے لیکن چہرہ پر عجب طرح کی معصومیت۔ برستی تھی، غیبت رشک و حسد، عیب چینی اور ایذا رسانی ان چیزوں کا ان کے پاس دور تک بھی گذر نہیں تھا۔ بے حد سیر چشم اور فیاض تھے۔ روپیہ پیسہ کی محبت یا جاہ و منصب کی جستجو سے انھیں کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ دل کا صاف ستھرا ایسا انسان ہمارے سماج میں کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ اب ان کی کس کس بات اور ادا کو یاد کیا جائے۔ ان کی یہ بے وقت جدائی ایک ایسا داغ ہے جو ان کے دوستوں کے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گا اور رہ رہ کر مرحوم کو یاد دلاتا رہے گا۔

اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز
اپنی بچھڑی ہوئی آغوشِ محبت کی قسم

شمالی بنگال ترائی ترقیاتی پروجکٹ تیسرے مرحلہ میں

سنہ ۱۹۸۴ء سے مغربی بنگال کے تین شمالی اضلاع۔ دارجلنگ ضلع کے سب ڈویژن سلی گوڑی، جلپائی گوڑی اور کوچ بہار۔ میں شمالی بنگال ترائی ترقیاتی پروجکٹ کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ زراعت اور شعبۂ آبی وسائل بحیثیت ایجنسیاں مذکورہ پروجکٹ کو روبہ عمل لا رہے ہیں اور نیدرلینڈس کی حکومت پروجکٹ ہذا کو فنڈ کی فراہمی کے لئے دیکھ ریکھ کر رہی ہے۔ سنہ ۱۹۹۴ء تک ۲۹۵۰۰ دستی ٹیوب ویل، ۳۶۰ پمپ لگے کنوئیں، ۳۵۰۰ کم گہرے ٹیوب ویل، ۲۰ گہرے ٹیوب ویل اور ۴۰ ریور لفٹ نظام کی تعمیر کی گئی ہے اور ۵۵۰۰ ہکٹائر قطعات آراضی پر مٹی بچاؤ کا کام روبہ عمل لایا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۹۵ء سے مذکورہ پروگرام اپنے تیسرے مرحلہ میں ہے اور سنہ ۱۹۹۹ء کے اختتام تک پروگرام ہذا چلتا رہے گا۔ موجودہ منصوبہ بندی کے مطابق ۱۵۰۰۰ مزید مٹی بچاؤ سرگرمیوں کو اپنایا جائے گا اور اس وقت سے قبل کسانوں کیلئے ایک تربیتی پروگرام کو تشکیل دیا جائے گا۔ ابتک ۵۰۰۰ ہینڈ ٹیوب ویل، ۲۰ کم گہرے ٹیوب ویل، ۱۳۷۰ ہکٹئر مٹی بچاؤ کے کام روبہ عمل لائے گئے ہیں اور ۵۲۵ کسانوں کو تربیت دی گئی ہے مذکورہ پروجکٹ کی سرگرمیوں کا رخ چھوٹے اور حاشیائی کسانوں اور خصوصاً کسان خواتین کی جانب موڑا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو پایا ہے آبپاشی سہولتوں کی مختص کے سلسلہ میں ان ہی قبیل کے لوگوں کو ترجیح دی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۹۵ء سے چند رہنمائی سرگرمیوں کو بھی زیر عمل لایا گیا ہے۔ مذکورہ رہنمائی سرگرمیاں سنئے پروگراموں کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتی ہیں جنہیں بعد میں مذکورہ بذات خود پروجکٹ کے تحت لے آیا جاتا ہے۔

ایک ایسی ہی سرگرمی میں فروغی تبدیلیاں لا کر اسے ۵ ہا اسپی طاقت والے ڈیزل سے چلنے والے پمپ سٹ میں تبدیل کر دیا ہے اور یہ شمالی بنگال اور ہندوستان کے دیگر حصوں میں مقبول عام ہو گیا ہے۔ تبدیلیوں والے ایک نمونہ سٹ کو اس طرح فروغ دیا گیا ہے کہ مذکورہ سٹ کے استعمال میں ڈیزل کا خرچ زیادہ سے زیادہ ۵۰ فیصد کم ہو جائے گا۔ ۶۰۰ روپئے سے بھی کم لاگت اس میں تبدیلی لانے میں آتی ہے۔ یہ ان میں پمپ سٹ کے فوٹ ویلو کو نکال دیتا ہے۔ قریب کے پانی کو ٹھنڈا کرنے کے نظام کی تشکیل کے لئے ایک پانی کے ڈرم کی اس کے ساتھ وابستگی اور ۱۱۰۰ آر پی ایم تک انجن کی رفتار میں تخفیف شامل ہیں۔ پمپ سیٹوں کی گلینڈ پیکنگ ٹھیک ٹھاک طور پر ہونی چاہئے اور اسے بہت زیادہ تنگ یا چست نہیں ہونا چاہئے۔ ان آنے والی تبدیلیوں کی لاگت کو اسے ۱۵ گھنٹے استعمال میں لائے جانے کے اندر ہی بازیافت کیا جا سکتا ہے۔ ٹیوب ویلوں میں تبدیلیاں لانے کے علاوہ چند دیگر سرگرمیاں بھی شمالی بنگال میں آبی انتظام کو بہتر بنانے کے لئے خصوصاً مختلف اقسام کی نہروں کی جانچ، اور شمالی بنگال علاقہ کے لئے فصل۔ آب کی ضرورت پر مطالعہ روبہ ترقی ہیں۔

دوسری رہنما سرگرمی خواتین جماعتوں کی تشکیل ہے۔ خواتین کی خود منتخب جماعتوں کو سات مہینوں کی مدت کے دوران فی رکن ماہانہ ۵۰ روپئے بچانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مذکورہ خواتین جماعتوں کی بچتوں کو ایک مقامی بینک میں جمع کروا دیا جاتا ہے اور پروجکٹ ہذا کے ذریعہ یہ دوگنا بن جاتے ہیں۔ سات مہینوں کی مدت کے اختتام پر یہ خواتین جماعتیں چند مشترکہ آمدنی پیدا کرنے والی سرگرمیوں کا منصوبہ بناتی ہیں یا اس فنڈ کو مقامی کریڈٹ کے طور پر استعمال میں لاتی ہیں۔ شمالی بنگال میں سرکاری تنظیمیں مطلوبہ ہنروں کی تربیت کی فراہمی مہیا کر رہی ہیں۔ اس سال ۱۵ جماعتیں قائم ہوئی ہیں اور آئندہ سال زیادہ سے زیادہ جماعتیں تشکیل پائیں گی۔ پہلی جماعتوں نے فی الحال دستہ پر مشتمل مشترکہ سرگرمیاں مثلاً آلو کی کاشتکاری اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش شروع کر دی ہے۔

اس پروجکٹ کے اہم مقاصد میں سے ایک خواتین کی روزی روز

کو بہتر بناتا ہے۔ اس ضمن میں بہت ساری سرگرمیاں روبہ عمل لائے جارہی ہے۔ ان میں سے ایک خواتین کو دستی ٹیوب ویلوں کی فراہمی ہے۔ دوسری سرگرمی زرعی جانچ پڑتال کی تنظیم ہے۔ یہ پرکھنے والے سوالات کاشتکاروں کی تعلیم کے پرکشش طریقے ہیں۔ طریقہ ہذا ۱۰۰ تا ۲۰۰ کاشتکاروں کی بھیڑ جمع کر لیتا ہے لیکن اس کی دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ ان زرعی پرکھنے والے سوالات میں حصہ لینے والی خواتین کی تعداد نسبتاً کثیر ہوتی ہے۔

ایک بات جسے پروجکٹ ہذا نے دریافت کیا ہے شمالی بنگال کے کاشتکاروں کے درمیان زرعی علم کے سلسلہ میں بڑی بلند طلب کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حال میں شعبہ زراعت نے ایک نئے قسم کی تربیت اور تجرباتی میعاد پر دھوپ گوڑی کی پنچایت سمیتی اپنے ذمہ لی ہے۔ اسکے نتائج نہایت ہی اچھے برآمد ہوئے ہیں اور فی الحال زیادہ سے زیادہ کاشتکاروں نے ایسے علاقوں میں مذکورہ تربیت کی مانگ کی ہے۔ تربیت ہذا کو کاشتکاروں کے قریب سے قریب تر لانے کا تصور بیشں سطر تھا اور اسی لئے ہر گرام پنچایت میں ایک دو روزہ تربیت شعبۂ زراعت نے دی تھی۔ تربیت ہذا کے موضوع کا تعین ان کاشتکاروں نے بذات خود کیا تھا جنہوں نے اس تربیت کی شروعات پر ترجیحی موضوعات کی فہرست ترتیب دی تھی۔

عام طور پر ہمارے یہاں زرعی توسیع کی مزید "پُرزور مانگ" کرنے کی ضرورت ہے اسی سبب کے تحت پروجکٹ ہذا نے سنریوں کی کاشتکاری پر باقیمت کتابچے بھی جاری کئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک کاشتکار جو مذکورہ کتابچہ خریدتا ہے اس کے مضامین کو یقیناً دلنشیں کر لیتا ہے۔ کتابچہ ہذا کی ۳۰۰۰ کاپیوں کی اشاعت کے ایک ماہ کے اندر ہی ساری کاپیاں فروخت ہو گئیں۔ اس ضمن میں ایسے پانچ صلاحی مراکز کھولے گئے ہیں جہاں بازار کے دنوں میں کاشتکار حضرات ایک چھوٹی سی فیس ادا کر کے صلاح و مشورہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک دوسری سرگرمی جس کا تذکرہ لازمی طور پر کرنا چاہئے فوٹ پمپوں کا فروغ ہے۔ یہ فوٹ پمپ بشمول ایک بانس کنواں کاشتکاروں کو ۵۰۰ روپئے لاگت پر مقامی مستریوں کے ذریعہ دستیاب ہیں۔ پمپ ہذا پانی اٹھانے کے لئے ہینڈ ٹیوب ویلوں کی بہ نسبت زیادہ سے زیادہ کار آمد ثابت ہوتے ہیں اور ان سے دو بیگھا قطعات آراضی کی آبپاشی کی جاسکتی ہے۔ پاؤں سے چلنے والے پمپ درحقیقت کم گہری پانی کی سطحوں والے علاقوں میں نصب کم گہرے ٹیوب ویلوں کے مقابلہ میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ پاؤں سے چلنے والے پمپ ایک این جی او کے آئی۔ ڈی۔ ای کے ذریعہ مقبول عام ہو رہی ہیں اور تنظیم ہذا ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں سرگرم عمل ہے۔ امسال جنوری سے شمالی بنگال میں ۱۰۰۰ مذکورہ پمپ فروخت ہو چکے ہیں۔ مزید برآں آنے والے سال کے دوران مغربی بنگال میں پاؤں سے چلنے والے پمپ بھی تیار کئے جائیں گے۔

■■



قدرتی نباتاتی وسائل کا تحفظ

آر کے گپتا

ھماچل پردیش کے پالم پور میں واقع دی کاؤنسل آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ (سی آئی آر) کمپلکس چائے باغات کی پیداوار کو بہتر بنانے سے لے کر پھلوں کی کاشت پر مبنی ٹکنالوجیوں کی فروغ تک کی اپنی سرگرمیوں کے ساتھ نہ صرف ہماچل پردیش کی معیشت کو مضبوط بنا رہا ہے بلکہ اتر پردیش کی معیشت کو بھی بہتر بنانے میں تعاون دے رہا ہے۔ کمپلکس ہذا سی ایس آئی آر کی واحد قومی تجربہ گاہ (لیبارٹری) ہے۔ اس کا قیام ریاست ہذا میں ۲ر جولائی ۱۹۸۳ء کو وسائل حیات کی خاطر خواہ استفادہ کی ترقی پذیر ٹکنالوجیوں کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ سی ایس آئی آر کی کمسن ترین آر اینڈ ڈی ادارہ ہے۔

پالم پور میں واقع مغربی ہمالیائی خطہ میں پھیلا ۲۲۷ ایکڑ قطعات آراضی پہاڑی علاقہ کی سائنس، باغبانی، حیاتی ٹکنالوجی، قدرتی نباتات کی پیداوار اور مغربی ہمالیائی بایوڈائورسٹی تحفظ کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ٹکنالوجی کی منتقلی کیلئے ایک اکائی اور اطلاع اور یہاں ترقی پانے والی ٹکنالوجیوں کی نشر و اشاعت کے لئے بازار بھی ہیں۔ کمپلکس ہذا نے خصوصًا کانگڑا چائے صنعت کی جلا بخشی اور ھماچل پردیش میں باغبانی کے سلسلہ میں ایک پیداواری کی تشکیل کے لئے ایک نمایاں تاثر پیدا کیا ہے۔ خوشبودار پھولوں اور دیگر خوشبودار نباتات کی کاشتکاری کو بھی اس ریاست میں کامیابانہ فروغ ملا ہے۔

کمپلکس ہذا کے چند کارہائے نمایاں چائے باغات کی بہتر انتظام کاری کی ترقی یافتہ دیہی/زرعی ٹکنالوجی ہے۔ کمپلکس ہذا کی جانب سے فروغ پانے کے بعد اس کے نتائج چائے پیداوار میں اضافہ کی شکل میں نکلے۔ ۱۹۸۵ء کے دوران ہماچل پردیش میں ۷۷،۶۱ لاکھ کیلوگرام چائے پیدا ہوا تھا۔ ۱۹۹۴ء کے دوران اسکی پیداوار میں اضافہ ہوا اور یہ بڑھ کر ۱۳۰،۰۰ لاکھ کیلوگرام ہو گیا۔ اس کی وجہ کمپلکس ہذا کی جانب سے پیش کردہ شاخوں کے کاٹنے چھانٹنے، پتیوں کے توڑنے، پودوں کی نقل پذیری، ان کو بیماری سے بچانے، گھاس پھوس صاف کرنے تغذیہ کے پہنچانے کی بہتر ٹکنالوجیاں تھا۔

ادارہ ہذا نے قومی حیثیت کے ایک "بیسٹی سائیڈ ریسی ڈیوٹسٹنگ لیبارٹری" کا قیام بھی کامیابی کے ساتھ عمل میں لایا ہے۔ یہاں ہونے والی جانچ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ کانگڑا اور دیہرہ دون کے چائے باغات کی چائے میں جراثیم معمولی مقدار میں یا جراثیم کش دواؤں کے اثرات بھی بالکل نہیں پائے جاتے ہیں۔

باغبانی

کلاڈیولس، کارنیشن، ٹیولپ، الیسٹرلیلیز، اور گلاب جیسے تجارتی طور پر اہم پھولوں کی کاشت پر مقامی طور پر زرعی/دیہی ٹکنالوجی کو مناسب فروغ دیا گیا ہے اور تجارتی طور پر اہم پھولوں کے ۲۰۰ سے زائد جرثومہ مخزنِ مایہ کے مجموعوں کی دیکھ ریکھ ہو رہی ہے۔ یہاں فروغ یافتہ کئے پست تر گلابوں کی کثیر کانٹ چھانٹ نے ہماچل پردیش جیسے پہاڑی علاقوں میں دو تا تین گنا اضافہ اس کی پیداوار میں ممکنہ طور پر کیا ہے۔

سی ایس آئی آر، پالم پور کا مقصد اول اس کی حیثیت سمجھتے ہوئے، اس کی مشکلات کو پہچانتے ہوئے اور قدرتی وسائل کے معاشی مصرف کے لئے طریق کاروں اور کلیوں کو فروغ دیتے ہوئے بایوڈائورسٹی کے ایک خود قابل تائید علاقہ کی تشکیل تھا۔ علاقہ ہذا تقریبًا ۹۰۰ اقسام نباتات بشمول ہندوستانی مغربی ہمالیاؤں کے منطقہ حارہ کا ضمنی منطقہ حارہ کا معتدل اور کوہستان الپس کے علاقہ میں پائے جانے والے پودوں سے مالامال ہے۔ علاقہ ہذا میں پائے جانے والے پودوں کی ایک فہرست تیار کی جا رہی ہے۔ پالم پور علاقہ کے پھولوں کا ایک مشاہدہ ۶۷ خانوادوں اور ۲۶۰ اقسام سے تعلق رکھنے والے پودوں کا مظہر ہے۔

ستی ورش اور رنگائی والے پودوں، خوشبودار/تیل والے گھریلو کوٹھکانے کے کام میں آنے والے، چرم صنعت میں چمڑوں کو رنگنے کے کام میں آنے والے پودوں اور نسل نباتاتی اہمیت کے حامل پودوں کی شناخت کی جاچکی ہے۔

قدرتی پودوں کی مصنوعات

ہماچل پردیش کی پہاڑیاں روزا ڈاماسینا لیونشدلا (لیونڈر) اور پولین تھیس شیوبے روزا (شیوبرونا) جیسے دیگر پودوں کی کاشت کیلئے نہایت ہی موزوں ہے۔ مذکورہ بالا اور ٹیگیٹس مینوٹا جسینم گرانڈیفلورم اور سسٹرم لاکسٹرڈوم کے قدرتی طور پیدا ہونے والے پودوں میں اعلیٰ اور بیش بہا تیل اور ادویات کے عظیم امکانات پائے جاتے ہیں۔

گزشتہ ۳-۴ برسوں کے دوران ہماچل پردیش میں تقریباً ۲۵ ایکڑ قطعہ آراضی پر پھیلے روزا کے باغ جس کی ٹکنالوجی کرافی کمپلکس میں فروغ ملا ہے وجود میں آئے ہیں۔ روزا اور ٹیگیٹس کے تیلوں کا کیمیائی جائزہ لیا جاچکا ہے اور سات سے نئے مرکبات کی شناخت ٹیگیٹس کے تیلوں میں کی گئی ہے۔

نسیج پروری اور بانسوں اور چائے کی مائکرو نسلی افزائش کے میدان میں نمایاں کامیابیاں ملی ہیں۔ کانگڑا اور کلو کے نایاب باغات کی نسیج پروری کا آغاز ہوچکا ہے۔ مگر بانس (ڈنڈرو کلیمس سٹرکٹس) میں پودوں کے اعلیٰ کلونس الوٹرو سے کمن/کوچی نسیج کو استعمال میں لاکر ان کے احیاء کو روبہ عمل لایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا پودوں کو میدانی کارکردگی کے لئے جانچا جارہا ہے۔ مقامی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے لکڑی کے چھوٹے تختے مگر بانس سے دستیاب ہوتے ہیں اور یہ سخت جاڑوں کے مہینوں میں مویشی کے لئے ہرا چارا کا واحد وسیلہ ہے۔ کمپلکس ہذا کی لیبارٹری میں نسیج پروری کے ذریعہ فروغ پانے والے پودوں کی کافی طویل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسانوں کے کھیتوں میں اُگنے والے پودوں کے برعکس ان پودوں میں پھول نہیں آتے ہیں۔ ■■

مشرقی زون کا انٹر یونیورسیٹی نوجوان تہوار

کلیانی یونیورسیٹی میں گزشتہ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۹۶ء کو مشرقی زون کا ۱۲واں انٹر یونیورسیٹی نوجوان تہوار اختتام پذیر ہوا۔ اختتامی تقریب میں وزیر صنعت و تجارت شری بدوت گانگولی اور وزیر اسکولی تعلیم شری کانتی بسواس بہ نفس نفیس موجود تھے۔

اس تہوار کا افتتاح گزشتہ ۹؍ دسمبر کو ریتک سدن میں وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی، وزیر برائے خدمات نوجوان شری مانوبیندرا کی موجودگی میں ہوا۔ اس تہوار کو ایسوسی ایشن آف انڈین یونیورسیٹی اور مرکزی شعبۂ امور نوجوان و اسپورٹس نے اسپونسر کیا۔ اس سال تہوار میں مشرقی زون کی ۲۰ یونیورسیٹی نے حصہ لیا اور شرکت کرنے والے کل ۵۰۰ نوجوان تھے۔ تہوار میں حصہ لینے والی یونیورسیٹیوں کے نام ہیں: منی پور یونیورسیٹی، پٹنہ یونیورسیٹی، رانچی یونیورسیٹی، بہرام پور یونیورسیٹی، بنارس ہندو یونیورسیٹی، رابندرا بھارتی یونیورسیٹی، جادو پور یونیورسیٹی، ودیا ساگر یونیورسیٹی، بدھان چندرا کرشی ودیالیہ، کلیانی یونیورسیٹی، روی شنکر یونیورسیٹی، ونوبا بھاوا یونیورسیٹی، بابا صاحب بھیم راؤ امبیدکر بہار یونیورسیٹی، چترا کوٹ وشوا ودیالیہ، مگدھ یونیورسیٹی وغیرہ۔

نوجوانوں نے کل ۲۱ ثقافتی مقابلوں میں حصہ لیا۔ جن میں مزاح نگاری، مغربی گیت، ہندوستانی سولو، فی البدیہ مصوری، کوئز، بحث و مباحثہ، رنگولی، گروپ نغمہ سرائی، کلاسیکی رقص، لوک گیت، موڈل سازی، کارٹون بنانا، فن خطابت وغیرہ یہ مقابلے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ چار مختلف مقامات پر ساتھ ساتھ ہوئے۔

اس نوجوان تہوار کے انعقاد کا مقصد ہمارے ثقافتی اثاثے کو جاننے اور بڑھاوا دینے نیز قومی یکجہتی، بھائی چارگی اور اتحاد کو فروغ دینے کیلئے ہمارے نوجوانوں کے درمیان بیداری اور احساس فخر پیدا کرنا ہے ■■

نذرِ

نیتاجی سبھاس چندر بوس

۱۸۹۷-۱۹۹۷



وہ ایک تھا گلِ رنگیں اور اپنا خونِ دل
نثار کر گیا رنگینیٔ چمن کیلئے!
وہ ایک مردِ مجاہد سبھاس چندر بوس
شہید ہو گیا آزادیٔ وطن کیلئے

• سالک لکھنوی

ہ روزہ کلکتہ

مغربی بنگال

نیتاجی پر خصوصی شمارہ

لد نمبر ۲۲، ۱۵ جنوری تا ۱۵ فروری ۱۹۹۷ء، شمارہ نمبر ۳تا۴

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے • نصف سالانہ : پانچ روپئے

• فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

اس خصوصی شمارہ کی قیمت ۵ روپئے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال
۱۰ واٹرلو اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۲
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext 710

کتابت : اصغر علی انصاری،

مشمولات



اداریہ





عظیم محب وطن و مجاہد آزادی نیتاجی سبھاش چندر بوس کی شخصیت ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کی نظر میں قابلِ صد احترام ہے۔ انھوں نے ملک و قوم کی ترقی و آزادی کے کاز کیلئے اپنے آپکو کلّی طور پر وقف کر دیا تھا۔ ان کی بے لوث خدمات و بے مثال قربانیوں کو کوئی بھی وطن پرست نظر انداز نہیں کر سکتا۔

ہم مغربی بنگال کے اس خصوصی شمارے کی اشاعت کے ذریعہ ملک و قوم کے اس عظیم سپوت کو دلی خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ یہ خصوصی شمارہ ریاستی حکومت کے زیرِ اہتمام سال بھر کے ان سلسلہ وار پروگراموں کی کڑی ہے جو ان کے جشنِ صد سالگرہ منانے کے لئے مرتب کئے گئے ہیں۔

اس شمارے میں چند مضامین کے علاوہ زیادہ تر ایسے مضامین کے تراجم ہیں جو حکومت مغربی بنگال کے ترجمان "ویسٹ بنگال" اور "پچھم بنگا" میں اشاعت کیلئے انگریزی یا بنگلہ میں دستیاب ہوتے۔ اسمیں شامل کئی مضامین و منظومات و تصاویر حوالہ جاتی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اردو میں کئی مضامین پی آئی بی و دیگر وسائل سے حاصل کئے گئے۔ ان مضامین کیلئے ہم ان کے قلمکاروں اور پبلشروں کے مشکور ہیں۔

ہم نیتاجی کے ان قریبی ساتھیوں، ممتاز اسکالروں، سماجی و سیاسی مدبروں کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہیں جنکی نگارشات کی شمولیت سے اس شمارے کو جاذبیت و دستاویزی حیثیت بخشا جا سکا۔

اس شمارے میں شامل مضامین، منظومات و دیگر نگارشات میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اہلِ قلم حضرات کے اپنے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ البتہ اس شمارے میں کوشش یہ ضرور کی گئی ہے کہ مختلف نگارشات کے حد و خال میں نیتاجی کی شخصیت کے بیشتر پہلو اجاگر ہو جائیں۔ یہ شمارہ آپکی خدمت میں حاضر ہے۔ امید کہ آپکو پسند آئے گا۔

محمد مصطفیٰ (اکبر)

ریاست میں نیتاجی کا جشن صد سالگرہ منایا گیا



ریاستی گورنر مسٹر رگھوناتھ ریڈی وزیر اعلیٰ جیوتی باسو ۲۳ جنوری ۱۹۹۷ کو دیگر مہمانوں کے ساتھ گلپوشی کے بعد تقریب میں

کلکتہ ۲۳ جنوری (یو این آئی) بنگال کے مختلف حصوں میں جوش و خروش کے ساتھ نیتاجی سبھاش چندر بوس کی صد سالہ تقریبات منائی گئیں۔ [illegible] ۱۲ [illegible] ریاستی حکومت اور نیتاجی صد سالگرہ مرکزی تقریبات کمیٹی کے اشتراک سے کلکتہ ریڈ روڈ میں نیتاجی کے عظیم مجسمہ کے نیچے اصل تقریب کا انعقاد ہوا۔ نیتاجی کے مجسمہ پر گلہائے عقیدت چڑھا کر تقریب کا آغاز کیا گیا۔ اس موقع پر ریاستی گورنر مسٹر کے وی رگھوناتھ ریڈی، وزیر اعلیٰ مسٹر جیوتی باسو، ریاستی وزیر برائے اطلاعات و ثقافتی امور و داخلہ (پولیس) مسٹر بدھا دیب بھٹاچاریہ، وزیر نقل و حمل مسٹر جی ویکاش رمن نیتاجی صد سالگرہ تقریبات کمیٹی کے چیئرمین مسٹر پرسنتا داس گپتا، ریاستی وزیر زراعت و فارورڈ بلاک کے لیڈر مسٹر نورین دے، ریاستی وزیر نقل و حمل و اسپورٹس مسٹر سبھاش چکرورتی، ریاستی وزیر آبپاشی مسٹر دیبابرتو بندوپادھیہ، وزیر ترقیات آبی وسائل مسٹر ندو گوپال بھٹاچاریہ، وزیر پارلیمانی امور مسٹر پربودھ سنہا، فائر سروس کے وزیر مسٹر پرتم چٹرجی، بنگو بندھو شیخ مجیب الرحمٰن کی بیٹی شریمتی شیخ ریحانہ اور ریاستی چیف سکریٹری مسٹر ایس مجمدار اور دیگر ممتاز شخصیتوں نے نیتاجی کے مجسمہ پر گلہائے عقیدت پیش کیے۔

اس موقع پر منعقدہ تقریب میں ریاستی گورنر مسٹر کے وی رگھوناتھ ریڈی نے اپنی تقریر میں اس دن کو تاریخی دن قرار دیتے ہوئے نیتاجی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے جدوجہد آزادی میں نیتاجی کی عظیم خدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے نیتاجی کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے عوام سے اپیل کی کہ وہ بھی ملک کے عظیم قومی رہنما کی قربانیوں، ایمانداری اور سیکولر خیالوں پر چلیں۔

مرکزی وزیر نقل و حمل شری وینکٹ رمن نے کہا کہ موجودہ حالت میں ہندوستان کو پھر ایک نیتاجی کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان کو ایک سماجی نظریہ قائم کرنے کے لئے نیتاجی سبھاش چندر بوس کے کارناموں سے بہت مدد مل سکتی ہے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نیتاجی تنگ نظری اور بنیاد پرستی کے خلاف تھے۔ انھوں نے کہا کہ نیتاجی کی صحیح قدر نہیں ہوئی ہے۔ ان کے کارناموں پر از سرِ نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی غیر مصالحانہ حب الوطنی، سامراجیت کے خلاف جد و جہد اور قومیت پسندی کے جذبے آئندہ نسل کو متحرک کریں گے۔ نیتاجی کے نظریۂ زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ نیتاجی ہمیشہ کسانوں اور مزدوروں اور محنت کش عوام کی حمایت میں تھے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اعلان کیا کہ اسی سال مغربی بنگال میں نیتاجی سبھاش چندر بوس کے نام پر ایک کھلی یونیورسٹی قائم کی جائے گی۔

اس موقع پر بنگو بندھو شیخ مجیب الرحمٰن کو بعد از مرگ پہلا نیتاجی ایوارڈ پیش کیا گیا جسے شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم کی چھوٹی بیٹی شریمتی شیخ ریحانہ نے ۵۰ ہزار کی رقم کے ایک چیک اور چاندی کی یادگار کی صورت میں قبول کیا۔ یہ ایوارڈ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے ہاتھوں سے دیا۔ اس کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم کی ایک شبیہ پیش کی گئی۔

شریمتی ریحانہ نے اپنے والد مرحوم کو دیئے گئے بعد از مرگ ایوارڈ لیتے ہوئے اپنی تقریر میں نیتاجی سبھاش چندر بوس کو دلی خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس عظیم موقع پر آپ نے ہمارے عظیم والد محترم اور بنگلہ دیش کے قومی رہنما شیخ مجیب الرحمٰن کو جو خراج اعزاز بخشا ہے اس کے لئے حکومت بنگلہ دیش کی طرف سے میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

انھوں نے نیتاجی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی حب الوطنی اور پختہ شعوری اور سیاسی دور اندیشی اور غیر فرقہ پرست نظریہ کی وجہ سے تاریخ کے اوراق میں وہ بنگال کے بہادر نیتا کی حیثیت سے ہمیشہ امر ہو گئے ہیں۔

انھوں نے دونوں ممالک کے پرانے تعلقات کو دہراتے ہوئے کہا کہ نیتاجی کی تحریک آزادی اور قربانیوں سے بنگلہ دیش کے نوجوانوں کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے سیکولر نظریہ اور ان کی ہمہ جہت شخصیت نے دونوں ملکوں کے کروڑوں لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ بنگو بندھو شیخ مجیب الرحمٰن کو نیتاجی کی قربت نصیب ہوئی تھی اور وہ نیتاجی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

انھوں نے مزید کہا کہ ان دو عظیم لیڈروں کی اصولوں کی روشنی میں ہمیں راہ چلنا آسان ہو جائے گا۔

اس موقع پر نیتاجی صد سالہ مرکزی تقریبات کمیٹی کے چیئرمین شری پرسنتا داس گپتا نے اپنی تقریر میں نیتاجی کی جدلیاتی زندگی کے مختلف ابواب کے اوراق الٹتے ہوئے نیتاجی کو اس صدی کا محبوبہ بتایا۔

اس موقع پر ریاستی وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے بنگلہ سرکاری رسالہ پچھم بنگا کا نیتاجی نمبر اور ایک اوڈیو کیسٹ ''چیرد کالیر نیتاجی'' کا اجراء کیا۔ اور ان کی ایک ایک کاپی ریاستی گورنر رگھوناتھ ریڈی، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو پیش کیا۔

اس موقع پر کانگریس لیجسلیٹو پارٹی کے لیڈر شری اتیش سنہا، کلکتہ کارپوریشن کے میئر شری پرسنتا چٹرجی کے علاوہ دیگر معزز ہستیاں بھی موجود تھیں اس دن تقریری پروگرام کے بعد ۱۲ بجکر ۱۵ منٹ پر سائرن بجا کر انکے یوم پیدائش کی گھڑی کا اعلان کیا گیا۔ جابجا سنکھ بجا کر اور جلسہ گاہ اور دیگر تھانوں میں پولس نے رائفل سے خالی گولیاں چلا کر نیتاجی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ نیتاجی کے مجسمہ کے قریب ریڈ روڈ میں فرنٹیر رائفلس، ریاستی پولس، کلکتہ پولس، ایس سی سی، رانی جھانسی کا دستہ، بورڈر سیکوریٹی فورس، سی آئی ایس ایف، انٹیلیجنس پولس، سی آر پی ایف اور فوجی دستوں نے پریڈ میں حصہ لیا۔ ہزاروں طلبا و طالبات نے صبح ہی سے حب الوطنی پر مبنی گیت گائے، سڑکوں پر ڈھول تاشے بجائے اور اپنے رنگا رنگ پروگرام کے ساتھ

پریڈ میں حصہ لیا۔

نیتا جی کے سالگرہ کے موقع پر متعدد سیاسی و سماجی تنظیموں کے علاوہ متعدد دبنگا ہوں سے خون عطیہ کیمپ کا انعقاد کیا۔ ان کے علاوہ متعدد جگہوں پر میٹنگ، جلسہ جلوس، سیمنار اور ثقافتی پروگرام پیش کئے گئے۔ عام لوگوں نے اس تاریخی موقع پر اپنے مکانوں کو چراغاں کیا۔ ان کے علاوہ متعدد سرکاری مقامات کو قمقموں کی رنگ برنگ روشنیوں سے سجایا گیا۔ اسی دن نیتا جی کے کدالیا کی رہائش گاہ میں بھی ایک تقریب منائی گئی۔

ریاستی گورنر شری رگھوناتھ ریڈی نے اسی دن بین الاقوامی نیتاجی سالگرہ کمیٹی کی جانب سے منعقدہ ایک تقریب میں نیتاجی کے کارناموں پر مبنی کتابیں پیش کی گئیں۔

اسی دن شام کو مہاجتی سدن میں حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور ریاستی شعبۂ تعلیم کے زیر اہتمام ایک جلسۂ تقسیم انعامات اور دلکش ثقافتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت شعبۂ زراعت شری نرین دے نے کی۔ اور مہمان اعلیٰ کی حیثیت سے وزیر اطلاعات شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے وزیر اسکولی تعلیم شری کانتی بسواس شرکت فرما ہوئے۔ تقریب کا آغاز قومی اور حب وطنی پر مبنی گیتوں سے ہوا۔ اس کے بعد "نیتاجی کو کیوں یاد کریں" اور "نیتاجی کی آزاد ہند فوج" کے عنوانات سے مضمون نویسی کے مقابلوں میں کامیاب ہونے والے ریاستی اسکولوں کے طلبا و طالبات کو شری کانتی بسواس کے ہاتھوں انعام تقسیم کئے گئے۔ اس کے بعد مشہور فنکار شری ارگھو سین نے حب وطن پر مبنی رابندرا سنگیت پیش کئے۔ سب سے آخر میں لوک رنجن شاکھا کے فنکاروں نے شری جوچھن دستی دار کے زیر ہدایت اتپل دتہ کا مشہور ناٹک "دلّی چلو" اسٹیج کیا۔ علاوہ ازیں حکومت مغربی بنگال کے زیر اہتمام متعدد پروگراموں کے ذریعہ نیتاجی کو سال بھر خراج عقیدت پیش کیا جائے گا۔

■■



حکومت بنگلہ دیش کی طرف سے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم کی شبیہ پیش کی جا رہی ہے۔



دیش نائک

رابندرا ناتھ ٹیگور

سبھاش چندر!

میں بنگال کے شاعر کی حیثیت سے تمھیں عوام کے رهنما کے معزز مقام کے لئے مدعو کرتا هوں۔ همیں گیتا کی مقدس یقین دهانی حاصل هے کہ وقت بوقت نیکی کے اوتار بدی کی مملکت کو للکارنے کیلئے نمودار هوتا هے۔ جب بدقسمتی تمام جهتوں سے قوم کی زندہ روح پر ضرب کاری کرنے کیلئے آمڈ آتی هے تو اندر سے اس روح کی اندوهناک چیخ اپنے بچاؤ کیلئے آزادی کے مسیحا کو پکارتی هے۔

اندرونی و بیرونی دونوں شر انگیز قوتوں کی متحدہ سازش سے بیزار هو کر هم ان کے حملے سے خود کو بچانے اور بحال کرنے کی اهم قوت کو روز بروز نمائع کرتے رهتے هیں۔

ملک گیر بحران کی صورت میں همیں ایسی شخصیت کی خدمات، ایسے پیدائشی رهنما کی مصمم اعتماد کی ضرورت هوتی هے جو هماری ترقی کو درپیش بدنصیبی کے خلاف مقابلہ کر سکتا هے۔

سبھاش چندر! میں نے صبح کی پو دیکھی هے جس نے تمهاری سیاسی سادهنا کے آغاز کو دیکھا هے۔ اس غیر یقینی دهندلکے میں تمهارے متعلق همارے دل میں شک پیدا هوا تم پر مکمل طور پر بھروسہ کرنے میں جھجھک محسوس هوئی۔ آج تم جس روشنی میں نمودار هوئے هو اس میں غلط فہمی کی مزید کوئی گنجائش نہیں رهی۔ دوپہر کی دهوپ میں تمهاری پهچان نمایاں هے۔ ان دنوں تم بهت سے تجربوں کا مشاهدہ کرنیکے کیلئے یکتا ذهن کے ساتھ سامنے آئے هو۔ آج تم ذمہ داری لینے کیلئے پختہ ذهن اور بلند حوصلہ ساتھ لائے هو۔

اس قوت کا امتحان جیل کی صعوبتوں، جلاوطنی اور بیماری کے زیر سایہ هوا هے لیکن ان سب سے تم مغلوب نہیں هوئے بلکہ انهوں نے تمهارے دل کو وسیع تر کر دیا هے، تمهاری بصیرت کو لے گیا هے ملک کی سرحد کے پار تاریخ کے دور وسیع تناظر میں۔ غم کو تم نے گنجائش میں بدل دیا هے۔ رکاوٹوں کو تم نے زینہ بنا لیا هے، وہ اسلئے ممکن هوا هے کہ تم نے کسی بھی شکست کو حقیقت کا روپ نہیں مانا هے......

(ایک اقتباس نئے بنگلہ سپاس نامے سے ترجمہ) ▪▪



نیتاجی : ایک خراجِ عقیدت

مہاتما گاندھی

سب سے عظیم سبق جو ہم نیتاجی کی زندگی سے حاصل کرتے ہیں وہ ہے ان کا [illegible] ایسے لوگوں کے میاں اتحاد کی روح پیدا کی تاکہ وہ تمام مذہبی اور صوبائی حیثیت سے بالاتر ہو سکیں اور یکساں طور سے [illegible] کر سکیں۔ ان کا یہ انوکھا کارنامہ ہمیشہ تاریخ کے اوراق میں یقیناً [illegible] رہے گا۔ نیتاجی کے معتقد یہ مانتے ہیں جس نے ہندوستان میں ان کی آمد کا منتظر تھے دیکھے۔ ملاقات میں مجھ سے لگ کر نیتاجی کا اثر ان لوگوں پر ایک جادو کی طرح ہوتا ہے اور وہ لوگ ہندوستان کی آزادی کے حصول کے واحد مقصد کے لئے ان کے تحت عمل کرتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں مذہبی اور صوبائی یا ایسا کسی طرح کا تفریق ہرگز جنم نہیں لیتا۔

نیتاجی زبردست قابلیت اور صلاحیت کے مالک تھے۔ اس وسیع قابلیت و ذہانت کی وجہ سے انھوں نے آئی سی ایس کا امتحان پاس کیا لیکن ملازمت نہیں کی۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد وہ دیش بندھو داس کے زیر اثر آ گئے اور کلکتہ کارپوریشن کے چیف ایگزیکیوٹیو آفیسر ہوئے۔ بعد میں وہ دوبارہ کانگریس کے صدر ہوئے لیکن سب سے اہم کارنامہ رہا بیرون ہندوستان میں ان کی سرگرمیاں، جو وہ ملک سے چھپ چھپا کر بچ نکلے اور کابل، اٹلی، جرمنی اور دیگر ملکوں سے گزرتے ہوئے آخر میں جاپان پہنچے۔ باہر والے جو بھی سوچتے ہوں، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ ہندوستان میں آج کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو یہ سوچتا ہو گا کہ ان کا چھپ چھپا کر بچ نکلنا کوئی مجرمانہ عمل تھا۔ جیسا کہ تلسی داس نے کہا ہے کسی حقیقی جلیل القدر کے ساتھ کوئی غلطی منسوب نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے بچ نکلنے کے لئے نیتاجی کے نام پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ جب انھوں نے پہلی بار اپنی فوج کھڑی کی تو اس کی تعداد و شمار کے بارے میں نہیں سوچا۔ انھوں نے سوچا کہ تعداد کچھ بھی ہو وہ ہندوستان کی آزادی کے لئے حتی الامکان کوشش کرنا ضروری سمجھےگی۔

نیتاجی کی عظیم ترین اور دیرپا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے ذات پات اور طبقات کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا۔ وہ صرف بنگالی نہیں تھے۔ انھوں نے خود کو کبھی بھی اونچی ذات کا ہندو نہیں سمجھا۔ وہ اول و آخر ہندوستانی تھے۔ مزید برآں انھوں نے اپنے زیر اثر تمام افراد کو اسی جوش و خروش کے ساتھ متشکل کیا اور اس طرح وہ لوگ ان کی موجودگی میں تمام امتیازات کو بھول گئے اور ایک ہو کر عمل پیرا ہوئے۔

۲۳ جنوری ۱۹۴۷ء

(انگریزی سے ترجمہ)



سبھاش چندر بوس

مولانا ابوالکلام آزاد

۲۶ جنوری ۱۹۴۱ء کو یہ خبر منظر عام پر آئی کہ سوبھاش چندر بوس ہندوستان سے روپوش ہو گئے۔ تقریباً ایک سال تک ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں برلن ریڈیو سے ان کی ایک تقریر نے تمام شبہات کا خاتمہ کر دیا۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ جرمنی پہنچ چکے ہیں اور انگریزوں کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ اسی اثنا میں جاپان نے ہندوستان پر انگریزی تسلط کے خلاف زور و شور سے پروپگنڈہ شروع کر دیا۔ جاپان اور جرمنی کے اس مسلسل پروپگنڈہ نے ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ بہت سے لوگ جاپان کے مواعید سے متاثر ہوئے اور یقین کر لیا کہ جاپان ہندوستان کی آزادی اور ایشیا کے استحکام کیلئے مصروف عمل ہے۔

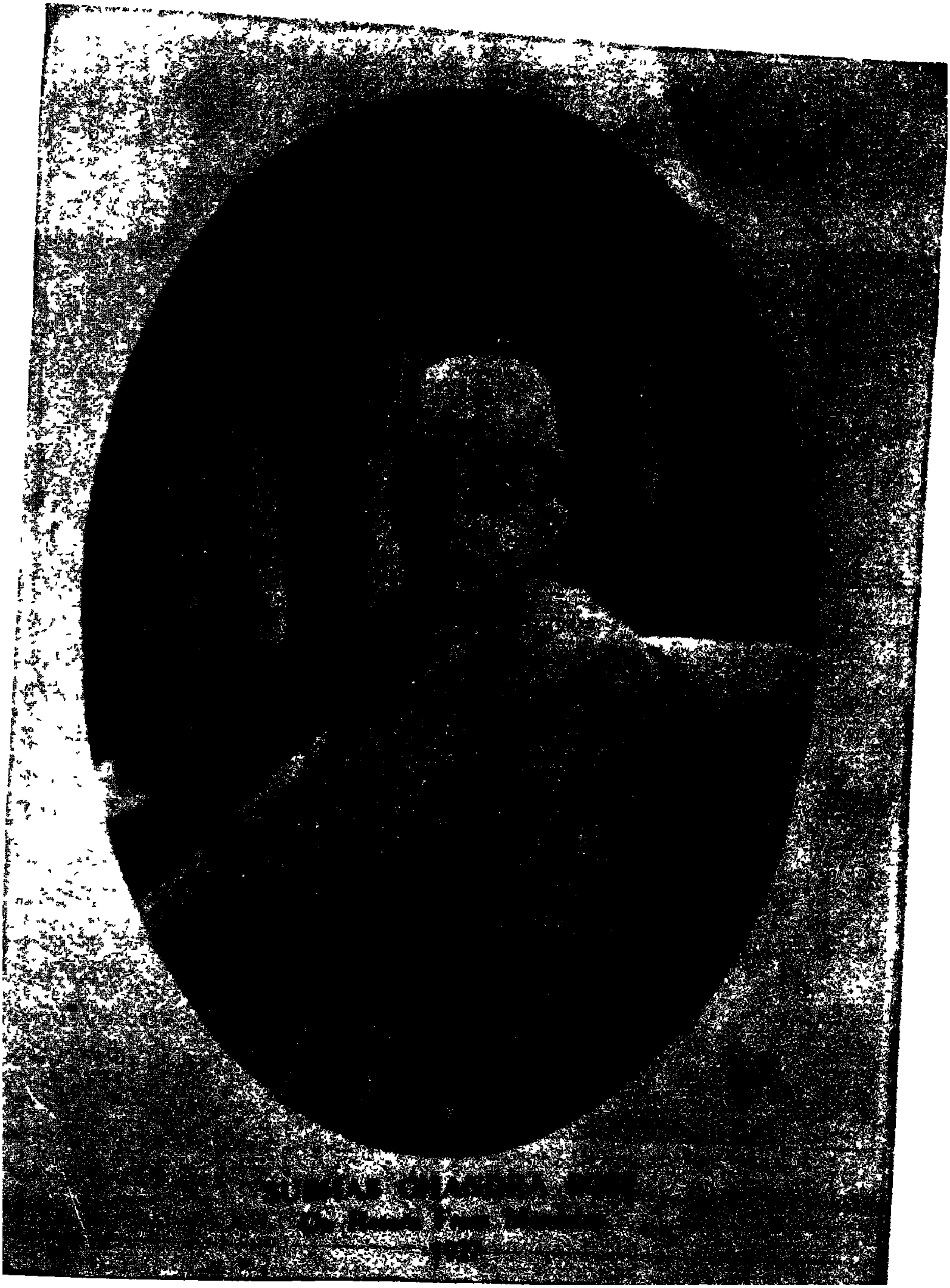
.... میں نے یہ بھی دیکھا کہ ہندوستان سے سوبھاش چندر بوس کا جرمنی پہنچ جانا گاندھی جی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوا تھا اس سے پہلے وہ بوس کی بہت سی سرگرمیوں کی مخالفت کر چکے تھے لیکن اب ان کا نظریہ بدل گیا تھا۔ وقتاً فوقتاً بوس کے بارہ میں جس طرح کے فقرے وہ استعمال کرتے تھے اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بوس کی ہمت اور جذبۂ عمل سے بہت متاثر ہیں۔ خاص طور پر ہندوستان سے ان کا صحیح سلامت نکل جانا ایسا کارنامہ تھا جس کی تعریف کرتے بھی نہیں تھکتے تھے۔ جب وہ سوبھاش چندر بوس کی تعریف کرتے تھے تو غیر محسوس طور پر ان کے خیالات جنگ کے بارے میں بھی یہی اختیار کر لیتے تھے۔



ہری پورہ ۱۹۳۸ء

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

اقتباس: "انڈیا ونس فریڈم" (آزادیٔ ہند سے)





نیتاجی: ایک تعارف

ایس اے آئیر

سبھاش چندر بوس کی زندگی میں پیش آنے والے اہم واقعات میں سے ایک جو فوراً ذہن میں آتا ہے، وہ دوسری جنگ عظیم کے دوران، ۱۷ جنوری ۱۹۴۱ء کی صبح کو ان کا ڈرامائی طور پر غائب ہو جانا اور دس ہفتے بعد جرمنی پہنچنا ہے۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں انہوں نے اپنے برطانوی حکمرانوں کو مرن برت رکھنے کی دھمکی دے کر جیل سے رہائی حاصل کر لی تھی۔ اس کے بعد چند ہفتوں تک انہوں نے اپنے آپ کو اپنے الگن روڈ والے مکان میں بند رکھا۔ اس طرح کہ کسی بھی ملاقاتی سے نہیں ملے۔ اس دوران داڑھی چھوڑ دی تاکہ پہچانے نہ جا سکیں اور اپنا مانوس چشمہ لگانا بھی ترک کر دیا۔

برطانوی سی آئی ڈی کے مخبروں کو چکمہ دے کر جو اردگرد کے تمام گوشوں سے جن میں پیڑ بھی شامل ہیں، چوبیس گھنٹے چوکسی سے پہرے دے رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں چپکے سے ایک مولوی کی صورت میں نکلے اور کار میں بیٹھ کر غائب ہو گئے۔ ان کا بھتیجا سسیر کمار بوس کار چلا کر انہیں دو سو میل دور گوماہ کے ریلوے اسٹیشن تک لے گیا تھا۔ کیونکہ کلکتہ کے ریلوے اسٹیشنوں پر سخت پہرہ تھا گوماہ سے انہوں نے پشاور کی گاڑی پکڑی۔ اپنے سفر کے دوران انہوں نے اپنے آپ کو ایک انشورنس ایجنٹ بتایا اور کہا کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں سفر کر رہے ہیں۔

سبھاش اور ان کے ہندو رفیق سفر پشاور سے کابل تک ہندوستان اور افغانستان کے درمیانی قبائلی علاقہ میں پٹھانوں کے لباس میں رہے۔ ہند و افغان کی سرحد پر پاسپورٹ اور کسٹم کے افسروں سے بچنے کے لئے صبر آزما اور اذیت ناک مرحلوں سے گزرتے ہوئے سبھاش اور ان کے رفیق سفر افغانستان کی سخت سردیوں کی ایک شام کو تھکن سے چور اور نڈھال کابل میں داخل ہوئے۔

کابل کے قیام کے دوران سبھاش کے رفیقوں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ ان کے گونگے بہرے بھائی ہیں جن کو وہ مقدس زیارت گاہوں کی زیارت کے لئے لے جا رہے ہیں۔ افغانستان کی راجدھانی میں اپنے قیام کے آخری دنوں میں سبھاش افغانی لباس میں رہنے لگے تاکہ شہر کے بازاروں میں وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بنیں۔ کابل کے دو ماہ کے زمانہ قیام میں ناقابل بیان مشکلات، تکلیفوں، محرومیوں، پریشانیوں، تذبذب اور ذہنی و جسمانی اذیتوں سے گزر کر سبھاش ماسکو کی راہ سے اپریل ۱۹۴۱ء کے اوائل میں برلن کے جائے امان میں پہنچے۔

سبھاش چندر بوس کی ہندوستان سے ڈرامائی روپوشی ایک منصوبہ کے مطابق عمل میں آئی جسے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد

میں ایک بڑے موڑ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف بیرون ملک سے مسلح امداد ہی برطانوی سامراج کو ہندوستان کی سرزمین سے نکال سکتی ہے اور یہی ان کی مہتم بالشان حکمت عملی بھی تھی۔ اسی حکمت عملی کے خاکہ میں ملک کی آزادی کے تمام نقشے ان کے ذہن میں بن رہے تھے۔ بدلتے ہوئے عالمی حالات کی روشنی میں گاہے گاہے ان نقشوں میں تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں لیکن اپنی اس حکمت عملی کو انہوں نے کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ وہ روس میں رہ کر کام کرنا چاہتے تھے لیکن ایک عملی انسان ہونے کی وجہ سے انہوں نے جرمنی میں رہ کر کام کرنے پر قناعت کی۔ انہوں نے برلن میں ایک "فری انڈیا سنٹر" قائم کیا اور جرمنی کی سرزمین پر "فری انڈیا آرمی" کی تنظیم کی۔ مشرقی ایشیا میں انہوں نے جو عظیم کامیابیاں حاصل کیں، یہ سب اس کے ریہرسل کی حیثیت رکھتا تھا۔

۱۹۴۳ء میں آبدوز کے ذریعہ تین ماہ کا سفر کر کے جرمنی سے جاپان پہنچے وہاں جاپانی حکومت نے ان کی ہر ممکن امداد کی یقین دہانی کی۔ انہوں نے مشرقی ایشیا میں ہندوستان کی آزادی کی تحریک اور آزاد ہند فوج کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لی اور آزادی کی فوج کے ساتھ برما ہند سرحد کو پار کیا۔ آزاد ہند فوج نے ۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو سرحد پار کی اور ۱۴ اپریل کو منی پور میں موئرانگ مقام پر ہندوستانی ترنگا لہرا دیا۔ اس کے بعد ہی آزاد ہند فوج کو پسپا ہونا پڑا۔ برمائی موسلادھار برسات نے آزاد ہند فوج کو تہس نہس کر دیا۔ سامان اور خوراک کی بہم رسانی کی لائنیں بھی منقطع ہو گئیں۔ آزاد ہند فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ ملیریا اور پیچش کے موذی امراض نے سپاہیوں کو نڈھال کر دیا۔ دشمن نے رنگون کی طرف پیش قدمی کی۔ اپریل ۴۵ء میں نیتا جی رنگون سے اور اگست میں جب مشرقی ایشیا کی جنگ کا خاتمہ ہو گیا تو وہ سنگاپور سے پیچھے ہٹ گئے۔ ۱۷ اگست کو نیتا جی سائگون میں ایک بمبار طیارہ پر سوار ہوئے۔ یہ ان کی آخری پرواز تھی۔ مشرقی ایشیا میں آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کو برطانوی حکومت نے قید کر لیا۔ وہ ہندوستان لائے گئے اور پھر دلی کے لال قلعہ میں آزاد ہند فوج پر مشہور تاریخی مقدمہ چلا۔ مقدمہ کے بعد سارے ملک میں جو ہلچل اور ہنگامہ ہوا اس نے برطانوی حکمرانوں کو لرزا دیا۔ اور انہوں نے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء کو سنگاپور سے روانہ ہوتے وقت نیتا جی سبھاش چندر بوس نے آزاد ہند فوج کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے جو احکام جاری کئے ان میں انہوں نے اپنے سپاہیوں سے کہا: "دہلی کو جانے والا راستہ ایک نہیں کئی ہیں۔ اور دہلی پہنچنا اب بھی ہمارا نصب العین ہے"۔ انہوں نے آخر میں اس اعتماد کا اظہار کیا کہ "ہندوستان جلد ہی آزاد ہو کر رہے گا"۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہو گیا لیکن ملک کی تباہ کن تقسیم کے ساتھ۔

بچپن اور اسکول کے دن

سبھاش ۲۳ جنوری ۱۸۹۷ء کو کٹک (اڑیسہ) میں پیدا ہوئے۔ جو ان کے والدین جانکی ناتھ اور پربھاوتی بوس کا وطن تھا۔ سبھاش ان کا چھٹا لڑکا اور نواں بچہ تھا۔ سبھاش کے خاندان کی کچھ روایات تھیں۔ اسکی تاریخ ۲۷ سیڑھیاں پیچھے دسرتھ بوس تک پہنچتی تھی جنہوں نے دکشن راڑہی یعنی جنوبی بنگال کے بوس خاندان کی بنیاد رکھی تھی۔ اس خاندان کا ایک وارث کلکتہ کے نزدیک ماہی نگر میں آباد ہو گیا جو ماہی نگر کے بوس کہلائے۔ باپ کی طرف سے ان کے ایک جد امجد گوپی ناتھ اس عہد کے بنگال کے حکمران کے وزیر مالیات و جنگ تھے اور ایک دوسرے بزرگ گوپی ناتھ ایک اور بادشاہ کے وزیر مالیات اور بحری کمانڈر تھے۔

جانکی ناتھ کے چار بیٹے تھے جن میں سب سے چھوٹے جانکی ناتھ، سبھاش چندر بوس کے والد تھے۔ سبھاش چندر بوس کی ماں پربھاوتی سنہالی کلکتہ کے علاقہ ہٹکھولا کے دت خاندان سے تھیں۔ ان کا خاندان لڑکیوں کی شادی کیلئے لڑکوں کے دانشمندانہ انتخاب کے لئے مشہور تھا۔ پربھاوتی سے شادی کیلئے جانکی ناتھ کو اپنا انتخاب سے پہلے سخت آزمائش سے گزرنا پڑا۔

سبھاش نے اپنے بچپن میں کٹک کو اپنی طبیعت کے مطابق پایا۔ ایک کھاتے پیتے متوسط گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ لیکن ان کے والدین بچوں کی پرورش سادہ ڈھنگ سے کرنے پر اعتقاد رکھتے تھے۔ آٹھ بڑے اور پانچ چھوٹے بھائی بہنوں کی موجودگی نے حساس سبھاش کو نفسیاتی طور پر متاثر کیا۔ انھیں محسوس

ہوا گویا گھر میں ان کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ کبھی کبھی وہ سب کے درمیان اپنے آپ کو کھویا کھویا اور تنہا محسوس کرتے۔ بڑے بھائی بہن سبھاش کیلئے ایک چنوتی تھے کہ کس طرح وہ ان کے برابر پہنچیں۔ وہ چاہتے تھے کہ والدین سے ان کا زیادہ قریبی تعلق قائم ہو لیکن ان کے والد مزاجاً الگ تھلگ رہنے والے آدمی تھے اور ان کی ماں گھریلو معاملات میں مصروف رہا کرتی تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ ایک بھرے پُرے کنبہ میں پرورش پانے سے سبھاش کے ذہن میں کشادگی پیدا ہو گئی لیکن شرمیلا پن اور کم اختلاطی جو ان کی فطرت کا خاصہ تھی کم و بیش ساری زندگی ان کے مزاج کا حصّہ بنی رہی۔

سبھاش پانچ سال کی عمر میں کٹک کے ایک انگریزی اسکول میں داخل ہوئے۔ اسکول یورو پین طرز کا تھا۔ سبھاش کو دھیرے دھیرے دو مختلف دنیاؤں کا احساس ہوا۔ ایک دنیا وہ تھی جس کی نمائندگی ان کا ہندوستانی گھر اور سوسائٹی کرتی تھی اور دوسری دنیا ان کے اسکول کی تھی جو انگلستان کے نمونہ پر تھی۔ اسکول میں انھیں نسلی امتیاز کا بھی احساس ہوا جہاں انگلو انڈین بچوں کو ایسی سہولتیں حاصل تھیں جن سے ہندوستانی بچے محروم تھے۔ بعد میں وہ ایک ہندوستانی اسکول میں داخل ہوئے جہاں اپنی عمر کے اس نازک دور میں پہلی بار وہ ایک شخصیت سے متاثر ہوئے۔ وہ تھے ان کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر بینی مادھو داس۔ انھوں نے سبھاش کو بے پناہ متاثر کیا اور یہ اسکول ان کے لئے ہندوستانی طرز حیات کا نمونہ بن گیا۔ سبھاش اب پڑھنے لکھنے میں محو رہنے لگے۔ کھیل کود، اسپورٹ اور جسمانی ورزش وغیرہ سے انھیں دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبل از وقت ذہنی پختگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔

سبھاش اپنے اندر ایک طرح کی کشمکش پہلے ہی محسوس کرنے لگے تھے۔ زندگی میں انھیں کیا کرنا ہے؟ کیا بننا ہے؟ اس کا فیصلہ وہ نہیں کر سکتے تھے۔ والدین کی طرف ان کے رویہ میں بڑی تبدیلی پیدا ہونے لگی اور اب بے چون و چرا ان کی فرماں برداری کرنا سبھاش کے بس میں نہ تھا۔ انھیں محسوس ہوا کہ ان کے رویہ میں سرکشی کے آثار ہیں۔ وہ دور دور تک سیر کرنے نکل جاتے اور ہم خیال لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کرتے۔

...... سولہ سال کی عمر میں سبھاش کو گاؤں کی تعمیر نو کا تجربہ ہوا۔ اسکول میں انھوں نے کسی طرح کی سیاسی بصیرت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان کا میدان دوسری طرف تھا۔ گو کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس کے بارے میں اپنے بڑے بھائیوں سے سنتے رہتے تھے لیکن اس سے متاثر بالکل نہیں تھے۔ اس گھر میں بچوں کے لئے سیاست شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن ان کے بھائی کمروں کی دیواروں پر انقلابیوں کی تصویریں لگاتے تھے۔

...... ۱۹۱۳ء میں سولہ سال کی عمر میں سبھاش نے کٹک سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور کلکتہ یونیورسٹی میں انھیں دوسری پوزیشن حاصل ہوئی۔ انھیں فوراً کلکتہ روانہ کر دیا گیا۔ لیکن سبھاش نے پہلے ہی اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ پامال راستہ پر چلنے کیلئے تیار نہ تھے خود اپنے روحانی فلاح اور انسانیت کی بہبود ان کا آدرش تھی۔

ہندوستان اور انگلستان کے کالجوں میں

کالج کی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے محسوس کیا کہ زندگی کے ایک معنی ہیں، ایک مقصد ہے۔ ذہن اور جسم کی مسلسل تربیت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ذاتی نظم و ضبط پر بھی زور دیا، جس نے ساری زندگی انھیں توانا اور چست بنائے رکھا۔ اپنی کٹک کی عادتوں کو ترک نہ کر کے سبھاش نے کلکتہ میں اپنے گرد سرکش نوجوانوں کا ایک حلقہ بنا لیا اور ان کا یہ گروپ اپنے ظاہری کٹر رویّے کی وجہ سے کالج کی توجہ کا مرکز بن گیا لیکن یہ لڑکے بالکل بے پرواہ رہے۔

...... ۱۹۱۵ء میں سبھاش نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور بی اے (آنرز) فلسفہ میں داخلہ لیا لیکن سال کے شروع میں کالج میں ہونے والے ایک واقعہ کے نتیجہ میں انھیں کالج سے نکال دیا گیا۔ اِی۔ ایف۔ اوٹن نام کا ایک انگریز پروفیسر ہندوستانی طلبہ کے ساتھ بڑی بدسلوکی سے پیش آتا تھا۔ طلبہ کے نمائندے کی حیثیت سے سبھاش نے اس بات کی شکایت پرنسپل سے کی اور وقتی طور پر معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن پھر ایک دن پروفیسر نے ایک طالب علم کو زد و کوب کیا۔ طلبہ نے بھی انتقاماً کالج کے زینے میں پروفیسر کو پیٹ دیا۔ سبھاش نے اس مار پیٹ میں حصّہ نہیں لیا وہ دور سے اس کے تماشائی رہے۔ اس کے باوجود انھیں کالج سے نکال دیا گیا اور وہ اپنے والدین کے پاس کٹک چلے گئے۔ اس تجربہ کا جو حقیقت میں شوق شہادت کا پہلا سبق تھا، سبھاش پر گہرا اثر ہوا۔ لیکن انھیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ان کے والدین نے اس واقعہ کو سمجھا اور ان سے ہمدردی کی۔ کالج سے اپنی جبری ہجرت کے بعد بھی سبھاش نے اپنی سماجی اور روحانی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

بہرحال آئندہ سال وہ پھر کلکتہ واپس آگئے اور آشوتوش مکھرجی کی کوشش

سے، جو غالباً کلکتہ یونیورسٹی کے ڈکٹیٹر تھے۔ ان کا داخلہ اسکاٹش چرچ کالج میں ہوگیا۔ جب وہ داخلہ کے انتظار میں تھے تو انھوں نے ایک انچاسویں بنگال رجمنٹ میں بھرتی ہونے کی کوشش کی لیکن بینائی کمزور ہونے کی وجہ سے انھیں رد کر دیا گیا۔

نئے کالج میں داخلہ کے بعد سبھاش نے انڈین ڈیفنس فورس کے یونیورسٹی یونٹ میں اپنا نام لکھا لیا اور فورٹ ولیم کے قریب ٹریننگ کیمپ میں پہنچ گئے۔ وہاں وہ خاکی وردی پہن کر بہت جوش کے ساتھ نشانہ بازی کی مشق کرنے لگے۔ وہ اپنی اس فوجی زندگی سے بہت خوش تھے اور جب وہ اپنی رائفل لیے فورٹ ولیم میں داخل ہوتے تھے تو فخر سے ان کا سینہ پھول جاتا تھا کیونکہ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے فورٹ ولیم کے دروازے ان پر بند تھے لیکن ایک سپاہی کی حیثیت سے یہ دروازے ان کے لئے کھول دیئے جاتے تھے۔

۱۹۱۹ء میں درجہ اول میں بی اے آنرز کا امتحان فلسفہ کے ساتھ پاس کرکے ایم۔ اے کے لئے انھوں نے تجرباتی نفسیات کا مضمون لیا۔ چند مہینوں کے بعد ان کے والد نے دریافت کیا کہ کیا وہ انڈین سول سروس کے مقابلہ کے لئے لندن جانا پسند کریں گے؟ اس زمانہ میں آئی سی ایس کی ملازمت سب سے پسندیدہ سمجھی جاتی تھی اور ہر ہندوستانی نوجوان آئی سی ایس بننے کے لئے انگلستان جانے کا خواب دیکھتا تھا لیکن سبھاش کو انگلستان جانے اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کی خدمت گذاری کرنے کی ایسی خواہش نہیں تھی۔ ان کا ذہن بالکل ایک دوسری سمت میں کام کر رہا تھا، اسی وجہ سے وہ دل میں سوچ کر جانے کے لئے تیار ہوگئے کہ صرف آٹھ مہینے انگلستان میں رہ کر وہ مشکل ہی سے آئی سی ایس کا امتحان پاس کرنے کی توقع کر سکتے تھے۔

۹ ستمبر ۱۹۱۹ء کو سبھاش بحری جہاز سے انگلستان روانہ ہوئے اور پانچ ہفتے بعد وہاں پہنچے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں ان کا داخلہ ہوگیا۔ اسی دوران، جب سبھاش ہندوستان سے ابھی روانہ بھی نہیں ہوئے تھے جلیانوالہ باغ (امرتسر) میں ہندوستانی مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام ہوا۔ پنجاب میں مارشل لا نافذ تھا۔ کڑا سنسر تھا اور یہ پھیلی ہوئی تھی کہ امرتسر اور لاہور میں خوفناک واقعات ہوئے ہیں لیکن سبھاش سکون کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

کیمبرج میں سول سروس کے امتحان کے لئے، انگریزی کمپوزیشن، سنسکرت، فلسفہ، انگریزی قانون، سیاسیات، یورپ کے عہد جدید کی تاریخ، انگلستان کی تاریخ، معاشیات اور جغرافیہ پڑھ رہے تھے۔ یہاں طلبہ کے لئے آزادی کا جو ماحول تھا اور ان کی جو عزت تھی اس سے سبھاش بہت متاثر ہوئے، یہ ماحول پولس سے معمور کلکتہ کے ماحول سے مختلف تھا جہاں ہر طالب علم پر سیاسی انقلابی کا شبہ کیا جاتا تھا۔ سبھاش کو آئی سی۔ ایس کے امتحان میں کامیابی کی زیادہ امید نہیں تھی کیونکہ انھیں تیاری کے لئے صرف آٹھ ماہ کی مہلت تھی مگر انھیں خود یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ امتحان پاس کر لیا بلکہ چوتھی پوزیشن حاصل کی۔

اب انھیں اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اس سے ان کے والدین کو تکلیف ہوگی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اپنے بڑے بھائی سرت چندر بوس سے طویل طویل خط و کتابت کی۔ کیا وہ اپنے تمام خوابوں، تمام آرزوؤں کو خیرباد کہہ کر پُرآسائش زندگی بسر کرنا شروع کردیں؟ سات مہینوں کی اذیت ناک ذہنی کشمکش کے بعد آخر کار انھوں نے آئی سی ایس سے (باقاعدہ تقرری سے پہلے) مستعفی ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ آئی سی۔ ایس کی تاریخ میں کسی ہندوستانی نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اپنی خط و کتابت کے دوران سبھاش نے لکھا۔

" اگر سی آر داس اپنی اس عمر میں سب کچھ تج سکتے ہیں اور زندگی کی بے یقینیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو پھر میں نوجوان اور دنیوی تفکرات سے آزاد ہوں، یقیناً ایسا کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہوں۔"

" اربندو گھوش کی شاندار مثال سامنے ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں وہ قربانی دینے کو تیار ہوں جس کا تقاضہ یہ مثال مجھ سے کرتی ہے"۔

" میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ برطانوی حکومت سے ہر طرح کے تعلق کو قطع کر لینے کی گھڑی آپہنچی ہے۔"

" کسی بھی حکومت کو ختم کرنے کا سب سے اچھا طریقہ اس سے علیحدگی ہے۔ چند روز قبل میں نے اپنا استعفیٰ بھیج دیا۔ سی آر داس نے میرے ایک خط کے جواب میں ان کاموں کے بارے میں لکھا ہے جو پہلے سے کئے جارہے ہیں۔ انھیں شکایت ہے کہ کارکنوں کا قحط ہے اس لئے جب میں واپس آؤں گا تو میرے لئے اس طرح کے بہت سے کام ہوں گے۔ اب تو پانسہ پھینکا جاچکا ہے۔"

سیاست میں

۱۶ جولائی ۱۹۲۱ء کو سبھاش بمبئی پہنچے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً

۲۴ سال کی تھی۔ وہ فوراً ہی مہاتما گاندھی سے ملے جو اس وقت لابرنم روڈ پر مقیم تھے۔ یہ نوجوان جو عوامی زندگی کے دروازے پر کھڑا تھا اس رہنما سے ذرا کھل کر باتیں کرنا چاہتا تھا جس نے سارے ملک میں برطانوی حکومت سے عدم تعاون کی ترقی پسندانہ تحریک چلا رکھی تھی۔ سبھاش کے ذہن میں جو تین سوال تھے ان کا جواب وہ خود گاندھی جی کی زبانی معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کانگریس کی مختلف سرگرمیوں سے جو جاری تھیں کس طرح یہ توقع کی جاتی ہے کہ ان کا نتیجہ ٹیکسوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں ظاہر ہوگا؟ صرف ٹیکسوں کی عدم ادائیگی یا سول نافرمانی کس طرح حکومت کو میدان سے ہٹنے اور ہندوستانیوں کو آزادی دینے پر مجبور کر سکتی ہے؟ اور یہ کہ صرف ایک سال کی مدت میں گاندھی جی سوراج لانے کا وعدہ کیوں کر کر سکتے ہیں؟ گاندھی جی نے اپنی مخصوص طمانیت کے ساتھ سبھاش کے سوالوں کا جواب دیا۔ سبھاش پہلے سوال جواب سے مطمئن ہوئے لیکن دوسرے دو سوالوں کے جوابات سے انھیں تسکین نہیں ہوئی۔ بہرحال انھوں نے گاندھی جی کا یہ مشورہ مان لیا کہ کلکتہ پہنچ کر وہ دیش بندھو چترنجن داس سے رابطہ قائم کریں گے۔

کلکتہ پہنچتے ہی سبھاش سی آر داس سے ملنے گئے۔ ابھی ان کی گفتگو ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سبھاش نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ انھیں محسوس ہوا کہ ان کا رہنما انھیں مل گیا ہے اور انھیں اس کی پیروی کرنا ہے۔ وہ کلکتہ میں رہنے لگے اور ملک کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ سارے ملک میں جوش و خروش تھا۔ اس نے غیر ملکی کپڑے، قانون ساز مجلسوں، عدالتوں اور تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کے سلسلے میں گاندھی جی کی تحریک کے لئے کامیابی کا امکان پیدا کر دیا تھا۔ لبرل علیحدہ ہو گئے تھے اور انقلابی گاندھی جی کے عدم تشدد کے مسلک کے حق میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود کہ بڑے پیمانہ پر گاندھی جی کو عوام کی حمایت حاصل ہوئی اور ملک گیر پیمانہ پر اہل اقتدار سے کوئی تصادم پیدا نہیں ہوا تھا اس موقع پر جب کانگریس سست اور مضمحل تھی حکومت نے پرنس آف ویلیس کے مجوزہ دورۂ ہند کا اعلان کیا۔ کانگریس فعال ہو گئی اور سارے ملک میں اس نے اس شاہی دورے کے بائیکاٹ کا پروگرام بنایا۔ سبھاش فوراً میدان میں نکل آئے اور بائیکاٹ کی قیادت کرنے لگے۔ بنگال میں بائیکاٹ کی کامیابی سے برطانوی حکام بوکھلا اٹھے اور حکومت نے سی آر داس کو گرفتار کر لیا اور ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء تک ان کے دوسرے ساتھی جن میں سبھاش بھی شامل تھے، گرفتار کر لئے گئے۔ سبھاش کا جیل جانے کا یہ پہلا موقع تھا اور جنوری ۱۹۴۱ء تک جب وہ اپنے گھر سے خفیہ طور پر غائب ہوئے یعنی ۲۰ سال کی مدت میں برطانوی حاکموں نے انھیں گیارہ مرتبہ گرفتار کیا۔ پہلی بار جب وہ گرفتار ہوئے تو بنگال نیشنل کالج کے پرنسپل، بنگال صوبائی کانگریس کمیٹی کے پبلسٹی افسر اور نیشنل والنٹیر کور کے کپتان کی حیثیت سے وہ جو کام کر رہے تھے اچانک اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

اگلے برس گاندھی جی نے ممالک متحدہ (موجودہ اتر پردیش) میں تشدد کی وجہ سے عدم تعاون کی تحریک کو معطل کر دیا۔ بعد میں ان پر مقدمہ چلا اور بغاوت کے جرم میں چھ سال کی قید محض کا حکم دیا گیا۔ سال کے شروع میں سبھاش رہا ہو کر سیلاب زدگان کی امداد کے کاموں میں مصروف ہو گئے اور 'بنگلار کتھا' کی ادارت کا کام بھی سنبھالا۔

سوراج پارٹی جس کی بنیاد موتی لال نہرو (جواہر لال نہرو کے والد) اور سی آر داس نے رکھی تھی اس حق میں تھی کہ قانون ساز مجلسوں اور میونسپل کونسلوں کے انتخابات میں حصہ لیا جائے۔ بنگال میں کلکتہ کارپوریشن کے انتخاب میں کانگریس کو کامیابی ہوئی، سی آر داس میئر بن گئے اور انھوں نے چیف ایگزیکیوٹو آفیسر کی حیثیت سے سبھاش کا تقرر کیا۔ ستائیس سال کی عمر میں یہ منصب حاصل کرنے والے وہ سب سے پہلے ممبر تھے۔ انھوں نے تین ہزار ماہانہ تنخواہ کے بجائے ڈیڑھ ہزار تنخواہ لینا منظور کیا۔ سبھاش تن من سے کارپوریشن کے کام میں لگ گئے اور کلکتہ کے شہریوں کو انھوں نے اس نئے میونسپل نظام اور پرانے نظام کے فرق کا احساس دلا دیا۔ برطانوی حکام نے ایک نئی انقلابی سازش کرنے کا الزام لگا کر سبھاش کو گرفتار کر لیا لیکن عوام نے جان لیا کہ گرفتاری کا اصل مقصد کارپوریشن کے سوراجی نظام کو ضرب پہنچانا تھا۔ سبھاش کو برما میں جو اس وقت ہندوستان کا ایک حصہ تھا مانڈلے جیل میں منتقل کر دیا گیا جہاں انھیں یہ فخر آمیز خوشی ملی کہ اسی جیل میں ان سے پہلے لوک مانیہ تلک اور لالہ لاجپت رائے جیسے ممتاز محب وطن رکھے گئے تھے۔ ڈھائی سال کی قید کے بعد سبھاش کو مانڈلے سے کلکتہ لایا گیا اور خرابی صحت کی بنا پر مئی ۱۹۲۷ء میں رہا کر دیا گیا۔

سی آر داس دو سال قبل ہی جدا ہو گئے تھے۔ مہاتما گاندھی عملاً سیاست سے کنارہ کش تھے اور موتی لال نہرو اپنی بیوی کی بیماری کے سلسلہ میں ملک سے باہر تھے۔ سبھاش کو اب اپنے ہی وسائل پر بھروسہ کرنا تھا لیکن سی آر داس کی رہنمائی میں انھیں خاص سیاسی سوجھ بوجھ حاصل ہو چکی تھی اور مانڈلے جیل میں غیر ملکی حکومت کا تختہ الٹنے کی تدابیر پر غور کرنے کا موقع ملا تھا۔ تیس سال کی عمر میں وہ بنگال کی

صوبائی کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے اور ایک بار پھر سرگرمی کے ساتھ میدان سیاست میں کود پڑے۔

برطانوی حکومت نے ہندوستان کو مزید آئینی اصلاحات دینے کیلئے سفید فام اراکین پر مشتمل سائمن کمیشن بنایا تھا لیکن سارے ملک میں اس کے بائیکاٹ کا ہنگامہ گرم تھا۔ سبھاش نے جس طرح پرنس آف ویلس کے دورہ کا بائیکاٹ کیا تھا اسی طرح سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی سربراہی کی۔ انھوں نے بنگال یوتھ ایسوسی ایشن اور بنگال اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی تنظیم کی۔ سال کے آخر میں مدراس میں انڈین نیشنل کانگریس کا جو اجلاس ہوا، اس نے آزادی کو ہندوستانی کا نصب العین قرار دیا۔ سبھاش اسی اجلاس میں کل انڈیا رہنما کی صورت میں سامنے آگئے۔ انھیں کانگریس کے تین جنرل سکریٹریوں میں سے ایک چنا گیا۔

۱۹۲۸ء میں کانگریس کے کلکتہ اجلاس میں دائیں بازو اور بائیں بازو کی قوت آزمائی ہوئی۔ گاندھی جی نے ایک تجویز پیش کی کہ اگر دسمبر ۱۹۲۹ء تک ہندوستان کو ڈومینین اسٹیٹس کا دستور نہ دیا گیا تو عدم تعاون شروع کر دیا جائے گا۔ سبھاش نے تجویز میں یہ تبدیلی چاہی کہ کانگریس آزادی سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوگی۔ تبدیلی کی تجویز نامنظور ہو گئی۔ نوسو تہتّر رائیں اس کی حمایت میں تھیں اور ایک ہزار تین سو چالیس اس کی مخالفت میں۔ سبھاش نے محسوس کیا کہ رائے دہی میں یہ حقیقت نمایاں تھی کہ گویا وہ مہاتما گاندھی پر عدم اعتماد کا سوال تھا۔

ایک سال بعد لاہور (غیر منقسم پنجاب کی راجدھانی) کے تاریخی اجلاس میں جو جواہر لال نہرو کی صدارت میں ہوا، نیم شب کی ساعت میں کانگریس نے نہایت جوش کے ساتھ مکمل آزادی کی قرار داد منظور کی۔ سبھاش کو آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس کا صدر چنا گیا اور دو سال تک وہ اس عہدہ پر فائز رہے۔

اس عہد جہد آزادی کے ہراول دستہ میں سبھاش چندر بوس کی شخصیت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہوئی۔ انھوں نے کل ہند سطح پر نوجوانوں اور طلبہ کی رہنمائی کی۔ صنعتی مزدوروں کی عملی ہمدردی حاصل کی اور ریاستی بازو کی جو طاقتیں غیر ملکی حاکموں سے لوہا لینے کے لئے بے چین تھیں انھیں حوصلہ دیا۔

آنے والے سات برسوں میں ۳۳ سال کی عمر میں سبھاش کلکتہ کے میئر چنے گئے۔ دق کے علاج کے لئے یورپ کو جلاوطن ہوئے، وہاں سردار پٹیل کے بڑے بھائی اور تجربہ کار مجاہد آزادی وٹھل بھائی پٹیل سے ان کا رابطہ ہوا۔ امتناعی حکم کے باوجود کلکتہ واپس آئے اور گھر میں نظر بند رہے۔ ایک بڑے آپریشن کے

لئے پھر یورپ واپس گئے۔ وی آنا میں انڈین سنٹرل یوروپین سوسائٹی میں شرکت کی۔ روم میں ایشیائی طلبہ کی کانفرنس کو خطاب کیا جس کا افتتاح مسولینی نے کیا تھا۔ آئرلینڈ کا دورہ کیا پھر بمبئی واپس آ گئے اور جہاز پر ہی گرفتار کر لئے گئے۔ غیر مشروط طور پر رہا ہوئے اور پھر یورپ روانہ ہو گئے۔

قومی رہنما

جنوری ۱۹۳۸ء میں جب سبھاش چندر بوس ملک سے باہر ہی تھے انھیں انڈین نیشنل کانگریس کا صدر چنا گیا جو ہندوستانی قوم کی طرف سے دیا جانے والا سب سے بڑا اعزاز تھا ان کی عمر صرف اکتالیس سال کی تھی اور وہ کانگریس کے سب سے نوجوان صدور میں سے ایک تھے۔

سبھاش چندر بوس کی صدارت کا سال اس لحاظ سے یادگار تھا کہ اس سال جواہر لال نہرو کی سربراہی میں نیشنل پلاننگ کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ کانگریس کی صدارت خود سبھاش کی زندگی اور ہندوستان کی تاریخ کا ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ یہ سوچ کر کہ جو بہت سے پروگرام انھوں نے بنائے تھے انھیں روبہ عمل لانے کے لئے صدارت کا ایک سال کافی نہیں ہوگا سبھاش نے دوبارہ ۱۹۳۹ء کا انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔ گاندھی جی نے سبھاش کی اس خواہش سے اتفاق نہیں کیا اور ان کے بجائے ڈاکٹر پٹّابھی سیتا رمیّہ کے نام کی تائید کی۔ سخت مقابلہ میں سبھاش کی جیت ہوئی اور گاندھی جی نے پٹّا رمیّہ کی شکست کو اپنی شکست سے تعبیر کیا۔ اس کا سبھاش کو بہت ملال ہوا۔ اپنی بیماری کی وجہ سے وہ تری پوری (مدھیہ پردیش) کے اجلاس میں شریک ہونے سے معذور تھے۔ ان کی اس تجویز پر کہ برطانوی حکومت کو چھ مہینے میں آزادی دینے کا الٹی میٹم دیدیا جائے، دائیں اور بائیں بازو کا اختلاف کھل کر سامنے آ گیا۔ اجلاس میں گاندھی جی کے حامیوں نے ایک تجویز منظور کرالی کہ سبھاش گاندھی جی کے مشورہ سے کانگریس اعلیٰ کمان، اس کی مجلس منتظمہ کے اراکین کا انتخاب کریں۔ سبھاش اپنی کابینہ کی تشکیل میں گاندھی جی کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ دونوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں تھا۔ بعد میں جب کلکتہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ ہوا تو سبھاش نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور کانگریس کے اندر فارورڈ بلاک کی بنیاد رکھی۔ بائیں بازو کے کانگریسیوں نے بڑے جوش سے اس نئے بلاک کی حمایت کی۔ فارورڈ بلاک اور دائیں بازو کے درمیان تصادم اب اور بھی سنگین ہو گیا اور کانگریس اعلیٰ کمان نے سبھاش کو جو دوبارہ صدر چنے گئے تھے تین

معاملے کے لئے کانگریس میں کوئی بھی عہدہ حاصل کرنے سے محروم کر دیا۔ یہ سزا اس لئے دی گئی تھی کہ سبھاش نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ان دو قراردادوں کے خلاف کانگریسیوں کو احتجاج کرنے کا مشورہ دیا تھا جن میں وزیروں اور صوبائی کانگریس کمیٹیوں کے باہمی تعلق کی وضاحت کی گئی تھی اور پرامن جدوجہد شروع کرنے کے لئے ان کمیٹیوں کی اجازت کو ضروری قرار دیا گیا تھا۔

تری پوری میں کی گئی سبھاش کی پیشن گوئی کے مطابق ستمبر ۱۹۳۹ء میں یورپ میں جنگ چھڑ گئی۔ فارورڈ بلاک نے برطانیہ دشمن سرگرمیاں تیز کر دیں جس کے نتیجہ میں ہندوستان میں برطانوی جنگی تیاریوں کو شدید نقصان پہنچا۔ حکام نے جولائی ۱۹۴۰ء میں انھیں قید کر لیا۔ سبھاش کو اب یقین ہو گیا تھا کہ ہندوستان کو اس عالمی جنگ سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے اور مادر وطن کو آزاد کرانے کے لئے برطانیہ کے دشمنوں کی مدد حاصل کرنی چاہیئے۔ اپنی زندگی کی بازی لگا کر انھوں نے جیل میں نومبر ۱۹۴۰ء میں مرن برت رکھا اور اپنی رہائی کا مطالبہ کیا۔ انگریز نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ہاتھوں سبھاش کی موت ہو، اس لئے انھیں رہا کر دیا گیا مگر ان کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھی گئی۔

سبھاش ہندوستان سے باہر نکلے، جنگ میں برطانیہ کی حریف طاقتوں کی حمایت حاصل کرنے اور مسلح افواج تیار کرکے ہندوستان میں گھرے غیر ملکی حاکموں پر حملہ کرنے کا عزم کر چکے تھے۔ جنوری ۱۹۴۱ء میں ایک دن سارے ہندوستان میں اس خبر سے خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ سبھاش خفیہ پولس کو چکمہ دے کر اپنے کلکتہ کے مکان سے جہاں رات دن پولس کا پہرہ تھا نکل کر غائب ہو گئے ہیں اس کے بعد سبھاش کے بارے میں دنیا کو پہلی خبر اس وقت ملی جب مہینے بعد انھوں نے خود جرمنی کے ریڈیو سے ہندوستان کو خطاب کیا۔ ایک مسلمان درویش کے بھیس میں آدھی رات کو اچانک ان کا فرار ہو جانا ایک انشورنس ایجنٹ بن کر بغیر شناخت ہوئے۔ پشاور تک ریل سے اور پھر کابل تک ٹرک سے سفر کرنا۔ اس سے قبل کہ اطالیہ کے سفارت خانے کی مدد سے وہ براہ ماسکو کابل سے روانہ ہوں کابل میں ایک گونگے بہرے زائر کی حیثیت سے ان کا طرح طرح کی مشکلات، محرومیوں، پریشانیوں اور خطرات کا سامنا کرنا۔ یہ سب سنسنی خیز تفصیلات ان کے کابل کے میزبان اتم چند ملہوترہ نے اپنی کتاب "جب بوس ضیاء الدین تھے،، میں بیان کی ہیں۔

مشرقی ایشیا میں نیتاجی کی آمد

جرمن اور جاپانی حکومتوں کے درمیان فوری گفت وشنید کے نتیجے میں نیتاجی سبھاش چندر بوس عابد حسین کے ساتھ ۸ رفروری ۱۹۴۳ کی صبح کو کیل کی بندرگاہ سے ایک آبدوز کشتی میں سوار ہوئے۔ ان کی آبدوز مڈغاسکر سے چار سو میل دور بحر ہند میں ایک مقام پر پہنچی جہاں ۲۸ اپریل کو انھیں ایک جاپانی آبدوز میں منتقل کیا گیا وہ ۶ مئی کو سماترا کے شمالی ساحل پر اترے اور ایک ہفتہ کے انتظار کے بعد انھوں نے ٹوکیو کی طرف پرواز کی جہاں وہ ۱۶ مئی کو پہنچے جو ان کی زندگی کا بڑا فیصلہ کن دن تھا۔ جنگ کے دوران ایک آبدوز کے ذریعہ دشمنوں سے بھرے ہوئے سمندروں میں یہ پرخطر سفر نوے دن کے بعد ختم ہوا۔ جب وہ سماترا کے ساحل پر اترے تو ایک خوشگوار لیکن حیران کن واقعہ پیش آیا۔ وہاں پہلا آدمی جس نے ان کا استقبال کیا وہ ان کے پرانے دوست کرنل یماموتو تھے جو برلن میں جاپانی سفیر کے موجی اتاشی رہے تھے اور جنہوں نے آبدوز کے ذریعہ نیتاجی کے اس سفر کے سلسلہ میں بہت سرگرم رول ادا کیا تھا۔ کرنل یماموتو اب دفتر رابطہ کے نئے نگراں تھے۔

ٹوکیو پہنچنے کے فوراً بعد نیتاجی جاپانی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت میں یکسوئی کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ اپنے قیام کے دوران وہ جاپانی وزیراعظم جنرل ٹوجو سے دو بار ملے اور اپنے ملک کی آزادی کے منصوبوں اور اس میں جاپانی امداد کے بارے میں ان سے گفتگو کر کے ایک وسیع سمجھوتہ کیا۔ وزیراعظم ٹوجو نے نیتاجی کو جاپانی پارلیمنٹ کے ایک جلسہ میں شریک ہونے کی دعوت دی اور نیتاجی کی طرف دیکھتے ہوئے جنرل ٹوجو نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ ہم ہندوستان کی آزادی کے لئے امکانی امداد دینے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ جب نیتاجی کو اطمینان ہو گیا کہ عمل کے لئے اسٹیج تیار ہے تو جاپانیوں اور باقی دنیا کے لوگوں کے سامنے جاپان میں ان کی امداد کا اعلان کیا گیا۔

مشرقی ایشیا کے ہندوستانی اس خبر سے جھوم اٹھے۔ ساری صورت حال بالکل بدل گئی۔ مشرقی ایشیا میں سبھاش کی موجودگی سے فضا میں ایک برقی لہر سی دوڑ گئی۔ ہندوستانیوں نے محسوس کیا کہ گویا معجزہ ظہور میں آ گیا ہو۔ وہ بہت مسرور تھے کہ ایک فعال انقلابی جنگ آزادی کی قیادت کرے گا اور ہندوستان میں برطانوی حلقہ کے مشرقی دروازوں پر یلغار کرے گا۔

مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں کے لئے ٹوکیو ریڈیو سے خطاب کرتے

ہوئے نیتاجی نے کہا ـــــ "ہمارے ملک کے عوام کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے وطن میں مسلح انقلاب لا سکیں اور جدید اسلحہ کے ذریعہ برطانوی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری بیرونی ملکوں میں رہنے والے ہندوستانیوں پر اور بالخصوص مشرقی ایشیا میں رہنے والے ہندوستانیوں کے کاندھوں پر آپڑی ہے۔ وقت کا طلب کیا ہے اور ہر وطن دوست ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ میدان جنگ میں کود پڑے جب حریت پسند ہندوستانیوں کا خون بہنا شروع ہو جائے گا تب ہندوستان اپنی آزادی حاصل کرے گا۔"

نوجوانوں سے ایک بہت بڑے جلسے میں اپنے ان بزدران وطن کو خطاب کرتے ہوئے جن کی تعلیم و تربیت برطانوی اداروں میں ہوئی تھی اور جو برطانویوں سے بڑی حد تک متاثر تھے، نیتاجی نے کہا ـــــ "میں اپنے ان ہم وطنوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ برطانوی طاقت اور برطانوی حکومت جس نے ساری زندگی مجھ پر ظلم روا رکھا اور مجھے گیارہ بار قید کیا، میرے حوصلوں کو پست کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور اگر مکار اور عیار طاقتور برطانوی سیاست داں تھے فریب دینے اور میرے حوصلوں کو پست کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر کوئی بھی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میں ہندوستان کی سرحدوں سے بہت دور نہیں ہوں۔ جنوری ۱۹۴۱ء سے اب تک دنیا کی کوئی طاقت میری سرگرمیوں کو نقصان نہیں پہنچا سکی اور کوئی طاقت ہماری قومی جنگ آزادی کے آخری مرحلہ میں شریک ہونے سے مجھے ایک بار پھر ہندوستان کی سرحدوں کو پار کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔"

۲ جولائی ۱۹۴۳ء کو نیتاجی راس بہاری بوس کے ساتھ ٹوکیو سے روانہ ہو کر سماٹرا (سنگاپور) کے ہوائی اڈہ پر اترے اور وہاں سے موٹر کے ذریعہ سنگاپور کے ہوائی اڈہ پر پہنچے جہاں لیگ اور آزاد ہند فوج کے افسران اور سپاہیوں کا ایک بڑا ہجوم نیتاجی کے استقبال کرنے کے لئے جمع تھا۔

کریم کلر کا ریشمی سوٹ پہنے ہوئے اور دائیں ہاتھ میں فلٹ ہیٹ لئے ہوئے نیتاجی تیزی کے ساتھ وقار کے ساتھ مشرقی ایشیا میں آزاد ہند فوج کی طرف سے دی جانے والی سلامی لینے کے لئے آگے بڑھے۔ نیتاجی نے جب انہیں سلام کیا اور دوستوں کا خیر مقدم کیا تو صفوں میں جوش و حرکت کی ایک لہر سی دوڑ گئی اور جب انہوں نے کہا کہ بزور شمشیر لڑ کر ہندوستان کو برطانیہ کے چنگل سے آزاد کرانے کا جو خواب ہندوستانی دیکھتے رہے ہیں اب اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آپہنچا ہے تو لوگوں میں مزید جوش پیدا ہو گیا۔ گارڈ آف

آنر کے بعد جب جوان اپنے خیموں میں واپس گئے اور انھوں نے اپنے ساتھیوں کو نیتاجی کی تقریر سنائی تو ساری آزاد ہند فوج میں جوش و ہیجان پیدا ہو گیا۔ مشرقی ایشیا میں آزاد ہند فوج کے افسروں اور جوانوں سے اپنے پہلے ہی رابطہ کے بعد نیتاجی نے ان کی مکمل وفاداری اور عقیدت جیت لی تھی۔

دو دن بعد ۴ جولائی ۱۹۴۳ء کو کیتھے سینما ہال میں مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں کے پانچ ہزار نمائندوں پر مشتمل ایک جلسہ ہوا جس میں نیتاجی نے رسمی طور پر مشرقی ایشیا میں ہندوستان کی تحریک آزادی کی قیادت کی ذمہ داری بزرگ انقلابی راس بہاری بوس سے اپنے ہاتھوں میں لی۔ ایک پُر وقار اور شاندار لیکن پُر اثر تقریر میں راس بہاری بوس نے تحریک کی قیادت سبھاش کے نوجوان اور متحرک ہاتھوں کو سونپ دی۔ قیادت کو قبول کرتے ہوئے نیتاجی نے کہا ـــــ "اپنی تمام قوت کو موثر ڈھنگ سے کام میں لانے کے لئے میں آزاد ہندوستان کی عبوری حکومت بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ اسی عبوری حکومت کا کام ہوگا کہ وہ کامیابی کی منزل تک ہندوستان کے انقلاب کی رہنمائی کرے۔"

طوفانی رہنمائی

جس روز سے نیتاجی نے راس بہاری بوس سے قیادت اپنے ہاتھوں میں لی اسی دن سے وہ مکمل طور سے اپنے نئے کام میں محو ہو گئے۔ اس وقت سے اس دن تک انھوں نے دن اور رات کا آرام اپنے اوپر حرام کر لیا۔ جب پچیس ماہ بعد وہ سائگون میں ایک جاپانی میڈیم بمبار طیارہ پر سوار ہو کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے۔

۵ جولائی ۱۹۴۳ء کو سنگاپور ٹاؤن ہال کے سامنے وسیع میدان میں ایک شاندار پریڈ ہوئی جس میں نیتاجی نے آزاد ہند فوج کے افسروں اور جوانوں کی سلامی لی۔ خاکی وردی میں ملبوس نیتاجی سپاہیوں کی صفوں سے گزرے اور پھر ان کے سامنے ایک جوش خیز تقریر کرنے کے لئے ڈائس پر چڑھ گئے۔ انھوں نے کہا ـــــ "ہندوستان کے لشکر آزادی کے سپاہیو! آج میری زندگی کا سب سے قابل فخر دن ہے۔ ہر ہندوستانی کو فخر کرنا چاہیے کہ ہندوستانی قیادت میں اس فوج کی تشکیل عمل میں آئی ہے اور جب وہ تاریخی گھڑی آئے گی تو یہ فوج ہندوستانی قیادت میں ہی میدان جنگ میں جائے گی۔ آپ کی جنگ کا نعرہ ہوگا "دہلی چلو۔ دہلی چلو!" ہمارا کام اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک کہ ہمارے زندہ رہنے والے ہیرو برطانوی سلطنت کے ایک اور گورستان قدیم

دلی کے لال قلعہ میں فتح کی پریڈ نہ کریں "

دوسرے دن ۱۷ جولائی کو جاپان کے وزیراعظم جنرل توجو نے سنگاپور کا دورہ کیا۔ اسی میدان میں آزاد ہند فوج کا معائنہ کیا اور آزادی کی فوج کی کامیاب تشکیل پر تعریف کی۔

تین روز بعد سنگاپور کے جوشیلے ہندوستانیوں کے ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے نیتاجی نے مکمل جنگ کے لیے مکمل تیاری، کی پُرجوش اپیل کی ۔ " میں تین لاکھ سپاہیوں اور تین کروڑ ڈالر کی رقم کی توقع کرتا ہوں۔ میں بہادر ہندوستانی خواتین کا ایک ایسا یونٹ چاہتا ہوں جو موت کے مقابل سینہ سپر ہونے والی رجمنٹ ہو، جو ایسی تلوار باندھے جو ۱۸۵۷ء میں آزادی کی پہلی جنگ میں جھانسی کی رانی نے باندھی تھی "

انھوں نے اپنے وقت کو انڈین انڈی پنڈنس لیگ اور آزاد ہند فوج دونوں کے کاموں کے لئے تقسیم کرلیا اور پابندی سے دونوں کے دفتر میں جانے اور وہاں کام کرنے لگے۔ لیگ کے مرکزی دفتر میں پہلے ہی سے جو شعبے کام کررہے تھے وہ تھے شعبۂ عام مالیات، پبلسٹی اور پرچار، سراغ رسانی، بھرتی اور تربیت، نیتاجی نے ان شعبوں کو مستحکم کیا اور سات نئے محکمے قائم کئے۔ یعنی صحت اور سماجی فلاح، خواتین کا محکمہ، قومی تعلیم اور کلچر، تعمیر نو، سپلائی، بیرون جات، ہاؤسنگ اور ٹرانسپورٹ۔ ڈاکٹر لکشمی سوامی ناتھن جو بعد میں لکشمی بائی رجمنٹ کی کمانڈر ہوئیں خواتین کے شعبہ کی نگراں مقرر کی گئیں۔

آزاد ہند فوج میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔ آزاد ہند فوج کی نئی تنظیم کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ اس کے روزمرہ کاموں میں اتحاد، اعتماد اور قربانی کے نعرہ پر بہت زور دیا گیا تھا۔ سارے جوانوں میں اعلیٰ معیار کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم تھی اور تمام سپاہیوں کے لئے ایک مشترکہ باورچی خانہ فرقہ وارانہ یکجہتی اور اخوت کی ایک زندہ مثال تھا۔

نیتاجی نے ملایا کا ایک طوفانی دورہ کیا اور سیکڑوں جلسوں میں اس علاقہ کے ہندوستانیوں کو خطاب کیا۔ نیتاجی کے دورہ کے بعد آدمی اور پیسہ افراط سے جمع ہونے لگا اور تمام مشرقی ایشیا میں لیگ کی پھیلی ہوئی تنظیموں نے مزید کوششوں سے اس کام کو آگے بڑھایا۔

آزاد ہند فوج میں بھرتی کے لئے رضاکاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر بڑی تعداد میں بھرتی کے دفتر اور ٹریننگ کے سینٹر قائم کئے گئے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ ان ہزاروں وطن پرست ہندوستانی نوجوانوں کی تربیت کیلئے ضروری ساز و سامان اور ہتھیار کیسے حاصل کئے جائیں جنہوں نے ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے اپنے گھر اور نوکریاں چھوڑ دی تھیں۔ ملایا اور سنگاپور کی ساری ہندوستانی آبادی کا جوش و خروش اپنے منتہا پر پہنچ چکا تھا۔

نیتاجی کو اطمینان تھا، چونکہ صرف تین ماہ کی قلیل مدت میں آزاد ہند فوج کی تنظیم نو کا کام مکمل ہو گیا تھا اور اب وہ لڑنے کے لئے تیار تھی۔ وہ اس بات سے بھی مطمئن تھے کہ مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں پر ان کی اس اپیل کا گہرا اثر ہوا جس میں مکمل تیاری، کے لئے کہا گیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے دوسرے منطقی اقدامات یعنی آزاد ہندوستان کی عبوری حکومت کے قیام کے بارے میں سوچا جیسا کہ انھوں نے جولائی میں تحریک کی قیادت قبول کرتے ہوئے اپنی تقریر میں اشارہ کیا تھا۔

صرف چار مہینوں میں انھوں نے اس ماحول میں، جو شکوک، غلط فہمیاں اور بکھری ہوئی کوششوں کا نمونہ تھا، وطن پرستی کے جوش، کامل اعتماد اور آزادی کے نام پر ہر طرح کی قربانی کے لئے مکمل تیاری کی برقی رو دوڑادی ۔ آزاد ہند فوج کا نعرہ " اعتماد اور قربانی " ایک ٹھوس حقیقت بن گیا۔

جس دن سے وہ سنگاپور پہنچے تھے اسی وقت سے چار ماہ سے کم مدت میں نیتاجی نے مغرب میں برما سے لے کر مشرق میں جاپان تک ہندوستان کی تحریک آزادی میں بجلی کی سی لہر دوڑادی ۔ آزاد ہند فوج ایک مضبوط اور واحد یونٹ بن گئی جو محاذ کی سمت مارچ کرنے کے لئے تیار تھی۔ عام لوگ آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ نثار کرنے کو آمادہ تھے ۔ آزادی کی جنگ میں اپنی جانیں قربان کردینا لوگ کھیل سمجھنے لگے۔ ستمبر کے ایک جلسہ میں جب نیتاجی نے کہا کہ سال کے آخر تک آزاد ہند فوج ہندوستان کی زمین پر ہوگی تو لوگوں کے دل امید اور خوشی سے معمور ہوگئے۔ شاید نیتاجی کو جاپانی حلقوں سے کچھ خفیہ معلومات ملیں جن کی وجہ سے انھوں نے پھر اس طرح کا اشارہ نہیں کیا۔ اس طرح چار مہینوں میں نیتاجی کی متحرک فعال قیادت تحریک کو تیزی کے ساتھ ایک نقطۂ عروج کی طرف لے گئی ۔

تاریخی اعلان

ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کا دن سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ اس یادگار دن مشرقی ایشیا سے انڈین

انڈین انڈیپنڈنس لیگ کے نمائندے سنگاپور کے کیتھے سینما ہال میں نیتاجی کا وہ اعلان سننے کے لئے جمع ہوئے جس میں آزاد ہندوستان کی عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ بہت سنجیدہ اور پُر وقار تقریب تھی۔ سارا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کھڑے ہوئے کی ایک ایک اینٹ گاڑھی پڑی تھی۔ انتظار اور امید کی ہیجانی کیفیت تھی گویا ہال میں سازش جاری ہے۔ نیتاجی ڈائس پر اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور آہستہ آواز اور اپنے نپے تلے لفظوں میں انھوں نے اعلان پڑھا مکمل سکوت اور ہیجانی کیفیت سے معمور ہال میں حاضرین نے نیتاجی کا ایک ایک لفظ سنا۔ یہ اعلان ڈیڑھ ہزار الفاظ پر مشتمل تھا جس کا مسودہ نیتاجی نے دو دن قبل گہرے انہماک سے ساری رات بیٹھ کر تیار کیا تھا۔ اس میں بڑی وضاحت سے ۱۸۵۷ کے بعد سے ہندوستان کی تحریک آزادی کا جائزہ لیا گیا تھا کہ "عبوری حکومت کا کام یہ ہوگا کہ وہ اس جد و جہد کا آغاز کرے اور ایسے چلائے جس کا مقصد ہندوستان کی سرزمین سے انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کو نکالنا ہوگا۔ اس عبوری حکومت کی منصب یہیں آزاد ہندوستان میں ایسی مستقل قومی حکومت کا قیام ہوگا جو عوام کی خواہشات کے مطابق ہے اور جسے ان کا اعتماد حاصل ہو۔" اعلان کے آخر میں یہ حوصلہ افزا اپیل تھی "خدا کے نام پر ان پچھلی نسلوں کے نام پر جنھوں نے ہندوستانی عوام کو ایک متحدہ قوم بنایا۔ اور ان شہیدوں کے نام پر جنھوں نے ہمیں جواں مردی اور جاں نثاری کی روایت بخشی۔ ہم ہندوستانی عوام سے اپنے پرچم کے زیر جمع ہونے اور ہندوستان کی آزادی کے لئے حتمی حملہ کرنے کی اپیل کرتے ہیں۔ اعلان پر آزاد ہند کی عبوری حکومت کی طرف سے حسب ذیل لوگوں کے دستخط تھے۔

۱۔ سبھاش چندر بوس (سربراہ حکومت، وزیر اعظم، وزیر جنگ و امور خارجہ)
۲۔ کیپٹن مسز لکشمی سہگل (خواتین کی تنظیم (مس) ایس لے ایز (پبلسٹی اور پرچار)، ۴۔ لفٹیننٹ کرنل اے سی۔ چٹرجی (مالیات)، ۵۔ لفٹیننٹ کرنل عزیز احمد، ۶۔ لفٹیننٹ کرنل این۔ ایس۔ بھگت، ۷۔ لفٹیننٹ کرنل جے کے بھونسلے، ۸۔ لفٹیننٹ کرنل گلزار سنگھ، ۹۔ لفٹیننٹ کرنل ایم زیڈ کیانی، ۱۰۔ لفٹیننٹ کرنل اے ڈی۔ لوگاناتن، ۱۱۔ لفٹیننٹ کرنل احسان قادر اور ۱۲۔ لفٹیننٹ کرنل شاہ نواز (مسلح افواج کے نمائندے) ۱۳۔ اے ایم سہائے (سکریٹری وزارتی منصب کے ساتھ)، ۱۴۔ راش بہاری بوس (مشیر اعلیٰ)، ۱۵۔ کریم غنی، ۱۶۔ دیب ناتھ داس، ۱۷۔ ڈی۔ ایم۔ خاں، ۱۸۔ اے۔ یلپا، ۱۹۔ جے تھیووی، ۲۰۔ اے ایس۔ سرکار (مشیر قانونی)۔

آزاد ہند کی عبوری حکومت کے قیام کے اعلان کے بعد نیتاجی نے ہندوستان سے وفاداری کا حلف لیا۔ اس وقت کیتھے ہال نے ایک ایسا شاندار منظر دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ جب نیتاجی نے حلف نامہ پڑھنا شروع کیا تو فضا ایک ہیجانی کیفیت سے معمور تھی۔

"خدا کے نام پر میں یہ مقدس حلف اٹھاتا ہوں کہ ہندوستان اور اپنے اڑتیس کروڑ ہم وطنوں کو ... "

نیتاجی پڑھتے پڑھتے ٹھہر گئے۔ وہ آگے نہیں پڑھ سکے۔ وفور جذبات سے ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ ان کے رخساروں پر آنسو بہہ نکلے۔ انھوں نے اپنا رومال نکالا اور آنسو پونچھے۔ سارے ہال میں ایک سنسنی سی دوڑ چکی تھی۔ حاضرین میں سے بہت سے لوگ ان کے کرب اور طوفانِ جذبات میں شریک تھے۔ ان کے بھی آنسو بہہ نکلے۔ اس لمحہ نیتاجی اپنے سامنے بیٹھے ہوئے حاضرین کو بھول گئے۔ ان کی آنکھیں ماضی کے شہیدوں اور انقلابیوں کی ایک لمبی قطار دیکھ رہی تھیں وہ اپنے سامنے ہندوستان میں آزادی کے لئے لڑنے والے لاکھوں نہتے انسانوں کو دیکھ رہے تھے جو اس وقت بھاری اسلحہ سے لیس غیر ملکی حاکموں سے لوہا لے رہے تھے۔ نیتاجی کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ حلف نامہ آگے نہ پڑھ سکے لیکن پھر انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پڑھنا شروع کیا۔

" میں سبھاش چندر بوس اپنی زندگی کی آخری سانس تک آزادی کی مقدس لڑائی لڑوں گا۔"

" میں ہمیشہ ہندوستان کا خدمت گزار رہوں گا اور اڑتیس کروڑ ہندوستانی بھائیوں اور بہنوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا میرا اعلیٰ ترین فریضہ ہوگا۔

" یہاں تک کہ آزادی کے حصول کے بعد ہندوستان کی آزادی کی حفاظت کے لئے اپنے لہو کا آخری قطرہ بہانے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔"

جب نیتاجی حلف لے چکے تو ہیجانی تناؤ کی فضا ختم ہوئی اور حاضرین مجنونانہ انداز سے نعرے لگاتے رہے۔ "انقلاب زندہ باد"، "آزاد ہند زندہ باد" اور ان نعروں سے دیر تک فضا گونجتی رہی۔

جھانسی کی رانی رجمنٹ

آزاد ہند کی عبوری حکومت کے اعلان کے دوسرے ہی دن نیتاجی نے سنگاپور میں "جھانسی کی رانی رجمنٹ" کے لئے ایک کیمپ کھولا، جس کی کمانڈر کیپٹن لکشمی تھیں سماج کی ہر سطح سے عورتیں اس کیمپ میں آنے لگیں

جو سپاہی ترس یا رجمنٹ سے تعلق رکھنے والی کسی بھی مفید اور رضا کارانہ حیثیت میں کام کرنے پر آمادہ تھیں۔ کانونٹ کی پڑھی ہوئی امیر گھرانوں کی لڑکیاں اپنے والدین کے آرام دہ گھروں اور اپنی محفوظ زندگی سے قطع تعلق کر کے سیکڑوں کی تعداد میں کیمپ میں جمع ہونے لگیں۔ وہ رائفل چلانے اور جینے مرنے کی سخت اور پر مشقت فوجی تربیت حاصل کرنے کی خواہاں تھیں۔ ان کا جوش و خروش اور ان کی یہ خواہش کہ آزادی کی فوج کے جنگ آزما حصہ میں ان کو لے لیا جائے نوجوان مردوں سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ ' جھانسی کی رانی رجمنٹ'، آزاد ہند فوج کا نسوانی شعبہ تھا۔ ابتدا میں جاپانی یہ دیکھ کر کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش ہتھیار لے کر چلتی ہیں، بہت مکدّر ہوتے۔ جاپانی اس خیال ہی سے بہت بدکتے تھے اور انھیں شک تھا کہ جھانسی کی رانی، رجمنٹ کبھی بھی کوئی حقیقی شکل اختیار کر سکے گی۔ بہر حال ان کا یہ رویہ اس وقت بدل گیا جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رانیاں، ایک والہانہ شوق کے ساتھ شانوں پر رائفل رکھ کر پریڈ کر رہی ہیں۔

۲۳ اور ۲۴ اکتوبر کی رات کو عبوری حکومت کی کابینہ کا پہلا جلسہ نیتا جی کی قیام گاہ پر ہوا جس میں برطانیہ اور اس کے اتحادی امریکہ کے خلاف جنگ کے اعلان کا فیصلہ کیا گیا۔ فیصلہ سے پہلے جو بحث ہوئی اس میں لفٹیننٹ کرنل لوگانادن نے جنگ کے اعلان میں امریکہ کو برطانیہ کے ساتھ شامل کرنے کے فیصلہ پر اپنے شک کا اظہار کیا تھا لیکن نیتا جی نے اس فیصلہ کی درستی کے سلسلہ میں انھیں مطمئن کر دیا اس لئے کہ دوران جنگ میں ہندوستان پر قبضہ رکھنے میں امریکہ برطانیہ کا سرگرم اتحادی تھا اور اسطرح آزاد ہند حکومت امریکہ کی مخاصمت لینے سے بچ نہیں سکتی۔

دوسرے دن شام کو آزاد ہند فوج اور عام ہندوستانیوں کے ایک بڑے مجمع میں نیتا جی نے حاضرین سے حلف لیا کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لئے برطانیہ اور امریکہ سے جنگ کرتے ہوئے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ جانیں بھی قربان کر دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اب عبوری حکومت، آزاد ہند فوج اور انڈین انڈی پنڈنس لیگ، تینوں ان کاموں میں پورے انہماک سے لگ گئے جو ان کے سامنے تھے یعنی آزاد ہند فوج کے لئے بھرتی اور تربیت اور جھانسی کی رانی رجمنٹ کے لئے خواتین کی بھرتی کا کام زور و شور سے ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی سارے مشرقی ایشیا میں فنڈ کی فراہمی کا کام بھی جاری تھا۔ سنگاپور، بنکاک، رنگون، سائگون اور ٹوکیو سے آزاد ہند ریڈیو اسٹیشن ہندوستان کی مختلف زبانوں میں پروگرام نشر کر رہے تھے آزاد ہند حکومت کا سنگاپور ریڈیو اسٹیشن انگریزی، ہندستانی، بنگالی، تامل، تیلگو، کنڑ، ملیالم، گجراتی، مراٹھی، پنجابی، گورکھالی اور پشتو میں ہر رات پروگرام پیش کرتا تھا۔ آزاد ہند حکومت مقامی ہندوستانیوں کے لئے مختلف زبانوں میں روزنامے اور ہفتہ وار شائع کرتی تھی۔

اس کے ساتھ ہی، آزادی کی لڑائی لڑتے ہوئے نیتا جی آزاد ہند کے مستقبل کے بارے میں بھی منصوبے بنا رہے تھے۔ عبوری حکومت کو اپنی فوج تھی اور ہندوستانیوں کو فوجی تربیت دینے کی اسے سہولتیں حاصل تھیں لیکن اس کے پاس بحری اور فضائی فوج نہیں تھی اس لئے وہ اس میدان میں تربیت نہیں دے سکتی تھی اس لئے نیتا جی نے خود چودہ سے اٹھارہ سال تک کے ہندوستانی نوجوانوں کے ایک گروپ کا انتخاب کر کے انھیں بحری اور فضائی فوجی تربیت کے لئے سنگاپور سے جاپان بھیج دیا۔ یہ ٹوکیو کے نوجوان، جیسا کہ نیتا جی انھیں محبت سے پکارتے تھے بہت اچھی طرح تربیت حاصل کر رہے تھے۔ جب اگست ۴۵ء میں جاپانیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو اچانک ان کی تربیت کا کام ختم ہو گیا اور پھر بعد میں وہ ہندوستان بھیج دیئے گئے۔

سنگاپور میں حکومت، لیگ اور آزاد ہند فوج کی بنیاد رکھ کر نیتا جی ۲۸ اکتوبر کو گریٹر ایسٹ ایشیا کانفرنس میں شرکت کیلئے ٹوکیو پہنچے چونکہ وہ کانفرنس کے کسی فیصلہ کا پابند بننا نہیں چاہتے تھے اس لئے انھوں نے ایک مشاہد کی حیثیت سے شرکت کی۔ وہ چاہتے تھے کہ مستقبل کا آزاد ہندوستان مکمل طور پر آزاد ہو اور ٹوکیو کانفرنس کے مذاکروں اور فیصلوں کی اس پر کوئی پابندی نہ ہو۔

اس فیصلہ پر وزیر اعظم ٹوجو نے اعلان کیا کہ جاپان نے فیصلہ کیا ہے کہ جزائر انڈمان اور نیکوبار جو جاپانیوں نے مشرقی ایشیا کی جنگ میں پہلے ہی قبضہ میں کر لئے تھے، آزاد ہند کی عبوری حکومت کو سونپ دیئے جائیں۔ اس طرح آزاد ہندوستان کی حکومت کو اس کا پہلا علاقہ ہاتھ آیا جنھیں شہید اور سوراج جزائر کا نام دیا گیا اور لفٹیننٹ کرنل اے۔ ڈی لوگاناداں کو عبوری حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے ان کا پہلا منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

چین اور فلپائن کا دورہ کر کے دسمبر میں سنگاپور واپس آکر نیتا جی انڈمان روانہ ہو گئے جہاں انھوں نے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۳ کو آزاد ہندوستان کے پہلے علاقہ پر قدم رکھا۔ یہاں کی سرزمین ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں کے ہاتھوں جلا وطن کئے گئے والے ہندوستانی انقلابیوں کی کئی نسلوں کو قید و بند اور شہادت سے مقدس ہو گئی تھی۔

انڈمان کی سرزمین پر قدم رکھنا ایک طرح سے ان کا اس ستمبر کے وعدہ کی علامتی تکمیل تھا کہ آزاد ہند فوج سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھ سکے گی۔

انڈمان روانہ ہونے سے پہلے نیتاجی نے سنگاپور میں کابینہ کی ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی جس کا کام یہ تھا کہ وہ لباس، زبان، خوراک، آداب ملاقات، قومی نشان اور تقریبات کے سلسلہ میں مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں کے لئے قومی اتحاد کی ایک اسکیم مرتب کرے۔ نیتاجی قومی اتحاد اور یکجہتی کے مستقل استحکام کے لئے تحریک کے اس پہلو پر بڑا زور دیتے تھے۔

مستقبل کے اقدام کے ابتدائیہ کے طور پر ذیلی کمیٹی نے سفارش کی کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان ہندوستانی ہوگی۔ ہندوستانیوں کے درمیان ملاقات کے وقت سلام "جے ہند" ہوگا۔ کانگریس کا ترنگا ہندوستان کا قومی پرچم ہوگا۔ "سبھ سکھ چین" کے الفاظ سے شروع ہونے والا گیت قومی ترانہ ہوگا اور ہندوستانی فوجی ترانہ "قدم قدم بڑھائے جا" ہوگا۔ انقلاب کی کامیابی تک "دہلی چلو" ہمارا قومی جنگی نعرہ ہوگا۔ اور انقلابی جدوجہد کی تکمیل تک "آزاد ہند زندہ باد"، "انقلاب زندہ باد" اور "نیتاجی کی جے" قومی نعرے ہوں گے۔

آزاد ہند فوج حملہ میں پہل کرتی ہے:

انڈمان سے نیتاجی بذریعہ طیارہ برما پہنچے اور جنوری ۱۹۴۴ء کے پہلے ہفتہ میں انھوں نے عبوری حکومت، لیگ اور آزاد ہند فوج کے اعلیٰ کمان کے مرکزی دفاتر رنگون منتقل کر دیئے۔ اس طرح مرکزی دفاتر دو حصوں رنگون اور سنگاپور میں قائم ہو گئے۔

حکومت، لیگ اور آزاد ہند فوج کے مرکزی دفاتر کا برما منتقل کیا جانا تحریک کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اب ہندوستان اور برما کے درمیان صرف سرحد حائل تھی۔ ہندوستان کے مشرقی دروازے اب نیتاجی اور ان کی آزادی کی فوج کی پہنچ سے ذرا بھی دور نہیں تھے۔ ان کو صرف حملہ کے وقت کا انتخاب کرنا تھا اور پھر وہ مادر وطن سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لئے ہندوستان میں داخل ہو سکتے تھے۔ اس لئے اب انھوں نے اپنی ساری توجہ اور ہر وقت اس پر صرف کی کہ برما کو حملہ کے مقصد سے ایک طاقتور اڈہ بنایا جائے۔ وہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ ہندوستان میں برطانوی حکمرانوں پر جھپٹنے اور ٹوٹ پڑنے کے لئے برما کو استعمال کیا جائے۔

برما میں رہنے والے ہندوستانیوں نے جب دیکھا کہ آزاد ہند فوج کے دستے سرحد کی طرف مارچ کرنے کو تیار ہیں تو ان میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ رنگون میں ایک "نیتاجی فنڈ کمیٹی" بنائی گئی جس کا مقصد نیتاجی کی جنگی کارروائیوں کیلئے برما کے ہندوستانیوں سے روپیہ جمع کرنا تھا۔ جب نیتاجی نے ہندوستانیوں سے آزادی کی جنگ کے لئے سب کچھ نثار کر دینے کی اپیل کی تو لوگوں نے دیوانہ وار اس کا استقبال کیا۔ جلسوں میں انھیں جو ہار پیش کئے گئے تھے جب نیتاجی نے انھیں نیلام کیا تو حاضرین میں سے کئی حضرات نے وہ ہار ایک لاکھ، دو لاکھ اور یہاں تک کہ پانچ لاکھ روپیہ میں خرید لئے۔ ایثار و قربانی کی ایک عظیم الشان مثال رنگون کے ایک شہری مسٹر حبیب نے پیش کی جنھوں نے اپنی ساری ملکیت جس میں زمین، مکان اور جواہرات شامل تھے اور جس کی مالیت ایک کروڑ روپیہ سے زائد تھی نیتاجی کو پیش کر دی۔ نیتاجی نے پُر مزاح انداز میں اسے "حبیب مکسچر" کا نام دیا تھا اور تمام ہندوستانیوں کے لئے اسی مکسچر کی سفارش کی تھی۔ اپنی تمام دنیاوی دولت اور ملکیت کے ساتھ ہی حبیب نے اپنی زندگی اور اپنی ساری خدمات بھی نیتاجی کے حوالے کر دی تھیں۔ رنگون کی مسز بیتائی نے بھی اپنی ساری جائداد اور دولت نیتاجی کو پیش کر دی تھی۔ ان کی ان قربانیوں کے اعتراف میں نیتاجی نے انھیں "سیوک ہند" کا میڈل دیا تھا۔

مکمل تیاری کے عمل میں نیتاجی نے حکومت اور لیگ کی تنظیم میں توسیع کی۔ انھوں نے حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے سپلائی، مین پاور اور مالیات کے نئے وزیر مقرر کئے۔ حکومت نے موٹے طور پر پالیسی بنا دی لیکن روزمرہ کے کاموں میں اس پالیسی پر عمل درآمد لیگ کی تنظیم مختلف علاقوں میں اپنی شاخوں کے ذریعہ کر رہی تھی۔ اس لئے اب نیتاجی نے لیگ کے مرکزی دفتر کے شعبوں میں توسیع کر دی اور سنگاپور کے بارہ شعبوں کے مقابلہ میں وہ چوبیس ہو گئے۔

رنگون میں لیگ کے مرکزی دفتر کے چوبیس شعبے یہ تھے: مالیات۔ آڈٹ۔ نیتاجی فنڈ کمیٹی۔ سپلائی، سپلائی بورڈ، خریداری بورڈ، ریویو، بھرتی اور تربیت امور خواتین (جس میں جھانسی کی رانی رجمنٹ بھی شامل تھی)، پبلسٹی اور پرچار۔ تعلیم، صحت اور سماجی فلاح۔ قومی منصوبہ بندی، سراغ رسانی۔ اطلاعات، پیداوار، شعبۂ مواصلات۔ زراعت و صنعت۔ تعمیر نو، ہاؤسنگ اور ٹرانسپورٹ۔ بیرون ملکی محنت اور رشتے۔

نیتاجی نے جب مستقر برما میں منتقل کیا تو گویا فوجی کارروائی کے لئے زمین ہموار ہو گئی تھی۔ آزاد ہند فوج کو ملایا سے تھائی لینڈ اور برما، ہندوستان کی سرحد تک پہنچا دیا گیا۔

پھر یہ ہیجان خیز خبر ملی کہ ہندوستان کی دوسری جنگ آزادی میں آزاد ہند فوج نے آغاز جنگ کرنے میں پہل کی جب ۴ فروری ۱۹۴۴ء کو اس نے اراکان میں ایک محاذ کھولا اور کامیابی سے حملہ آور ہوئی۔

۱۸ مارچ ۴۴ء کا دن آزاد ہند فوج کی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا کیونکہ اس یادگار دن اس نے سرحد کو پار کیا اور ہندوستان کی مقدس سرزمین پر قدم رکھے۔ دنیا کے سامنے اس تاریخی واقعہ کا انکشاف نیتا جی نے ۲۱ مارچ کو ایک پریس کانفرنس میں ایک ڈرامائی اعلان کے ذریعہ کیا۔ ہر مہینے کا اکیسواں دن مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں کے لئے ایک مقدس دن بن گیا ہے کیونکہ اس دن اکتوبر ۴۳ء کو نیتا جی نے مشرقی ایشیا میں آزاد ہند کی عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کیا تھا۔

آزادی کی جنگ جاری تھی اور اب آزاد ہند فوج برما ہند سرحد پر آٹھ مورچوں پر لڑ رہی تھی جو امپھال کے میدانوں اور کوہیما کے اردگرد تھے۔

کرنل ایس، اے ملک کی قیادت میں آزاد ہند فوج کا ایک دستہ ہندوستان کی سرزمین پر دور تک پہنچ گیا تھا اور اس نے ۱۴ اپریل ۴۴ء کو منی پور میں موئرانگ کے مقام پر ہندوستان کا قومی ترنگا لہرایا۔ اس طرح علامتی طور پر برطانوی حکمرانوں سے ہندوستان کے ایک حصۂ زمین کو آزاد کرالیا۔

نیتاجی نے فوجی مہمات اور غیر ملکی حکومت سے آزادی کے بعد شہری حکومت کی جلد از جلد بحالی کے تمام کاموں اور تمام پہلوؤں پر غور و فکر کیا تھا۔ انھوں نے تعمیر نو اور عبوری دور میں نارمل شہری زندگی کی بحالی کیلئے چھوٹے کاموں کیلئے لوگوں کو بھرتی کرکے تربیت دی تھی یہاں تک کہ اگر دشمن زمین کو جلا دینے والی پالیسی پر عمل کرتا اور آزاد ہند فوج کی پیش قدمی کے پیش نظر پیچھے ہٹنے سے پہلے سب کچھ تباہ کر دیتا تب بھی آزاد ہند دل اپنی کارگزاریوں کیلئے بالکل تیار تھا۔ سول انجینئر بغیر کسی تاخیر کے رہائش کیلئے مکان بنا سکتے تھے۔ میکانیکل انجینئر کھیتوں میں اناج اگانے کے لئے برقی پمپ لگا سکتے تھے۔ الیکٹریکل انجینئر سڑکوں پر برقی روشنی کا انتظام کرسکتے تھے۔ قریب کے کنوؤں اور تالابوں سے پینے کا پانی لایا جا سکتا تھا۔ عارضی سڑکیں آس پاس کے دیہاتوں کو ملا سکتی تھیں۔ آزاد شدہ علاقوں میں خط اور منی آرڈر پہنچائے جا سکتے تھے۔ آزاد ہند بینک آزاد شدہ علاقوں کی ضروریات کے لئے کافی رقم بہم پہنچا سکتے تھے۔

[ماخوذ از "آزاد ہند فوج کی کہانی" بشکریہ نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دہلی]



نیتا جی سنگاپور میں آزاد ہند فوج کا معائنہ کرتے ہوئے



اپنے بڑے بھائی سرت چندر بوس کے مکان گدھا پہاڑ کرسیانگ میں نظر بند سبھاش چندر بوس، جون ۱۹۳۶ء



نیتاجی سبھاش چندر بوس

لکشمی سہگل

یہ ہمارے دور کا ایک عظیم ترین المیہ ہے کہ نیتاجی آزادی کی حصولی دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہ پائے۔ المیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ اس کے نہایت ہی اہم معماروں میں سے ایک تھے۔ آج عوامی طور پر بلا شبہ ہم لوگ آزاد ہیں لیکن کس قیمت پر اور مستقبل کی بابت ہماری کیا امیدیں وابستہ ہیں۔ آزادی ہمیں برصغیر کے بٹوارے کی قیمت پر ملی۔ اول یہ برصغیر دو حصوں میں منقسم ہوا اور آج تین حصوں میں منقسم ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ حالات جو بٹوارے کا سبب بنے تھے آج بھی ہمارا اور ہماری آنے والی نسلوں کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ یہ ہمارے رہنماؤں کی پالیسیوں پر ایک بدنما داغ ہے۔ نیتاجی نے ہمارے رہنماؤں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تھا کہ ہمارے مسائل کا حل بٹوارہ نہیں ہے بلکہ اس بٹوارے سے نئے مسائل کھڑے ہوں گے۔ آپ نے ثابت کر دکھایا کہ الگ الگ مذہب، زبان اور نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود ہندوستان کے تمام لوگوں کے اندر ایک طرح کی کثرت میں وحدت پائی جاتی ہے۔ آپ نے اسے آئی این اے میں ثابت کر دکھایا۔ اس ادارے میں مختلف مذاہب، مختلف ذات پات، مختلف زبان بولنے والے لوگ موجود تھے لیکن وہ لوگ اپنے تمام اختلافات بھول کر اپنا صرف ایک ہی تشخص پیش کرتے تھے۔ بلا شبہ اس وقت ہندوستانیوں کے نزدیک ایک ہی مشترک مقصد تھا اور وہ انگریزوں کی غلامی سے ملک کو آزاد کروانا تھا لیکن یہاں بھی ہندوستانی رہنماؤں کی تنگ نظر اور خودغرض پالیسیوں کی وجہ سے بٹوارے کی تجاویز ہوئی گئیں۔ ۱۹۳۶ء کے دوران مختلف صوبوں میں حکومتیں بنانے کے سلسلے میں جب فیصلے لئے گئے اس وقت آپ نے اس امر کی پرزور وکالت کی تھی کہ بنگال اور اتر پردیش جیسی ریاستوں میں مخلوط وزارتیں بننی چاہئیں کیونکہ مذکورہ ریاستوں میں سب سے بڑی اقلیت سے تعلق رکھنے والے شہری کافی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مذکورہ بالا تجاویز کو سبوتاژ کیا تھا اس امر نے نیتاجی کے اس ارادے کو تقویت بخشی کہ سمجھوتے کئے جانے کی تجویز اس وقت پیش کی جاتی ہے جب فریقین میں کسی کی حیثیت مضبوط ہوتی ہے۔ نحیف اور چھوٹی پارٹیاں اس امر کو سراہیں گی اور باہمی خیرخواہی اور اعتماد کے حالات کا قیام عمل میں آسکتا ہے دوسری جانب جب یہ سمجھوتہ اکثر و بیشتر دباؤ اور تناؤ کی صورت حال کو پہنچتا ہے تو بعض عدم اعتماد کا ایک احساس پیدا ہوتا ہے۔ اکثریت کو وسیع القلب ہونا چاہیئے اور اقلیتوں کے متعلق دوستانہ سمجھ بوجھ رکھنی چاہیئے۔ آئی این اے کے اندر ذات پات کا فرق تھا ہی نہیں۔ اس کے برعکس اس ادارے میں لوگ تمام مذاہب کا نہایت ہی پرخلوص طور پر احترام کرتے تھے۔ مذاہب کو بالکل اپنا ذاتی معاملہ سمجھتے تھے اور اسے کبھی بھی سیاست یا سرکار میں نہیں لایا۔ آپ نے چھوٹے پیمانے پر مہاتما، پنڈت، مولانا وغیرہ جیسے تمام مذہبی القاب کو یکسر ختم کر دیا تھا نمسکار، رام رام، السلام علیکم، ست سری اکال وغیرہ جیسے مخاطب کرنے کے الفاظ کو "جے ہند" سے بدل دیا تھا۔ یہاں تک کہ قومی نغمہ یعنی نیشنل انتھم جو ٹیگور کا

جنا گیا معنا پر مبنی تھا، میں شامل سنسکرت کے الفاظ کو آسان ہندوستانی الفاظ سے تبدیل کردیا تھا۔ آئی۔ این۔ اے کے اندر عام بول چال کی زبان ہندوستانی تھی اور اسے رومن خط میں لکھتے تھے۔ یہ اتنا سہل تھا کہ ہندوستان کے جنوبی حصوں سے تعلق رکھنے والے کم پڑھے لکھے مرد اور عورتیں بھی تین مہینوں کے وقفے کے اندر سہل ہندوستانی پڑھنے، لکھنے، بولنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتے تھے۔ نیتا جی کی یہ خواہش تھی کہ تمام ہندوستانی زبانوں کو رومن رسم الخط میں لکھا جائے۔

داخلی مسائل پر غور کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے نیتا جی نے ہمیشہ اپنی قومی سالمیت اور وقار کو بیرونی طاقتوں کے ساتھ تعلقات بنانے کے دوران برقرار رکھا ہے۔ یہاں تک کہ جب آپ جرمنی سے مدد دینے کے لئے التجا کر رہے تھے اس وقت بھی آپ نے ہٹلر کو بتاتے ہوئے مطلق کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی تھی کہ ہندوستان کے دانا سے یہودیوں اور مقبوضہ علاقے میں آباد لوگوں کے ساتھ اس کے برتاؤ سے خوش نہیں ہیں۔ جب جرمنی نے سوویت یونین کے خلاف حملے کا اعلان کیا تو نیتا جی نے جرمنوں سے کہا کہ ان لوگوں سے ایک نہایت ہی کڑا مقابلہ ہوگا اور ہٹلر کو بھی نپولین کے جیسے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۸ دسمبر ۱۹۴۱ء کو جاپانی فوج نے پرل ہاربر اور ملایا پر حملہ کر دیا اور مارچ ۱۹۴۲ء کو سنگاپور میں آئی این اے (یعنی آزاد ہند فوج) کے قیام کے بعد نیتا جی کو پتہ چلا کہ آپ کو جلد از جلد یورپ چھوڑنا پڑے گا اور جنوب مشرقی ایشیا کے لئے روانہ ہونا پڑے گا۔ ہٹلر نے آپ کو جرمنی چھوڑ کر چلے جانے سے باز رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی کیونکہ وہ آپ کو پروپیگنڈا مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتا تھا اور اس نے آپ کو زیادہ سے زیادہ حفاظت بہم پہنچانے اور آرام و آسائش مہیا کرنے کی پیشکش کی تھی۔ مذکورہ باتیں نیتا جی کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتی تھیں اور آپ اس بات پر بضد رہے کہ آپکو ہر قیمت پر جنوبی مشرقی ایشیا بھیجنے کے لئے انتظامات کئے جائیں۔ چونکہ راستہ ہواری اور آئی۔ این۔ اے کی ایکسس کاؤنسل کی جانب سے جاپانیوں پر دباؤ بھی پڑ رہا تھا۔ اس لئے نیتا جی کو بالآخر سب میرین یعنی آب دوز جہاز کے ذریعہ جرمنی سے جنوبی ایشیا روانہ کیا گیا۔ یہ سفر نہایت ہی خطرات سے پُر تھا کیونکہ دو موقعوں پر انہیں حلیف آب دوز جہازوں نے دیکھا اور کافی گھبرا کے تک گولہ باری کی۔ ان جیسے خطرناک مرحلوں کے دوران بھی خاموش اور پرسکون

رہے۔ آپکے ساتھی میجر عابد حسین نے مجھ سے ذاتی طور پر کہا کہ "ایکدن جب نیتاجی انہیں کچھ لکھوا رہے تھے تب آبدوز جہاز جس پر یہ لوگ سوار تھے اچانک ڈوبنے لگا۔ دشمنوں کی زبردست گولہ باری سے یہ بری طرح ڈولنے لگا اور بحری جہاز پر کام کرنے والے پرانے عملے بھی گھبرا رہے تھے اور یہ محسوس کر رہے تھے کہ اب ان کی موت ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ بہرکیف خطرہ ٹل گیا اور جب سب لوگ دوبارہ اوپر آگئے تو نیتاجی نہایت پرسکون انداز میں عابد حسین سے مخاطب ہوئے "حسین صاحب آخری لفظ آپ نے کیا لکھا ہے بتائیے اب وہاں سے آگے بات بڑھائیں گے"۔ جرمنی کی آب دوز جہاز سے جاپانی آبدوز جہازوں پر سوار ہونا نہایت ہی خطرناک تھا کیونکہ سمندر غیر معمولی طور پر طوفان انگیز تھا۔ بہرکیف ٹھنڈے دماغ و ذہن کے ساتھ نیتاجی جاپانیوں کی آب دوزوں پر منتقل ہو گئے اور جرمنوں اور جاپان کے آب دوزوں کے عملوں نے جوش سے نعرۂ تحسین بلند کیا۔

نیتاجی ۱۹۴۳ء کے اپریل کو ٹوکیو پہنچے۔ اس وقت تک جنگ کی طغیانی کا رخ حلیف طاقتوں کی حمایت میں ہو گیا تھا۔ جاپان کے وزیر اعظم جنرل توجو بہت دباؤ میں تھے اور جب نیتاجی وہاں پہنچے تو وہ آپ کا خیر مقدم کرنے کی حالت/موڈ میں نہیں تھے۔ بہرکیف آپ سے ملاقات کرنے کے لئے مشیر کاروں نے دباؤ ڈالا۔ جب ملاقات بالآخر طے پائی تو نیتاجی نے توجو کو متاثر کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ بہرکیف سخت گیر اور اصول پسند جنرل توجو نیتاجی کے خلوص اور آپ کی شاندار شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور یہ محسوس کیا کہ آپ صرف ہندوستانیوں کے ہی نہیں بلکہ تمام ایشیائی لوگوں کے رہنما تھے۔ انہوں نے بنا کسی پس و پیش کے نیتاجی کی تمام گذارشیں بشمول آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت کا قیام اور انڈمان و نیکوبار جزائر کو اس عارضی حکومت کے حوالے کرنا منظور کرلی۔ نیتاجی نے آزاد ہند فوج (آئی۔ این۔ اے) کے سپریم کمانڈر اور آزاد ہند عارضی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی تنظیمی قابلیت اور سیاست دانی کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔

آپ نے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے آزاد ہند فوج کو ایک انقلابی فوج میں منظم کیا اور جنوبی مشرقی ایشیا کے تمام صحت مند لوگوں کو اس میں شامل کرکے اسکی طاقت کو دوگنی بڑھادی۔ آپ نے ایسے ہندوستانی وکلاء، ڈاکٹروں، انجینئروں، اساتذہ وغیرہ کے ایک مضبوط شہری انتظامی اہلکاروں کو بھی اوپر اٹھایا جو شہری نظم و نسق چلا رہے تھے۔ مزید برآں آپ نے تمام ہندوستانیوں کو رضاکارانہ طور پر رقم اور سونا بطور چندا دینے کے لئے تیار کرلیا تھا کیونکہ مذکورہ

چندہ سے آزاد ہند کے بینک کا آغاز ہوا تھا۔ فوج کے لازمی لوازمات کی خریداری کے لئے جاپانی سرکار سے ادھار لی گئی رقم کو جزوی طور پر جنگ کے دوران دونوں کو ہی لوٹا دیا تھا۔ چند لوگوں نے نیتا جی پر یہ الزام لگایا کہ آپ اپنی حمد و ثنا کی خاطر ایک عارضی حکومت قائم کر رہے ہیں۔ یہاں حقائق زبردست طور پر توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ آئی این اے کے افسران اور لوگوں کو دراصل تحفظ بخشنے کی خاطر مذکورہ حکومت قائم کرلی گئی تھی۔ یہ ثابت کرنا تھا کہ آپ لوگ جاپانی حکومت کی کٹھ پتلیاں نہیں تھے بلکہ آپ لوگ ایک باقاعدہ طور پر تشکیل پانے والی حکومت کے احکامات کے تحت محو جنگ تھے۔ اس نکتہ کو نہایت ہی مدلل طور پر سری بھولا بھائی ڈیسائی نے واضح کیا تھا جب وہ تواریخی لال قلعہ ٹرائل پر آئی این اے افسران کی جانب سے پیش ہوئے تھے۔ اگرچہ جاپانی چند وجوہات پر مبنی حکمت عملی کے طور پر انڈمان اور نیکوبار جزائر کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے۔ کیونکہ برما کی حکومت نے انھیں ان جزائر کو آئی این اے کے حوالے سے باز رکھا تھا۔ دراصل حکومت ہذا بھی مذکورہ جزائر پر اپنا حق جتانے کا دعویٰ برما کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو وہاں سکونت اختیار کرنے کی خاطر روانہ کر کے پیش کر رہی تھی۔

عارضی حکومت کی کابینہ ملٹری افسران اور غیر فوجی اہل کاروں پر مشتمل تھی اپنی توصیف و تشویش کے اظہار کے لئے آپ نے ایک خاتون وزیر کی تقرری بھی کی۔ کابینہ ہذا کی پہلی نشست کے دوران ہی عارضی حکومت نے برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ بیشتر سیولین کابینہ کے ارکان نے محسوس کیا کہ چونکہ برطانیہ ہمارا دشمن ہے اس لئے ہمیں صرف برطانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کرنا چاہیئے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے خلاف اس لئے اعلان جنگ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ وہ لوگ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے بارے میں ہمدردی اور نرم گوشہ رکھنے کا اظہار کرتے ہیں نیتا جی نے اس امر کی وضاحت کی کہ اس جنگ کے اختتام پر برطانیہ کی حیثیت بطور ایک سامراجی طاقت بالکل نیست و نابود ہو جائے گی۔ آپ نے اس امر کو بھی واضح کیا تھا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان دوستی کا بھی خاتمہ ہوگا اور ریاستہائے متحدہ سب سے بڑی سرمایہ دارانہ اور سامراجی طاقت کے طور پر ابھرے گا۔ ملک ہذا ہندوستان کی سیاسی آزادی کا احترام کر سکتا ہے لیکن ہندوستان کے وسیع بازار اور قدرتی وسائل اسے اپنی جانب راغب کر سکتے ہیں لہٰذا ریاستہائے متحدہ امریکہ ایسی صورت حال کے دوران معاشی طور پر ہم لوگوں پر غلبہ پانے کا خواہاں ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس تشویشناک خطرہ سے خود کو اچھی طرح آگاہ رکھیں اور اس سے نپٹنے کے لئے شروع سے ہی خود کو تیار رکھیں۔ آپ نے اس امر کو بڑی سختی سے محسوس کیا کہ آزاد ہندوستان کو چاہیئے کہ وہ اپنے تعلقات تمام جنوبی اور مغربی ایشیائی ممالک اور سوویت یونین کے ساتھ استوار کرے کیونکہ اس طرز کے ایک اتحاد کی تشکیل ہی امریکی سامراجیت اور نوآبادیات کے طوفان کا مقابلہ کر پائے گی اور اس دنیا میں امن اور ہم آہنگی لائے گی۔

آزاد ہندوستان کون سی طرز حکومت کو اپنانے سے متعلق آپ نے یہ محسوس کیا تھا کہ ہمارے ملک کو راس آنے والی حکومت اشتراکیت پسندی پر مبنی ہونی چاہیئے اور ہمیں آنکھ بند کر کے کسی دوسرے ممالک کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ آپ نے اس بات پر زور ڈالا کہ ہم لوگوں کو ایک ایسی ایگالیٹیرین (سبھوں کے لئے یکساں حقوق والی) سماج کی تشکیل کرنی چاہیئے جہاں تعلیم، روزگار، سبھوں کے لئے پناہ گاہ کی حصولی کے یکساں مواقع سبھوں کو دستیاب ہوں گے اور اس میں کہیں بھی ذات پات اور جنس کی کوئی تمیز نہیں برتی جائے گی۔ آپ کے خیال میں ذات پات کو سرے سے ختم کر ڈالنا چاہیئے اور جو لوگ اس کی خلاف ورزی کریں انھیں سماجی اور معاشی طور پر سزا دی جائے اور آزاد ہندوستان کو چاہیئے کہ وہ اپنی دفاع اور استعمال کے لئے مطلوبہ تمام اشیاء پیدا کرنے کے سلسلہ میں وہ اپنے تمام قوت سے انسانی اور قدرتی وسائل کو بروئے کار لائے۔ ملک میں بڑے پیمانے پر اصلاحات آراضی اور زرعی تجدید کو لاگو کرنا چاہیئے تاکہ دیہی آبادی کی اکثریت معاشی اور سماجی طور پر آزادی کے فوائد محسوس کر پائیں گے۔

بالآخر مجھے خواتین سے متعلق آپ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنی چاہیئے۔ آپ ان کے کاموں کو سراہتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ اور آپ کے یہ محسوسات تھے کہ ہماری تواریخ کے اوراق ان کے قابل ذکر کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔ ان لوگوں نے ہر دور میں اور ہر میدان عمل میں ایک نمایاں اور ممتاز کردار ادا کیا ہے۔ جدوجہد آزادی کے دوران خصوصاً ۱۸۵۷ء سے یہ لوگ جرأت مندی اور عزم مصمم کے ساتھ جدوجہد ہذا میں شامل ہونے کے معاملہ میں ہمیشہ پیش پیش رہے تھے۔ آپ نے جھانسی کی رانی لکشمی بائی، بیگم حضرت محل اور دیگروں کی خدمات اور کارناموں کا بارہا تذکرہ



نیتا جی جھانسی رجمنٹ کی مسلح سپاہیوں کا معائنہ کرتے ہوئے

دیا ہے۔ ان داراں پر نیالت، سانی اور ہزاروں خواتین جنہوں نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا تھا مذکورہ بالا عظیم خواتین کے نقش قدم پر چلیں۔ ان کی بیش بہا خدمات کے باوجود انہیں ان کے جائز مقام سے نہیں نوازا گیا اور نہ ہی انہیں مساوی حقوق عطا کئے گئے۔ لوگ سماجی اور معاشی طور پر ان کا بار بار استحصال کرتے رہے اور انہیں اپنے ظلم کا شکار بناتے رہے۔ آپ نے محسوس کیا تھا کہ مذکورہ ظالم اور ان کا ظلم ہماری قوم پر کلنک کا ٹیکہ ہیں اور آزادی پانے کے بعد یہ لوگ ہمارے لئے ہمیشہ تنزلی اور ترقی کا باعث نہیں رہے۔ مردوں کے شانہ بشانہ آزادی کی حصولی کے سلسلے میں خواتین کی حوصلہ افزائی کے لئے آپ نے جھانسی کی رانی رجمنٹ (یعنی پلٹن) قائم کر کے ایک نہایت ہی انقلابی قدم اٹھایا تھا۔ خواتین کی یہ پلٹن اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی اور مثالی تھی۔ پلٹن کو پیادہ فوج کی تربیت بھی دی گئی تھی اور تربیت کی تکمیل کے بعد انہیں دشمن سے مقابلہ کے لئے محاذ جنگ پر بھیجا گیا تھا۔ نیتا جی کے اس قدم پر ہمارے دشمنوں نے بھی خصوصی توجہ دی تھی۔ بہر کیف ہمارے رہنماؤں کی یہ تنگ نظری تھی کہ انھوں نے نیتا جی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ خصوصاً خواتین، اقلیت اور ہمارے سماج کے کمزور طبقہ کا استحصال آج بھی جاری ہے اور ان کی حالت دن بدن دگرگوں ہوتی جا رہی ہے۔ آیئے کم از کم آج ہم لوگ نیتا جی کی صد سالہ سالگرہ تقریب کے موقع پر نیتا جی کے

> **نیتا جی نے ہمارے رہنماؤں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تھا کہ ہمارے مسائل کا حل بٹوارہ نہیں ہے بلکہ اس بٹوارے سے نئے مسائل کھڑے ہونگے۔ آپ نے ثابت کر دکھایا کہ الگ الگ مذہب، زبان اور نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود ہندوستان کے تمام لوگوں کے اندر کثرت میں وحدت پائی جاتی ہے۔**

حسین اور سنہری خوابوں کو روبہ عمل لانے کا عہد کریں تاکہ ہمارا ملک صحیح معنوں میں آزاد ملک گردانا جا سکے اور اس کے تمام شہری سیاسی، سماجی اور معاشی آزادی سے لطف اندوز ہو پائیں۔

جے ہند۔ (انگریزی سے ترجمہ)



نیتاجی سبھاش چندر بوس

تلوک چند محروم

غلامی میں ابتر تھی حالت وطن کی   ہوئی روح فرسا اذیت وطن کی
کہاں چین تجھ سے محبِّ وطن کو   لٹیروں نے لوٹی جو راحت وطن کی
کیا مضطرب تیری غیرت نے تجھکو   نہ دیکھی گئی تجھ سے ذلّت وطن کی
دلِ پُر حمیّت سے پا کر اشارا
کیا رنجِ غربت کو تو نے گوارا
وطن کیلئے بے وطن ہو کے نِکلا   سراپا اسیرِ محن ہو کے نِکلا
وقارِ وطن تجھ سے پھیلا جہاں میں   چمن سے شمیمِ چمن ہو کے نکلا
یہیں راحتِ قصر وایواں کو چھوڑا   طلب گارِ گور و کفن ہو کے نکلا
ہوئی کارگر تیری تدبیر آخر
کہ ٹوٹی غلامی کی زنجیر آخر

آزادی کی تلاش

وہ لوگ محو خواب میں رہتے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں خواب میں ہوں۔ میں ہمیشہ سے خواب بیں رہتا ہوں حتیٰ کہ جب میں ایک بچہ تھا۔ دنیا کی ترقی کا دار و مدار خواب بینوں اور ان کے ان خوابوں پر ہوتا ہے جو استعمال اور بہترین اور دائمی یا اضافی کے خواب نہیں بلکہ ترقی کثیر التعداد عوام کی خوشی، تمام اقوام کی حریت اور آزادی کے خواب ہیں۔

میں ہمیشہ خواب دیکھ رہا ہوں لیکن میرے تمام خوابوں میں میری زندگی کا سب عزیز خواب ہے ہندوستان کی آزادی کا خواب۔

وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خواب بین کیلئے ساعت میکہ بای نہیں ہے۔ میں اس پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ وہ لوگ میرے خوابوں کو پسند نہیں کرتے لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اگر میں ہندوستان کی آزادی کا خواب نہیں دیکھا ہوتا تو اب تک میں دائمی غلامی کی زنجیر کو قبول کر لیا ہوتا۔

اصل میں سوالیہ نشان یہ ہے کہ کیا میرے خواب شرمندۂ تعبیر ہوں گے؟ میں تسلیم کرتا ہوں وہ سب ان زینہ بزینہ شرمندۂ تعبیر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ موج ایسا ایک خواب ہے جو حقیقت میں بدل گیا ہے۔

نہیں میں خواب میں ہوئے میں شرمندگی نہیں محسوس کرتا۔

۲۷ ستمبر ۱۹۴۴ء — سبھاش چندر بوس

انگریزی سے ترجمہ

نیتا جی کا ایک مکتوب

احتساب شدہ و منظور شدہ	پریسیڈنسی جیل
دستخط: غیر منکشف	کلکتہ —
برائے ڈی سی ایس بی	۱۷ / ۱۱ / ۴۰ء

اہم و فوری

میرے پیارے میجدادا !

میرے دونوں سینئر وکیل بیمار پڑ گئے ہیں میری مراد بڑدا بابو اور سنتوش بابو سے ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ علی پور میں میرا معاملہ ۲۳ تاریخ کو ہے۔ بڑدا بابو وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ اگر بڑدا بابو ۲۳ تاریخ تک روبہ صحت نہیں ہوتے ہیں تو براہ کرم اس دن کے لئے کچھ بندوبست کریں۔

مجھے امید ہے کہ آپ کو اب تک میرے مکتوبات بتاریخ ۲۴ اکتوبر و ۳۱ اکتوبر مل گئے ہوں گے۔ اب ورد ھا تماشے کا دوسرا منظر نامہ شروع ہو گیا ہے۔

مجھے کمر کے حصے میں گذشتہ ۲ یا ۳ دنوں سے سائیٹیکا جیسا درد ہو رہا ہے۔ میں ابھی آزادی سے چل پھر سکتا ہوں اور فی الحال پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ ماں کیسی ہیں ؟

بخدمت	منظور شدہ	آپ کا
محترم سرت چندر بوس	دستخط: غیر منکشف	سبھاش
	لفٹیننٹ کرنل آئی ایم ایس	
اوڈرن پارک	سپرنٹنڈنٹ	
کلکتہ	پریسیڈنسی جیل	

انگریزی سے ترجمہ



نیتاجی: ہندوستان کے عظیم سپوت

جیوتی باسو

آج سبھاش چندر بوس کی صد سالہ سالگرہ ہے وہ بے شک ہندوستان کے عظیم سپوت تھے۔ وہ رویندر ناتھ کے خیال میں دیش نائک تھے۔ ہندوستان کی تحریک جنگ آزادی میں ان کی قربانیوں سے ہمیں حوصلہ ملتا ہے۔ آج ہمارے ملک کے لوگ فرقہ پرستی اور علاقائی سرحد پار کرکے ان کے کارنامے کو تعظیم کے ساتھ مناتے ہیں۔ ایک معنی میں سبھاش برطانوی حکومت کے خلاف قوتوں سے مزاحمت کی علامت تھے۔ انگریز حکمرانوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لئے ہر طرح کی تدبیر آزمانے کے حق میں تھے وہ راستے اور منزل کو چھوڑ کر کسی بھی تنازع کے حامی نہیں تھے۔ "دشمن کا دشمن ہمارا دوست ہے۔" اس پالیسی کو لے کر وہ دوسری عالمی جنگ کے وقت محوری خوا جیسی قوتوں کے ساتھ مل کر برطانوی حکومت کے خلاف جنگ کرنے سے ذرا بھی نہیں ہچکچائے۔ اس پالیسی پر عمل کرنے سے ان کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے سبھاش کی جنگ کرنے کی اس پالیسی کی حمایت نہیں کی تھی۔ تاہم کمیونسٹ نظریے سے سبھاش ایک عظیم شخص تھے۔ ہم نے کبھی بھی اس سچائی سے انکار نہیں کیا تھا۔

سبھاش کی سیاسی زندگی میں جسے ہم سب سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں وہ ہے کانگریس کی تحفظ پسندی اور دایاں بازو رجحان کے خلاف ان کی لگاتار لڑائی۔ پریسی ڈنسی کالج کے واقعات سبھاش کی زندگی میں حب الوطنی کا پہلا جذبہ تھا۔ انگریز حکمرانوں کی ذاتی رجحان نے سبھاش کی عزت کو ٹھیس پہنچایا تھا اور مذکورہ واقعات اس کا ہی ردعمل تھا۔ اپنے والد کا کہنا مان کر سبھاش اعلیٰ تعلیم اور آئی سی ایس کے امتحان میں بیٹھنے کے لئے انگلینڈ گئے۔ اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد انھوں نے ملازمت نہیں کی۔ ان کا خیال تھا کہ انگریزوں کی غلامی کرکے ملک کی خدمت نہیں کی جا سکتی ہے۔ ہندوستان آنے کے بعد وہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی جنگ میں شامل ہو گئے۔ حب الوطنی کے لئے نمایاں محاذ رجحان کے وہ حامی تھے۔ سبھاش ذاتی طور پر مہاتما گاندھی کی تعظیم کرتے تھے۔ گاندھی جی کے بعد ہندوستان کی قومی سیاست سے آگاہ تھے لیکن یہ بات بھی ہے کہ گاندھی جی کی قیادت میں چلنے والی تحریک کی الگ شکل تھی۔ ایک طرف گاندھی نے قومی تحریکوں کو اونچائی پر پہنچایا تھا لیکن دوسری طرف ان تحریکوں کو انھوں نے اپنے ہاتھوں میں رکھا تھا۔ ان تمام تحریکوں کو وہ جب سرحد پار کر جاتے تھے تبھی وہ اسے یک طرفہ طور پر بند کر دیتے تھے۔ ہندوستان چھوڑو تحریک، امن و امان کی تحریک اور دوسری تحریکوں کے دوران اس طرح کا رجحان بار بار دیکھا گیا ہے۔ سبھاش چندر کی نظر میں گاندھی جی کا یہ نظریہ ان کی کمزوری تھی۔ شروع میں سبھاش چندر دیش بندھو چترنجن داس کے حامی تھے بعد میں وہ جواہر لال نہرو کے حامی ہو گئے۔

گاندھی جی کی سرپرستی والی دایاں بازو نظریے کے ساتھ سبھاش چندر کا ۱۹۲۸ء میں کلکتہ کانگریس میں مقابلہ شروع ہوا۔ جواہر لال اور سبھاش چندر نے مشترکہ طور پر ڈومینین اسٹیٹس کے عوض پورے سوراج کی جانب کانگریس کا رجحان لے جانے کا مطالبہ کیا۔ دونوں کے اس مطالبے کو رد کر دیا گیا کیونکہ گاندھی جی

نے اس کی حمایت کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا لیکن اس کانگریس کے دوران ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا یعنی ۵۰۰ مزدوروں نے چند دقیقے کے لئے پورے کانگریس شامیانے پر قبضہ کر کے پورا سوراج کا مطالبہ شروع کیا۔ مزدوروں کے اس اقدامات سے ہندوستان کی سیاست کو بڑے پیمانے پر حوصلہ ملا۔ اسی درمیان سبھاش چندر بوس مزدوروں اور کسانوں کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ وہ ۱۹۳۱ء میں کمیونسٹوں کی حمایت سے اے آئی ٹی یو سی کے صدر منتخب ہوئے۔ دوسری جانب وہ جارحانہ تحریک کی وجہ سے ہندوستانی سماج کے چہیتے ہو گئے۔ ۱۹۳۰ء کے وسط میں ان کا سی پی آئی کے ساتھ قریبی تعلقات میں اضافہ ہوا۔ پارٹی کے ساتھ ان کی یہ قربت اس وقت مزید بڑھ گئی جب کمیونسٹوں نے گاندھی کی سرپرستی حاصل کرنے والے دایاں بازو کے امیدوار پٹابھی سیتارمیا کو تریپورہ کانگریس کے صدر کے عہدے کے لئے انتخاب کے دوران شکست دینے میں سبھاش چندر کی حمایت کی تھی۔ واضح ہو کہ میں اس وقت ولایت میں تھا۔ سبھاش کی اس کامیابی پر ہم لوگوں یعنی غیر ملک میں تعلیم حاصل کرنے والے ہندوستانی طلباء و طالبات کو کافی خوشی نصیب ہوئی تھی۔ اس وقت میں لندن مجلس کا جنرل سکریٹری تھا۔ تریپورہ کے اس واقعہ پر ہم لوگوں نے مجلس کی ایک میٹنگ کی تھی جہاں میں نے میٹنگ سے خطاب کیا تھا۔ میٹنگ کے خاتمے کے بعد میں نے مجلس کی جانب سے سبھاش چندر بوس کو مبارکباد کا تار روانہ کیا تھا۔

ہم لوگ یہ جانتے ہیں کہ دایاں بازو کے حامی کانگریسیوں کے احتجاج کی وجہ سے سبھاش چندر بوس کو صدارت کے عہدے سے استعفیٰ دے دینا پڑا۔ مئی ۱۹۳۹ء میں انھوں نے بایاں محاذی قومی تنظیم کی حیثیت سے فارورڈ بلاک نامی تنظیم قائم کرنے کا اعلان کیا۔ سی پی آئی کا پہلے یہ خیال تھا کہ اس نئی پارٹی کی وجہ سے قومی آزادی کے لئے تحریک کمزور پڑ جائے گی لیکن بعد میں یہ رجحان تبدیل کر دینا پڑا کیونکہ سی پی آئی خاص کر بنگال اور فارورڈ بلاک نے مشترکہ طور پر سیاسی تحریک شروع کی جس میں سیاسی قیدیوں کی آزادی اور جمہوری حق کی تحریک شامل تھی۔ ایک طرف کمیونسٹ پارٹی کے گوپال ہلدار، سوئے گھوش اور ایس اے جھا فارورڈ بلاک ترجمان کے سکریٹیریٹ بورڈ کے ساتھ منسلک تھے تو دوسری جانب سبھاش چندر بھی سی پی آئی کا ترجمان نیشنل فرنٹ میں مضامین لکھتے تھے۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں انھوں نے کلکتہ کے بلیک ہال خونریزی میں ہلاک ہونے والے انگریزوں کی یاد میں قائم ہالویل کو ہٹانے کے مطالبے کے لئے کامیاب ستیہ گرہ تحریک چلائی تھی۔ اس تحریک کی وجہ سے بنگال کے ہندو اور مسلمان متاثر ہوئے تھے۔

نیتا جی خود کو سیکولر سمجھتے تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا جب وہ اس نظریے سے انحراف کر گئے تھے لیکن دوسری عالمی جنگ شروع ہونے سے چند روز قبل معروف کمیونسٹوں کے ساتھ لندن میں ہونے والی بات چیت کے بعد وہ مذکورہ نظریے دوبارہ مکر گئے تھے۔ یہ بھی سنا گیا تھا کہ انھوں نے رجنی پام سے کہا تھا کہ انھیں شک ہے کہ سی پی آئی قومی تحریک سے پیچھے ہٹ رہی ہے۔ انھوں نے شدت سے کہا کہ بعد میں کمیونسٹوں کے بارے میں ان کا رجحان بدل گیا ہے۔

مجھے یاد پڑتی ہے کہ سبھاش چندر بوس جب دوسری عالمی جنگ کے شروع ہونے سے قبل انگلینڈ گئے تو وہاں ہم لوگوں نے ان کا والہانہ خیر مقدم کیا۔ اس استقبالیہ جلسے میں لیبر پارٹی کے چند نمائندے بھی شامل تھے۔ ان کی ہدایت پر ان لوگوں نے کہا کہ ان کی پارٹی بھی ہندوستان کی آزادی کے حق میں ہے۔ اس دوران نیتا جی نے لیبر پارٹی کے لیڈروں کو مبارکباد دی لیکن ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ اگر ہماری حمایت نہ بھی کی تو بھی ہم لوگ آزادی حاصل کر کے رہیں گے۔ انگلینڈ میں ان کے ساتھ میری ملاقات ہوئی۔ اس وقت میں نے ان سے کہا کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ملک واپس جا کر بایاں محاذی سیاست کریں گے۔ انھوں نے اس بات پر میری حوصلہ افزائی کی تھی لیکن بعد میں خبردار کیا تھا کہ سیاست پھولوں کا سیج نہیں ہے۔ آگے چل کر مجھے احساس ہوا کہ اس میں کتنی صداقت تھی۔ ۱۹۳۸ء میں ہری پورہ سمیلن میں سبھاش چندر کی صدارتی خطبہ خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے۔

اپنی اس تقریر میں انھوں نے ہندوستان کے اہم مسئلوں کے حساب سے تین معاملہ پر زور دیا تھا۔ ایک غریبی دور کرنا، دوسرا تعلیم کا پرچار، پیداوار اور کاشتکاری کے لئے سائنسی طریقہ استعمال کرنا۔ انھوں نے زمینداری نظام کو ختم کرنے اور کسانوں کو سود سے آزاد کرنے پر زور دیا تھا اس کے علاوہ انھوں نے گاؤں والوں کیلئے کم سود پر قرض دینے پر زور دیا تھا۔ پیداوار میں اضافے کے لئے تحریک میں شدت پیدا کرنے پر زور دیا تھا۔ ملکی صنعت کاری کو بڑے پیمانے پر پھیلانے پر بھی زور دیا تھا۔ تاہم انھوں نے چند بنیادی صنعت جیسے اسپات اور بجلی کی پیداوار پر کافی زور دیا تھا کیونکہ اس کے بغیر صنعت کو بڑے پیمانے پر پھیلانا ممکن نہیں ہے۔ اس دور کے قومی لیڈروں میں سبھاش چندر نے ان بنیادی ضرورتوں پر زور دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ اگر آبادی میں اسی رفتار سے اضافہ ہوتا رہا تو ایک وقت ایسا آجائے گا کہ ہمارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی آبادی پر روک لگا دیں تبھی ہم لوگ روٹی کپڑا اور تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہوں گے۔

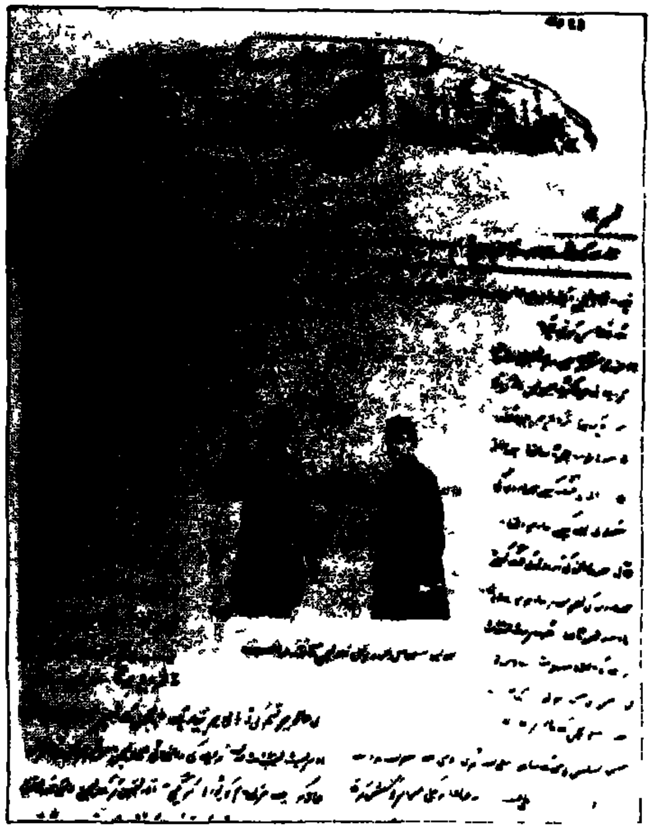
سبھاش چندر ہندوستان کے اطالوی حیثیت سے ہندوستان کو حاصل کرنے کی ہدایت دی تھی۔ انھوں نے سب سے زیادہ پڑوسی ملکوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے پر زور دیا تھا۔ ملک میں کسی قدر فرقہ پرستی میں اضافہ ہو رہا تھا اس پر دھیان دینے کے لئے انھوں نے ہدایت دی تھی انھوں نے اس فرقہ پرستی کے لئے انگریزوں کے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کو ذمہ دار ٹھہرایا تھا تاہم انھوں نے ڈاکٹر میگھ ناتھ ساہا کے پاس یہ قبول کیا تھا کہ ہندوستان کو قومی یکجہتی کا مسئلہ لاحق ہے انھوں نے ملک کے مختلف مذہبی فرقوں کے دلدل سے فرقہ پرستی دور کرنے کے لئے عصری تعلیم پر زور دیا تھا انھوں نے کہا تھا کہ تعلیم میں اضافہ ہونے سے ہی مذہبی کٹرپن کو کم کرنے میں آسانی ہوگی۔ وہ قومی معیشت کی ترقی کے لئے روس کے پانچ سالہ منصوبے کو زیادہ اہم سمجھتے تھے اس کے ساتھ ہی قومی منصوبے پر بھی عمل کرنے پر زور دیا تھا۔ ہریپورہ کانگریس کے اجلاس ختم ہونے کے فوراً بعد انھوں نے جواہر لال نہرو کی صدارت میں کانگریس کی ماتحتی میں نیشنل پلاننگ کمیشن قائم کیا گیا۔ ٹی۔ شاہ جو اس وقت کے مشہور ماہر مالیات تھے اس کمیشن کے ممبر بن گئے۔ قومی تحریک میں شدت آجانے کی وجہ سے اس کمیشن پر زیادہ دھیان دینے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ جواہر لال نہرو نے ۱۳ سال کے بعد وزیر اعظم کی حیثیت سے اس کمیشن پر عمل کیا۔ سبھاش چندر کا قومی تنظیم کے سلسلے میں ان کے نظریے کے ساتھ سی پی آئی کے نظریے کا ٹکراؤ پیدا ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں شروع ہونے والی جنگ کا سی پی آئی نے جنگ مخالف تحریک شروع کی تاکہ برطانوی حکومت عوام پر جنگ کا بوجھ نہ لاد دے لیکن ۱۹۴۱ء میں سوویت روس پر نازی جرمن کے حملے نے دوسری عالمی جنگ کو عوامی جنگ میں تبدیل کردی۔ دنیا کی دیگر کمیونسٹ پارٹیوں کو لے کر سی پی آئی نے بھی یہ محسوس کیا کہ قومی آزادی کی تحریک کے مفاد میں سوویت روس کی قیادت میں جنگ میں شامل ہونے کی ضرورت ہے۔ دوسری جانب جنگ کے لئے سبھاش کا نظریہ تھا کہ دشمن کا دشمن میرا دوست ہے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے محوری قوتوں کی حمایت سے ہندوستان کی برطانوی حکومت کے خلاف زبردست مسلح حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔

سبھاش چندر بوس پولس کی آنکھ میں دھول جھونک کر کلکتہ سے برلن چلے گئے۔ وہاں سے وہ جنوب مشرقی ایشیا گئے۔ وہاں انھوں نے آزاد ہند فوج تشکیل کی۔ جاپانیوں کی مدد سے آزاد ہند فوج دہلی کی جانب روانہ ہوئی۔ آزاد ہند فوج کی قربانیوں کی باتیں تمام لوگوں کو معلوم ہیں لیکن آخر میں آزاد ہند فوج انگریزی فوج سے شکست کھا گئی یہاں دو باتیں یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلا یہ کہ کمیونسٹ ورکروں نے سبھاش چندر کو کلکتہ سے فرار ہونے میں مدد دی۔ اس سلسلے میں دیگر لوگوں نے بھی لکھا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ جاپان یا جرمنی کے ہاتھ میں کبھی بھی کھلونا نہیں بنے تھے۔ انھوں نے اپنی ہندوستانی فوج کو سوویت روس یا برما کے خلاف ان کی قیادت میں جاپانی مخالف کارروائی میں شامل ہونے نہیں دیا تھا۔ کئی مورخوں کا خیال ہے کہ ہندوستان یہ محسوس کرتا ہے کہ جرمنی حملہ آور تھا۔ اس کے علاوہ کئی مورخوں کا خیال ہے کہ صرف جرمنی ہی نہیں بلکہ جاپان کو بھی سبھاش چندر بوس پر اعتماد نہیں تھا۔ یہ ممکن ہے کہ سبھاش چندر کی ہٹلر کے ساتھ ایک مرتبہ ہی ملاقات ہوئی تھی جس میں سبھاش چندر کے ساتھ ان کے دوست فن ٹرٹ مترجم کی حیثیت سے موجود تھے۔ بتایا گیا کہ ہٹلر نے سبھاش چندر کو ایک نقشہ دکھا کر کہا کہ ہندوستان جرمنی سے بہت دور واقع ہے اور یہی وجہ ہے کہ جرمنی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ فی الحال آپ کی مدد کی جائے اس میٹنگ کے بعد وہ چند دنوں کے اندر آبدوز کشتی کے ذریعہ مشرق کی جانب چلے گئے۔ ۱۹۴۰ء کے دوران بہت لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا۔ بین الاقوامی سیاست کی چند قوتیں سبھاش کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ صداقت پر مبنی نہیں تھی بلکہ انھوں نے ہی غیر ملکی قوتوں کو ملک کی آزادی کے لئے اپنے مقصد حاصل کرنے کیلئے استعمال کیا تھا۔ انھوں نے کبھی بھی غیر ملکی قوتوں کے سامنے خود کو حوالے نہیں کیا تھا۔ گاندھی جی کو انھوں نے کہا تھا کہ وہ جو ملکی مفاد کو سمجھتا ہے اور جو ملک کے لئے ساری خدمت کرتا ہے وہ اس دنیا کا آخری انسان جو غیر ملکی طاقت کے حوالے کرے گا۔

نیتا جی ایک مفکر حب الوطن تھے۔ ان کے سیاسی نظریے ہر معنی میں پارٹی کے نظریے سے نہیں ملنے کے باوجود بھی وہ جتنے دنوں تک ہندوستان میں تھے پارٹی کے ساتھ ان کے تعلقات بہتر تھے۔ سبھاش چندر کی حب الوطنی ہمارے لئے لائق تعظیم ہے۔ ان کے سماج دشمن مخالف رویے نے لوگوں کو کافی متاثر کیا ہے۔ آج ہم لوگ جب نئے سرے سے ملک کو متحد کرنے میں مصروف ہیں تو ایسی صورت میں سبھاش چندر کی اپنے وطن کے لئے قربانیاں اور عوام کے لئے ان کی محبت ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی جس کا سیاسی اصول میں فرقہ پرستی اور علیحدگی پسندی شامل ہے۔ وہ بھی آج نیتا جی کی صد سالہ سالگرہ منا رہی ہے۔ (بشکریہ آبشار کلکتہ) ■■

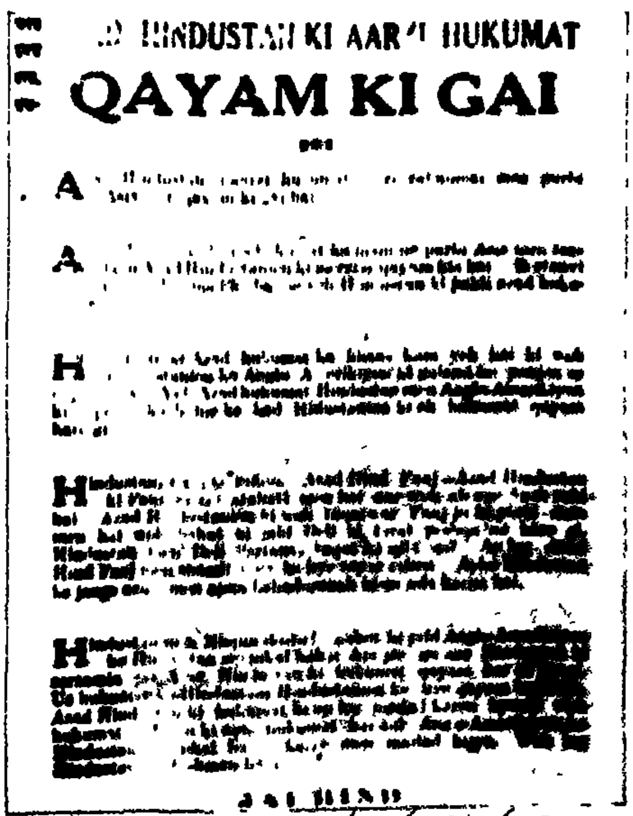
> **تم مجھے خون دو میں تمہیں آزادی دیتا ہوں**
>
> • نیتا جی سبھاس چندر بوس





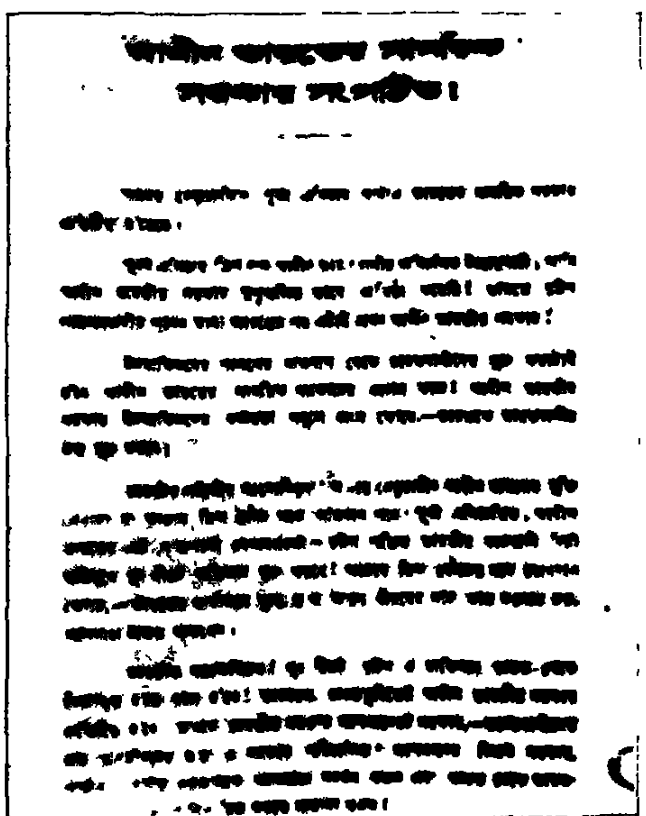
آزاد ہند تحریک کے مجموعی اشتہارات پر مبنی پمفلٹ کا سر ورق

یورپ میں آزاد ہند فوج کے شائع کردہ رسالہ "نجاتی ہند" کا سر ورق



... HINDUSTAN KI AARZI HUKUMAT

QAYAM KI GAI



ہندوستان کی عارضی حکومت کا اعلامیہ ایک اردو (ہندوستانی) میں اور ایک بنگلہ میں، جسکی ۲۰ دسمبر ۱۹۴۳ء کو جاپانی ہوائی جہاز سے عام تقسیم کی گئی تھی



نیتاجی: اشتراکیت کے امین

اشوک گھوش

سبھاش چندر بوس کی قیادت میں کمیونسٹ پارٹی اگر آج کی طرح متحد ہو جاتی تو آج تواریخ جدا ہی ہوتی۔ سبھاش چندر بوس کا نظریہ صرف ایک ملک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں سامراجیت سے نجات حاصل کرنے میں کلیدی رول نبھا سکتا تھا۔

کچھ ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک برطانوی محقق نے کلکتہ آکر مجھ سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے ریسرچ کا موضوع دوسری عالمی جنگ میں جو ممالک ایکسس پاور (محوری طاقت) سے منسلک تھے۔ مثلاً اٹلی، جرمنی، اور جاپان کے لیڈران یعنی مسولینی، توجو، ہٹلر ان لیڈروں پر ریسرچ کرنا۔ یہ لیڈران آج عوام کے دل و دماغ سے ختم ہو گئے ہیں۔ ان میں صرف نیتاجی ہی سب سے بڑی قوت تھے جنھیں آج ابتک بھلایا نہیں جا سکا۔ انھوں نے جرمنی اور جاپان کی حمایت سے آزاد ہند فوج بنائی۔ لیکن نیتاجی آج تک مقبول ہیں۔ آخر کیوں؟ ہٹلر، مسولینی بھی اپنے زمانے میں مقبول تھے لیکن تواریخ میں نہیں۔ تواریخ کے صفحات میں اسٹالن بھی ہیں، نیتاجی بھی۔ اس غیر ملکی محقق نے یہ بھی بتایا کہ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں دو لیڈر بہت مقبول ہیں۔ ۷ ہفتہ دہلی میں ادھر ادھر گھومنے کے بعد وہ کلکتہ میرے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کہ وہ دو مقبول لیڈران موہن داس کرم چند گاندھی اور نیتاجی سبھاش چندر بوس تھے لیکن یہاں کے عوام سے بات چیت کرنے کے بعد اس برطانوی محقق کو پتہ چلا کہ یہاں کے عوام میں صرف ایک ہی لیڈر سبھاش چندر بوس مقبول ہیں۔ میں نے اس محقق سے کہا تھا کہ سچ مچ ہندوستان کی قومی سیاست کے ہیرو نیتاجی ہیں جو ایک طرف حب الوطن اور سامراجیت مخالف تھے تو دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم کے پجاری تھے۔ جاپان نے جرمنی کے سامنے سرنگوں ہو کر دستخط نہیں کیا۔ قومی وقار کا تحفظ کرتے ہوئے یکساں وقار کی بنیاد پر انھوں نے آزادی کی لڑائی لڑی۔ لہٰذا جن لوگوں نے ۴۴-۱۹۴۳ء میں نیتاجی کے موقف پر شبہ کا اظہار کیا تھا۔ آج وہ لوگ صدق دلی سے اقرار کرتے ہیں کہ نیتاجی کو سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی تھی۔ حالانکہ آج بھی کچھ ایسے دانشور موجود ہیں جو ان کے تعلق سے طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ کٹر قوم پرست تھے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ فاشزم کے خوشامدی تھے۔ کچھ لوگ انھیں کمیونزم کے حامی بتاتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نیتاجی فیبین سوشلسٹ تھے۔ میں قارئین کے سامنے بہت پہلے کے کچھ واقعات ایک ایک کرکے بیان کرتا ہوں۔

۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ بیلی اربند کے بھائی بیلی بارین گھوش کو سبھاش چندر بوس نے ایک خط لکھا تھا۔ خط کی کچھ باتیں درج ذیل ہیں۔

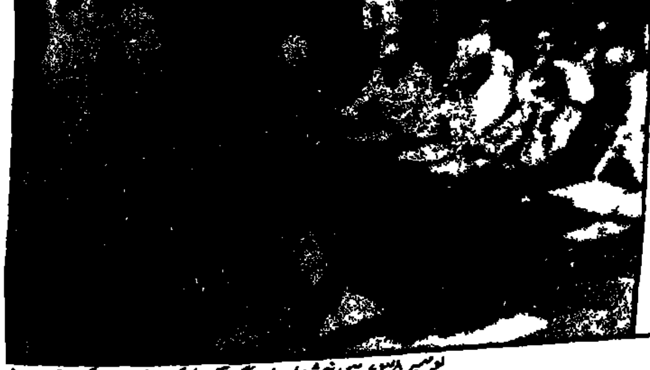
"...... لیکن اب یہ کہنا پڑے گا کہ ہم لوگ عوام کو صرف قومی بندھن سے ہی نجات دلانا نہیں چاہتے ہیں۔ ہر طرح کے بندھن سے آزاد کرانا چاہتے ہیں یعنی سیاسی، اقتصادی اور سماجی بندھنوں سے۔ ان بندھنوں کو توڑنا ہی آزادی کی جنگ کا مقصد ہے۔ ہر طرح کے بندھنوں کو توڑنے میں کامیاب ہوئے تبھی ہم لوگ کمیونزم کی بنیاد پر نئے سماج کی تعمیر کر سکیں گے۔ ایک آزاد طبقہ سے پاک معاشرہ

کی تشکیل ہی ہماری جدوجہد آزادی کا اصل مقصد ہے"۔ اس نظریہ سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جب تک سماج طبقوں میں بٹا رہے گا اس وقت تک اشتراکیت قائم نہیں ہو سکتی اپنے اس نظریہ کے ذریعہ نیتاجی سبھاش چندر بوس نے انھیں باتوں کا اعلان کیا تھا۔

۱۹۳۸ء میں کانگریس کے تریپوری اجلاس میں صدر کے انتخاب کو لیکر تنازعہ دیکھا گیا۔ کانگریس کے اندر بائیں بازو کے جو سب لوگ تھے وہ سب متحد ہو گئے اور اعلان کیا کہ نیتاجی کو وہ لوگ دوسری بار صدر بنائیں گے دوسری طرف گاندھی جی نے اعلان کیا تھا ان کے نامزد امیدوار پٹوبھی سیتا رامیا ہوں گے۔ کانگریس کی تواریخ میں آج تک پہلی بار صدر کے انتخاب کو لے کر مقابلہ آرائی ہوئی تھی اس مقابلہ میں بائیں بازو کے امیدوار نیتاجی سبھاش چندر بوس کامیاب ہوئے تھے گاندھی جی سبھاش چندر بوس کی جیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پٹوبھی سیتا رامیا کی شکست ان کی شکست ہے آج بہتیرے لوگوں کا خیال ہے کہ گاندھی جی اور سبھاش چندر بوس کے بیچ میں جو تنازعہ تھا وہ ذاتی نوعیت کا تھا لیکن ہرگز ایسا نہیں تھا سبھاش چندر بوس کی جیت ذاتی جیت نہیں تھی بلکہ بائیں بازو والوں کی متحدہ کوششوں کا ثمرہ تھا دوسری طرف پٹوبھی کی شکست کانگریسی سیاست میں دائیں بازو والوں کی ہار کی شکست تھی لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بائیں بازو والوں کے اتحاد کی تواریخ یہیں نہیں قائم ہوئی۔ آج اس کا مستقبل پر تبصرہ کرنا ہوگا اور فیصلہ کرنا ہوگا اس کا میں اس دنیا میں دے رہا ہوں

۲۹ اپریل ۱۹۳۹ء میں کلکتہ کے ویلنگٹن اسکوائر (موجودہ ملک اسکوائر) میں اے آئی سی سی کے اجلاس میں سبھاش چندر بوس کانگریس کی صدارت سے مستعفی ہو گئے ۹ جولائی ۱۹۳۹ء میں مختلف ریاستوں میں کانگریس نے وزارت کئے جانے کی وزارتی کونسل کی مذمت کی اور سبھاش چندر بوس نے بعد کمیونسٹ لیڈرشپ کمیٹی کی طرف سے ملک بھر میں ایجی ٹیشن کیے (استبدادیت مخالف دن) منانے کی پکار دی، اس جرم میں کانگریس سے انھیں نکلنا پڑا۔ کانگریس سوشلسٹ پارٹی، نیشنل فرنٹ (سی پی آئی)، ایڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی (ایم این رائے) وغیرہ یکے بعد دیگرے لفٹ کنسولیڈیشن کمیٹی سے نکل گئی۔ اس کے بعد سبھاش چندر بوس کو سمجھ میں آ گیا کہ کانگریس کے اندر لفٹ پارٹیوں کا اب اتحاد نہیں ہے سبھاش چندر بوس نے جو سپنا دیکھا تھا وہ بکھر کر رہ گیا۔ ٹھیک اسی زمانہ میں ۱۹۴۰ء میں رام گڑھ میں کسان لیڈر سوامی سہجانند سرسوتی کو انھوں نے ساتھ لیا اور ۱۷ مارچ کے کانگریس اجلاس کے متوازی انھوں نے سمجھوتہ مخالف کانفرنس میں شرکت کی اپیل کی۔

اس کانفرنس سے انھوں نے آواز بلند کی کہ ہمارے دشمن آج کمزور ہو گئے ہیں۔ ملک لڑائی کے لئے تیار ہے لیکن لیڈر لوگ لڑائی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی۔ جرمنی نے برطانیہ، فرانس وغیرہ پر حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے عالمی جنگ شروع ہوئی تھی سبھاش چندر بوس کا خیال تھا کہ جنگ کے واقعہ کا ذکر کرنا ہوگا۔ یہ واقعہ ہم لوگوں نے کسی زمانہ میں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے رکن سوہن سنگھ جوش یا سوبھاسنگھ (؟) سوہن باٹلی والا کی سوانح عمری سے حاصل کیا تھا۔ سوہن باٹلی والا نے لکھا تھا کہ ۱۹۴۰ء کے وسط میں سبھاش چندر بوس نے سوہن باٹلی والا کے ہاتھ میں ایک دستاویز دی۔ یہ اپیل کی کہ اس دستاویز کو ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری تو روف اسٹالن کے پاس بھیج دیا جائے۔ اس رپورٹ میں سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کو سبھاش چندر بوس نے اطلاع دی تھی کہ دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی ہے۔ سامراج برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے کا ایک بہتر موقع ہاتھ آیا ہے۔ ہندوستانی عوام اپنی آزادی کی جنگ کرنے کیلئے پوری طرح تیار ہیں۔ پوری قوم بغاوت کرنے کے لئے کمر باندھے کھڑی ہے اس وقت ایک مسلح انقلابی فوجی بغاوت کو صحیح راستے پر چلانے کی ضرورت ہے۔ سبھاش چندر بوس نے اس دستاویز میں سوویت کمیونسٹ پارٹی سے یہ مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر سوویت یونین کی لال فوج اس کی مدد کریں تو ہندوستان کو جلد آزادی مل جائے گی۔ سبھاش چندر بوس کے اس غیر مطبوعہ دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں مسلح بغاوت چاہی تھی۔ جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھرپور حملہ کرنا چاہا تھا لیکن جب وہ آخری موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے منصوبہ بنانا شروع کر دیا کہ ملک سے باہر رہ کر آزادی کی لڑائی کریں گے۔ (بشکریہ آلستار کلکتہ)



نومبر ۱۹۳۸ء میں نیشنل پلاننگ کمیٹی کا افتتاح کرتے ہوئے



عارضی حکومت

(۸ر جون ۱۹۴۰ء کو کرسیانگ سے شائع شدہ تقریر کا اردو متن)

عزت مآب وائسرائے کے حال ہی میں شائع شدہ خطاب، کمانڈر انچیف کے بیان دائمی اور گورنروں کی کارکردگی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکومت برطانیہ اس بات کی سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہے کہ ہندوستان کو جنگ میں استعمال کیا جائے اور اس کی آزادی کی مانگ کو قبول نہ کیا جائے۔

یہ میرا بھی خیال ہے کہ حکومت برطانیہ کو یہ ہمت گاندھی جی کے اس خطاب سے ملی جس میں انھوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ ہمیں اس مشکل گھڑی میں عظیم برطانیہ کو الجھن میں مبتلا نہیں کرنا چاہیئے اس بات کی حمایت صرف گاندھی وادی لیڈروں نے ہی نہیں کی بلکہ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی کی ہے۔

لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بالواسطہ طور پر کانگریس کی کارگذار کمیٹی کی پالیسی ہندوستان میں برطانیہ سامراجیت کے ذمہ دار ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ حکومت برطانیہ اپنے ارادوں سے تل برابر بھی نہیں ہٹے گی۔ یہ سنگین حالات جو پیدا ہوئے ہیں وہ ان لوگوں کے ذریعہ ہری پورہ کانگریس میں جنگ سے متعلق تجویز کو پاس کرانے کا نتیجہ ہے۔ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ اگر برطانیہ کی فوج کی مستقبل میں شکست فاش ہوتی ہے تو وہ یقیناً اس بات کی پرواہ کیئے بغیر کہ ہندوستانی رائے عامہ کیا کہتی ہے، اپنے وعدوں سے پیچھے ہٹ جائے گی۔

جبتک ہندوستان غلام ہے تب تک یورپی جھگڑوں میں پڑنے سے ہمارا کیا فائدہ ہے؟ ہم فوراً آزادی چاہتے ہیں۔ حکومت نے جو وعدے کئے تھے وہ عوام کے لئے کھوکھلے ثابت ہوئے۔ ہمیں اس زاویہ سے سوچنا پڑے گا کہ ہم انگریزوں سے ابھی کیا پانے جا رہے ہیں۔ ابتک جتنے بھی سیاسی وعدے کئے گئے تھے وہ ٹوٹ گئے، ابتک کا تجربہ ہمیں یہی بتا رہا ہے۔ پھر سے ہمیں حکومت کے بڑے بڑے وعدوں کے بہکاوے میں نہیں آنا ہے۔

موجودہ دور میں برطانیہ حکومت کی خارجی پالیسی کی خاصیت تنگ نظری رہی ہے۔ برطانیہ کے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہی رہی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ آج بھی برطانیہ کے سیاست دانوں کے پیچھے اسی تنگ نظری کے شکار ہیں۔ وہ آج ہندوستان کی مدد سے برطانیہ کو بچانے کے لئے سوچ رہے ہیں لیکن غلام ہندوستان برطانیہ یا کسی دوسرے ملک کو کیسے بچا سکتا ہے۔ ہندوستان کو پہلے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ اسکو ہم تبھی بچا سکتے ہیں جبکہ ہندو مسلمان سبھی ملکر عارضی قومی حکومت کی مانگ کریں اور اسے پورے حقوق دلانے کی کوشش کریں۔ یہ نظام ہر ایک انقلاب کے تاریخی بحران میں اپنایا گیا ہے۔ موجودہ دستور کے تحت ۱۹۳۵ء کے دستور میں تھوڑا سا رد بدل کر کے عارضی قومی حکومت مرکز کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے لیکن عارضی قومی حکومت کو خود مختاری کا حق چاہیئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب موجودہ بحران ٹل جائیگا

اور موجودہ عارضی قومی حکومت سبھی طرح کے برٹش قانون سے آزاد ہو جائیگی تو وہ قانون ساز اسمبلی کی بیٹھک بلاکر آزاد ہندوستان کے لئے بڑے پیمانے پر دستور تیار کرے گی جس میں ہندوستان کی مکمل آزادی وجود میں آئے گی۔

عارضی قومی حکومت کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ ہندوستانی عوام کو جہاں تک ممکن ہو اسلحہ سے لیس کرے۔ زیادہ سے زیادہ دوست بیرونی طاقتوں سے اچھے تعلقات پیدا کریں جس سے ہندوستان کی سالمیت ہر حالت میں برقرار رہے۔ اگر ہم ان طریقوں کو اپنا لیں تو اندرونی مداخلت کا بھی خدشہ نہیں رہے گا اور خاص صورتحال کی وجہ سے یورپ میں نازیوں کو اگر موجودہ فتح حاصل ہو جاتی ہے تو بھی کوئی ڈر کی بات نہیں ہوگی۔ جب ہندوستان آزاد ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنی حفاظت کرنے کا ہی ساتھ ساتھ اپنے دوست ممالک کی بھی مدد کر سکتا ہے۔

آج ہندوستانیوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ ایک ہی نعرہ لگائیں کہ "ہندوستانیوں کو پورے حقوق ملنے چاہئیں" اور جلد ہی عارضی قومی حکومت کو خودمختاری کا حق حاصل ہو۔ یہ مانگ ہندو مسلمان دونوں ہی کو مل کر کرنی چاہئے۔ کیا کانگریس اور مسلم لیگ اس بارے میں متفق ہو سکتے ہیں؟ اگر وہ ایسا کر سکتے ہیں تو وہ بھارت کو ہمیشہ کیلئے بچا لیں گے۔ اگر بدقسمتی سے اس تجویز کو ٹھکرا دیا جاتا ہے تو دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم ہندوستانی عوام کو جدوجہد کے راستے پر آنے کی اپیل کریں۔

میں مؤدبانہ طور پر برٹش حکومت کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ جبتک ہندوستان غلام ہے اس کے وسائل کا استعمال نہ کرے ہندوستان کو مہاتما گاندھی یا گاندھی واد لیڈروں اور دیگر لیڈروں کی میٹھی میٹھی باتوں سے گمراہ نہ کرے۔ یہ لیڈران جب بھی سمجھوتہ کی بات کرتے ہیں تو وہ ان کا ذاتی خیال ہے پورے ہندوستانی رائے عامہ یا تمام ہندوستانیوں کی رائے نہیں ہے۔ کچھ علاقوں میں اس طرح کا مشورہ دیا جارہا ہے کہ نازیوں کی موجودہ جنگ میں فتح ہونے کی وجہ سے یہ سامراجی جنگ نہیں رہ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سامراجی جنگ باشعور لوگوں کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔

میں آخر میں برٹش حکومت سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ وہ اطمینان سے اس کے متعلق سوچے کہ اگر وہ برطانیہ کو بچانے کے لئے غلام ہندوستان کے وسائل کا استعمال کرتی ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس سے برطانیہ تو غلام نہیں ہوگا لیکن ہندوستان کی بربادی یقینی ہے۔ آزاد مضبوط اور متحدہ اور منظم ہندوستان ہر ممکنہ خطرے سے خود کو محفوظ رکھنے کے قابل ہوگا ہی۔ ساتھ ہی ساتھ دوسرے دوست ممالک جس میں برطانیہ بھی شامل ہے، کیلئے مددگار ثابت ہوگا۔ میری ان تمام تر گذارشوں کے بعد بھی اگر برطانیہ کے سیاست داں کی عقل کا دیوالہ بنا رہتا ہے اور برطانیہ حکومت کی ہندوستان کے متعلق نئی پالیسی کے حامی بنتے ہیں تو کسی بھی طرح مہاتما گاندھی بھی اس پالیسی کی حمایت کیوں نہ کریں، ہم نہیں کریں گے۔

[فارورڈ بلاک (ہندی) سے ترجمہ، بشکریہ: لوک مت پرکاش



نیتاجی ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو سنگاپور میں آزاد ہند کی عارضی حکومت کا اعلان کرتے ہوئے



Postage stamps printed in Germany for use in Free India



جنگ آزادی کے سورما: نیتاجی سبھاش چندر بوس

رئیس الدین فریدی

جس طرح ۱۸۵۷ء کی آزادی کی جنگ میں بخت خاں، مولوی احمد اللہ، بیگم حضرت محل، جھانسی کی رانی لکشمی بائی، تانتیا ٹوپے اور کنور سنگھ نے شجاعت اور جانبازی کے جوہر دکھائے تھے اور اپنے ساتھیوں اور سپاہیوں کی جدوجہد عارضی طور پر ناکام ہو جانے کے باوجود خود ہی سرخرو نہیں ہوئے تھے بلکہ ملک اور قوم کے اندر وہ جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا جو بار بار سر اٹھاتا اور طوفان بلا کی طرح انگریزوں کے سر پر منڈلاتا رہا۔ جس نے کبھی ایسی تحریک کی صورت اختیار کی جس نے بھگت سنگھ، دت، چندر شیکھر آزاد، کھودی رام، اشفاق اللہ اور سیکڑوں شہیدوں کو ہتھیاروں سے کام لینے پر مجبور کیا اور کبھی خلافت اور سوراج کی تحریک کی صورت اختیار کی جس نے انگریزوں کے راج کی جڑیں ہلا دیں اور تلک، گاندھی جی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حسین احمد مدنی، خان عبدالغفار خاں، محمد علی، شوکت علی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، جواہر لال نہرو، راجندر پرشاد جیسے دلیر اور محب وطن رہنماؤں کو جنم دیا۔ پھر گاندھی جی کی قیادت میں بار بار آزادی کی جدوجہد ہوتی رہی۔ لاٹھیوں اور گولیوں کی بوچھار میں آزادی کے جھنڈے کی حفاظت ہوتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۴۲ء میں انگریزوں کو ہندوستان چھوڑو تحریک نے سخت مظالم کے باوجود بتا دیا کہ ۱۸۵۷ء کا جذبہ ہندوستانیوں میں نہ صرف برقرار ہے بلکہ ناقابل شکست ہو چکا ہے۔

۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو کانگریس نے آزادی کے لئے قلابازیاں کھانی شروع کر دیں۔ خود کو ملک کا رہنمائے مطلق قرار دے کر انگریزوں سے حکومت اپنے حوالے کر دینے کے رنگا رنگ طریقوں سے مطالبے کرنے شروع کر دیئے۔ وہ انہیں ہندو مسلم یا کانگریس اور مسلم لیگ میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے مسترد کرتے چلے گئے۔ اس عدم اتحاد میں جو انگریزوں نے بڑی چالبازی سے پیدا کیا تھا قصور کانگریس کا بھی اور مسلم لیگ کا بھی تھا جو دونوں ملک کے اتحاد اور آزادی کی جگہ مذہبی اور فرقہ پرستانہ رنگ میں رنگی ہوئی تھیں اور ملک کی مذہبی نوعیت کی تقسیم کی سازش میں شریک تھیں۔ انگریز ۱۹۴۲ء کی زبردست جدوجہد اور جنگ میں کمر شکستہ ہو کر فتحیاب ہونے کی وجہ سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اسی زمانے میں نیتاجی سبھاش چندر بوس میدان جہاد میں اترے اور انگریزوں کی کمر مکمل طور پر توڑنے کا ذریعہ بنے۔

ان کی سیاسی تربیت اور جدوجہد کانگریس کے اندر ہی شروع ہوئی تھی مگر ان کو گاندھی جی، سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی جیسے لوگوں کی معتدل پالیسی اور انگریزوں کے خلاف بے ہتھیار جدوجہد کرنے اور اسے بار بار بے نتیجہ واپس لینے اور غریبوں کی جگہ امیروں کا بھلا چاہنے کی پالیسی سے اتفاق نہ تھا اور وہ کانگریس کی پالیسی کو نرم کی جگہ سخت اور مفاہمت کی جگہ زور آزمائی میں تبدیل کرنا چاہتے تھے جو ان دنوں سب سے بڑی قومی جماعت کی حیثیت رکھتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے سوشلسٹ تھے اور ملک کو سوشلزم کے اصولوں



نہرو کے ساتھ ۱۹۳۷ء

پر چلانا چاہتے تھے۔ اسی لئے پرانے خیال کے لیڈروں پر دباؤ ڈالنے کے لئے کانگریس کے اندر ایک سوشلسٹ پارٹی بھی موجود تھی جو آزادی کے بعد اس سے الگ ہو گئی اور حقیقت یہ بھی ہے کہ ۱۹۴۲ء کی تاریخی جدوجہد نے زیادہ تر جے پرکاش نرائن، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا، اچیت پٹ وردھن، مہر علی اور مسز ارونا آصف علی جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی طوفانی شکل اختیار کی تھی۔ نیتا جی ایک بار کانگریس کے صدر ہو گئے مگر کانگریس والے ان سے خوفزدہ رہے۔ اسی لئے جب وہ گاندھی جی کے امیدوار پٹابھی سیتا رامیا کو زبردست شکست دیکر دوبارہ صدر منتخب ہو گئے تو گاندھی جی اور جواہر لال جیسے لوگوں نے ان سے تعاون کرنے سے انکار کر کے ۱۹۳۹ء میں انکو صدارت سے علیحدہ ہونے اور فارورڈ بلاک قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔

۱۹۳۹ء کی جنگ شروع ہونے کے بعد انگریزوں نے ان کو گھر کے اندر نظر بند کر دیا۔ اس وقت بنگال پر مولوی فضل الحق کی حکومت تھی جو نیتا جی کے دوست اور مداح تھے اس لئے انھوں نے ان پر برائے نام ہی پابندی رکھی جس سے فائدہ اٹھا کر وہ ایک مسلمان مولوی یا جاگیردار کا بھیس بدل کر کلکتے سے پٹ اور پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور سرحدی پٹھانوں کی مدد سے کابل پہنچ گئے۔ ان کا ارادہ ماسکو جا کر سوویت یونین سے فوجی امداد حاصل کرنے کا تھا مگر اس مدت میں سوویت یونین، امریکہ، برطانیہ، فرانس سے ہٹلر کے خلاف دفاعی معاہدہ کر کے ان کا جنگی ساتھی بن چکا تھا۔ اس لئے وہ بہزار دقت برلن گئے اور ہٹلر سے ملاقات کی جس نے ان کو جاپان سے مدد لے کر اس کے مقبوضات سے ہندوستان کی آزادی کی جنگ شروع کرنے کا مشورہ دیا تو وہ ایک آبدوز کشتی میں ہندوستان کے ساحلوں کو دور بین سے دیکھتے ہوئے سنگاپور پہنچ گئے جس کے اندر اور قرب و جوار میں کافی ہندوستانی موجود تھے جن میں زیادہ تر برطانوی فوج کے وہ سپاہی اور افسر تھے جن کو جاپانیوں نے شکست دے کر قیدی بنا رکھا تھا۔ سنگاپور میں

مشہور انقلابی راس بہاری اور کپتان (بعد میں جنرل) موہن سنگھ نے پہلے ہی برطانوی فوج پر حملہ کر کے ہندوستان کو آزاد کرانے کی تیاری شروع کر رکھی تھی۔ انھوں نے سبھاش بابو کو اپنا سردار تسلیم کر لیا اور نیتا جی کا خطاب دے کر ان کی رہنمائی میں آزاد ہند فوج منظم کرنے کا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ہندوستانی فوجی قیدیوں کو جنگ آزادی میں شرکت پر آمادہ کیا پھر جاپانیوں سے ہتھیار طلب کئے اور آج کل کے ملیشیا، انڈونیشیا، سنگاپور اور برما وغیرہ کے ہندوستانیوں کو جنگ کے لئے آدمیوں اور سرمائے کی فراہمی کی ترغیب دی جس پر لوگوں نے دیوانہ وار لبیک کہا اور ۸۵ ہزار آدمی انگریزی فوج سے لڑنے کے لئے سر بکف اور کفن بردوش ہو گئے۔ جن میں پنجاب کے وہ مسلمان بڑی تعداد میں تھے جو انگریزوں کے پشتینی غلام اور نمک حلال چلے آئے تھے اور انگریزوں کی ہندوستانی فوج کا بازوئے شمشیر زن خیال کئے جاتے تھے۔ یہ فوج جس میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب شامل تھے ایسی حالت میں بنی تھی کہ پورے ہندوستان میں فرقہ پرستی کی آگ بھڑک رہی تھی اور ہندو اور سکھ مسلمانوں کے اور مسلمان ان کے خون کے پیاسے اور ان کے گھر بار کے لٹیرے بنے ہوئے تھے اور کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے گریبان پھاڑ رہی تھیں۔ اس طرح نیتا جی نے ثابت کر دیا تھا کہ اگر ہندو مسلمان لیڈروں میں عقل ہوتی تو سارے ہندوستانی آپس میں لڑنے کے بجائے ایک متحدہ قوم ہوتے جس سے انگریز تھرتھراتے اور ملک کی تقسیم کی نوبت نہ آتی۔ انھوں نے تو یہاں تک کر دکھایا تھا کہ زبان کا مسئلہ بھی حل کر دیا تھا۔ آزاد ہند فوج کا سلام تھا جے ہند۔ جنگی نعرہ تھا دہلی چلو، قومی ترانہ اور فوجی احکام بھی ایسی زبان میں تھے جسے اردو یا ہندوستانی ہی کہہ سکتے ہیں۔ الغرض انھوں نے ایک غیر ملک میں صحیح معنوں میں چھوٹا سا ہندوستان بنا لیا تھا۔ ان کی ترقی پسندی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے رانی جھانسی نام کی عورتوں کی فوج بھی سا دی تھی جو خطرناک حالت میں جنگی خدمات انجام دیتی تھی۔ ممکن ہے دنیا میں یہ اپنی مثال آپ ہو۔ ان کی بے غرضی کا یہ عالم تھا کہ اپنی بنائی ہوئی عارضی حکومت آزاد ہند کی طرف سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں خود ہندوستان پر حکومت کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے کامیابی حاصل ہو گی تو ہندوستان کی حکومت گاندھی جی کے قدموں میں ڈال دوں گا وہ جسے چاہیں دے دیں۔

۱۹۴۳ء میں بسے والی اور برما کی طرف سے ہندوستان کی طرف بڑھ کر کوہیما تک آجانیوالی اس فوج کی ناکامی کے کئی خارجی اسباب تھے۔ اتحادیوں

نے جاپانی مقبوضات پر زبردست جوابی حملہ شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو رہے تھے اور آزاد ہند فوج کی مدد کے قابل نہیں تھے۔ فوجی ہوائی جہاز اور بھاری ٹینک اور توپیں اس کے پاس نہ تھیں اور انگریزی فوج لگاتار بمباری کر رہی تھی۔ شدید بارش کی وجہ سے اس کی رسد اور سامانِ جنگ تباہ ہو رہے تھے اور نقل و حمل جان جوکھوں کا کام ہو گئی تھی۔ پھر بھی یہ فوج نہایت ناقابلِ برداشت حالات میں جنگ کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی جان توڑ کوشش کرتی رہی اور وطن دوستی کی نئی تاریخ لکھتی رہی۔

جنگی کارروائی کے علاوہ انگریزوں نے اس حملے کو ناکام کرنے میں کوئی چال باقی نہ چھوڑی۔ تو ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ہندوستان پر حملہ آور ہندوستانی ہیں۔ ہاں یہ ضرور بتلایا کہ جاپانیوں نے بھی ہندی سیکھ لی ہے اور وہ ہماری فوجی حدوں کے قریب آکر ہندوستانی فوجیوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم انگریزوں کی طرف سے لڑنا چھوڑ کر ہمارے ساتھ آجاؤ۔ ڈر یہ تھا کہ ہندوستانی بھی فوج کی مدد کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ حملے کے خطرہ سے سارا اناج خرید کر بہار، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کو بھیج دیا جس کے بعد قحط پڑ گیا اور صرف ۱۹۴۳ء میں ۳۰ لاکھ بنگالی بھوکوں مر گئے۔ اس میں ۱۹۴۲ء کی تحریک کا انتقام بھی شامل تھا۔

مگر یہ چالیں کامیاب نہ ہوئیں۔ جب ۱۹۴۵ء میں جاپان کی شکست کے بعد نیتاجی ٹوکیو جانے کے لئے ایک ہوائی جہاز پر سوار ہو گئے اور باقی ماندہ آزاد ہند فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تو انگریزوں نے ان سب کو قید کر لیا۔ اور جنرل شاہ نواز، کیپٹن گردیال سنگھ، کیپٹن پریم سہگل اور کیپٹن عبدالرشید کو کورٹ مارشل کے نام پر سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا تو سارے ملک خصوصاً بنگال میں آگ لگ گئی اور ایسے مظاہرے ہوئے کہ سزائے موت کو منسوخ کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ۱۹۴۶ء میں بمبئی میں ہندوستانی بحری مسلح افواج نے بدسلوکی اور جانبداری پر برہم ہو کر بغاوت کی اور کئی گھنٹے تک انگریزی بحری فوج سے مقابلہ کیا اور کئی جہازوں پر قبضہ کر کے قومی جھنڈا لہرا دیا تو بمبئی کے باشندے ان کی حمایت میں میدان میں آ گئے اور ان کا حوصلہ بڑھانے اور ضروری چیزیں پہنچانے پر کمر باندھ لی۔ شہر میں بغاوت سی ہو گئی اور حکومت معطل ہو گئی۔ آٹھ دس دن کے اندر گورا فوج نے ۲۵۰ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اقتدار بحال کیا۔ بمبئی میں پولیس والوں اور پولیس چوکیوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا تھا اور مکمل ہندو مسلم اتحاد رہا تھا۔ پھر ایئر فورس میں ہندوستانیوں نے بغاوت کی۔ جبل پور میں آرمی سگنل کور نے ہڑتال کی اور سارے ملک میں زبردست مظاہرے اور ہڑتالیں ہونے لگیں جن میں اسکولوں اور کالجوں کے طلباء نے خاص طور پر حصہ لیا۔ اس طرح انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور نیتاجی کا مقصد پورا ہو گیا۔ آزاد ہند فوج بظاہر ہاری مگر دراصل اس نے زبردست فتح حاصل کر لی۔

مجھے یقین ہے کہ اگر کانگریس نے نیتاجی کا راستہ اپنایا ہوتا تو ۱۹۴۲ء کی تحریک کی ضرورت نہ پڑتی جس میں ہزاروں ہندوستانی شہری شریک ہوئے اور سیکڑوں دیہات بے دردی سے تباہ کئے گئے۔ نہ ۱۹۴۷ء کی منحوس صورت دیکھنی پڑتی جس میں ڈیڑھ دو کروڑ ہندوستانی مردوں، عورتوں اور بچوں کو آگ، خون، بے عزتی اور خانہ بدوشی کے سیلابِ بلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ نہ ملک کی تقسیم کی لعنت سے دوچار ہونا پڑتا۔ نہ آزادی کے بعد خوشی اور خوشحالی کی جگہ رنج والم اور بھوک اور بے چارگی کا ہولناک سایہ ان پر مسلط ہوتا۔ نہ کانگریس دھکے پہ دھکا کھا کر اقتدار سے محروم ہوتی نہ سنگھ پریوار کے جن سنگھ، بھارتیہ جنتا پارٹی، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا جیسے عفریت ملک میں سر اٹھاتے۔ نہ بابری مسجد شہید ہوتی، نہ آزادی کے بعد ہونے والے دس ہزار فرقہ وارانہ دنگوں میں لاکھوں آدمی ہلاک، زخمی اور گرفتارِ بلا ہوتے۔ نہ گاندھی جی کا خون ناحق ہوتا۔ نہ اندرا گاندھی پر گولیوں کی بوچھار ہوتی۔ کانگریس کا تو یہی حال ہے کہ۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

نیتاجی نے اس دیوار کی کجی کو دور کرنے کی کوشش میں اپنی جان تک نچھاور کر دی مگر کانگریس والوں کا یہی حال ہے کہ

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے
کہ حشر کی بھی خبر نہیں ہے

جے ہند!

زندہ باد نیتاجی کے اصول





نیتاجی قوم کے معمار

ایس ایس بھٹ

"میرے ساتھ آپ سب لوگ تین بار جے ہند کہئے" جواہر لال نہرو اپنے سامعین سے لال قلعہ پر یوم آزادی کے موقع پر کہا کرتے تھے۔ اس روایت کو ان کے بعد آنے والے پانچوں وزرائے اعظم نے برقرار رکھا۔ بھارتی فوج کا ایک جاقبادہ جو ہندجوان جب بھی اپنے کسی ساتھی یا افسر سے ملتا ہے تو "جے ہند" ہی کہتا ہے۔ مذکورہ دو لفظ ہماری قومی زندگی کا ایسا لازمی حصہ بن گئے ہیں کہ ہم مشکل سے ہی یہ غور کر پاتے ہیں کہ یہ جادوبھرا نعرہ کس نے ایجاد کیا تھا۔

اس کا جواب ہے نیتاجی سبھاش چندر بوس۔ وہ اس وقت ہندوستانی سرزمین پر نہیں بلکہ جنوب مشرق اور مشرق ایشیا میں تھے جبکہ انھوں نے برطانوی فوج کے جنگی قیدیوں کو جنہیں جاپانی افواج سے زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہاں کے بھارتی باشندوں کو ساتھ ملا کر ایک جنگی مشن یعنی انڈین نیشنل آرمی سے وہ بھارت کی آزادی کی فوج کے نام سے بھی پکارا کرتے تھے۔

اور آزاد بھارت کی عبوری سرکار جس کے وہ قائد تھے، کی تشکیل میں تبدیل کر دیا تھا۔ اکثر جب نیتاجی کا ذکر ہوتا ہے تو ہم ان کی ان خوبیوں اور کامیابیوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق بھارت کی جدوجہد آزادی ان کے جسمانی اور اخلاقی حوصلے، پرجوش اور ولولہ انگیز حب الوطنی اور بھارت سے نکلنے کے بعد غیر ملکی سرزمین میں ان کے کارناموں سے ہے۔ ان کی دیگر خوبیوں کے بارے میں کچھ زیادہ ذکر ہمیں نہیں ملتا۔ ان کے اندر تنظیم کی انوکھی صلاحیت تھی۔ وہ ایسے نئے نئے نعرے اور مقولے تلاش کرتے تھے جن سے ہندوستانی اپنے آپسی جھگڑے بھول کر اور ایک ہو کر سوچنے اور کام کرنے میں لگ جاتے تھے۔ اتحاد کے لئے ان کی طرف سے برابر زور دیا جاتا۔ بھارت کی عزت نفس اور اس کے وقار کے بارے میں ان کے خیالات اتنے اٹل تھے کہ اس کے لئے وہ کسی قیمت پر بھی سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔

اگر انھیں ازراہِ التفات، نیتاجی یعنی قائد کے لقب سے بلایا جاتا تھا جو کہ انھیں ۱۹۱۴ء میں بھارت چھوڑنے کے بعد ملا تھا، تو یہ کوئی غلط بات نہیں تھی کیونکہ ہندوستانی خواتین اور مرد ایک قائد کی تلاش میں تھے جو انھیں اندھیرے سے روشنی کی طرف اور غلامی سے آزادی کی طرف لے جا سکے۔ لوگ جوق در جوق ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ انھوں نے اپنی فوج کو جنوبی ایشیا میں رہتے ہوئے دلی کو اپنا نصب العین کا حکم دیا۔ انھوں نے بتایا کہ کس طرح جاپانی سپاہیوں کی زبان پر جب وہ ٹوکیو سے ایشیا میں یورپ کے نوآبادیاتی علاقے فتح کرنے نکلے تھے تو صرف سنگاپور، سنگاپور کا ہی نعرہ تھا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے جنگ آزادی کے سپاہیوں کو اپنے لبوں پر صرف "دہلی چلو" کا نعرہ رکھنے کی ہی تلقین کی تھی۔

دلی کے لال قلعہ کو آزاد اور متحدہ ہندوستان کی علامت بتایا جانا انھیں کی ذہنی کاوش کا نتیجہ تھا۔ یہ دوسری بات تھی جبکہ عوام نے ان کے خیال کو عملی جامہ پہنایا اور لال قلعہ آزاد ہندوستان میں بہت سی عوامی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ تاریخی لال قلعہ پر ہمارے قومی پرچم ترنگے کے لہرائے جانے کا

نیتاجی کا خواب اس وقت شرمندۂ تعبیر ہوا جب ۱۶ / اگست ۱۹۴۷ء کو لال قلعہ کی فصیل پر رسمی طور پر ہمارا قومی پرچم نصب کیا گیا۔ یہ ملک کی آزادی کا دوسرا دن تھا۔

۱۹۳۸ء میں گجرات میں منعقدہ انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس کے صدر کی حیثیت سے سبھاش چندر بوس نے ملک کی سماجی اور اقتصادی پسماندگی دور کرنے کے واحد طریقے کے طور پر منصوبہ بند ترقی کے بارے میں سوچا۔ انھوں نے قومی منصوبہ بندی کمیٹی کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے چیئرمین جواہر لال نہرو اور کنوینر شری وی وی گری تھے جو بعد میں بھارت کے صدر جمہوریہ بھی ہوئے اور بائیں بازو کے ممتاز ماہر اقتصادیات پروفیسر کے ٹی شاہ کو اس کمیٹی کا سکریٹری بنایا گیا۔

کانگریس کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نیتاجی نے کہا تھا

" مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ ہمارے اہم قومی مسائل غریبی اور ناخواندگی کا خاتمہ ہیں اور ساتھ ہی پیداوارمیں سائنٹیفک انداز بھی تبھی اختیار کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم ان مسائل کو سماجی طریقوں سے ہی حل کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری مستقبل کی قومی حکومت کو سب سے پہلے جو کام کرنا ہوگا وہ ہوگا ملک کی تعمیر نو کی غرض سے ایک جامع منصوبہ تیار کرنے کے لئے ایک کمیشن کا قیام"۔

۱۹۳۸ء کی ان کی یہ خواہش پایہ تکمیل کو اس وقت پہنچی جبکہ آزادی کے بعد چند برسوں کے اندر ہی منصوبہ بندی کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ تاہم وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ بادل نخواستہ آزادی سے دستبردار ہونے والی تاریخ کی عظیم ترین برطانوی حکومت کے ہاتھوں سے آزادی کے حصول کیلئے سخت جدوجہد کرنی پڑے گی۔ آزادی اور بھارت کے اتحاد کو انھوں نے اس وقت بھی زبردست ترجیح دی جبکہ وہ مستقبل کے بھارت کا خاکہ تیار کرنے میں مصروف تھے کہ وہ کس طرح کا آزاد بھارت چاہتے ہیں اور اس کے مختلف مسائل کو کس طرح حل کیا جائے گا۔ زمانہ جنگ میں کلکتہ سے افغانستان ہوتے ہوئے جرمنی اور پھر روس کے ان کے سفر کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ تاہم وہ بات جسے اتنی اچھی طرح یاد نہیں رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے جرمن اور پھر جاپانیوں کے دوش بدوش کام کرتے ہوئے انھوں نے بھارت کی آن بان اور شان پر کبھی بھی آنچ نہیں آنے دی۔ انھوں نے نازی ازم خصوصاً ان کی نسلی امتیاز کی پالیسی کی جنگ شروع ہونے سے قبل ہی مخالفت کی تھی۔ تاہم جرمنی کی سرزمین پر حکومت کے مہمان کی حیثیت سے انھوں نے کہا " میں تین طاقتوں (جرمنی، اٹلی اور جاپان) کا معذرت خواہ نہیں ہوں، میری ساری تشویش بھارت کے لئے ہے اور اگر میں اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا چاہوں گا تو صرف اتنا ہی کہوں گا کہ صرف بھارت کے لیے"۔

جیسے ہی انھوں نے جنوب مشرق اور مشرق ایشیا میں رہنے والے بھارتی باشندوں سے مناسب فنڈ اکٹھا کرلیا۔ انھوں نے حکومت جرمنی کی وہ رقم جو اس نے ان برادران کی سرگرمیوں پر خرچ کی تھی ادا کردی انھوں نے اس وقت کے وزیراعظم جنرل توجو کی زیر قیادت حکومت جاپان کو بتایا کہ انھیں آزاد ہند حکومت کو دی گئی امداد کو ایک قرض سمجھنا چاہیئے۔ ایک ایسا قرض جو کسی دوست ملک نے دیا ہو جسے آزاد حکومت ہند احترام کی نظر سے دیکھے گی اور ادا کرے گی"۔ انھیں کی وجہ سے جنرل توجو نے جاپانیوں کو ہدایت کی تھی کہ ایشیا کے جن حصوں میں وہ قابض ہیں وہاں نیتاجی کے آئی این اے کو منظم کرنے کے کام سے تعرض نہ کریں۔

عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ آزاد ہند فوج بھارت کو برطانوی غلامی سے آزاد نہ کرا سکی تاہم وہ پھر بھی ناامید نہ ہوتے۔ جیسے ہی جنگ کا نقشہ بدلا اور جاپانیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور آزاد ہند فوج کو جو کہ برما کے راستے ہندوستان میں داخل ہو چکی تھی روک دیا گیا۔ ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو اپنے آخری پیغام میں انھوں نے کہا " ہماری عارضی شکست سے بددل نہ ہوئیے گا کچھ بھی ہو بھارت کی قسمت پر اعتبار رکھیئے گا۔ بھارت بہت جلد آزاد ہو جائے گا"۔ "جے ہند"

فوج کے وہ جوان اور افسر جنہیں تنہا قید رکھا گیا تھا اور جو بھارت کی جنگ آزادی سے تقریباً الگ رکھے گئے تھے۔ اپنے اندر اب ایک نیا جوش اور ولولہ محسوس کر رہے تھے اور وہ جذبہ تھا کہ انھیں اپنے ملک کو نوآبادیاتی اقتدار سے کسی بھی طرح آزاد کرانا ہے۔ برطانوی سرکار نے ان جوانوں اور افسروں پر مقدمہ چلا کر اور وہ بھی لال قلعہ میں چلا کر اس جذبے کو اور بھی ہوا دی۔ میجر جنرل شاہنواز خان، کرنل ڈھلون اور کرنل پریم سہگل پر مقدمہ کی کارروائی، جدوجہد آزادی کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی جبکہ ممتاز مجاہد آزادی اور اس سے بھی زیادہ ممتاز وکیل بھولا بھائی ڈیسائی نے یہ نظریہ پیش کیا اور غلامی کے جوتے تلے دبے لوگوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے جنگ کرنے کا حق حاصل ہے۔ کورٹ مارشل عدالت کو اس بحث کو بہرصورت بیطرا انداز کرنا تھا اور تینوں افسروں کو سزا دینی ہی تھی تاہم عوام کی انڈین نیشنل آرمی اور اس کے بانی نیتاجی سبھاش چندر بوس کی موافقت

میں اس حد تک چلی گئی کہ وائسرائے کو مذکورہ عہدوں کو معطل کرنا پڑا۔ برطانیہ سے خالص وفاداری والے اپنے نظریے کے تحت مذکورہ عہدے کے لئے ایک ہندو، ایک مسلمان اور ایک سکھ کو منتخب کیا تھا تاہم ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی اس مذموم خیال سے بھارتی قومیت کی بنیاد کو مزید استحکام ملے گا

اس واقعہ کے دو سال سے قلیل مدت میں بھارت آزاد ہو گیا افسوس کہ جنگ آزادی کے عظیم نامدار غیر معمولی تنظیمی صلاحیت رکھنے والے سبھاش چندر بوس جنہوں نے جنگ آزادی کے دوران ہی یہ سوچ لیا تھا کہ بھارت کی آزادی کے بعد اس کی کیا شکل ہونی چاہئے۔ ہمارے درمیان نہیں ہیں تاہم بھارت کے عوام کے دلوں میں ان کا مقام بہت عظیم ہو چکا تھا گو وہ برسوں سے ہندوستان میں موجود نہیں تھے۔ تاریخ میں ان کا مقام مسلّم ہے

"اے بابائے قوم بھارت کی جنگ آزادی میں ہم آپکی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے خواہشمند ہیں" یہ نیتاجی کے ۶ جولائی ۱۹۴۴ء کو سنگاپور سے آزاد ہند ریڈیو پر نشر پیغام کے الفاظ ہیں۔

ایک بار پھر مقولے تیار کرنے کے اس ماہر نے اپنے اس پیغام کے ذریعہ ہمیں وہ پرستش الفاظ دیئے جن کا استعمال ان کی موت کے بعد گاندھی جی کے لئے کیا گیا۔ ۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو مہاتما گاندھی کی ۷۵ ویں سالگرہ پر بنکاک سے نشر ان کا پیغام ان لوگوں کی آنکھوں کو کھول دینے کیلئے کافی ہے جو گاندھی اور سبھاش کے باہمی رشتے کو کشیدہ دکھا کر دونوں کا رشتہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں

بنکاک نشریے میں گاندھی جی کو ایسے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نیتاجی نے کہا آج ہم پوری دنیا میں بھارتی سب سے اپنے عظیم ترین رہنما کی ۷۵ ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔

انہوں نے بھارت کی جنگ آزادی میں مہاتما گاندھی کی خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی خدمات کو "انوکھی اور بے نظیر" خدمات قرار دیا اور کہا "۱۹۲۰ء سے جب گاندھی جی نے جنگ آزادی کی قیادت اختیار کی تھی۔ بھارت کے عوام نے گاندھی جی سے دو چیزیں سیکھی تھیں... اپنے ملک کا احترام اور خود اعتمادی جس کے نتیجے میں آج ان کے دلوں میں انقلابی جذبہ موجزن ہے۔ دوسری چیز جو گاندھی جی نے ہمیں دی وہ ہماری جدوجہد آزادی کا ملک کے کونے کونے میں پھیلاؤ



تک وہ دور دراز گاؤں میں پھیلایا جو شاید ان کے بغیر ممکن نہ ہو پاتا۔ اس بات سے نیتا جی کی مراد انڈین نیشنل کانگریس تھی جسے گاندھی جی نے منظم بنیاد عطا کی تھی۔

اس طرح بہت سے دیگر معاملات میں بھی وہ کسی اور رہنما کے مقابلے میں خود گاندھی جی کی طرح تھے۔ وہ بہترین خوبیوں کے مالک اور ناظم تھے جس طرح انہوں نے بھارت میں اپنا فارورڈ بلاک قائم کیا۔ ۱۹۴۱ء میں برطانیہ کے خفیہ محکمے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کلکتہ سے فرار ہوئے اور ماسکو کے راستے برلن پہنچے اور اس کے بعد مشرق ایشیا جانے کیلئے آبدوز کے ذریعے ایک خطرناک بحری سفر کیا اور آخر کار ایک جنگی طاقت جس کا نام انڈین نیشنل آرمی تھا تشکیل دی اور ایک مکمل طور پر آزاد حکومت قائم کی۔

مہاتما گاندھی نے بھارتی عوام کو متحد کرنے میں نیتاجی کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح سے خراج عقیدت پیش کی تھی "نیتاجی کی زندگی سے سب سے بڑا سبق جو ہم حاصل کر سکتے ہیں وہ ان کا وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ انہوں نے لوگوں میں اتحاد کے جذبے کو فروغ دیا تاکہ وہ ہر قسم کی مذہبی اور علاقائی رکاوٹوں سے بالاتر ہو کر ایک مقصد کیلئے اپنا خون بہا سکیں۔

نیتاجی کا عظیم ترین اور لافانی کام یہ تھا کہ انہوں نے ذات پات اور طبقے کے تمام امتیازات کو مٹا ڈالا۔ وہ بھارتی تھے اور بھارتی رہے۔ مزید برآں انہوں نے اپنے تحت تمام افراد میں بھی وہی جوش و خروش بھر دیا جو ان کے اپنے پاس تھا تاکہ وہ تمام امتیازات کو فراموش کر کے ان کے ساتھ ایک ہو کر کام کر سکیں۔

(بشکریہ قومی راج بابت ۱ جنوری ۱۹۸۹ء) ■■



سبھاش چندر بوس

درشن سنگھ دُگّل

عزائم کا طوفان بھلا کب رُکا ہے
کوئی کہہ دے باطل کی آندھی سے بڑھ کر
کہ انسان کی روح سوئی نہیں ہے

یہ رِشیوں کا مسکن یہ ویروں کی دھرتی
قوی آتماؤں سے خالی نہیں ہے
ابھی اس کے ذروں میں ہے وہ حرارت
جو باطل کے شعلوں کو خاموش کر دے

وہ عاشق وطن کا، وہ دھرتی کا شیدا
وہ رانا کا ثانی، وہ ٹیپو کا پیکر
تشدّد کے آگے بھلا سر جھکاتا؟

وہ بنگال کی سرزمیں کا ستارا
لہو میں جو ڈوبا تو کچھ اور نکھرا
وطن کی ہواؤں کا آزاد نغمہ
زمیں کا ترانا سناتا رہے گا



نیتاجی سبھاش چندر بوس: ایک طوفاں شکن بطریل

نرین دے

سبھاش چندر بوس کی شخصیت اور آپ کی ہمہ جہت سرگرمیوں کا جائزہ ہمارے یہاں خاطر خواہ طور پر نہیں لیا گیا ہے۔ دائیں بازو کے سیاست دانوں کو سطریہ پیش کیا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے ہمیشہ آزادی کی تحریک میں نیتاجی کے رول اور آزاد ہندوستان کے لئے سماجی و معاشی پروگراموں پر آپ کی فکر کو غلط اور بیچیدہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔

سبھاش بوس اپنے رویہ اور پالیسی میں غیر مصالحانہ اور انقلابی طبیعت کے مالک تھے۔ رام گڑھ میں منعقدہ آل انڈیا اینٹی کمپرومائز کانفرنس (یعنی کل ہند مجھوتہ مخالف ... کے صدر کی حیثیت سے (۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو) اپنی تقریر کے دوران بلا کسی خوف کے دیانتدارانہ طور پر آپ نے یہی سمجھوتہ مخالف پالیسی کا اعلان کیا۔ آپ نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کی اس کے سامراجیت مخالف رویہ میں اس کے پس و پیش اور تذبذب کے لئے کڑی تنقید کی وہ کبھی اس مہاتما گاندھی کی قیادت کا بڑا احترام کرتے تھے انھوں نے عوامی تحریک کو آگے بڑھایا تھا جس میں ۱۹۳۹ء کے دوران چوری چورا میں گاندھی جی کی شرمناک پسپائی، برن جس تحریک کی ناکامی اور گاندھی ارون معاہدہ کی وجہ سے آپ کا بھروسہ گاندھی جی کی قیادت سے اٹھ گیا۔ جواہرلال نہرو کے نام اپنے ایک نہایت ہی صاف گو اور براہ راست نامہ (مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء) میں آپ نے ایک الٹی میٹم کی شکل میں پورنا سوراج (مکمل آزادی) کی قومی مانگ کے سلسلہ میں مہاتما گاندھی کی پس و پیش و تذبذب کے رویہ کی بابت تحریر کیا تھا۔ آپ نے وائسرائے کے ساتھ گاندھی جی کی ملاقات کے بعد بھی دہلی میں گاندھی جی کے قیام پر سخت اعتراض کیا تھا۔ آپ یہ سمجھ نہیں پائے تھے کہ کیوں گاندھی نے اس موور انس گوور سے ملاقات کی تھی جس نے وفاقی اسکیم برائے ہندوستان کی وکالت کی تھی۔ اس موور انس گوور کی قبولیت جو حیثیت قاضی یا ثالث پنچ کے وفاقی اسکیم کا لازمی جزو تھا، اسکیم ہذا کی خاموش تسلیم کا سبب تھا۔ فارورڈ بلاک (مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۴۰ء) کے دستخط شدہ اداریہ میں آپ فرماتے ہیں کہ کیا ہم لوگ مہاتما گاندھی سے یہ درخواست نہیں کرسکتے ہیں کہ وہ وائسرائے کے گھر جانے کا طویل اور تھکا دینے والا سفر بند کردیں اور ۱۹۲۰ء میں جیسے انھوں نے کیا تھا ویسے ہی اپنے مادر وطن کے سربراہ کی حیثیت سے سامنے آئیں اور اپنے فرائض نبھائیں؟ آپ اپنے دل کی گہرائیوں سے سمجھوتہ، تذبذب اور کانفرنسوں کے اس رویہ کو ناپسند کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کے بجائے برطانوی حکومت کو ایک براہ راست اور کڑا الٹی میٹم پیش کیا جائے۔ کانگریس کے اندر رہتے ہوئے ہی آپ نے فارورڈ بلاک کی بنیاد رکھی۔ سامراج واد اور کانگریس کی دائیں بازو کی سیاست کے خلاف بائیں بازو کی طاقتوں کو مضبوط بنانے کی زبردست وکالت کی۔

تری پوری کانگریس کے اپنے صدارتی خطاب میں آپ نے برطانوی حکومت کو قومی مانگ ایک الٹی میٹم کی شکل میں پیش کرنے کی زوردار بات رکھی ۱۹۳۹ء کے ستمبر کا میونخ معاہدہ، اسپین میں جمہوری حکومت کی زوال پذیری،

فاسسٹ اٹلی اور نازی جرمنی کو عروج، اٹلی اور جرمنی کے ساتھ فرانس اور عظیم برطانیہ کے گٹھ جوڑ نے ایک ایسی بین الاقوامی صورت حال پیدا کردی تھی جو جدوجہد آزادی کو زور دار بنانے کے سلسلہ میں ہندوستان کے لئے نہایت ہی موافق اور موزوں تھی۔ سبھاش بوس ان دائیں بازو کے رہنماؤں پر کڑی تنقید کر رہے تھے جو ان مسائل کے دوران عظیم برطانیہ سے الجھنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کے ساتھ تعاون کرنے کے خواہاں تھے۔ آپ ان کی اس عدم تحفظ اور عدم استحکام کے اس دور میں دشمن پر کاری ضرب لگانے کے خواہاں تھے۔ برطانوی سامراج پر کاری ضرب لگانے کے لئے یہ نہایت ہی مناسب اور موزوں وقت تھا۔ اس وقت برطانوی حکومت طویل مدت والی کل ہندستیہ گرہ جیسے تصادم کا مقابلہ کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔ ہندوستان کی داخلی صورت حال بھی تحریک ہذا کے تحت کاری ضرب لگانے کے لئے نہایت مناسب تھی۔ آٹھ صوبوں میں کانگریس اقتدار میں تھی۔ قومی تنظیم کی قوت اور اس کا وقار دونوں ہی بہت تھا۔ عوامی تحریک بھی خاطر خواہ زور اور رفتار پکڑ چکی تھی۔ بین الاقوامی صورت حال کے موافق ہونے اور عوامی جوش و ولولہ کی بلندی کے ساتھ ہندوستان سے برطانوی سامراج کے قلعہ پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ آپ کو اس بات کا ڈر تھا کہ جب یورپ میں امن و آمان کی صورت حال پیدا ہو جائے گی تو عظیم برطانیہ ایک قوی سلطنت پالیسی اپنائے گی۔

بوس کی انتہائی طرز مزاحمت اور کارروائی / عمل کی زوردار پکار کو کانگریس کے دائیں بازو والے رہنماؤں نے اَندیکھا اور اَن سنا کر دیا۔ آپ کو ہندوستان کے بھلے کے لئے بین الاقوامی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں جواہر لال نہرو اور گاندھیائی ٹولی / گروہ کی خاموشی اور سرد مہری سے کافی تکلیف پہنچی تھی۔ ایک زوردار تحریک کی پہل کے لئے یورپ کا بحرانی دور سود مند اور مفید ترین وقت تھا لیکن آپ کے حوصلہ کو ان رہنماؤں کی جانب سے جوش و خروش نہ دکھائے جانے کی وجہ سے بڑا دھکا لگا جو راجکوٹ اور بے پور کی صورت حالوں پر مزید تشویش کا اظہار کر رہے تھے۔ آپ کو اس امر کا اچھی طرح یقین تھا کہ مذکورہ امور سے نپٹنے کے لئے گاندھی جی انفرادی طور پر ہی کافی تھے۔

انڈین نیشنل کانگریس کے صدر کی حیثیت سے سبھاش بوس کے انتخاب کو لے کر کانگریس میں غلط فہمیاں اور نااتفاقیاں پیدا ہوئیں۔ اسی دوران بوس کی علالت نے بائیں بازو اور دائیں بازو کے درمیان جماعت کے اندر تنازعہ کو نمایاں کر دیا۔ پیٹ ریزولیوشن نے مہاتما گاندھی کی قیادت پر پھر پور اعتماد کا اظہار کیا اور تجویز پیش کی کہ مہاتما گاندھی کی خواہشات کے مطابق ورکنگ کمیٹی کی تشکیل کی جائے۔ سبھاش بوس نے قومی اتحاد کی خاطر کسی سمجھوتہ پر آپہنچنے کی پوری کوشش کی۔ بے شمار موضوعات پر گاندھی سے نااتفاقی کے باوجود آپ مہاتما گاندھی کی قیادت قبول کرنے پر تیار تھے اور آپ نے ان سے آگے آنے، اور براہ راست طور پر اور خندہ پیشانی کے ساتھ کانگریس کے کام کاج کو چلانے اور برطانوی سرکار کو الٹی میٹم دینے کی گذارش کی تھی۔ لیکن اولڈ گارڈ بشمول جواہر لال نہرو کی مخالفت نے آپ کے لئے صورتحال کو گرم بنا دیا اور آپ کو صدارت کے عہدہ سے استعفیٰ دینا پڑا تھا۔ ربندر ناتھ ٹیگور نے آپ کی اس قوت برداشت اور آپکے اس باوقار طرز عمل پر پُرجوش خراج عقیدت پیش کیا تھا جس کا اظہار آپ نے بدترین صورت حال کے دوران کیا تھا۔

سبھاش چندر بوس ہندوستان میں بائیں بازو کی تحریک کے زبردست بانی رہ چکے ہیں۔ ۱۹۳۸ء کے دوران کانگریس کے اندر بائیں بازو اور دائیں بازو کے درمیان ایک افتراق رونما ہوا تھا اور سبھاش بوس نے بائیں بازو کو استحکام بخشنے کی اشد ضرورت محسوس کی تھی۔ آپ کے خیال میں فارورڈ بلاک کو تواریخی ضرورت نے وجود میں لایا تھا۔ کانگریس کو ان دائیں بازو والوں کے چنگل سے بچانا تھا جنہوں نے جدوجہد کے خیال کو ترک کر دیا تھا اور وہ لوگ دستور پرستی اور اصلاح پرستی کی اصطلاحات کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ اشتراکیت پرستوں کا بھیس بدل کر سامنے آ رہے تھے۔ اصلی اور سچے اشتراکیت پرستوں کو اپنی اپنی روزمرہ زندگی کی سرگرمیوں میں سامراج واد مخالف بائیں بازو کا رول ادا کرنا چاہیئے۔ آپ نے اشتراکیت پسند افکار و خیالات کی تبلیغ کرنے والے رہنماؤں کے محض لفاظی پر مشتمل نعرے بازیوں اور دلفریب تقریروں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ آپ نے سوچا تھا کہ فارورڈ بلاک تمام ترقی پسند، انقلابی اور سامراج واد دشمن عناصر کو کانگریس کے ایک پلیٹ فارم پر لے آئے گی۔ آپ ٹریڈ یونینوں اور کسان سبھا کو اپنے جھنڈے تلے لانا چاہتے تھے۔ سامراج واد کے خلاف جدوجہد میں ان کا تعاون ملک کے لئے بڑا سود مند ثابت ہوگا۔ روس میں مزدوروں، کسانوں

اور سپاہیوں نے ایک متحدہ محاذ قائم کیا تھا۔ دستور ساز انقلاب میں شامل ہوئے۔ بائیں بازو والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو سامراج واد کے خلاف غیر مصالحانہ طور پر جنگ کرتے ہیں۔

رام گڑھ میں اپنی تقریر کے دوران آپ نے لینن جیسی مضبوط اور قد آور قیادت کا تذکرہ کیا تھا۔ آپ نے ... ڈگمگاتی اور تذبذب میں مبتلا قیادت کا حوالہ دیا جو ... سامراج واد کے سامنے ایک ... اور حوصلہ مند رویہ کے طور پر ... ہے۔ آپ نے متبقی کارروائیوں کے لئے کانگریس میں اس پھوٹ کو درست بتایا ہے۔ ترقی پسند دشمن سمجھوتوں کو ... مناسب اور موزوں نہیں تھا۔ آپ یہ یقین کرتے تھے کہ ایسے بہت سارے مواقع آئے تھے جب ترقی و فروغ کی خاطر پھوٹ قطعی اور لازمی ہو گیا تھا۔ آپ ہیگلیائی ... پر یقین رکھتے تھے۔ ترقی ... ہمیشہ ... صفت کی حامل ہوتی ہے۔ ... تضاد کے درمیان ... ایک نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ ... پھوٹ ترقی کی جانب ... لاتا ہے کسی انقلابی تحریک کے لئے ... ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۹۰۳ء کے دوران بولشیویکوں اور مینشیویکوں میں روس کی سوشل ڈیموکریٹ پارٹی ... پیش کی۔ مینشیویکوں کے (...) کے ... لینن کو ... ملی تھی اور ... ترقی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔

سبھاش بوس کا انقلابی نقطہ نگاہ معاشی مسائل پر آپ کے غور و فکر میں نہایت ہی واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ آپ گاندھی جی کی قیادت سے بہت پریشان رہتے تھے کیونکہ گاندھی نے کبھی بھی معاشی مسائل پر ایسا ہی واضح موقف پیش نہیں کیا تھا۔ گاندھی جی سیاسی، سماجی، معاشی مسائل ... ۔ اپریل ۱۹۳۹ء کے دوران ... روس میں ... ہوئی تھی۔ روس میں لینن ... ہوئے تھے جو سماجی نابرابری، سرمایہ داروں کی جانب سے کئے جانے والے استحصال، قومی سامراج واد اور آبادی کے ... کی مخالفت کرے گا۔ معاشی مسائل پر سبھاش بوس کی سوچ واضح اور فیصلہ کن تھی۔ آپ منصوبہ بند طور پر صنعت کاری کے حق میں تھے۔ کسانوں کی حالت کو سدھارنے کے لئے زراعت کو ترجیح دینا لازمی تھا لیکن غریبی اور بے روزگاری کا مسئلہ صنعتی ترقی سے ہی سلجھ سکتا تھا۔ جنگ عظیم سے پہلے ہندوستان کی طرح روس بھی ایک زراعتی ملک تھا لیکن بیس برسوں کے اندر روس میں صنعت کاری کے ذریعہ خوشحالی آئی اور اس غریبی، بیماری اور قحط کے مسائل سلجھ پائے جو انقلاب کے قبل کسانوں کی آبادی کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

آپ نے ان سیاسی موضوعات کے بالمقابل روس میں حیرت انگیز ترقی کی جانب توجہ مبذول کروائی جن پر ریاست مبنی تھی۔ ہری پورہ میں اپنی تقریر کے دوران آپ نے صنعت کاری کی پرزور سفارش کی اور اپنے افکار کو عملی شکل دینے کے لئے کل ہند قومی منصوبہ بندی کمیٹی قائم کی۔ سبھاش بوس محض ایک نڈر اصول پرست ہی نہیں تھے بلکہ ایک سخت گیر حقیقت پرست بھی تھے۔ کل ہند قومی منصوبہ بندی کمیٹی کی پہلی نشست کے دوران اپنی افتتاحی تقریر میں آپ نے گھریلو صنعت، متوسط پیمانے کی صنعتوں کے ساتھ بڑے پیمانے کی صنعتوں کو فروغ دینے کی ضرورت پر زور ڈالا۔ آپ نے یہ نشاندہی کی کہ قومی منصوبہ بندی کمیٹی توانائی صنعت، فلمز، ہیوی کیمیکلس، مشینیں اور اوزار، ریلویز، ٹیلی گراف تیار کرنے والی صنعتوں اور دیگر مواصلاتی صنعتوں جیسی مادر صنعتوں کی جانب اپنی توجہ پہلے ڈالے گی۔ آپ نے اس جانب بھی اشارہ کیا کہ ہندوستان جیسے ملک میں گھریلو صنعتوں کے لئے بے شمار گنجائشیں ہیں اور اس لئے زرعی بدحالی کے دنوں میں کسانوں کو ان کی آمدنی میں اضافہ کے لئے انہیں ان صنعتوں کی جانب راغب کیا جا سکتا ہے۔ پیداوار اور صرف کے میدانوں میں پورے زرعی اور صنعتی نظام کو اشتراکی بنانے کے لئے ایک جامع اسکیم کو روبہ عمل لانا چاہیئے تھا۔ آپ نے داخلی یا خارجی قرضوں کے ذریعہ یا افراط زر کے ذریعہ سرمایہ اور ساکھ (کریڈٹ) کی حصولی کی بھی تجویز پیش کی۔ آپ کا سوراج سیاسی یا مذہبی نہیں تھا بلکہ معاشی اور سماجی تھا۔ آپ نہایت ہی مذہبی النسل تھے لیکن آپ نے کبھی بھی مذہب کو سیاست میں لا کر سیاسی اور سماجی افکار میں گراوٹ لانے کی کوشش نہیں کی۔

یہ بدقسمتی رہی کہ سبھاش بوس کے سیاسی اور معاشی مسائل کو اتنی اہمیت اور توجہ نہیں دی گئی جن کے وہ مستحق تھے۔ گاندھی ٹولی میں شامل جواہر لال نہرو نے ہمیشہ بہتیرے معاملات میں آپ کی زوردار شخصیت اور آپ کے انقلابی طور طریقوں کی مخالفت کی تھی۔ کانگریس ایک بڑے

پیمانے پر عوامی تنظیم تھی لیکن اس کی قیادت ایک ایسی ٹولی کے چند ہاتھوں میں مقید ہو کر رہ گئی تھی جو مزدور دشمن، کسان دشمن اور کسی حد تک جمہوریت کے دشمن تھے (یہ بات جے پرکاش نارائن نے ۱۹۴۰ء کے دوران نیتاجی کو اپنے ایک پوشیدہ نامہ میں تحریر کی تھی)۔

سبھاش بوس ان باتوں کے باوجود بھی ملک کے عظیم تر مفاد کی خاطر گاندھی جی کی انفعالی سیول نافرمانی تحریک میں شرکت کرنے کے لئے تیار رہتے مگر گاندھی جی نے ایسی بنیادی اختلافات کی بنا پر آپ کو اپنا تعاون پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ — "جب تک ہم میں سے کوئی دوسرے کا ہم خیال نہ بن جائے اس وقت تک ہم دونوں کو الگ الگ کشتیوں میں سفر طے کرنا چاہئے۔ (سبھاش بوس کے نام گاندھی جی کے نامہ سے ماخوذ)۔

سبھاش چند سمجھ گئے تھے کہ آپ ہندوستان میں رہ کر کوئی ثمر آور کام نہیں کر پائیں گے کیوں کہ انگریز اکثر و بیشتر آپ کو جیل میں ڈال دیا کرتے تھے اور دائیں بازو والے رہنما ہر قدم پر آپکی مخالفت کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے ہندوستان سے باہر رہ کر ہندوستان کی آزادی کی جنگ لڑنا چاہا۔ آپ بھیس بدل کر ہندوستان سے باہر گئے اور ہندوستانی سیاست میں ایک طوفان خیز بطریل بن گئے۔ آپ نے سکھوں، مسلمانوں، عیسائیوں اور دیگر فرقوں کو ایک جھنڈے تلے کھڑا کیا۔

سبھاش بوس کی زندگی اپنے ملک کے لئے بے پناہ محبت اور قربانیوں کی تابناک داستان رہی ہے۔ آپ نے بے شمار سیاسی نشیب و فراز کا مقابلہ کیا ہے۔ آپ کبھی بھی ملک کے لئے جد و جہد کرنے اور مصیبت جھیلنے میں کوتاہی نہیں برتی۔ آپ نے روحانیت کو فلسفۂ عملیت، ماورائی اصول پرستی کو روشن خیال تجربہ کاری، گرم جوش حب الوطنی کو فراخ دل آزاد خیالی میں ضم کیا۔ (انگریزی سے ترجمہ) ●●



مارووڈ ملاک اور بائیں اتحادی کمیٹی کے لیڈروں کے ساتھ کلکتہ نومبر ۱۹۳۹ء



نیتاجی: ہمت اور قربانی کی مثال

آزاد ہند فوج کے سپریم کمانڈر سبھاش چندر بوس نے ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء کو سنگاپور سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ دلی کے لئے بہت سی منزلیں حائل ہیں اور دلی اب بھی ہماری اصل مقصود ہے۔ ہندوستان آزاد ہوگا اور اس کام میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ اس کے ٹھیک دو سال بعد ہندوستان آزاد ہو گیا، حالانکہ ملک کی تقسیم کی وجہ سے بہت زیادہ تباہی و بربادی دیکھنے کو ملی۔

یوں تو ہندوستان کو آزاد کرانے والے سپوتوں کی تعداد بہت ہے مگر سبھاش چندر بوس ایک ممتاز سپوت تھے انھیں پیار سے لوگ نیتاجی کے لقب سے پکارتے تھے۔ ہندوستان کی جد وجہد آزادی میں ان کا ایک نمایاں مقام ہے۔ "جے ہند" کا نعرہ انہیں کی دین ہے۔ اس سے عوام کی ناقابل تسخیر قوت ارادی کا پتہ چلتا تھا جس کی وجہ سے آزادی کیلئے کاندھے سے غیر ملکی حکومت کا جوا اتارا جاسکا۔

نیتاجی ۲۳ جنوری ۱۸۹۷ء کو اڑیسہ میں کٹک کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کے والد جانکی ناتھ بوس کٹک میونسپلٹی کے چیئرمین تھے۔ ان کی والدہ پربھاوتی مضبوط قوت ارادی کی مالک تھیں چونکہ جانکی ناتھ ایک مصروف آدمی تھے اس لئے چودہ بچوں پر مشتمل اس خاندان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان کی اہلیہ کے کاندھوں پر ہی آتی۔ سبھاش چندر بوس اپنے باپ کی نویں اولاد تھے۔ کٹک کے ریون شا کالجیٹ اسکول میں انھوں نے ثانوی تعلیم مکمل کی اس کے بعد وہ کلکتہ کے پریسیڈنسی کالج میں داخل ہوئے اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔

نیتاجی پر اروبندو گھوش، سوامی وویکانند، بنکم چٹرجی اور رابندر ناتھ ٹیگور نے بہت زیادہ اثر ڈالا۔ بنکم چٹرجی کی تصنیف "آنند مٹھ"، سے انہوں نے خاص طور پر تحریک عمل حاصل کی جس میں دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان کے سپوتوں نے کس طرح اپنے پسماندہ ملک اور مادر وطن کے کاز کیلئے اکٹھے ہوکر کام کیا اور کس طرح اس خدمت کے لئے وقف کیا۔ نوجوان سبھاش نے ہندوستان کی آزادی اور اس کے احیاء کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔

سبھاش چندر بوس ۱۹۱۹ء میں لندن کے لئے روانہ ہوئے اور آئی سی ایس امتحان کی تیاری کے لئے انگریزی، سنسکرت، فلسفہ، پولیٹیکل سائنس اور جدید تاریخ کے مطالعے میں غرق ہوگئے۔ اس مطالعے نے ان کا سیاسی شعور بیدار کیا اور ہندوستانی سیاست میں درپردہ جو دھارے رواں دواں تھے ان کے بارے میں ان کے علم میں اضافہ ہوا۔ اگست ۱۹۲۰ء میں وہ آئی سی ایس امتحان میں بیٹھے اور چوتھے نمبر پر آئے۔ اس طرح ان کو ایک معزز درجہ حاصل ہوا لیکن ان کو ایسی زندگی پسند نہ تھی جس میں آدمی ایک خول میں ہی بند رہے، اس لئے وہ آئی سی ایس افسر کا منصب چھوڑ کر دل و جان سے ہندوستان کی جد وجہد آزادی میں کود پڑے جبکہ ان کی عمر ۱۹۲۱ء میں ۲۴ سال ہی تھی۔

کلکتہ آکر انھوں نے عدم تعاون کی تحریک میں شرکت کی اس موقع پر نیشلسٹ تحریک میں تیزی آرہی تھی ملک کو قومی سطح پر گاندھی جی قیادت حاصل تھی اور بنگال میں دیش بندھو چترنجن داس کی قیادت میں کام ہو رہا تھا۔

حالانکہ سبھاش چندر بوس ان انقلابیوں کے ساتھ تھے جو گاندھی جی کے عدم تشدد کے طریقے کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن جب سرکار نے پرنس آف ویلز کی ہندوستان میں آمد کا اعلان کیا، تو وہ بھی کانگریس کے ساتھ حرکت میں آگئے اور ملک گیر پیمانے پر اس شہزادے کے دورے کے بائیکاٹ میں حصہ لیا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کی شام کو ان کو سی آر داس اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جیل بھیج دیا گیا۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا موقع تھا جبکہ وہ جیل گئے۔ جنوری ۱۹۴۱ء میں وہ اپنے گھر سے لاپتہ ہوگئے تھے۔ انکو برطانوی سرکار نے کم سے کم گیارہ بار جیل بھیجا۔

اسکے فوراً بعد انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کی۔ اور ۱۹۲۳ء میں وہ بنگال کی صوبائی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری ہوگئے۔ انھوں نے اکثر سیاسی جلسوں اور کانفرنسوں میں تقریریں بھی کیں۔ نہرو سبھاش چندر بوس سے دس سال سے بھی زیادہ بڑے تھے، لیکن ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کانگریس کے اجلاس میں وہ دونوں ہندوستانی نوجوانوں کے نمائندہ لیڈروں کی حیثیت سے ایک ساتھ ہوگئے۔ تاکہ کانگریس کو آزادی کا نصب العین مان لینے کیلئے مجبور اور پُرجوش نیشنلسٹ سیاستداں کی حیثیت سے ابھرے۔

انھوں نے اپنے غیر معمولی جوش و خروش کی وجہ سے جلد ہی عوام میں مقبولیت حاصل کی۔ یہ انکی محنت اور کام کے تئیں لگن کا ہی ثمرہ تھا کہ برطانیہ نے ان کو خطرناک انقلابی کی صورت میں دیکھا اور ان کو بار بار گرفتار کر کے ان کو کام کرنے سے روکنا چاہا۔ کبھی ان کو جلا وطن کیا تو کبھی نظر بند۔ لیکن یہ سب تدبیریں بے کار رہیں۔ ۱۹۲۴ء میں نیتاجی کو انقلابی سرگرمیوں کے شبہ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ ایک سال بعد ان کو ایر برما میں مانڈلے کے جیل میں بھیج دیا گیا۔

۱۹۳۸ء میں انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ کانگریس کو ان کی قیادت نے ہندوستان کی تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا لیکن گاندھیائی طریقوں سے حصول آزادی کے موضوع پر ایسے اختلافات پیدا ہوگئے جو دور نہ ہوسکے اور اس وجہ سے وہ کانگریس سے الگ ہوگئے۔

دسمبر ۱۹۴۰ء میں وہ کلکتہ سے فرار ہوگئے جہاں کہ وہ نظر بند تھے۔ برطانوی نظر بندی سے رہا ہو کر وہ ۱۹۴۱ء میں برلن پہنچ گئے اور وہاں اپنے اس مضبوط عقیدے کی بنیاد پر کام کرنے لگے کہ ہندوستان کو بزور بازو ہی برطانوی غلامی سے نجات مل سکتی ہے۔ برلن میں انھوں نے آزاد بھارت کا مرکز قائم کیا اور سرزمین جرمنی پر آزاد ہند فوج کی تشکیل کی۔

برلن میں آزاد ہند ریڈیو سے انھوں نے پرجوش تقریریں کیں جن سے ہندوستانی متاثر ہوئے۔ آزاد ہند ریڈیو اسٹیشن نے بہت سی ہندوستانی زبانوں میں سنگاپور، بنکاک، رنگون، سائی گون اور ٹوکیو سے اپنے پروگرام نشر کئے۔

یہاں سے انہوں نے مشرق بعید کا ایک تاریخی سفر کیا۔ یہ سفر انتہائی خطرناک حالات میں کیا گیا۔ وہ براستہ جاپان مڈغاسکر پہونچے وہاں سے وہ سنگاپور گئے اور ۴ جولائی ۱۹۴۳ء کو انھوں نے راش بہاری بوس سے انڈین انڈی پنڈنس لیگ کی صدارت سنبھالی۔

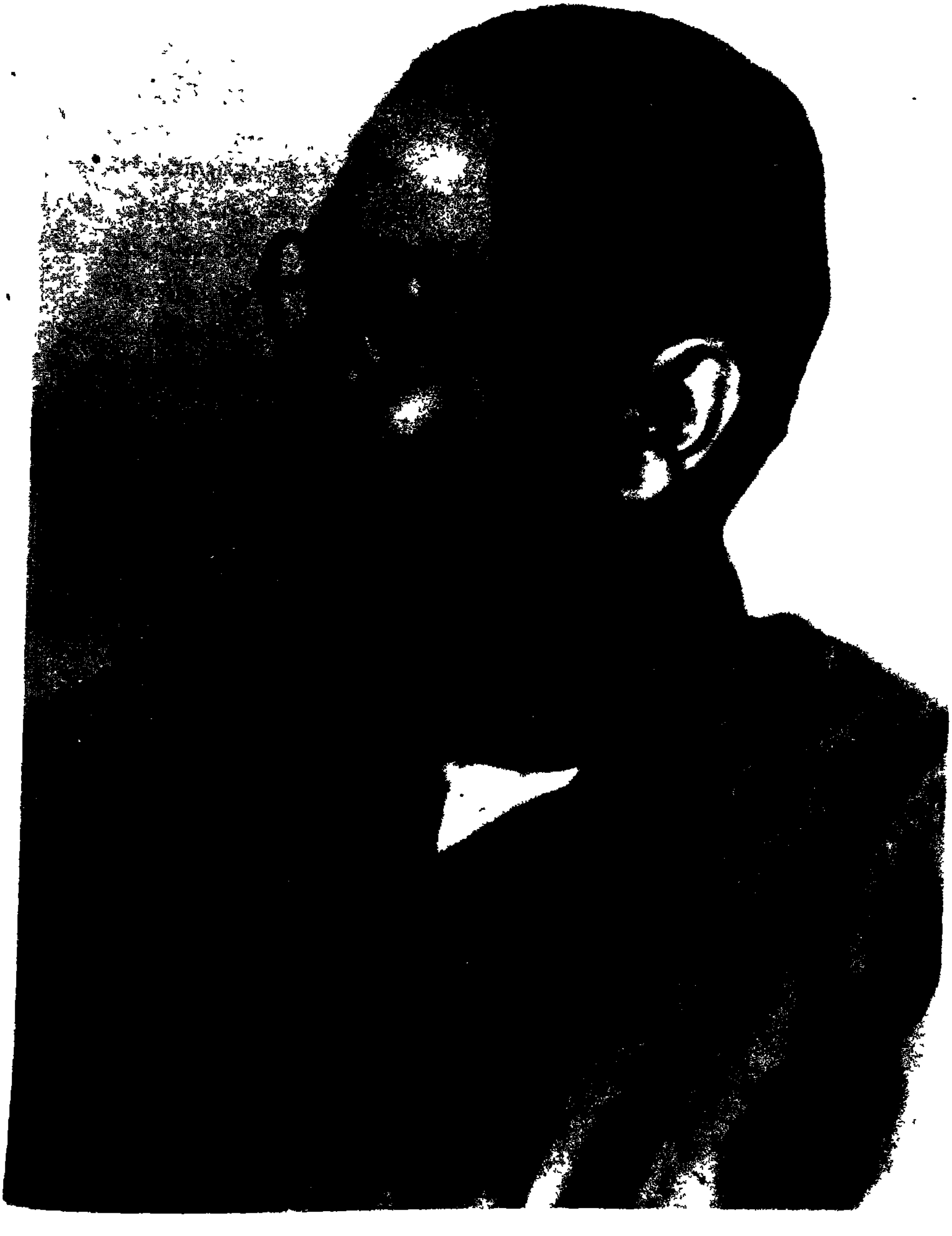
نیتاجی نے اپنی گہری سیاسی بصیرت اور فوجی سوجھ بوجھ سے جنوب مشرقی ایشیا میں ہندوستانیوں کے شکستہ دل اور منتشر گروپوں کو ایک ساتھ اکٹھا کیا اور ایک مربوط لڑاکا فوج بنائی جس کا نام آزاد ہند فوج تھا۔ اس سلسلے میں جاپان کی سرکار نے انھیں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ سبھاش چندر بوس نے اس سلسلے میں ہندوستان کے باہر سے مسلح امداد حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو نیتاجی نے سنگاپور میں تمام مشرقی ایشیا کے انڈین انڈی پنڈنس لیگ کے نمائندوں کی میٹنگ میں آزاد ہندوستان کی صوبائی سرکار کے قیام کا تاریخی اعلان کیا ان کا نعرہ تھا "تم مجھے خون دو، میں تمہیں آزادی دوں گا"۔ یہ نعرہ پورے مشرقی ایشیا میں گونج اٹھا۔ البتہ جب وہ اپنی حکمت عملی کو عملی جامہ پہنانے والے ہی تھے تو قسمت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو سائی گون کے ہوائی اڈے سے وہ ایک جاپانی بمبار طیارے میں سوار ہوئے مگر جاپان کبھی نہ پہنچ سکے یہ ان کا وہ آخری ہوائی سفر ہے جس کے بارے میں علم ہے۔

ہندوستان کو نیتاجی کے خوابوں کی تعبیر پانے میں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ آج جبکہ ہم ان کی صد سالہ سالگرہ منا رہے ہیں تو پوری قوم ان کی شکرگزار ہے اور اس جذبۂ تشکر سے انھیں یاد کر رہی ہے۔ اس موقع پر ان کے جوش و خروش، ان کی ہمت اور جذبۂ حب الوطنی اور جیتے جی ان کے نعرے "چلو دلی" کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔ (بشکریہ: پی آئی بی)



۱۹۳۸ء میں ہری پورہ میں۔



What greater solace can there be than the feeling that one has lived and died for a principle? What higher satisfaction can a man possess than the knowledge that his spirit will beget kindred spirits to carry on his unfinished task? What better reward can a soul desire than the certainty that his message will be wafted over hills and dales and over the broad plains to every corner of his land and across the seas to distant lands? What higher consummation can life attain than peaceful self-immolation at the altar of one's Cause?

Subhas Chandra Bose

Netaji Subhas Chandra Bose

SUPREME COMMANDER
AZAD HIND FAUJ

ترجمہ:- اس احساس سے زیادہ اطمینان اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک اصول کے لئے جیا اور مر گیا؟ علم سے بڑھ کر تشفی ایک شخص کے پاس اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا جذبہ اسے لاانتہا مہم پر لے جانے کے لئے ایک رشتہ کا جذبہ عطا کرتا ہے؟ اس یقین سے بہتر انعام کی خواہش ایک روح کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا پیغام پہاڑی علاقوں اور وادیوں سے گزرتے ہوئے وسیع میدانوں سے اس کے ملک کے ہر گوشہ تک اور سمندروں کے اس پار دور ممالک تک پہنچ جاتا ہے؟ ایک شخص کے کاز کی قربان گاہ پر پُرامن قربانی سے بڑھ کر زندگی کی تکمیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

دستخط: نیتاجی سبھاش چندر بوس
سپریم کمانڈر،
آزاد ہند فوج



سبھاش بوس : ایک محبِ وطن

کالی پدو باسو

سبھاش "محبانِ وطن کے محبوب" رہے ہیں۔ آپ کے متعلق یہ فقرہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ اگرچہ اس وقت سبھاش بوس اور گاندھی جی کے درمیان ایک قسم کی نظریاتی اور سیاسی رقابت چل رہی تھی مزید برآں گاندھی جی نے یہ فقرہ مسز جالس سے ملاقات کے دوران کہا تھا جو جنگ کے زمانہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر روزویلٹ کے ایک سفیر تھے۔

سبھاش ایک جید عالم تھے۔ آپ نے آئی سی ایس کا امتحان ۱۹۲۰ء میں پاس کیا تھا اور ۱۹۲۱ء میں اس ملازمت سے مستعفی ہوکر ہندوستان کی تحریک آزادی میں شامل ہوئے۔ آئی سی ایس جیسے اعلیٰ اور بلند عہدہ کی رمق و کشش بھی آپکو لبھا نہیں پائی۔ آپ گیارہ مرتبہ جیل گئے۔ ۱۹۴۰ء کے دسمبر کے دوران برطانوی ہندوستان سے آپ کی گمشدگی ایک پرخطر داستان بن گئی۔

سبھاش خدا پر بھروسہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ ایک نظریۂ عملیت کے پیروکار تھے۔ اگرچہ آپ دنیا کی تشکیل و ترقی کے دوران جدلیاتی ارتقا کے ہیگیلین نظریہ سے بہت حد تک متاثر تھے تاہم آپ نے حقیقت کی معقول خصوصیت کے حامل ہیگیلین نظریہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں "میرے نزدیک حقیقت کی لازمی فطرت یا نوعیت عشق ہے اور یہی انسانی زندگی کا لازمی اصول ہے" لہٰذا آپ حقیقت کے لئے انسان دوست طرزِ عمل کے حامی تھے۔

بوس موہن داس کرم چند گاندھی کے سیاسی خیالات و طرزِ عمل کے ایک نقاد تھے۔ آپ کے خیال میں گاندھی جی کے عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریکیں ان لوگوں کے لئے جن کے اندر جبلی طور پر اپیل کا جذبہ مضمر ہے عوام کو ایک جگہ اکٹھا کرسکتی ہے اور ان میں بیداری لاسکتی ہے مگر اس طریقہ کار کو روبہ عمل لاکر انگریزوں کو ملک سے بھگایا نہیں جاسکتا ہے۔ بوس نے اپنی کتاب دی انڈین اسٹرگل (یعنی ہندوستان کی جد وجہد آزادی) میں لکھتے ہیں کہ "پہلو گوں کو سیزر کی جانب وہی کچھ پیش کرنا ہوگا جو سیزر کا ہے"۔ اس طرح میں یہ کہتا ہوں کہ "سیاست سے متعلق اخلاقی ارتقا کا فلسفہ جس کا بیاں یا جس کی تشریح افلاطون، سسرو اور گرین کے یہاں نظریاتی سطح پر ہمیں دستیاب ہے اور گوکھلے اور گاندھی نے جس کی پیروی کی ہے بوس کو اپنی جانب راغب نہیں کر پایا تھا"۔

آپ کا قول ہے کہ سیاست کے عملی میدان میں سودا بازی کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا آپ لکھتے ہیں کہ "سیاسی سودا بازی کا راز آپ کے اندر جتنی چالاکی ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی نمائش میں پنہاں ہے"۔ آپ نے ۱۹۳۱ء کے دوران لندن میں گول میز کانفرنس کے موقع پر مہاتما کے نرم رویہ کو پسند نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "اگر اپنے نرم رویہ کے برعکس مہاتما ڈکٹیٹر اسٹالن



ہرن پورہ فروری ۱۹۴۸ء

یا ڈیوس مسولینی یا ہٹلر کے لب و لہجے میں گفتگو کرتے تو جان بل ان کی بات سمجھ پاتے اور ان کی تعظیم میں اپنا سر جھکا دیتے"۔ اس طرح ۱۹۳۱ء میں کانفرنس ہذا کے موقع پر ہندوستان نے موقع گنوادیا۔

اصطلاح کے صحیح معنوں میں بوس ایک غیر جانبدار رہنما تھے۔ آپ مذہب کی بنیاد پر ہندوستانی عوام کو کسی بھی قیمت پر تقسیم کرنے کے سخت خلاف تھے۔

چند لوگوں نے اپنے فوری سیاسی فائدہ کی خاطر ہندو اور مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر دو قوموں میں ایک مصنوعی تقسیم کی سازش رچائی تھی۔ آپ کہتے تھے کہ یہ غیر مناسب نہیں ہوگا اگر ہم لوگ انگریزوں کے دور سے قبل مسلم عہد پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ مسلم حکمرانوں کے مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں کے انتظامیہ میں بے شمار ہندو حضرات بلند مرتبوں اور منصبوں پر فائز تھے۔ آزاد ہند فوج مختلف مذہبی جماعتوں پر مشتمل تھی۔

سبھاش بوس کے سیاسی تخیلات و فلسفہ کو آزاد ہند فوج کی تشکیل کے ذریعہ عملی شکل دی گئی تھی۔ آپ اس اخلاقی نظریہ کے پیروکار تھے کہ "میرے دشمن کا دشمن میرا بہترین دوست ہوتا ہے"۔ لہٰذا آپ نے جرمنی، جاپان اور اٹلی سے جو اس وقت برطانیہ کے خلاف دوسری جنگ عظیم کے دوران برسرپیکار تھے، مدد مانگی۔ آپ نے سنگاپور میں (۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو) ہندوستان کا قومی پرچم پھیرادیا۔ کوہیما اور امپھال پر آپ نے فتح حاصل کی اور جزائر انڈمان اور نکوبار میں انتظامیہ کو توسیع دی۔ آپ کی حکومت کو آٹھ قوموں یعنی ممالک نے تسلیم کیا تھا جن میں جرمنی اور جاپان بھی شامل تھے۔ آپ کا یہ قیاس درست تھا کہ ہندوستانی عوام اور وہ برطانوی فوج جو بیشتر ہندوستانیوں پر مشتمل تھی، برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت بلند کرے گی اور آزاد ہند فوج میں شامل ہو جائے گی لیکن کوئی بھی یہ قیاس آرائی نہیں کر سکا تھا کہ دوسری جنگ عظیم ایک نیا رخ اختیار کرے گی اور جرمنی اور جاپان کو شکست کا منھ دیکھنا پڑے گا۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی ہی تھی کہ کچھ ہندوستانی رہنماؤں جن میں مہاتما بھی شامل تھے، نے بوس کے منصوبہ کی وضاحت ایک دوسرے انداز میں کی اور اسے سیاسی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے روبہ عمل لایا گیا لہٰذا حالات نے آزاد ہند فوج کو پسپائی کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیا۔

بوس کو اگرچہ فاسسٹ گردانے کیلئے بڑی افواہیں پھیلائی گئیں تاہم آپ فاسسٹ نہیں تھے۔ آپ نے قومی فائدے کے لئے فاسسٹ طاقتوں (؟) کے ساتھ دوستی کی تھی۔ ناقدین لوگوں کو یہ کہکر ورغلاتے ہیں کہ جنگ میں فتح مل جاتی تو جاپان ہندوستان پر قابض رہتا۔ اسے ہندوستانیوں کے حوالے نہیں کر جاتا۔ یہ الزام بے بنیاد ہے۔ اول جاپان اور جرمن نے ان علاقوں پر جہاں آزاد ہند فوج داخل ہوئی اور قومی پرچم لہرایا تھا، آزاد ہند فوج کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔ دوم جاپان کے جنرل فوگیورا نے اپنے ٹیلی ویژن پر ایک ملاقات کے دوران اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ بوس جاپان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی نہیں تھے۔

جو کچھ بھی بوس نے کیا وہ سب ۴۸ برسوں کے اندر ہی کیا تھا۔ اس وقت سے آج تک آپ کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔ آپ کے کارناموں نے ہندوستانی عوام کے اندر کچھ کر گزرنے کے جذبہ کو جگایا تھا۔ برطانوی وزیر اعظم ایٹلی نے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ ہندوستانی فوج اور پولس حکام کے بھروسہ پر ہندوستان پر حکمرانی نہیں کی جا سکتی۔ آزاد ہند فوج کی تحریک ہندوستان کی آزادی کی جد وجہد کا آخری باب تھا۔ سبھاش بوس کی صد سالگرہ کے موقع پر ہم سب پر یہ لازم ہوتا ہے کہ ہم لوگ آپ کی قربانی کے نتائج کا ایک صحیح محاسبہ پیش کریں۔ فی الحال آپ تواریخ کا ایک اہم جزو ہیں اور تاریخ دانوں کو چاہیئے کہ وہ آپ کے کارناموں کا جائزہ بے لاگ اور صحیح طور پر پیش کریں۔ آپ کی حب الوطنی بے مثال اور عظیم تھی۔ (انگریزی سے ترجمہ) ■■

ہندوستانی فوج کے لئے بوس کا پیغام

رنگون ۷ رجنوری ۱۹۴۴ء



(اصل)

یورپ میں ہندوستانی فوج کے سپاہیو!

مجھے برما سے آپ کے لئے یہ اپیل جاری کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے۔ آزاد ہند فوج کے ساتھیوں کے ساتھ برما میں مجھے محسوس ہونے والی زبردست خوشی میں آپکو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے بعد سے میں خود کو مکمل طور پر اپنی مقدس جد وجہد کے لئے اس وقت تک وقف کر دوں کا جبتک کہ ہمارے فاتحین دہلی نہیں داخل ہو جاتے اور جبتک کہ سرزمین ہند سے آخری انگریز کو بھگا نہیں دیا جاتا۔ گذشتہ ۳ مہینوں کے دوران میں نے جنگ کی اسکیم میں مشرقی ایشیاء میں آباد ۳۰ لاکھ ہندوستانیوں کو لانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آج ملک کے ۳۰ لاکھ جوان بوڑھے، مرد، عورت اور بچے مشرقی ایشیاء میں مسلح ساتھیوں کے پیچھے گرینیٹ کی دیوار کی طرح ایستادہ ہیں۔ ان لوگوں نے صحیح معنوں میں ایک اندرونی محاذ کی تشکیل کی ہے تاہم ہمیں باہر سے اپنی مہم کو چلانا ہوگا۔ مشرقی ایشیاء میں آپ کے مسلح ساتھیوں کی طرح آپ بھی ضرور محسوس کریں گے کہ اندرون و بیرون ملک تمام ہندوستانی عوام انکے پیچھے کھڑے ہیں۔ یہ نیا سال ہمیں بڑے مسائل کا سامنا کرتے ہوئے پاتا ہے۔ میں رب کا شکر گزار ہوں کہ میری دلی تمنا کہ ہم نئے سال کے دن سرزمین ہند پر قدم رکھیں اور جس کا میں نے بار بار ذکر کیا ہے، اب پوری ہوئی ہے اس مہینے کے اول میں مجھے یہ خبر موصول ہوئی کہ ہمارے سپاہیوں نے سرزمین ہند پر سچ مچ قدم جما لیا ہے۔ اس خبر سے ہمارے سپاہیوں کے دل شعلہ کی طرح بھڑک اٹھے ہیں اور وہ لوگ جو مختلف وجوہات کی بناء پر محاذ کے پیچھے کھڑے تھے اب آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم امتحان کی گھڑی ابھی نہیں گزری ہے۔ آپ کو ہر چیز کیلئے تیار رہنا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی اپنی پسندیدہ راہ سے کبھی نہیں ہٹیں گے کیونکہ جو جدو جہد آپ کر رہے ہیں وہ صحیح ہے اور آپکو اپنا کام پورا کرنا ہے۔ یورپ میں آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی حیثیت سے یہ آپکا فرض ہے کہ آپ برطانیہ کی مخالفت کریں جب کبھی آپ کا ان سے سامنا ہو۔ مجھے آپ پر فخر ہے کہ آپ پوری تشفی کے ساتھ اپنا فرض پورا کر رہے ہیں اور آپ ہندوستان کے وقار کو بلند رکھے ہوئے ہیں۔ خدا کے فضل سے اگر موقع ملا تو میں یورپ کی آزاد ہند فوج کے فاتح کی حیثیت سے سرزمین ہند میں تمہارا جلد استقبال کروں گا۔

انقلاب زندہ باد

آزاد ہند زندہ باد

دستخط: سبھاش چندر بوس

(انگریزی سے ترجمہ)

قدم قدم بڑھائے جا

یہ گیت آزاد ہند فوج کا وہ ولولہ انگیز ترانہ ہے جس نے اس کے سپاہیوں نیز ہندوستانی عوام کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ آج بھی اسکا جوشِ بیان ہماری پژمردہ روح کو گرمانے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ گیت آزاد ہند فوج کے ایک سپاہی کا نتیجۂ فکر ہے جسے انھوں نے کسی فنی آزمائش کیلئے نہیں بلکہ فوجی بینڈ پر ایک جذباتی مقصد کیلئے لکھا تھا۔ اس میں فنی محاسن و ادبی بصیرت کی تلاش بے معنی ہے۔ (ادارہ)

قدم قدم بڑھائے جا خوشی کے گیت گائے جا
یہ زندگی ہے قوم کی تو قوم پہ لٹائے جا

تو شیرِ ہند آگے بڑھ
مرنے سے پھر بھی تو نہ ڈر
اڑا کے دشمنوں کا گھر
جوشِ وطن بڑھائے جا

تری ہمتیں بڑھتی رہیں
خدا تیری سنتا رہے
جو سامنے ترے کھڑے
تو خاک میں ملائے جا

چلو دلّی پکار کے
قومی نشان سنبھال کے
لال قلعہ پہ گاڑ کے
لہرائے جا لہرائے جا

■ بول اور سُر: رام سنگھ ٹھاکر ■



آزاد ہند فوج: قربانی کی ایک عظیم مثال

آزاد ہند فوج (انڈین نیشنل آرمی یا آئی این اے) کا قیام دوسری عالمی جنگ کے دوران عمل میں آیا تھا۔ یہ ایک انقلابی فوج تھی۔ عالمی جنگ میں لڑنے والی دوسری افواج کے برعکس یہ ایک انوکھی فوج تھی۔ یہ وطن سے سیکڑوں میل دور ایک غیر ملکی سرزمین پر تشکیل دی گئی تھی۔ ہوائی جہازوں، ٹینکوں، توپوں، بندوقوں اور گولہ بارود جیسی ساز و سامان کو محاذ جنگ تک پہنچانے والی لاریوں کے لیے بھی اس کا انحصار غیر ملکی طاقتوں پر تھا۔ آدمیوں، روپے پیسے، کپڑے، خوراک اور دیگر ضروری رسد کے لیے یہ فوج برما سے لیکر جاپان تک پورے مشرقی ایشیا میں پھیلے ہوئے ہندوستانیوں کے جذبۂ حب الوطنی سے اکتساب کرتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا سرمایہ اس کے ارکان کا جذبہ ایثار اور حب الوطنی تھا۔ اسی حب الوطنی کی وجہ سے ہی وہ وطن کو آزاد کرانے کے لیے رضاکارانہ طور پر اس فوج میں شامل ہوئے تھے۔ وہ "دلی چلو" کا نعرہ لگاتے ہوئے مارچ کرتے تھے اور اس راہ میں اپنی جان تک قربان کر دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔

نیتا جی سبھاش چندر بوس:- نیتا جی سبھاش چندر بوس اس بے مثال فوج کے سپریم کمانڈر تھے۔ وہ ایک سچے محب وطن تھے۔ وہ آئی سی ایس کے ایک افسر کی محفوظ زندگی کو خیرباد کہتے ہوئے ۱۹۲۱ء میں جدوجہد آزادی میں کود پڑے تھے۔ کچھ ہی برسوں میں سبھاش ایک مقبول قومی رہنما بن گئے اور پورے ہندوستان کے نوجوانوں اور طالب علموں کی رہنمائی کرنے لگے اور جلد ہی [illegible] کارکنان اور بائیں بازو کے عناصر جو غیر ملکی حکمرانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بیتاب تھے، کے رہنما بن گئے۔ ان پر انگریز حکمرانوں کا عتاب نازل ہوا۔ انھیں زندان خانوں میں ڈال دیا گیا۔ نظر بند کیا گیا اور جلا وطن کیا گیا مگر بے سود کیونکہ ان کی حب الوطنی میں کوئی فرق نہ آیا۔

۱۹۳۸ء میں سبھاش انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ ان کی صدارت ہندوستان کی تاریخ میں اہم موڑ ثابت ہوئی۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے گاندھی جی کے طریقوں کے بارے میں شدید اختلافات کے سبب وہ کانگریس سے الگ ہو گئے۔

آئی این اے کا قیام:- دسمبر ۱۹۴۰ء میں وہ کلکتہ سے جہاں انگریزوں نے انھیں ان کے مکان میں نظر بند کر دیا تھا، چوری چھپے فرار ہو گئے اور ۱۹۴۱ء میں برلن پہنچے اور اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنے لگے کہ صرف بیرون ملک سے مسلح امداد حاصل کر کے ہی انگریزی حکومت کو ملک سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔ انھوں نے برلن میں ایک "فری انڈیا سنٹر" اور جرمنی کی سرزمین پر "فری انڈیا آرمی" قائم کی۔ یہ ایک طرح سے اس عظیم کامیابی کی ایک ریہرسل تھی جو بعد میں انھیں مشرقی ایشیا میں حاصل ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں وہ جرمنی سے ایک آبدوز کشتی میں ۹۰ روز کے سفر کے بعد جاپان پہنچے اور وطن کو آزاد کرانے کے لئے جاپان سرکار سے امداد کی یقین دہانی حاصل کی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہاں انھوں نے انڈین انڈی پنڈنس لیگ اور انڈین نیشنل آرمی کی رہنمائی کی ذمہ داری سنبھالی۔

یہ دونوں تنظیمیں مشرقی ایشیا میں رہنے والے ان ہندوستانیوں نے قائم کی تھیں جو ہندوستان کی آزادی کے لئے دل و جان سے کوشاں تھے۔ ان میں



راس بہاری بوس کا نام سر فہرست تھا۔ جب سبھاش چندر بوس نے جولائی ۱۹۴۳ء میں سنگاپور میں ان کی کمان سنبھالی تو ان کی سرگرمیوں میں کافی تیزی آئی۔ چار ماہ کے اندر ہی انھوں نے مغرب میں برما سے لیکر مشرق میں جاپان تک مہا ہندوستانیوں کی جدوجہد آزادی کو فولاد کی طرح مضبوط بنا دیا۔ آئی این اے ایک مضبوط اکائی بن گئی جس کا رہنما مقولہ تھا "اتحاد، یقین اور قربانی"۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو نیتاجی نے سنگاپور میں پورے مشرق ایشیا سے انڈین انڈپنڈنس لیگ کے نمائندوں کی ایک میٹنگ میں آزاد ہند کی عبوری حکومت قائم کرنے کا اہم اعلان کیا۔

آئی این اے کا انوکھا جزو رانی جھانسی رجمنٹ تھا جو ان رضاکار ہندوستانی خواتین کو لے کر قائم کی گئی تھی جو قوم کی جدوجہد آزادی میں اپنا حصہ ادا کرنے کو بے قرار تھیں۔ اس رجمنٹ نے کیپٹن لکشمی کی کمان میں ملک کی آزادی کی لڑائی میں ایک اہم رول ادا کیا جو تاریخ کا حصہ بن گیا ہے۔

آئی این اے میدان عمل میں: جنوری ۱۹۴۴ء میں نیتاجی نے اپنا ہیڈ کوارٹر برما میں منتقل کر لیا اور اس کے بعد جلد ہی فوجی کارروائیوں کا میدان تیار ہوگیا اور پھر آئی این اے ملایا سے تھائی لینڈ اور برما کے راستے ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گئی اور وہ برما۔ ہند سرحد کے آٹھ سیکٹروں میں، امپھال کے میدانوں اور کوہیما کے نواحی علاقوں میں برسر پیکار ہوگئی۔

آئی این اے کی ایک ٹکڑی کرنل ایس اے ملک کی قیادت میں ہندوستانی علاقے میں کافی اندر تک گھس آئی اور اس نے ۱۴ اپریل ۱۹۴۴ء کو منی پور میں موئرنگ کے مقام پر اس بات کی علامت کے طور پر قومی ترنگا لہرایا کہ سرزمین کا ایک ٹکڑا انگریز حکمرانوں سے آزاد کرا لیا گیا ہے اس کے بعد کوہیما کے قلعہ اور دیناپور کوہیما روڈ پر ایک چھاؤنی پر قبضہ کیا گیا۔ بعد ازاں آئی این اے امپھال کا محاصرہ کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ انگریز اس محاصرہ کو صرف جون میں ہی ختم کر سکے وہ اس لئے کہ ان کی افواج اور ہتھیاروں کی تعداد اور رسدات بہت زیادہ تھیں۔

افسوسناک پسپائی: اس وقت تک لڑائی کا رخ آئی این اے کے خلاف ہونا شروع ہوگیا تھا۔ مانسون کی موسلا دھار بارش کا پانی اس کی سمتوں میں بھر گیا اور ملیریا اور پیچش نے تباہی مچا دی۔ آئی این اے کو پیچھے ہٹنا پڑا لیکن اس سے آئی این اے کے سپاہیوں یا اس کے کمانڈر کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ آئی این اے کی ناکامی کی افسوسناک حقیقت برما کی سوئیلین آبادی کو بتاتے ہوئے نیتاجی نے انھیں زیادہ روپیہ پیسہ اور مال اسباب اکٹھا کرنے اور فوج میں زیادہ آدمی بھرتی کرنے کے لئے اپنی کوششیں دوگنی کرنے کی تلقین کی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ "ہم امپھال پر پھر حملہ کریں گے، ایک بار نہیں دس بار"، ان کی یہ پکار کہ "تم مجھے خون دو میں تمہیں آزادی دوں گا" ایک بار پھر پورے مشرقی ایشیا میں گونج اٹھی۔ اس وقت تک انگریز قریب قریب رنگون پہنچ چکے تھے اور بھاری ہوائی حملہ کر رہے تھے۔ نیتاجی نے اپریل میں رنگون سے اور اگست میں سنگاپور سے پسپائی اختیار کی کیونکہ اس وقت مشرقی ایشیا میں جنگ ختم ہوگئی تھی۔ آئی این اے کو سب سے بڑا دھکا اس وقت لگا جب نیتاجی کا ہوائی جہاز ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو سیگاؤں سے پرواز کے دوران نیچے گر کر تباہ ہوگیا۔ یہ ان کی آخری پرواز تھی۔ ۱۵ اگست کو انھوں نے اپنی آخری تقریر میں اپنے سپاہیوں سے کہا تھا "دہلی جانے کے بہت سے راستے ہیں اور دہلی اب بھی ہماری منزل مقصود ہے"۔

لال قلعہ میں مقدمے کی سماعت: انگریز آئی این اے کے سپاہیوں کو



لال قلعہ میں آئی این اے کے سپاہیوں کے خلاف مقدمہ کی دفاعی کمیٹی کے سربراہ

گرفتار کر کے مشرقی ایشیا سے ہندوستان لائے اور پھر آئی این اے کے خلاف دہلی کے تاریخی لال قلعہ میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس وقت عوام کے جوش وخروش کی کوئی حد نہ رہی۔ آئی این اے کے کارناموں پر ان کا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔ آئی این اے کے سورماؤں کا مقدمہ لڑنے کے لئے ایک ڈیفنس کمیٹی بنائی گئی جس میں سر تیج بہادر سپرو، بھولا بھائی ڈیسائی اور جواہر لال جیسی سرکردہ قومی شخصیتیں شامل تھیں۔ اگرچہ کورٹ مارشل میں آئی این اے کے تین افسروں شاہ نواز، سہگل اور ڈھلون کو شہنشاہ انگلستان کے خلاف جنگ کرنے کے سلسلے میں مجرم قرار دیا گیا تاہم ان کے لئے عوام کے جوش وخروش کو دیکھتے ہوئے ان کی عمر قید کی سزائیں معاف کر دی گئیں۔

اگرچہ آئی این اے محاذ پر جنگ آزادی میں فتح حاصل کرنے میں ناکام رہی تاہم اس سے ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے خاتمہ میں مدد ملی۔ آئی این اے کی حب الوطنی، شجاعت اور قربانی کی داستان، جو آج بھی ہندوستانیوں کے دلوں کو گرماتی ہے۔ ہماری جد وجہد آزادی کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ (بشکریہ: پی آئی بی)

آزاد ہند فوج

جگن ناتھ آزاد

پائندہ باد ہند کی اے فوج خوش نہاد
وہ دن خدا کرے کہ بر آئے تری مراد
مٹ جائے بزمِ دہر سے یہ جنگ یہ فساد
زنداں کو توڑ پھوڑ دے اے حرّیت نژاد
اب وقت آگیا ہے کہ ہو عازمِ جہاد
ہندوستاں کی فوجِ ظفر موج زندہ باد

پرچم ترا ہو چاند ستاروں سے بھی بلند
پہنچا سکے نہ دورِ زمانہ تجھے گزند
اغیار کر سکیں نہ کبھی تجھ پہ راہ بند
پسپائیاں ہوں تیرے جوانوں کو ناپسند
تو کامراں ہو اور عدو تیرے نامراد
ہندوستاں کی فوجِ ظفر موج زندہ باد

"جے ہند" کی صداؤں میں تیرے جواں بڑھیں
ہاتھوں میں لے کے امن و اماں کا نشاں بڑھیں
نصرت نصیب ان کے قدم ہوں جہاں بڑھیں
بہر وقار و عظمتِ ہندوستاں بڑھیں
دنیا کو بھی وہ شاد کریں ہند کو بھی شاد
ہندوستاں کی فوجِ ظفر موج زندہ باد



تحریک آزادی میں آزاد ہند فوج کے اثرات

پرسنتا کمار گھوش

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو نیتاجی سبھاش چندر بوس کے ذریعہ قیام میں آنے والی آزاد ہند فوج کی عارضی حکومت ہماری جدوجہد آزادی کی تواریخ میں ایک اہم اور سنگ میل کی حیثیت کی حامل ہے۔ اسکی پوری اہمیت کو اسکے صحیح طور پر جانا نہیں گیا ہے۔ ایک معنی میں یہ اس کوشش کے اختتام کی نمائندگی کرتا ہے جس کا آغاز جرمنی میں دسمبر ۱۹۴۱ء کو ہوا تھا۔ ۱۹۴۲ء کے اختتام پر ملک میں ہی آئندہ آزاد ہند فوج کے جوہر نے اپنی پہلی شکل اختیار کی تھی۔ فوج ہذا اس وقت ۳۵۰۰ نفری پر مشتمل تھی۔ نیتاجی کی حوصلہ مند رہنمائی میں تربیت پاکر یہ فوج قابل تحسین طور پر جنگجو لشکر میں تبدیل ہوگئی۔ یہ تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے احساسات سے عاری تھی لیکن عمیق حب الوطنی کے جذبات سے سرشار تھی۔ جرمنی میں جنگی قیدیوں کے طور پر گرفتار شدہ برطانوی ہندوستانی فوج کے کرائے کے سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ کو ایک فرض شناس اور جاں نثار مجاہدین آزادی کے ایک دستہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

۱۹۴۳ء کے اوائل میں نیتاجی یہ جان گئے تھے کہ ہندوستان کو آزادی دلانے والی فوج مزید کارگر طور پر کام کر پائے گی اگر اسے ایشیائی سرزمین پر منظم کیا جاتا ہے۔ اس خیال کے مطابق آپ نے جاپان کے سفر کا ایک تاریخی فیصلہ لیا۔ آپ کے پرخطر دور کا سفر آج بھی تواریخ کا ایک جزو ہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۴۳ء کو آپ کا ٹوکیو پہنچنا جنوبی مشرقی ایشیا میں اس وقت رہنے والے ہندوستانیوں کے لیے نہایت عالیشان نتائج کا حامل تھا۔ آپ کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی بینکاک میں انڈین انڈیپنڈنس لیگ نے ایک ایسا ملٹری ونگ قائم کرلیا تھا جس کی سربراہی انڈین نیشنل آرمی کے موہن سنگھ کو سونپی گئی تھی۔ تاہم انڈین انڈیپنڈنس لیگ کی بینکاک جماعت اور ٹوکیو جماعت کے درمیان ہونے والی جھڑپوں نے آزاد ہند فوج کو اس کی پوری امکانی قوت کے محاسبہ سے روکا۔

نیتاجی کی وہاں آمد نے پورے منظر کو ہی قطعی طور پر بدل ڈالا۔ موہن سنگھ کے تحت ۱۳۰۰۰ نفری والی آزاد ہند فوج ۳۰۰۰ سپاہیوں والی ایک کارگر جنگجو لشکر میں بدل گئی۔ انھیں تین پلٹنوں میں بانٹا گیا۔ علاوہ ازیں ان سے ۲۰۰۰۰ نفری پر مشتمل ایک ریزرو رضاکارانہ فوج بھی دی گئی۔ وہ خصوصی اور پرزور توجہ جو فوج ہذا کو تربیت دینے اور منظم کرنے میں دی گئی تھی، نے اس امر کا یقین دلایا تھا کہ پہلی مرتبہ تواریخ میں ایک سچا ہندوستانی لشکر وجود میں آئے گا اور جو کسی غیر ملکی سامراجی قوت کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے گا بلکہ ہندوستانی عوام کا وفادار بنا رہے گا۔ فرقہ وارانہ اور لسانی اختلافات سے بالاتر ہوکر مرد و خواتین ہندوستان کی آزادی کے کاز کی خاطر شانہ سے شانہ ملاکر لڑنے کا حوصلہ پائیں گے۔

یہی وہ نکتہ ہے جس کے اندر آزاد ہند فوج کی سچی اہمیت اور

عظمت کا راز مضمر ہے۔ یہ کوئی جوشیلی اور دلیرانہ مہم نہیں تھی جس نے ہند و برما کی سرحد پر مزید کسی بند و بست فوج پر مشتمل تعاون اور دیگر مہموں کے بغیر ایک اور سو ہچاس میل کو ہندوستانی زمین میں شامل کر لیا۔ (ان کی اپنی اپنی اہمیت کے مطابق) اور اس نے آزاد ہند فوج کو ہندوستانی آزادی کی راہ میں فیصلہ کن اور اٹل حقیقت بنا ڈالا۔ اتحاد اور جانثاری کی یہی وہ قائم کردہ نظیر تھی جس نے باوجود تمام باتوں کے ۱۹۴۵ء میں ہندوستانی عوام کو برطانوی سامراجیت کے خلاف جد و جہد آزادی کی تحریک کو نئے افق تک لے جانے کا حوصلہ عطا کیا۔ ۱۹۴۵ء کے دوران دہلی کے لال قلعہ میں آزاد ہند فوج کے تین افسران کے تواریخی مقدمہ کے بعد برطانوی حکمران (سوائے ونسٹن چرچل جو جلد ہی دفتر سے جانے والے تھے) نہ چاہتے ہوئے بھی اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اب یہ لوگ برطانوی ہندوستانی مسلح افواج پر آنکھ بند کر کے بھروسہ نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت ہر رتبہ اور عہدہ کے فوجیوں کے اندر ہی ایک قسم کا عدم قناعت اور بے اطمینانی کی لہر نہیں پائی جاری تھی بلکہ یہ باتیں نن کمیشنڈ افسران اور سپاہیوں میں بھی زور و شور سے پائی جاری تھیں۔ برطانوی ہندوستان کے نام نہاد "وفادار" مسلح افواج میں آر آئی این (رین) بغاوت عدم قناعت کے بڑھتے ہوئے انتشار کی ایک علامت تھی۔

کلکتہ میں برطانوی حکومت کے خلاف طلباء کی تحریک ایک نئی افق کو پہنچ چکی تھی۔ اس وقت تک رہائی نہ پانے والے آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی رہائی کی تحریکوں میں آزاد ہند فوج کے براہ راست اثرات دیکھے جا سکتے تھے۔ ان تحریکوں میں انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ہی مشترکہ طور پر بائیں جماعتوں کے ساتھ حصہ لے رہے تھے۔ اس وقت لوگ "زندہ رہنے پر جام شہادت پینے کو" ترجیح دے رہے تھے۔ یہ ایک مسلم حقیقت تھی۔ برطانوی حکام یہ جان گئے تھے کہ اب براہ راست وہ ہندوستان کو اپنے ہاتھ میں نہیں رکھ پائیں گے۔

ان جد و جہد اور تحریکوں کو ایک معقول انجام تک پہنچانے کے بجائے ہمارے رہنماؤں نے ۷ ۱۹۴۶ء کے دوران سمجھوتہ کا راستہ اختیار کیا۔ نتیجہ کے طور پر فرقہ پرستی کی زبردست آگ بھڑکی اور ملک تقسیم ہو گیا۔ اتحاد اور یگانگت کی منو فشاں نظیریں جنہیں آزاد ہند فوج نے قائم کی تھیں رفتہ رفتہ اپنی رمق کھونے لگیں اور سامراجیوں نے اس کا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس برصغیر کے لوگوں کے اندر دوستی اور آشتی کے معاہدوں کو از سر نو جلا بخشنے کی یہ ایک از سر نو جلا بخش کوشش ہے کہ ہم لوگ اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کریں جسے نیتاجی نے دیکھا تھا اور آزاد ہند فوج نے لوگوں تک پہنچایا تھا۔ (انگریزی سے ترجمہ) ■■



نیتاجی رام گڑھ میں مارچ ۱۹۴۰ء کو ترنگا لہراتے ہوئے



سپریم کمانڈر نیتا جی



کیپٹن سہگل



میجر جنرل شاہنواز



کیپٹن ڈھلوں



کیپٹن لکشمی سمیناتھن



راجا مہندر پرتاپ

آزاد ہند فوج کے سربراہ



کیپٹن قادر نواز



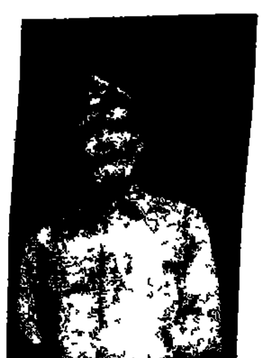
کیپٹن بھونسلے



میجر جنرل کیانی



جنرل موہن سنگھ



کیپٹن مالک



[illegible]



کالا پانی میں آزادی

ایس بالا کرشن

نیتاجی سبھاش چندر بوس ایک عظیم صاحب بصیرت رہنما تھے۔ انھوں نے شملہ کے وائسر یگل لاج پر لہراتے ہوئے ترنگے کا خواب دیکھا تھا۔ یہ ۱۹۴۰ء کی بات ہے انھیں سرزمین ہند کے ایک "آزاد علاقے" پر ترنگا لہرانے کا اپنے خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لئے ایک طویل اور دشوار راستہ طے کرنا پڑا تھا۔

جاپان کے ساتھ معاہدہ : ۔ کلکتہ میں انگریزوں کی سخت نگرانی سے نیتاجی فرار ہوکر براستہ کابل جرمنی پہنچے اور بعد میں وہاں سے آبدوز کشتیوں کا مشکل سفر طے کرکے جاپان پہنچے۔ انھوں نے جون ۱۹۴۳ء میں جاپان کے ساحل پر قدم رکھا اور ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے جاپانیوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔

جاپان کو جنوب مشرقی ایشیا میں پکڑے گئے ہندوستانی جنگی قیدیوں کو نیتاجی کے حوالے کرنا تھا۔ ان ہندوستانی سپاہیوں کو شامل کرکے انھوں نے اپنی آزاد ہند فوج کو مضبوط بنایا۔ ۲ جولائی ۱۹۴۳ء کو وہ بذریعہ ہوائی جہاز جاپان سے سنگاپور پہنچے اور اسی سال اواخر اکتوبر کو انھوں نے ہندوستان کی عبوری حکومت بنائی۔

آزاد ہند کا ایک ٹکڑا : ۔ دو ہفتے بعد وہ مشرقی ایشیا کی عظیم تر اقوام کی اسمبلی میں شرکت کے لئے سنگاپور سے بذریعہ ہوائی جہاز جاپان گئے۔ وہاں شہنشاہ جاپان نے اسی شاندار طریقے سے ان کا خیر مقدم کیا جس طرح کسی ملک کے سربراہ کا کیا جاتا ہے۔ اسمبلی کے دوسرے روز (۶ نومبر ۱۹۴۳ء کو) وزیراعظم جاپان جنرل توجو نے ایک اہم اعلان کیا۔ انھوں نے کہا کہ جاپان نے جزائر انڈمان و نکوبار کو عارضی حکومت ہند کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان جزائر پر جاپان نے ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو قبضہ کرلیا تھا۔ اس طرح نیتاجی کی قائم کردہ عبوری حکومت ہند نے انگریزوں کے تسلط سے آزاد سرزمین ہند کے پہلے ٹکڑے پر قبضہ حاصل کیا۔

نیتاجی اس اعلان سے بہت خوش تھے انھوں نے کہا کہ جاپانیوں نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں آئی این اے (آزاد ہند فوج) کی مدد کرنے کا وعدہ پورا کردیا ہے۔ انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرائے گئے ان دو جزائر کو ہمیں سونپ کر جاپان نے ہندوستان کی جنگ آزادی کو ایک نئی جہت اور استحکام دیا ہے۔

نیتاجی نے ۸ نومبر ۱۹۴۳ء کو ٹوکیو میں ایک بیان میں کہا "ہم ہندوستانیوں کے لئے انڈمان کی واپسی اس بات کی علامت ہے کہ پہلا علاقہ انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرالیا گیا ہے۔ اس علاقے کو حاصل کرکے ہماری عبوری حکومت ایک قومی حقیقت بن گئی ہے۔ جزائر انڈمان کی آزادی ایک علامتی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ انگریز انڈمان کو ہمیشہ سیاسی قیدیوں کے لئے جیل کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہندوستان کے بیشتر سیاسی قیدی برطانوی حکومت کا تختہ پلٹنے کی سازش کرنے کی پاداش میں لمبی سزائیں بھگتنے کے لئے اسی جزیرے ہی میں نظربند رکھے جاتے تھے ایسے قیدیوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ پیرس کے بیسٹیل قلعہ کی طرح، جسے فرانسیسی انقلاب کے دوران آزاد کرایا گیا تھا اور وہاں نظربند قیدیوں کو رہائی دی گئی۔ انڈمان میں بھی ہندوستانی محب وطن قیدوبند کے

مصیبتیں جھیلتے تھے اور انڈمان ہندوستانی سرزمین کا پہلا علاقہ ہے، جو ہندوستان کی جنگ آزادی کے دوران آزاد کرایا گیا ہے۔ اسی طرح ایک ایک کرکے سب علاقے آزاد کرائے جائیں گے لیکن سب سے زیادہ اہمیت ہمیشہ اس قطعہ اراضی کی ہی ہوگی جسے سب سے پہلے آزاد کرایا گیا ہے۔" انھوں نے جزائر انڈمان کا نام "شہید" اور جزائر نکوبار کا "سوراج" رکھا تھا۔

آزاد کرائی گئی سرزمین :- نیتاجی نے آزاد کرائے گئے اس پہلے علاقے میں ۲۹ دسمبر ۱۹۴۳ء کو قدم رکھا۔ وہ اس روز بعد دوپہر جزائر کی راجدھانی پورٹ بلیئر کے لمبا لائن ہوائی اڈے پر آزاد ہند فوج کے کچھ اراکین اور اپنے اسٹاف کے ساتھ اپنے طیارہ سے اترے۔ جزائر میں موجود جاپانی افواج کے کمانڈر انچیف ایڈمرل ایشی کارا نے انھیں گارڈ آف آنر پیش کیا۔ بعد ازاں انھیں پورٹ بلیئر کے اس پار روس جزیرہ لے جایا گیا اور سابق انگریز چیف کمشنر کے بنگلے پر ٹھہرایا گیا۔

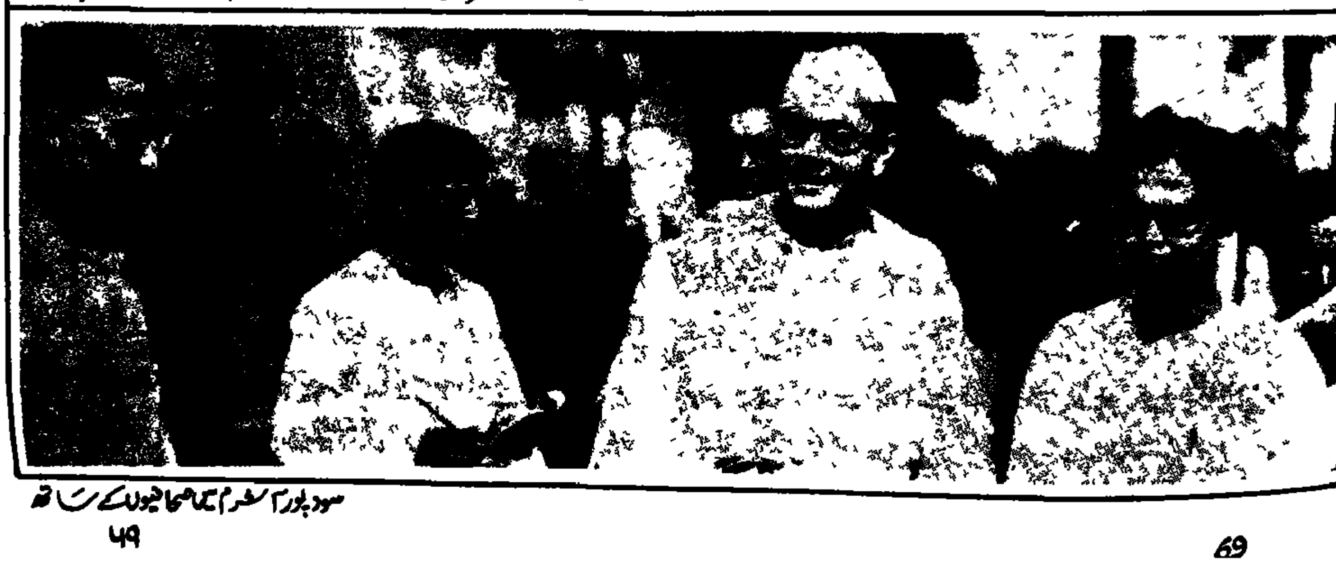
ترنگا لہرایا گیا :- اگلی صبح نیتاجی کا ہندوستانی سرزمین کے ایک آزاد کرائے ہوئے ٹکڑے پر ترنگا لہرانے کا خواب پورا ہوا۔ جب ترنگا آہستہ آہستہ مستول کی بلندی پر پہنچا تو جیم خانہ گراؤنڈس میں موجود سبھی لوگوں نے قومی ترانہ گایا۔ جھنڈا لہرانے کے بعد نیتاجی نے اپنی ڈیڑھ گھنٹے کی تقریر میں کہا کہ "تمام ہندوستانیوں کو بلالحاظ ذات و عقائد، رنگ و نسل، دین و عقیدہ آئی این اے کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا چاہئے اور آدمی، روپیہ اور پیسہ سامان وغیرہ دے کر ہر ممکن طریقے سے مدد کرنی چاہئے"۔ نیتاجی نے اعلان کیا۔ "ہم آزادی چاہتے ہیں اور ہم اسے ہر حال میں حاصل کر کے رہیں گے۔ ہم دہلی کے لئے مارچ کریں گے اور مادر وطن کو غیر ملکی حکومت کی غلامی سے نجات دلائیں گے۔

نیتاجی نے اپنی تقریر میں ہندوستان کی عبوری حکومت کی تشکیل پر بھی روشنی ڈالی اور امید ظاہر کی کہ حکومت جاپان ہندوستان کی جنگ آزادی میں مدد کرتی رہے گی۔ اس لئے تمام ہندوستانیوں کا اولین فرض ہے کہ وہ جاپانیوں کے ساتھ تعاون کریں۔

ایک انوکھا تجربہ :- نیتاجی نے جزائر انڈمان و نکوبار کا دورہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۳ء کو مکمل کیا پھر وہ ہوائی جہاز سے بنکاک چلے گئے۔ پورٹ بلیئر میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے ایڈمرل ایشی کارا سے جزائر میں عبوری حکومت ہند قائم کرنے کے بارے میں بات چیت کی۔

جزائر کے دورے کے بارے میں انھوں نے کہا کہ "اس دورے میں مجھے اور میری پارٹی کے اراکین کو اس وقت اپنی زندگی کا ایک انوکھا تجربہ ہوا ہے جب ہم نے پہلی مرتبہ آزاد ہند کی سرزمین پر قدم رکھا یہ ہمارے لئے ایک ناقابل فراموش لمحہ تھا جب ہم نے روس جزیرہ میں سابق برطانوی چیف کمشنر کی رہائش گاہ پر قومی ترنگا لہراتے ہوئے دیکھا۔ ہمیں اس بات پر مسرت کے ساتھ ساتھ تعجب بھی ہو رہا تھا کہ تاریخ کا رخ کیسے ہندوستان کے حق میں ہوتا جا رہا ہے۔"

آزادی :- ۳۰ دسمبر ۱۹۴۳ء کے اس یادگار لمحے کے دوبارہ آنے میں تقریباً ساڑھے تین سال کا عرصہ لگا۔ برطانیہ نے دوسری جنگ عظیم کے دوران ۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو دوبارہ ان جزائر پر قبضہ کر لیا اور مسٹر امام الحق جزائر کے چیف کمشنر کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا۔ اس عہدے پر مامور ہونے والے وہ پہلے ہندوستانی تھے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہندوستان آزاد ہوا تو انھیں ہی اسی جیم خانہ گراؤنڈس میں آزاد ہندوستان کی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے قومی ترنگا لہرانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ہر قومی تقریب کے موقع پر جب جیم خانہ گراؤنڈس میں قومی جھنڈا لہرایا جاتا ہے تو وہ تاریخی لمحہ ذہن میں گھوم جاتا ہے جب نیتاجی نے "کالے پانی" میں پہلی مرتبہ ہندوستان کی آزادی کا جھنڈا لہرایا تھا۔ (بشکریہ: پی آئی بی)



سیوا گرام آشرم میں ساتھیوں کے ساتھ



مقالہ بعنوان "قصہ موسم سرما"[1]

بُدھا دیب بنرجی

"موسم سرما کے لئے ایک الم انگیز داستان بہترین ہوتی ہے" یہ فقرہ شیکسپیئر نے اپنی تصنیف "دی ونٹرس ٹیل" میں کہا ہے۔ خواہ یہ الم ناک یا سترم ناک ہو بحث و مباحثہ کیلئے حاضر خدمت ہے۔ لیکن ہر سال جب بھی موسم سرما سرزمین ہندوستان پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے تب تب ۲۳ جنوری کو نیتا جی جیتی رونق افروز ہوتی ہے۔ ہر سال اس داستان کو نہایت ہی شد و مد کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے لیکن اس کا اختتام گہری المناک آہوں کے ساتھ ہوتا ہے مخصوص صحافی اور ادیب حضرات نیتا جی پر چند مزید سطروں کے تانا بانا سے میں خود کو مشغول کر لیتے ہیں اور تسلیم شدہ حقیقت کے اس نقاب کو چیر پھاڑ ڈالتے ہیں جو نیتا جی کی اچانک موت یا گمشدگی اسے آپ جو بھی کہیں کو معمہ راز میں رکھتا ہے لیکن بالآخر ان عظیم سپوتوں جن پر مادر وطن ہندوستان کو ناز ہے، کے کارناموں کے ذخائر میں اضافہ کرنے کی خاطر صحافی اور ادیب حضرات تیل کی وضاحت پہاڑ کی شکل میں کرتے ہیں۔ یہ ایک افسوسناک اور بے پایاں حقیقت ہے کہ یہ ایک ایسا سربستہ راز ہے جو ہمیشہ لوگوں کو مغالطے میں ڈالتا رہتا ہے۔ اس کا اختتام ایک ایسے نکتہ پر ہوتا ہے جہاں سے اسکی شروعات ہوئی تھی۔ تحقیقات کے اساطیری گرداب میں سے حقیقت کی کوئی بھی ویرثہ الیہ گرانی ابتک حاصل نہیں کی جا سکی ہے۔ دستاویزوں کے انبار لگ گئے ہیں اور سیمنار ہالوں میں بنیادی آوازوں کی بازگشت سنائی پڑتی ہے لیکن رنگ آمیزی کے بغیر کوئی "درست اور قابل اعتماد" داستان نہیں دستیاب ہوتی ہے۔

کافی پہلے یعنی ۱۹۵۰ء کے ستمبر کے دوران شری ایچ وی کامتھ نے نیتا جی کی نام نہاد موت کی تحقیقات کرنے کی مانگ پارلیمنٹ میں بحث کے دوران رکھی تھی۔ اور ۵ اپریل ۱۹۵۶ء کو حکومت ہند نے شاہ نواز کمیشن کی شکل میں ایک تحقیقاتی کمیشن کے قیام کا حکم صادر کیا اور تب سے اس امر پر بحث و مباحثہ کے دوران غم و غصہ کے اظہار کا سلسلہ جوش و خروش کے ساتھ جاری ہے۔

نیتا جی سبھاش چندر بوس کی پیدائش صد سالہ یعنی سال ۱۹۹۷ء میں اس موضوع پر ایک دوسرے طوفان انگیز پارلیمانی اجلاس کے تجربہ سے منصفانہ طور پر ہمکنار ہوگا۔

خواہ نیتا جی نام نہاد ہوائی جہاز حادثہ میں مر گئے یا بچے یہ ایک حقیقت یا من گھڑت کہانی ہو سکتی ہے لیکن ان کے بارے میں کوئی ذرا سی طرح انگیز اطلاع ہندوستان کے ہزاروں لوگوں کے ذہن و دماغ میں وہ کیفیت پیدا کرتی ہے جس سے زیادہ اس خیرہ کن حقیقت کی جانب نقصان دہی کرنے والا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ محبوب وطن جس کے کاز کیلئے نیتا جی پیدا ہوئے، جئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے بھی، انھیں اتنا دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے جتنا اور کسی کو نہیں رکھتا ہے۔ اپنے وطن میں آپ تمام لوگوں کی آنکھوں کے تارا تھے، ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، آپ بے پناہ

[1] "Winter's Tale"

محبت، احترام اور بے کراں خلوص کے پیکر تھے۔ تذبذب اور خلوص کا کوئی بھی بادل ان کی عظمت کی روشنی کو مدھم نہیں کر پائے گا۔ کوئی ایسا شخص آج تک پیدا ہی نہیں ہوا ہے جو ہندوستانی تحریک آزادی کے آسمان پر آفتاب جیسے مقام رکھنے والی شخصیت کو چنوتی دینے کی ہمت کر سکے۔

نیتا جی ابتک ایک معمہ بنے ہوئے ہیں اور کل بھی آج کی طرح ایک معمہ بنے رہیں گے۔ ایسا اس لئے ہوا ہے کہ ان کی وسیع القلبی اور ذہنی کشادگی کی کوئی تھاہ نہیں تھی۔ آپ عام لوگوں کی عقل، دلیل اور منطق کی کسوٹی پر کھرے اترتے تھے کیونکہ آپ فوق البشر کردار کے مالک انسان تھے۔ شیکسپیئر کی عظمت کو بیان کرنے میں جس طرح ماتھیو آرنالڈ ناکام رہے کچھ اسی طرح کی بات سبھاش کے ساتھ بھی ہوئی۔ مونالیزا کے لبوں پر رقصاں پر تذبذب مسکراہٹ کی طرح آپ اس شخص کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتے ہیں جو آپ کے کردار کی بناوٹ کے تجزیہ کے کام پر خود کو معمور کرتا ہے۔

کیا آپ ایک محب وطن تھے؟ ایک رہنما تھے؟ ایک فلسفی تھے؟ ایک انقلابی تھے؟ کیا آپ ایک غلام قوم کی قسمت کو از سر نو تعمیر کرنے کے زبردست حامی تھے؟ بے پناہ صلاحیت کے مالک ایک سیاسی منتظم کار تھے؟ ایک عظیم الشان جنگی صلاحیت کے مالک ایک ملٹری جینیس تھے؟ لیکن حالات نے انھیں معذور بنا دیا تھا۔ ایک ممتاز ڈپلومیٹک صلاحیت کے مالک ایک عظیم سیاستداں تھے؟ نیتا جی کی حقیقی فورٹ (Forte) کیا تھی؟ تلوار یا قلم؟ سیاست تھا یا فلسفہ تھا؟ دراصل سبھاش بابو ان تمام روشن اور تابناک خوبیوں کے ایک عظیم الشان امتزاج تھے۔

یہ ایک مختصر سرگزشت نہیں ہے بلکہ یہ امتحانات اور آزمائشوں کی ایک طویل داستان ہے۔ سبھاش بابو کے پاس کوئی جادوئی چھڑی نہیں تھی اس کے باوجود آپ کے اندر کثیر رخی شخصیات مضمر تھیں۔ حصول تعلیم کے دنوں سے ہی آپ خود کو رفتہ رفتہ مگر باقاعدگی کے ساتھ اس "مخصوص مشن" کے لئے تیار کر رہے تھے۔ اوائلی دنوں کے دوران اپنے ایک دوست کے نام ایک نامہ میں آپ نے اپنے اس مضبوط ارادے کا اظہار کیا تھا کہ آپ "رائے عامہ" کے بہاؤ میں بہیں گے نہیں اور ایک مخصوص تصور سے منسلک قابل فخر خود اعتمادی کے ساتھ میدان میں عمل پیرا ہوں گے۔ اس اختتامی نظریہ کے ساتھ آپ نے اپنے اندر تاریخ گذشتہ یعنی دنیا کی تمام تہذیبوں اور تمدنوں، اپنے اور اپنے گردونواح کی دنیا کا مطالعہ کرنے، ترقی کے قوانین اور تہذیب و تمدن کے میلانات کے دریافت کرنے، کو سمونے کی کوشش کی۔

ہندوستان کے ساتھ شروع ہونے والی ایک قوم کے ذریعہ سبھاش بابو نے اپنے اعلیٰ اور بلند تصور کو اظہار کا جامہ پہنایا، بہرکیف ہندوستان آپ کا نکتۂ آغاز تھا اور آپکو مستقبل کے نصب العین اور فروغ انسان کی مطلق کوئی فکر نہ تھی۔ سبھاش بابو اصطلاح کے روایتی اور کوتاہ مفہوم کے مطابق ایک محب وطن نہیں تھے۔ لفظ حب الوطنی سبھاش بابو کے اپنے ملک سے عشق اور اپنے وطن کے کاذ کے لئے آپ کی جانثاری کے پرجوش جذبہ کے اظہار میں شرمناک طور پر ناکام رہا ہے۔ آپ انگریزوں کے زبردست دشمن تھے اس لئے نہیں کہ ان لوگوں نے ایک عدم مساوات حکومت قائم کر رکھی تھی یا ہندوستان کو روحانی، سیاسی اور معاشی طور پر تباہ و برباد کیا جا رہا تھا بلکہ اس لئے کہ آپ نے برطانوی سامراجیت کے گھناؤنے چہرہ کو آزادی کے سفاک ترین دشمن اور ترقی و فروغ کی راہ میں ناقابل فراموش ترین رکاوٹ کے طور پر پہچانا تھا۔ آپ نے رانا پرتاپ کی طرح جبتک ہندوستان اپنی قسمت کا خود مالک نہیں بن جاتا ہے اس وقت تک اس "ازلی دشمن" کے ساتھ مسلسل جنگ جاری رکھنے کے کام میں چپ چاپ بیٹھے نہ رہنے کی قسم کھائی تھی۔

حب الوطنی آرتھر شوپن ہاور جیسے بہتوں کی نظر میں بے وقوفوں کا شوق اور بے وقوفانہ جذبہ ہے۔ برنارڈ شا کا کہنا ہے کہ ایک پرسکون دنیا کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ انسانی ذہن و دماغ سے حب الوطنی کی تصویر بالکل مٹ نہیں جاتی ہے۔ سبھاش بابو کے جذبۂ حب الوطنی کی ایک ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ ایک کٹر اور ضرورت سے زیادہ اچھے حب الوطن ہونے اور بالآخر ساری دنیا سے دشمنی مول لینے کے بجائے آپ مخلصانہ طور پر امید افزا ہے اور قومی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ عالمی رفاہ کے لئے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ کام کیا ہے۔ آپ اپنے آپ پر بھرپور یقین رکھتے تھے۔ اس کا اظہار آپ نے آزاد ہند ریڈیو پر (۱۹ فروری ۱۹۴۲ء کو) دنیا کے نام اپنے پہلے نشریہ میں کیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے توسط سے ایشیا اور دنیا دونوں ہی انسانی نجات / آزادی کے عظیم تر مقصد کی جانب آگے بڑھائیں گے۔

عالمگیر بھائی چارہ اور سب کو گلا لگانے والی یہ محبت اور ساری دنیا کے پریشان حال لوگوں کو ایک مرکز پر لانے کے اس جذبہ نے نیتا جی

کو محض ایک قومی ہیرو کا کردار نہیں سونپا بلکہ ایک ایسے عالمی رہنما کا کام سونپا جو بنی نوع انسان کو ایک واحد قوم یا نسل سمجھتا تھا اور انہیں جغرافیائی، ثقافتی، عقائد، ذات پات کی حدوں کے ذریعہ علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں نہیں بانٹتا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ مشہور ماہر تواریخ تھامس کارلائل کے نظریہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ آزادی کسی مقصد کے پیچھے ایک ایسی نیت کا نام ہے جس کے تحت عقلمندانہ طور پر بجائے بیوقوفانہ طور پر اگر پیش رفت کی جاتی ہے تو اس دنیا کے تمام انسانوں کی جدوجہد، جانفشانی اور صعوبتیں اختتام کو پہنچتی ہیں۔ المختصر نیتا جی انسانیت کے ایک ہمیشہ بہنے والے چشمہ ہیں اور آپ کے اندر وہ تمام اچھی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں جو انسانی اعتبار سے محض ایک محب وطن لیڈر کے لئے کافی تھے۔

کردار کے اعلیٰ ثقافتی صفت کھیلنے کی صلاحیت، پرخلوص لگن، مضبوط ارادہ، انسان دوست نقطۂ نگاہ، عزت سے آزادانہ محبت اور کرداری پاکیزگی وغیرہ ہی وہ صفات ہیں جو ایک سچے رہنما میں پایا جانا چاہئے اور ان کا شمار سبھاش بابو نے گاندھی جی کے اجزائے قیادتی صفات کے تجزیہ کرنے کے دوران کیا تھا۔ یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ آپ نے یہ تمام صفات داخل کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنی اس کوشش میں وہ پوری طرح کامیاب بھی ہوئے تھے۔ ہندوستانی سیاق و سباق میں وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک رہنما یعنی لازمی آزمائش ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور ایکتا لانا تھا۔ اور سبھاش بابو سے بہتر کس نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے کوشش کی ہے؟

رہنما کی حیثیت سے نیتا جی ان لیڈروں کے حامی نہیں تھے نہ ہی آپ اپنی تعریف کروانے کے لئے خوشامدیوں کا کھیل کھیلتے ہوئے پست مذاق پر اترے۔ نہ ہی کبھی آپ نے ولولہ کی اپیل جاری کرکے اور لوگوں کو گمراہ ہوشی سا کر جھوٹی امیدوں کے سہارے لوگوں کو محل دینے کا پُرآشوب خواب نہیں دیکھا تھا۔ ہر طرح کے دکھاوے اور منافقت سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ جذباتیت کی جھوٹی کسی جبرگاری کو ٹھکرا دیتے ہوئے آپ نے یہ اعلان کیا کہ آزادی شخص اور قوم کا ایک گراں قدر اثاثہ ہے اور اس کے لئے کوئی بھی اپنی عزیز ترین شئے یعنی اپنا لہو قربان کرسکتا ہے۔ شاید آپ اس کہاوت سے واقف تھے کہ محبانِ وطن کا لہو شجرِ آزادی کا تخم ہوتا ہے۔

نیتا جی اصطلاح کے مبتذل اور محدود مفہوم کے تحت ایک ماہر حکمت عملی نہیں تھے۔ آپ وقت کی تخموں کے اندر دیکھ پاتے تھے اور بنا کوئی غلطی کئے اس امر سے اچھی طرح واقف تھے کہ کن کن دانوں سے پودے اگیں گے۔ اس دور بینی یا دور اندیشی خواہ اسے جس اصطلاح سے نوازا جائے قیادت کی ایک نمایاں علامت ہے۔ شاعر اعظم کی آواز بازگشت کے مطابق نیتا جی کے اندر نوجوان شخص کی دور بینی اور ضعیف شخص کے خواب موجود تھے۔ آپکے ذہن میں سے ہوشمندانہ پالیسی اور تیار کردہ حکمت عملی کے تاثیر و افادیت کے متعلق ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ آپ اس امر کو اچھی طرح جان گئے تھے کہ سیاسی جنگ کے تذبذب آمیز دلوں پر قابو پانے کے لئے اور برطانیہ کی شاطرانہ پالیسی سے سرد آزما ہونے کے لئے ایک زیادہ دور بینی والی نکتہ سنج حکمت عملی کی ضرورت لازم ہو گئی ہے۔ بارہا آپ نے گاندھی جی کی اس ناقابل اصلاح عادت کے بارے میں شکایت کی تھی کہ وہ اپنے سارے کارڈ ٹیبل پر رکھ دیتے ہیں۔ دشمن پر مستقبل کے دوران کی جانے والی تمام کارروائیاں ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اور اس سلسلہ کی دوسری باتوں میں بھی آپ کی عقلمندی اور ہوشمندی گاندھی جی سے کہیں زیادہ ٹھوس حقیقت زمین پر ہوئی تھی لہذا یہ کوئی غیر فطری بات نہیں ہے کہ انگریز آپ کو زیادہ خوفناک اور لڑاکو مجاہد سمجھتے تھے وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ آپ مصلحت پسندی کے تحت آسانی سے کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ ارجن کی طرح آپ بھی سنگل مائنڈڈ تھے۔ آپ کی آنکھیں بھی انگریزوں سے ہندوستانیوں کی نجات کے علاوہ اور کسی پر مرکوز نہیں تھیں۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی کہ ایک بین الاقوامی معلم، غلام اور پامال لوگوں کے رہنما بننے کی گاندھی جی کوشش آپکے نزدیک تذبذب میں ڈالنے والی بات تھی۔

ویویکانند نے اپنے مریدوں کو دو حصوں میں بانٹا ہے۔ ایک میں عام لوگ آتے ہیں اور اس میں مریدوں کی تعداد بڑی کثیر ہے جبکہ دوسرے میں ایک یا دو ہیرو اشخاص آتے ہیں اور ان کی تعداد اس دنیا میں بہت ہی کم ہے۔ ساری عمر آپ نے یکساں طور پر اپنی ہر بات اور اپنے ہر عمل میں بے خوفی کی وکالت کی ہے اور نڈر بننے کی تلقین کی ہے۔ جب بزرگ مذا اپنے زندگی کی شام کو پہنچے تو اس عظیم شخص نے اس دنیا کو اور زیادہ دیکھا اور سمجھا کہ یہ ہمت ہی ہے جس پر تمام باتوں کا انحصار ہوتا ہے۔ یہ کہنا بے سود اور بے کار ہوگا کہ سبھاش بابو ویویکانند کی بلند خیالی اور اعلیٰ تصور کے

معاملہ میں ان کے سر گرد تھے جو نیتا جی کے کردار کی کنجی بہت تھی۔ آپ ایک ایسے انسان تھے جو قسمت کی ستم ظریفی اور نوازشوں کو یکساں طور پر شکرانہ کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ قسمت کی انگلیوں کے لئے آپ کبھی بھی نلی نہیں ہے۔ آپ کے لئے کمزور ہونا تکلیف دہ تھا۔ آپ کے فلسفۂ حیات میں زندگی کا مطلب کر مایا جو جینا تھا۔ نا قابل مفتوح ارادہ اور کبھی کبھی گھٹنا نہ ٹیکنے کی ہمت ہی وہ سنگہائے بنیاد تھے جس پر سبھاش بابو کی شخصیت کی عمارت تعمیر ہوئی تھی۔ آپ کبھی بھی مصیبت سے گھبرائے نہیں اور کبھی بھی مفلسی سے خوف نہیں کھائے۔ آپ یکساں طور پر شکست کی ریشہ دوانیوں پر ست کر و صابر تھے۔ ایک یونانی تواریخ داں تھیوسیڈیڈس اس امر پر یقین رکھتا تھا کہ خوشی کا راز آزادی ہے اور آزادی کا راز ہمت۔ آپ لوگ تذبذب میں ہیں کہ کیا سبھاش بابو تھیوسیڈیڈس کے اس قول سے واقف تھے۔

نیتا جی ایک سچے سپاہی تھے اور بلند حوصلہ رکھتے تھے۔ آپ ہندستان کو ایک ایسی تصویر کی شکل میں دیکھنے کے متمنی تھے جس کا خاکہ ٹیگور نے اپنی نظم ــ " وھیر دی مائنڈ از ویدآؤٹ فیئر "، یعنی اس نظم میں ایک ایسے ملک کا تصور پیش کیا گیا ہے جہاں رہنے والے لوگوں کا ذہن خوف سے پاک ہو اور وہ جب جاگیں تو خود کو آزادی کی جنت میں پائیں۔ گاندھی جی بھی ایسا نہیں سوچ پائے تھے بلکہ وہ بھی سبھاش بابو کے ہوش اڑا دینے والے تاثر کے شکار بن گئے تھے۔ تلسی داس کا فقرا دہراتے ہوئے آپ نے سبھاش بابو کو " حقیقی معنوں میں طاقتور " گردانا تھا اور یقین دلایا تھا کہ کسی بھی طرح کا کوئی برا اثر سبھاش بابو کی بلند شہرت پر نہیں پڑے گا۔

اپنیشد نے رجائیت پسندی، مضبوطی، عزم مصمم اور دانشمندی کی تعریف میں راگ الاپا ہے۔ سبھاش بابو نے اپنے اندر مذکورہ بالا تمام اوصاف یکجا کئے تھے۔ پرانے صحیفے ایسے زبردست انسان کو پرستکوہ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جو میدانِ جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا ہے، جو جدوجہد سے کبھی منھ نہیں موڑتا ہے اور جو اعلیٰ اور بلند مقصد کے لئے اپنی زندگی قربان کر دیتا ہے۔ اس طرح کے عظیم انسان کو ساری دنیا میں فتح و نصرت ہوگی۔ پرانے رزمیہ صحیفوں میں بیان شدہ اوصاف کا انسانی تواریخ کو سبھاش بابو میں ملتا ہے۔

سبھاش بابو نے جو باتیں رومین رولینڈ کے بارے میں تحریر کی ہیں وہ ساری کی ساری خود آپ پر صادق آتی ہیں۔ وہ الفاظ یوں اخذ کرتے ہیں ـــــ " آپ ایک ایسے اصول پرست (ائیڈیالسٹ) انسان تھے جو ہوائی قلعہ نہیں بنایا کرتے تھے اور آپ کے قدم ٹھوس زمین پر جمے ہوئے تھے۔ رولینڈ کی طرح آپ بھی ایک ایسے نئے سماجی نظام کا خواب دیکھا کرتے تھے جو ظلم و ستم سے پاک اور انسانیت افروز تھا۔

آپ ایک لامتناہی ارادے کے انسان اور اپنے وقت سے بہت آگے تھے۔ آپ غیر معمولی نوعیت کے خواب دیکھا کرتے تھے اور آپ نے ایک نیا ہندوستان تعمیر کرنے کا خواب دیکھا تھا جو آج کے ہندوستان کی تصویر سے مختلف تھا۔ یہ ایک المیہ تھا کہ گھنٹی بجتی ہے اور ایک لمبے وقت میں پردہ گرتا ہے جب آپ اپنی زندگی کی عظیم الشان چھلانگ لگانے والے تھے۔ آپ ایک ایسے دیو پیکر مجسمہ کی مانند تھے جو متوسط طبقہ کی دنیا پر پاؤں پھیلائے کھڑا تھا۔ آپ کے بگل کی پکار آج بھی کانوں میں گونجتی ہے اور گویا کہ شیلی کی طرح آپ بھی مظلوم، مصیبت زدہ اور زنجیروں میں جکڑے لوگوں کی ایک زبردست حامی تھے اور آپ اپنی گرجدار آوازیں یوں بلند کریں گے ـــ :

جاگ جاؤ اسی طرح جس طرح شیر ببر نیند سے جاگتے ہیں
نا قابل شمار تعداد میں
زمین پر اپنی زنجیروں کو بکھیر لئے شبنم کی طرح
جو آپ پر پڑی تھی سوتے ہوئے
آپ کثیر تعداد میں ہیں
وہ لوگ تھوڑے سے ہیں

اگر وہ مر جاتا ہے تو آیئے
باآواز بلند سب لوگ آوازیں لگائیں
" اب تیری موت پر فخر کریں
کیونکہ تیرے اندر
ایک بے مثال انسان رہتا ہے

اچھے اور برے دونوں ہی دنوں میں آپ نے اپنے تابناک وقار کو برقرار رکھا تھا اور حاتمہ نے آپکو ایک ایسے نام کا تاج پہنایا جو آنے والے زمانے کے دوران سماجی نابرابری، سرمایہ دارانہ استحصال، فوجی مظالم، ہر قسم کے ظلم و ستم اور اس نوعیت کے تمام مستقل جرائم کے خلاف جنگ کرنیوالوں کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ ■

(انگریزی سے ترجمہ)



نیتاجی کے اقوالِ زریں

”میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غریبی، ناخواندگی و بیماری کے خاتمہ اور سائنٹفک پیداوار اور اس کی تقسیم سے متعلق ہمارے اہم قومی مسائل کو صرف اشتراکی اصولوں سے موثر طور پر حل کیا جاسکتا ہے۔

● وہ لوگ جو سامراجیت کے خلاف اپنے جدوجہد میں پس و پیش کرتے ہیں، وہ لوگ جو اس کے ساتھ سمجھوتہ کی طرف مائل ہوتے ہیں، کسی طرح سے بایاں بازو نہیں ہو سکتے۔

● سیاسی آزادی کے بعد لفٹ ازم کے معنی اشتراکیت کا قیام ہے اور اشتراکیت کی بنیاد پر ہی قومی زندگی کی تعمیر نو عوام کا بنیادی فریضہ ہے۔

● جب آزادی آتی ہے تو قومی تعمیر نو کا دور شروع ہو جاتا ہے اور یہی ہماری تحریک کا اشتراکی پہلو ہوگا۔

● آزادی کی راہ گلاب کے پھولوں سے آراستہ نہیں ہے، یہ کانٹوں سے معمور اور طویل ہے۔

● سیاسی میدان میں تنگ نظر فرقہ پرستی کے بہکاوے کے خلاف ہمیں قوم پرست اپیل پر زور دینا ضروری ہے۔

● معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے زرعی ترقی کافی نہیں ہوگی بلکہ ریاستی ملکیت میں اور ریاست کے زیر اختیار صنعتی ترقی کی ایک جامع اسکیم بھی ناگزیر ہے۔

● ہم صرف سیاسی آزادی نہیں چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں تمام غلامیوں سے نجات جبھی کمیونزم پر مبنی ایک نئے سماج کا قیام عمل میں آسکتا ہے — ایک آزاد اور غیر طبقاتی سماج کا — ہماری تحریک آزادی کا اصل مقصد ہے ایک غیر طبقاتی سماج کا قیام۔

● آزادی کے معنی صرف غلامی سے نجات کے نہیں ہیں بلکہ دولت کی مساوی تقسیم، ذات پات کی بندش و سماجی نابرابری کے خاتمہ اور فرقہ پرستی و مذہبی تعصب کی تباہی سے نجات بھی ہیں۔

● میں ہندوستان کے لئے جیوں گا، میں ہندوستان کے لئے مروں گا۔“



نیتاجی: عظیم شخص اور تاریخ ساز شخصیّت

سمریندر بنرجی

۲۳ جنوری ۱۸۹۷ء : آپ اڑیسہ کے شہر کٹک میں پیدا ہوئے۔

۱۹۰۹ء : آپ کو ریون شاء کالجیٹ اسکول بھیجا گیا۔

۱۹۱۳ء : میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پریسی ڈنسی کالج میں اعلیٰ تعلیم کیلئے کلکتہ آئے۔ بعدازاں ویویکانند اور سری اروبندو کے نظریوں سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

۱۹۱۹ء : آئی سی ایس کے امتحان میں بیٹھنے کی غرض سے انگلینڈ گئے اور اسی دوران آپ کے اندر یورپین تاریخ اور بین الاقوامی امور میں بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔ ۱۹۱۷ء کے اکتوبر روسی انقلاب اور اسی دور کے دور رس نتائج کے حامل تین تاریخی واقعات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے:

(الف) اٹلی کی تاریخ کی ازسرنو جلا بخشی۔

(ب) ائرش سربراہ (لیڈر) ایمن ڈی ویلیرا کی تحریک آزادی

(ج) جدید ترکی میں کمال پاشا کی بغاوت۔

۱۹۲۱ء : سول سروس کی نوکری سے انکار کردیا۔ قومی آزادی کی جدوجہد کے خاص مقصد کو لے کر ۱۶ جولائی کو بمبئی پہنچے۔ گاندھی جی سے ملاقات ہوئی لیکن ان کے پروگرام اور ان کی حکمت عملی سے انھیں بڑی تکلیف ہوئی۔ کلکتہ میں دیش بندھو چترنجن سے ملے اور کانگریس میں شرکت کی تاکہ وہ اپنے مادر وطن کی خدمت کے لئے برٹش راج کے سامراج وادپسندی کے خلاف جدوجہد میں اپنا ایک مقام متعین کر پائیں۔

۱۹۲۲ء : چوتھے کانگریس آف دی کمیونسٹ انٹرنیشنل میں مدعو کیے گئے۔

۱۹۲۳-۲۴ء : یوتھ لیگ اور ٹریڈ یونین لیڈر کے منتظم اعلیٰ بنے۔ بنگال پردونشیل کانگریس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۲۴ میں سبھاش کو گرفتار کرکے منڈالے بھیج دیا گیا۔

۱۹۲۶ء : منڈالے میں قید کے دوران بنگال قانون ساز کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔

۱۹۲۷ء : رہائی ملی اور مدراس سیشن کے کانگریس کے جنرل سکریٹریوں میں سے ایک منتخب ہوئے۔

۱۹۲۸-۲۹ء : کلکتہ سیشن آف کانگریس کو مکمل آزادی کے لئے ایک ایسے ریزولوشن کی پیش کش کی جسے گاندھی جی اور دیگر لوگوں نے روکے رکھا تھا لیکن بعدازاں

آئندہ ۱۹۲۹ء کانگریس سیشن میں اسے شامل کیا گیا۔ کانگریس ہی کے ساتھ بائیں بازو کے لیڈروں سے مل کر کانگریس ڈیموکریٹک پارٹی کی تشکیل کی۔

۱۹۳۰-۳۶ سنہ: جنوری سنہ ۱۹۳۰ء اور پھر سنہ ۱۹۳۱ء میں گرفتار کر لئے گئے۔ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء سے مارچ سنہ ۱۹۳۳ء تک [illegible] مقید رہے۔ بیمار ہو گئے اور ویانا کے سینی ٹوریم میں علاج کے لیے بھیجے گئے۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں "دی انڈین اسٹرگل" شائع ہوئی۔ اپریل سنہ ۱۹۳۶ء میں ویانا سے بمبئی پہنچے اور گرفتار کر لیے گئے۔ مارچ سنہ ۱۹۳۷ء میں رہا ہوئے۔

۱۹۳۸ سنہ: دائیں بازو کے حامیوں کی سخت مخالفت کے باوجود کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔

جواہر لال نہرو کی چیئرمین شپ میں پہلے مالی منصوبہ بندی کمیٹی کے سربراہ ہے۔ اس کی تشکیل بارہ ممبروں سے ہوئی تھی۔ نامور سائنسداں ڈاکٹر میگھناد ساہا بھی اس کی حمایت میں رائے عامہ کو ہموار کر رہے تھے۔ سب مل کر ۲۹ سب کمیٹیاں زراعت، صنعت، آبادی، کامرس، رفاہ عامہ اور تعلیم پر مشتمل مصارف و مقاصد کی منصوبہ کی تشکیل کے سلسلہ میں اعداد و شمار اکٹھا کرنے کے لئے ۲۰ ذیلی کمیٹیاں بنائی گئیں تھیں لیکن اس کے کچھ ہی دنوں بعد دوسری عالمی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے اس کے کام کو آگے نہیں بڑھایا جا سکا۔ بہرکیف وہ بیج تو بویا گیا تھا آزاد ہندوستان کے اندر اس سے ایک تناور درخت پلاننگ کمیشن کی شکل میں نمودار ہوا۔

۱۹۳۹ سنہ: گاندھی جی کی جانب سے نامزد کردہ شخص کے مقابلے میں پھر سے دوبارہ کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ سبھاش اور گاندھی جی کے درمیان کا مقابلہ ظہور میں آیا۔ اپریل ۱۹۳۹ء میں کانگریس کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا۔ بنگال پردیش کانگریس کمیٹی کی ماتحتی سے سبھاش

کو خارج کر دیا گیا لیکن سبھاش چندر بوس کی فوجی سرگرمیاں اور ان کے پیروؤں کے سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔

۱۹۴۰-۴۱ سنہ: رام گڑھ غیر مصالحت (non-Compromise) کانفرنس کا انعقاد سبھاش کی صدارت میں ہوا۔ جون ۱۹۴۰ء میں انھوں نے فارورڈ بلاک کی تشکیل کی۔ ۲ر جولائی ۱۹۴۰ء میں پھر گرفتار ہوئے۔ ایک مسلح جدوجہد آزادی کی رہنمائی کے مقصد کے تحت آپ نے ہندوستان سے باہر جانے کا منصوبہ بنایا۔ ۱۷ر جولائی ۱۹۴۱ء میں آپ اپنی رہائش گاہ سے غائب ہو گئے۔ کابل پہنچے لیکن سوویت یونین سے رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہے اور اطالیہ سفارت کی اعانت سے انھوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ آرلانڈو مزوٹا کے نام سے روسی سرحد پار کرنے کے لئے ایک پاسپورٹ منوایا۔

۱۹۴۱-۴۵ سنہ: ۲۸ر مارچ ۱۹۴۱ء میں ماسکو ہوتے ہوئے برلن پہنچے۔ سنہ ۱۹۴۱ء کے آخر میں برلن میں فری انڈیا سنٹر اور آزاد ہند ریڈیو کی تشکیل کی۔

۱۶ر مارچ ۱۹۴۲ء میں ٹوکیو پہنچے۔ جولائی میں جنوب مشرق ایشیا پہنچے اور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۳ء میں عارضی آزاد ہند حکومت کی تشکیل کا اعلان کیا۔ ۶ر نومبر ۱۹۴۳ء میں جاپان نے انڈمان نکوبار جزائر کو آزاد ہند حکومت کے سپرد کر دیا۔ انڈمان نکوبار کا نام سوراج اور شہید رکھا گیا۔ ۳۱ر دسمبر کو نیتا جی نے انڈمان میں قومی پرچم لہرا دیا۔

مارچ ۱۹۴۴ء میں آزاد ہند فوج ہندوستان۔برما سرحد کی طرف بڑھی اور ہندوستانی علاقے میں داخل ہو گئی۔ ۱۴ر اپریل ۱۹۴۴ء میں پہلے انھوں نے فری انڈیا کا پرچم میرنگ (منی پور) میں لہرایا۔ ۱۹۴۵ء میں بے وقت قدرتی تباہیوں اور خوراک و فوجی رسد کی کمی کی وجہ سے آزاد ہند فوج کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔

۱۷ر اگست سنہ ۱۹۴۵ء میں نیتا جی ایک نامعلوم منزل کی جانب سیگون سے روانہ ہوئے اور ان کا پتہ اس صدی کا ایک نامعلوم اور ناقابل فہم راز بن کر رہ گیا۔ ■■

(انگریزی سے ترجمہ)



نیتاجی کی صد سالگرہ پر

تاپوش داس

ھندوستان کی جدوجہد آزادی نے بہت سے قومی رہنماؤں اور مشہور انقلابیوں کو متعارف کرایا لیکن ناقابل یقین خطرناک طریقۂ عمل کی جدوجہد کی صورت میں بوس کو ارفع مقام حاصل ہے جنھیں ہم داستان سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی متحرک سیاسی زندگی میں کانگریس کے لیڈر، فارورڈ بلاک کے بانی اور بائیں بازو اتحاد کے ہیرو کی حیثیت سے متعدد کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے لئے نیتاجی کا سب سے اہم اور بڑا کارنامہ تھا آزاد ہند فوج (آئی این اے) کی تشکیل اور آزاد ہند کی عارضی حکومت کا قیام۔ ان کی قیادت میں آزاد ہند فوج کی فوجی کارروائی ان حقیقتوں میں سے ایک ہے جنہوں نے انگریز کو ہندوستان چھوڑنے کے فیصلہ پر مجبور کیا۔

ہندوستان اور بیرون ملک کے تاریخ دانوں نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے لئے نیتاجی سبھاش چندر بوس کی خدمات، تجزیہ اور از سر نو جائزہ لیا ہے۔ مختلف شعبۂ حیات کے اسکالروں نے ان پر مختلف تناظر سے بہت سی اہم تحقیقات کی ہیں۔ ان کے قریبی ساتھیوں رشتہ داروں، دوستوں اور عقیدت مندوں نے مختلف پہلوؤں سے انھیں پیش کیا ہے۔ مندرجہ ذیل شائع شدہ مقالات، کتابیں اور دیگر دستاویزات ان پر مزید تحقیق و مطالعہ کیلئے بہت اہم ہیں۔

تحقیق کرنیوالے اسکالروں اور دلچسپی رکھنے والے افراد میں دلچسپی مطالعہ بڑھانے کے پیش نظر نیتاجی انسٹی ٹیوٹ فور ایشین اسٹڈیز نے ۲۳ جنوری، ۱۹۹۶ء کو ——— نیتاجی سبھاش چندر بوس: اے سیلکٹ بائیوگرافی" کے نام سے سوانح عمری شائع کی ہے۔ اس سوانح عمری میں ۱۹۹۵ء تک انگریزی سمیت ہندوستان کی بڑی زبانوں میں شائع ہونے والی کتابوں کی ایک فہرست تیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ رسائل اطلاعات و معلومات کے اہم وسائل کے طور پر بہت اہم ہیں۔ اتفاقیہ پریس رپورٹوں کے نتیجے میں قومی رسائل ادب میں جس طرح مقالات کا سلسلہ جاری ہوا، اس سے نیتاجی سے متعلق جاننے کے لئے کافی تجسس پیدا ہوئی ہے۔ اطلاعاتی دھماکے کے حالیہ دور میں جب ہزاروں رسائل منظر عام پر آرہے ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ محققین رسائل کے ڈھیر میں بیٹھ کر اپنے کام میں اپنی توانائی صرف کریں اور اپنی اپنی پسند کے مضامین کی تلاش میں فہرست کا بغور مطالعہ کریں۔ اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ نیتاجی پر قومی رسائل میں شائع شدہ ان مضامین کی منتخب فہرست قارئین کی خدمت میں پیش کردی جائے جو زیر تالیف ہیں۔

نیتاجی کے صدسالہ سالگرہ کے موقع پر جب میں انھیں اپنا خراج عقیدت پیش کررہا ہوں ان پر لکھے گئے مضامین جو ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۹ء تک شائع ہوئے، کی ایک منتخب فہرست بھی پیش کرنا چاہتا ہوں ملاحظہ ہو:

مضمون	جرائد	بابت	مصنف	صفحات
۱۔ سبھاش۔ دی ٹریجک ہیرو	مین اسٹریم	۷۰-۱-۳	سبرتو بنرجی	۳۸-۳۷
۲۔ کونٹروورسیز کونسرننگ سبھاش چندر بوس	موڈرن ریویو	مارچ، اپریل ۱۹۸۴ء	سبھوتی بھوشن بابو	۸۲-۸۰
۳۔ لینن اینڈ نیتاجی بوس	لنک	۷۰-۴-۱۹	چیترا باسو	۳۱-۳۳
۴۔ امپورٹنٹ ڈیز ان نیتاجیز لائف	اسٹیٹس مین ویکلی آف انڈیا	۷۲-۸-۱۳	کرشنا باسو	
۵۔ سبھاش چندر بوس اینڈ دی نیشنل کانگریس	انڈین جرنل آف پالیٹیکل سائنس	اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۵ء	نرمل باسو	۴۳۸-۵۰
۶۔ (دی) اسپرنگنگ ٹائیگر	اسٹیٹس مین ویکلی آف انڈیا	۸۴-۱-۱	سشیر باسو	۲۵-۲۹ ۳۰-۲۳
۷۔ سبھاش چندر بوس: دی گریٹ اسکیپ	اسٹیٹس مین ویکلی آف انڈیا	۸۴-۱-۸ ۷۴-۴-۱۴	سشیر کمار باسو	۲۲-۲۵
۸۔ نیتاجی اینڈ ٹوینٹی فائیو ایرز آف انڈین انڈپینڈنس	موڈرن ریویو	اگست ۷۳	آلوک باسو چودھری	۹۷-۱۰۰
۹۔ بوس اینڈ دی جرمن آئی۔ این۔ اے۔ این ان ایکسپلورڈ چیپٹر۔	سیوکویسٹ	مارچ، اپریل ۱۹۸۱ء	اگیہنندا بھارتی	۷۳-۸۵
۱۰۔ اسپرنگنگ ٹائیگر ٹو سہالین رستی: دی پرسنس آف دی نیتاجی بوس لیجنڈ	سیوکویسٹ	مئی، جون ۸۰ء	اگیہنندا بھارتی	۱۴۷-۵۳
۱۱۔ نیتاجی۔ اے سیمبول آف علیمنگ ببری اونزم	سوراجیہ	۷۳-۱-۲۰	آر کے بھٹناگر	۳-۴
۱۲۔ نیتاجی۔ این اپینی کا میرو مائر ملک اینڈ سوشلسٹ لیڈر	کونشیمیری	فروری ۷۴ (۱۰۰۲) ۱۹	دھیرن بھومک	۲۸-۲۹
۱۳۔ نیتاجی اینڈ آزاد ہند فوج	سوشلسٹ انڈیا	۷۴-۱۱-۴	دھیرن بھومک	۱۲-۱۱
۱۴۔ اے ڈاکٹریسل اسٹڈی آف نیتاجی	جنتا	۷۵-۷-۲۷	سلیل بسواس	۴-۱
۱۵۔ سبھاش چندر بوس: آفٹر تھری ڈیکیڈس	ایسٹرن امپرس	مئی، جون ۷۵	رحمن بورا	
۱۶۔ نیتاجی اینڈ سنگا بدھو	جنتا	۷۲-۱-۲۳ : ۷۲-۱-۳۰	سکھ مائے چکرورتی	۴۰-۳۹
۱۷۔ سبھاش چندر بوس اینڈ انڈین کمیونزم	مین اسٹریم	۷۳-۲-۱۷	گوتم چٹوپادھیائے	۲۲-۲۷
۱۸۔ آزاد ہند گورنمنٹ: اٹس جنیسس	موڈرن ریویو	جنوری ۱۹۴۹ء	جے۔ ایل۔ داس	۲۲-۲۴
۱۹۔ شرت چندر اور سبھاش چندر	موڈرن ریویو	نومبر دسمبر ۱۹۸۰ء	جے۔ ایل داس	۳۲۶-۳۲۸
۲۰۔ دی لاسٹ فلائٹ آف نیتاجی بوس	بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ	جولائی دسمبر ۱۹۸۰ء	اوی ــــ دے	۱۸۳-۸۷
۲۱۔ کرم یوگی سبھاش	آرگنائزر	۷۰-۱-۲۴	سی بی۔ ڈیسائی	۳۰-۲۹
۲۲۔ از نیتاجی الائیو؟	اسٹیٹس مین ویکلی انڈیا	۷۹-۱-۲۸	ستیہ برتا گھوش	۳۷-۳۹
۲۳۔ (دی) ٹائیٹانک کلیش	اسٹیٹس مین ویکلی آف انڈیا	۸۹-۳-۱۳	ستیہ برتا گھوش	۶-۷
۲۴۔ ریمینیسنسز آف نیتاجی: پائیونیئر آف پلاننگ	لوک راجیہ (ریپبلک ڈے نمبر	۱۹۶۹ء	وی۔ وی۔ گیری	
۲۵۔ سبھاش چندر بوس: دی کوآرڈینیٹ آف انڈیاز فریڈم	جنتا	۷۵-۵-۲۱	این۔ جی۔ گورے	۳-۸
۲۶۔ سبھاش بوس اینڈ انڈین لیفٹ	مین اسٹریم (اینول نمبر)	۱۹۷۶ء	لیونارڈ اے گورڈن	۱۱۵-۱۷

۲۷۔ سبھاش بوسیز ریفلکشنس آن انڈین ہسٹری	کوارٹرلی ریویو: ہسٹوریکل اسٹڈیز	۷۶-۱۹۷۵ء	ایس آر گویل	۱۱۵-۲۱
۲۸۔ سبھاش چندر بوس: ہز لائف اینڈ مشن	موڈرن ریویو	اپریل ۱۹۷۵ء (۴)آآ	ایس وائی گبنوتر	۲۴۹-۵۲
۲۹۔ انکمپلیٹ انکوائری آن نیتاجی مسٹری	جنتا	۲۱-۷-۷۴	سمر گوھا	۸-۱۰
۳۰۔ کوسر کمیشنس پروسس اوالوئیشن آف نیتاجیز رول	جنتا	۲۶-۱-۷۵	سمر گوھا	۱۹-۲۳
۳۱۔ نیتاجیز کونسپٹ آف انڈین نیشنلزم	جنتا	۲۶-۱-۷۴	سمر گوھا	۳۱-۳۵
۳۲۔ نیتاجیز پالیٹیکل فلاسفی آف انڈین سوشلزم	جنتا	۵-۹-۷۱	سمر گوھا	۸-۱۴
۳۳۔ سبھاش چندرا بوس اینڈ دی ارلی آزاد ہند سنگھا: اپریل۔نومبر ۱۹۴۲ء	بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ	جنوری جون ۷۶ء	ایڈوارڈ ایس ہائنس	۱-۲۱
۳۴۔ (دی) انجسٹنس ڈن ٹو نیتاجی	جنتا	۷۸-۲-۱	ایچ۔ وی۔ کامتھ	۵-۶
۳۵۔ نیتاجی بوس: ہیروئک لائف آف اسٹرگل	جنتا	۷۸-۱-۲۲	ایچ۔ وی۔ کامتھ	۵
۳۶۔ نیتاجی: اے ری اپرائیزل	السٹریٹڈ ویکلی انڈیا	۱۵-۱-۸۴	مدھو لیماۓ	۱۴-۱۷
۳۷۔ سبھاش چندرا بوس: انڈیاز مائیٹیئسٹ لاین	ایجوکیشن اینڈ کلچر	نومبر دسمبر ۱۹۷۱ء ۶(۶-۷)	ٹی۔ ایس۔ منوہرن	۵-۸
۳۸۔ گاندھی نہرو اینڈ بوس: اے اسٹڈی	یونائیٹڈ ایشیا	نومبر دسمبر ۱۹۴۸ء	گرجا۔ کے۔ مکھرجی	۳۲۵-۵۶
۳۹۔ مہاتما گاندھی اینڈ سبھاش چندرا بوس: اے کومپیریٹیو اسٹڈی	آرگنائزر	۲۶-۱-۶۸		۷-۸ اے
۴۰۔ سوامی ویویکانندا ز انفلوئنس آن سبھاش چندرا بوس	پرابودھا بھارت	جنوری ۱۹۷۸ء	نندا مکھرجی	۲۲-۲۸
۴۱۔ پولیٹیکل فلاسفی آف سبھاش چندرا بوس	انڈین جرنل آف پولیٹیکس	دسمبر ۱۹۷۹ء (۲)۱	سرجیت مان سنگھ	۵۳-۵۹
۴۲۔ رفٹ بیٹوین بوس اینڈ گاندھی: دی کلکتہ کانگریس ۱۹۲۸ء	کوارٹرلی ریویو ہسٹوریکل اسٹڈیز	جنوری مارچ ۱۹۸۳ء	ایم نائیڈو	۳۵-۴۳
۴۳۔ سبھاش چندرا اینڈ مارکس	موڈرن ریویو	جون ۱۹۷۴ء	نرملندو	۴۱۸-۴۱۶
۴۴۔ دی اسپرنگنگ ٹائیگر: دی کولوسل ریلائز	السٹریٹیڈ ویکلی انڈیا	۱۰-۶-۸۴	لکشمی سہگل	۱۳
۴۵۔ نیتاجیز سبھاش چندراز اسکیپ فرام انڈیا	سکھ ریویو	اگست ۱۹۸۹ء	ہری سنگھ شیرگل	۲۷-۳۳
۴۶۔ نیتاجیز سوشلسٹ آئیڈیلس	لوک راجیہ	۱۹-۱-۷۴	کے۔ ایم۔ سریواستو	
۴۷۔ (دی) ہوشیوربیہائنڈ دی آرگنائزیشن آف اے۔ آئی۔ ایف۔ پی۔ بائی سبھاش چندرا بوس	جرنل آف دی گجرات ریسرچ سوسائٹی	اکتوبر ۱۹۷۷ء	امر سنگھ	۲۸-۳۹
۴۸۔ سبھاش چندرا اینڈ دی مہاتما: اے اسٹڈی ان اسٹیفی	وشوابھارتی یونیورسٹی	فروری تا اپریل ۱۹۷۳ء	امر سنگھ	۱۲۰-۳۱
۴۹۔ سبھاش چندرا بوس واکڈ ان دی اسٹیپس آف ویویکانندا	آرگنائزر	۱۹-۱-۶۸	گوتمانندا پوری	۲۷-۲۸
۵۰۔ وھائی سبھاش اپوزڈ گاندھی ؟	موڈرن ریویو	جنوری ۱۹۷۰ء	روی۔ ایس۔ ورمن	۶۹-۷۱

(انگریزی سے ترجمہ)

۷۹

۲۶ر جنوری

یوم جمہوریہ کے موقع پر



"عظیم محب وطن

کو اہل وطن کا خراج عقیدت"

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور —— حکومت مغربی بنگال

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۲۴ ▪ یکم مارچ ۱۹۹۷ء ▪ شمارہ نمبر ۵

مدیر اعلیٰ: ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون: محمد مصطفیٰ

ترتیب

شرح خریداری

سالانہ: دس روپے ▪ نصف سالانہ: پانچ روپے

* فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

* ترسیل زر (منی آرڈر) کا پتہ
[illegible]
[illegible] حکومت مغربی بنگال
[illegible]
کلکتہ

* [illegible]

[illegible]

جن وادی لیکھک سنگھ کی ۵ ویں قومی کانفرنس سے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کا خطاب

گذشتہ یکم فروری کو سالٹ لیک اسٹیڈیم کے سیمینار ہال میں جن وادی لیکھک سنگھ (انجمن جمہوریت پسند مصنفین) کی ۵ ویں سہ روزہ قومی کانفرنس کی افتتاحی تقریب میں مندوبین، مہمانانِ خصوصی اور دیگر شرکاء کا استقبال کرتے ہوئے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ اور جن وادی لیکھک سنگھ کی ۵ ویں قومی کانفرنس کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے چیئر مین شری جیوتی باسو نے کہا کہ کلکتہ کو اس امر پر فخر حاصل ہے کہ اسے قومی و بین الاقوامی اہمیت کی حامل کئی تقریبات کے انعقاد کے سلسلہ میں میز بانی کے فرائض انجام دینے کا موقع ملا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا شہر ہے جہاں غیر بنگالی حضرات مختلف اللسان ہونے کے باوجود میل جول اور ہم آہنگی کے خوشگوار اور باہمی مفاہمت کے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں مزید کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کے دور میں ہندوستان کی چند طاقتیں ہمارے عوام کو مذہبی، لسانی اور ثقافتی بنیاد پر منقسم کرنے کے کام پر لگی ہوئی ہیں ایسی صورت حال میں ملک کے ادب اور اس کی ثقافت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو بروئے کار لا کر ان کے ناپاک اور گھناؤنے منصوبے کو ناکام بنانے کی کوشش میں جٹ جائیں۔ اس کانفرنس کا افتتاح مشہور دانشور پروفیسر اعجاز احمد نے اپنی تقریر سے کیا۔ اس موقع پر مشہور تاریخ داں پروفیسر عرفان حبیب نے بھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے جلسے سے خطاب کیا۔

صدر، خواتین و حضرات

مجھے آپ سب لوگوں کو جو کلکتہ میں جنوادی لیکھک سنگھ کی پانچویں قومی کانفرنس کے موقع پر یہاں اکٹھا ہوئے ہیں خوش آمدید کہتے ہوئے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ یہ سنگھ اپنی ثقافتی میراث کیلئے مشہور ہے۔ اس شہر کو اس امر پر فخر ہے کہ اسے قومی اور بین الاقوامی اہمیت کی حامل کئی تقریبات کے انعقاد کے سلسلہ میں میزبانی کے فرائض ادا کرنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوبین و دیگر حضرات کلکتہ میں اپنے قیام کے دوران اسے پرلطف پائیں گے اور یہاں دیئے گئے خطبات کے بارآور نتائج سے ہمکنار ہو پائیں گے۔ یہ ایک ایسا شہر ہے جہاں غیر بنگالی حضرات اسکی نصف آبادی کے ساتھ مصالحت سے پیش آتے ہیں۔ بلاشبہ یہ مختلف زبانیں بولتے ہیں لیکن بڑے میل جول اور ہم آہنگی کے ساتھ خوشگوار اور باہمی مفاہمت کے ماحول میں زندگی گذارتے ہیں۔ ہماری حکومت ایسی تنگ نظری و تعاصب سے بچنے کی لوگوں کو ترغیب دیتی ہے جو ہندوستان کی ایکتا کیلئے خطرہ بنتا ہے۔ جنوادی لیکھک سنگھ جو ہندی اور اردو مصنفین کی ایک نمائندہ تنظیم ہے یہ اپنے قیام سے ہی پورے یقین واعتبار کے ساتھ اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریاں انجام دیتا چلا آرہا ہے۔ جمہوری اقدار کو فروغ دینے اور سماجی ذمہ داریوں کے

مظہرِ ادب کے کاذکو برقرار رکھنے کی کوشش میں تنظیم متواتر لگی ہوئی ہے ہمارے ملک میں آج کا معاشرتی اور دانشورانہ ماحول گوناگوں مسائل سے دوچار ہے۔ چونکہ سماجی اور معاشی مسائل میں اضافہ ہوا ہے اس لئے دانشوروں اور مصنفین کو اپنے کام کی انجام دہی میں بہت ساری پیچیدگیوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے معاملات کو ایماندارانہ اور واضح طور پر دیکھنے، پرکھنے اور غیر جانبداری اور بے خوفی کے ساتھ حقیقت کو بیان کرنے کے فرائض کی انجام دہی کے لئے خود کو وقف کر دیا ہے تاکہ لوگ اعلیٰ ضمیر اور شریف النفس بن پائیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کے دور میں ہندوستان کی چند طاقتیں ہمارے عوام کو مذہبی، لسانی اور ثقافتی بنیاد پر منقسم کرنے کے کام پر لگی ہوئی ہیں۔ ایسی صورت حال میں ملک کے ادب اور اسکی ثقافت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو بیدار کر ان کے ناپاک اور گھناؤنے منصوبوں کو ناکام بنانے کی کوششوں میں جٹ جائیں۔ اپنے ادبی واسطوں کے ذریعہ معاشرتی ماحول کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی خاطر مصنفین کو خود سے حساب کرنے کی ضرورت ہے۔ جب مصنفین کی انفرادی صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں گی تو انصاف پسند سماج میں راہ نکالنے کیلئے اپنے اپنے سماجی رول/فرض سے فرار کی ہمت نہیں جٹا پائیں گے۔ ہندوستان کے ترقی پسند مصنفین نے ہمیشہ بدلتے وقتوں کی ضروریات سے ہم آہنگ ہونے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اگر ماضی کے اوراق پلٹے جائیں تو یہ پتہ چلے گا کہ مسطائیت کے عروج کے دوران بھی حضرات مدافعت نمایاں کردار ادا کیا تھا اور بہایت ہی نمایاں طور پر لوگوں کو متاثر کرنے کے کام میں بھرپور تعاون دیا تھا سامراجیت کے خلاف ان لوگوں کی نظریاتی جنگ بہت نمایاں رہی تھی لیکن سیاسی حالات نے اس طرح پلٹا کھایا کہ ہندوستان کے بٹوارے کو روکا یا ٹالا نہ جاسکا۔ آرٹ اور ثقافت کے میدان میں حکومت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ انہیں پھلنے پھولنے میں اپنا بھرپور تعاون دے لیکن ان ادباء مصنفین کی آزادی وہ سلب نہیں کرسکتی ہے۔ اگر عوام بیدار مغز اور روشن ضمیر ہیں تو یہ لوگ اس سلسلہ میں خود ہی بہترین جج ثابت ہوں گے۔

تخلیقی مصنفین وقت اور مقام کی بندشوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ جب یہ لوگ کسی خاص قومی سیاق و سباق پر کام کرتے ہیں تو یہ لوگ خود کو عالمی رجحانات سے بالکل الگ تھلگ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ ادب کی روح ایک ایسی محرک اور ٹھوس پیغام میں مضمر ہوتی ہے جس کی بنیاد کا مصنفین کے عالمی نظریہ پر رکھا جانا لازمی ہے۔ ان دنوں عالمی منظرنامہ میں بڑی سرعت کے ساتھ تبدیلیاں آرہی ہیں اور کئی اہم واقعات ظہور پذیر ہوچکے ہیں۔ روس میں اشتراکیت کے زوال نے تباہی و فنا کے پیغامبروں کی ہمت افزائی کی کہ وہ یہ پیشن گوئی کریں کہ اشتراکیت کے سارے امکانات معدوم ہوچکے ہیں اور اب اس کا کوئی مستقبل ہی نہیں ہے۔ دریں اثناء صورت حال میں کچھ ایسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں جو دنیا کے مختلف حصوں کے ترقی پسند طاقتوں کے فروغ و حمایت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے زیر تحت ایک تنظیم — انسانی فروغ کمیشن رپورٹ آج کے عالمی صورت حال کی ایک بھیانک تصویر پیش کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

(i) ” دنیا بڑی تقطیب شدہ ہوگئی ہے اور دنیا کے امیروں اور غریبوں کے درمیان حائل خلیج میں بھی مزید اضافہ ہوا ہے “

(ii) ” صنعتی ممالک کو اب بھی فروغ انسانی کی بڑی تشویش دامنگیر ہے “ ہزاروں اور لاکھوں لوگ متواتر عدم تحفظ کے ساتھ زندگی جی رہے ہیں اور جرم، نشہ خوری (یعنی ڈرگس)، کثافت، بیروزگاری اور بے گھری کے مسائل سے دوچار ہیں۔“

(iii) ”بندشوں سے نجات کاری، انضباط کاری کے اس پورے مرحلہ کے دوران غریبوں سے متعلق فکر و فلاح کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ پالیسی سازوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر مختصر مدت کے دوران غریبی میں اضافہ ہو بھی جاتا ہے تو طویل مدتی استحکام اور نشوونما کے لئے یہ ادا کی جانے والی قیمت ثابت ہوگی۔“ (لیکن ہم سب یہ جانتے ہیں کہ اس طرح کی بات دنیا میں بشمول ہمارا ملک کہیں بھی واقع نہیں ہوئی ہے)

یہ حوالے خود وضاحتی ہیں۔ معاصرانہ عہد کے نمائندہ ادب پاروں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس حقیقت کے مظہر ہوں گے۔ ہمارے ملک میں بھی غریب لوگوں کی تعداد اوپر جارہی ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان حائل خلیج روز بروز بڑھ رہی ہے۔ بدعنوانی ہماری سیاسی اور معاشی

زندگی میں خطرناک حد تک تجاوز کرتی جا رہی ہے۔ ایسے آڑے وقت میں ہمیں احتجاجی ادب اور اختیاری ادب کی شدید ضرورت ہے" اختیار ادب" کے ذریعہ ہمارے مصنفین اپنی اخلاقی قدروں کو مستحکم بنانے کے لئے لوگوں کے اندر بیداری لا سکتے ہیں اور متوقع چنوتی کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔

چونکہ ادب اور تواریخ کا چولی دامن کا رشتہ ہے اس لئے ایک تخلیقی ادیب جس کے اندر تواریخی سمجھ بوجھ بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جستجوئے حق کا مطالعہ بغور اور تجزیاتی طور پر کرتا ہے اور اس حقیقت کا اظہار ایک انصاف پرور سماجی نظام کے قیام کے لئے اپنی جد و جہد میں انسان کی بالآخر فتحیابی کے پیغام کے ساتھ کرتا ہے۔ مادی اور غیر زمانی دونوں ہی عناصر فن پارہ میں بحسن و خوبی گھل مل جاتے ہیں۔

ہمارے یہاں شاعر عالم ربندر ناتھ ٹیگور کی مثال موجود ہے۔ آپ انسانی کاز کی علامت بنے اور آپ نے دنیا کے ہر گوشے میں ہونے والے مظالم اور ہونے والی ناانصافی کے خلاف احتجاج کیا۔ آپنے سامراجیت کے خلاف اپنی آواز بلند کیا اور فسطائی دھمکیوں کے خلاف سختی سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اسی طرح باغی اور سرکش شاعر قاضی نذرالاسلام نے اپنے نغموں اور اپنی نظموں کے ذریعہ سامراجیت اور فرقہ پرستی کے خلاف لوگوں میں بیداری لانے کی انتھک کوشش کی ہے۔ مشہور ادیب پریم چند جو اردو اور ہندی دونوں ہی زبانوں میں لکھا کرتے تھے، نے غریبوں اور پامال لوگوں کی غربت اور بدحالی کی تصویر کشی کی ہے اور استحصال اور نابرابری کی نوعیت کو بے نقاب کیا ہے۔

فی الحال میں ہمارے سماجی ماحول کی چند سرگرمیوں پر کچھ بولنا چاہوں گا۔ ہماری ریاست کے ہندی اور اردو مصنفین اور ان کے حمایتیوں نے ترقی پسند ادبی پیش قدمیوں اور سرگرمیوں کو ہمیشہ تحفظ بخشا ہے۔ جنوادی لیکھک سنگھ ہندی اور اردو کے ترقی پسند مصنفین کی گوناگوں سرگرمیوں کو آگے بڑھانے میں ہر ممکن مدد پیش کرتا رہا ہے۔ یہ مسلسل آرٹ/فن، جمالیات اور سماج کے مسائل سے نپٹنے کے سلسلہ میں مصنفین ہذا کی کاوشوں کو تعاون بخشنے اور ان کی حمایت کرنے میں لگا ہوا ہے۔ تنظیم ہذا ادب پاروں کی اشاعت اور بازاروں میں ان کی فروخت سے متعلق مسائل پر بھی توجہ دیتا ہے۔ آرٹ/فن اور ادب سے منسلک گوناگوں

سوالات پر بحث و مباحثہ ہوتے رہتے ہیں لیکن کسی ادبی سرگرمی کا آخری مقصد بہ معنی طور پر سماج کی خدمت کرنا ہے اور اس طرح کہ یہ سماج کو ایک بہتر اور زیادہ جرأت مند مستقبل سے ہمکنار کرے۔

ہمارے مغربی بنگال کی حکومت گزشتہ بیس برسوں سے ایک ایسے ماحول کی تعمیر و تشکیل میں تعاون پہنچانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے جہاں صحت مند ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا انعقاد کیا جا سکے۔ اس میدان عمل میں ہمارے پروجیکٹس اور پروگرامس اعلیٰ اور بڑے پیمانے پر بحسن و خوبی روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ بنگلہ زبان و ادب پر ایک اکاڈمی کے قائم کرنے کے علاوہ ہم لوگوں نے مغربی بنگال اردو اکاڈمی اور پشچم بنگا ہندی اکاڈمی بھی قائم کی ہے۔ ۱۹۷۸ء کے دوران اردو اکاڈمی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اسی وقت سے اکاڈمی ہذا اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے کام کرتی چلی آرہی ہے۔ ابتک اکاڈمی ہذا نے درجۂ پنجم سے دوازدہم تک کیلئے ۳۰ عدد نصابی کتابیں شائع کی ہیں۔ اس اکاڈمی نے ابتدائی سطح والی پرائمرس (یعنی اردو قاعدے/ابتدائی کتابیں) بھی شائع کی ہیں۔ اردو میڈیم اسکولوں کے واسطے اکاڈمی کی مشترک سوال پروگرام کو متعلقہ اداروں کی جانب سے بہت افزا ردعمل ملے ہیں۔ بنگلہ زبان میں اردو ادب کی تواریخ کی تصنیف و تالیف کا ایک پرعزم پروگرام روبہ عمل لایا گیا۔ اکاڈمی ہذا کی دیگر سرگرمیاں ایک سہ ماہی جریدہ کی اشاعت کرنا، ایک اردو کتب خانہ کے کام کاج کو چلانا، ایک مرکز کتابت کا چلانا اور مصنفین کو ان کی کتابوں کی اشاعت پر عطیات سے نوازنا وغیرہ ہیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے اکاڈمی ہذا نے اپنی نجی عمارت میں منتقل ہو کر کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

پشچم بنگا ہندی اکاڈمی کا قیام ۱۹۹۰ء میں عمل میں آیا۔ اس کی سرگرمیاں ہندی کی کتابوں اور رسالوں کی اشاعت کرنا، سیمینار اور سمپوزیم کا انعقاد کروانا، اساتذہ اور محقق حضرات و خواتین کو کتب خانہ/لائبریری کی سہولیات فراہم کرنا اور ہندی کے مایہ ناز ادیبوں کو انعامات عطا کرنا وغیرہ ہیں۔

ہمارے یہ اعمال مختلف زبانوں اور ادب میں ادبی سرگرمیوں کے لئے موافق اور سودمند ماحول بنانے کی خواہش کے مظہر ہیں۔ ہندوستانی ہونے کے ناطے ہم لوگ کثرت میں وحدت پر یقین رکھتے ہیں۔ قومی یکجہتی کو استحکام بخشنے کی غرض سے قومی بیداری کو روح بخشنے کیلئے ہم لوگ پرخلوص کوشش

میں لگے ہوئے ہیں۔ آج کے سیاق و سباق میں ملک کی تمام صحیح سوچ رکھنے والی طاقتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ آپسی اتحاد کے ذریعہ قومی عمارت کو منظم بنائیں اور ملک کے اندر یا باہر رہ کر دشمن طاقتوں کے گھناؤنی سازشوں کو ناکام بنائیں۔

مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ کانفرنس مذا مطلوبہ مسائل پر تبادلۂ خیالات کا انعقاد کروائے گی اور ایک ایسی حکمت عملی کا تعین کریگی جو حال اور مستقبل کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرے گی۔ ہماری حکومت اس کانفرنس کے تبادلۂ خیالات سے برآمد شدہ ماحاصل/نتائج میں پرخلوص طور پر دلچسپی رکھتی ہے۔ ایک بار پھر میں مندوبین، شرکاء، مدعو حضرات و خواتین کو اپنی نیک خواہشات پیش کرتا ہوں اور انھیں دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ بالآخر میں متمنی ہوں کہ یہ کانفرنس بحسن و خوبی پائے اختتام کو پہنچے۔ ■

بقیہ:۔ ہندوستان میں اقلیتوں کو آئینی تحفظ

کسی کی ساء پر داخلہ دینے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ دفعہ ۳۰ میں تمام اقلیتوں کو اپنے پسند کے ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق حاصل ہے۔ سرکاری امداد دینے کے معاملہ میں بھی ایسے اداروں کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا اور اگر ایسے اداروں کی کسی آراضی یا جائیداد کا لازمی طور پر حصول کیا جاتا ہے تو اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ البتہ یہ دھیان رہے کہ کسی ادارہ کو اقلیتی ادارہ ہونے کا دعویٰ کرنے سے قبل یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ واقعی اقلیتوں کے مفادات کو فروغ دینے کا کام کر رہا ہے (آندھرا پردیش کرسچین میڈیکل ایجوکیشنل سوسائٹی بنام آندھرا پردیش سرکار والا معاملہ)۔ اس کے علاوہ ان اداروں کے انتظامی امور کی بات بھی سپریم کورٹ نے بہت سے معاملوں میں ایک اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اقلیتوں کو ایسے اداروں کا انتظام کرنے کا حق دینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ ایک مـ ـالی کر سکتی ہیں اور بد انتظامی کی مرتکب ہو سکتی ہیں اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو متعلقہ سرکار کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ ان کو ایسا کرنے سے روکے۔ ایک اقلیتی اسکول کے ایمپلائیز ایسوسی ایشن بنام یونین آف انڈیا والے معاملہ میں بھی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ اقلیتی اداروں کو اس بات کی کبھی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اپنے ملازمین کے ساتھ زیادتیاں کریں یا ان کا استحصال کریں۔

بھارت کے آئین میں شہریوں کو بنیادی حقوق عطا کرتے وقت یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھی گئی تھی کہ ان حقوق کے نفاذ کیلئے جامع اداریں وضاحتیں کی جائیں۔ اگر ہندوستان کا کوئی شہری یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے کسی بنیادی حق سے محروم کیا جا رہا ہے تو وہ قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے وہ آئین کی دفعہ ۳۲ کے تحت سپریم کورٹ میں اور دفعہ ۲۲۶ کے تحت ہائی کورٹ میں رٹ دائر کر سکتا ہے۔

(بشکریہ: پی آئی بی) ■



ریاستی وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹا چاریہ گزشتہ ۲۸ جنوری کو پریس نمائندوں کی موجودگی میں ریاستی وزیر قانون کی ایک کتاب ــــا اجرا کرتے ہوئے

ہند۔ جرمن مالیاتی کارپوریشن کے پانی کی سپلائی نکاسی اور طبی تعلیم کے پروجیکٹ

بیربھوم ضلع کے بولپور کا علاقہ چھوٹا ناگپور کے میدان مرتفع کے احاطہ کے اندر بنجر مقام میں پڑتا ہے۔ اس علاقہ کا جنوب مشرقی اور شمال مشرقی حصے سیلابی بناوٹ کے ہیں۔ مرکز میں واقع بولپور میونسپلٹی پر مشتمل باقی علاقے کی تشکیل قدیمی اور بنیادی چٹانوں پر سیلاب کے ذریعہ آنے والی مٹی کی تہہ جمنے سے ہوئی ہے۔ کچھ جگہوں پر اس پرت کو لال مٹی کی تہہ نے ڈھانپ دیا ہے۔ لہٰذا بولپور میونسپلٹی اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں پر مشتمل مقامات میں زمینی پانی کی کھوج دشوار ہی نہیں بلکہ دشوار تر ہو گئی ہے۔ پرولیا ضلع کے رگھوناتھ پور کا علاقہ بھی چھوٹا ناگپور کے میدان مرتفع کے احاطہ کے اندر بنجر مقام میں پڑتا ہے سخت چٹانی علاقہ ہونے کی وجہ سے اس علاقہ میں سماجی آبی رسد اسکیموں کے لئے زمینی آبی امکانات نہایت ہی ناکافی ہیں۔

حکومت ہند نے مذکورہ بالا دو علاقوں میں آبی رسد اسکیموں سے متعلق پی ایچ ای شعبہ کی تجاویز باہمی تعاون کی بنیاد پر جرمنی کی حکومت کو پیش کی تھی۔ جرمنی کی حکومت نے تجاویز ہذا پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور ۱۶ جنوری ۱۹۹۰ء کو مالی تعاون کے سلسلہ میں جرمنی کی وفاقی جمہوریہ کی حکومت ہند کے درمیان معاہدے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

جرمنی کی حکومت کی جانب سے فنڈنگ بینک کے ایف ڈبلیو نے دونوں اسکیموں سے متعلق جرمن مشیر کاروں کے ذریعہ ان کے کارگر ہونے یا نہ ہونے کی بابت غور و خوض کیا۔ اس کی حتمی روداد یں مارچ ۱۹۹۵ء میں دستیاب ہوئی تھیں۔ آبی رسد اسکیموں کے علاوہ جرمن حکومت کی پالیسی کے مطابق پروجیکٹ پیکج میونسپلٹیوں اور اجزائے صحت تعلیم کے لئے کم لاگت والی صفائی، ٹھوس فضلہ بند و بست پر مشتمل ہے۔

بولپور علاقہ کے لئے آبی رسد اسکیم زمینی پانی پر مبنی ہوگی۔ سیلابی علاقوں میں ہاتھ پمپ لگے ٹیوب ویل نصب کئے جائیں گے۔ اور لال مٹی والے علاقوں میں نل یا پائپ کے ذریعہ آبی رسد کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ یہ ہلکے یا پائپ گہرے ٹیوب ویلوں سے منسلک ہوں گے اور ان ٹیوب ویلوں کی گہرائی ۴۰۰ میٹر ہوگی۔ رگھوناتھ پور علاقہ کیلئے آبی رسد اسکیم اس ندی اٹالا کے خام پانی پر مبنی ہوگی جس میں ڈی وی سی نظام کے پنچیٹ ریزروائر (حوض) سے پانی آتا ہے۔

بولپور پر مشتمل حصہ کی تخمینہ شدہ لاگت ۹۵٫۰۰ کروڑ روپے آتی ہے۔ اور رگھوناتھ پور پر مشتمل حصہ کی لاگت ۵۳٫۹۷ کروڑ روپے آئی اور اس پروجکٹ کی مجموعی لاگت ۱۴۸٫۹۷ کروڑ روپے آئے گی۔ ۷۰ فیصد تکنیکی اور غیر تکنیکی اقدامات اور ۳۰ فیصد مشاورتی خدمات کے ایف ڈبلیو سے ملنے والے مالی تعاون سے پورے کئے جائیں گے۔ اس کا تخمینہ (تقریباً) ۱۰۶ کروڑ روپے کو پہنچتا ہے اور اسکی حد بندی ڈی ایم ۵۰ ملین تک کر دی گئی ہے۔ ۴۳ کروڑ روپے کی بقایا رقم ریاستی حکومت کی جانب سے فراہم کی جائیگی۔ اس ریاستی تعاون کے ایک جزو کی فراہمی مستفیضوں کے تعاون سے کی جائے گی۔

زیر زمین بناوٹ کی مشکل نوعیت کے باعث گہرے ٹیوب ویلوں کا انتظام کے ایف ڈبلیو کی جانب سے ہوا ہے۔ ان ٹیوب ویلوں کی کھدائی جرمن ڈریلنگ فرم کریگی۔ ان میں درآمد شدہ کل پرزے لگائے جائیں گے اور ان کی ادائیگی براہ راست طور پر کے ایف ڈبلیو کی جانب سے ہوگی۔ جزوی طور پر متعلقہ کل پرزے کلکتہ بندرگاہ پر پہنچ چکے ہیں۔ معینہ وقت کے مطابق ۴۲ پیداواری کنوئیں، ۳ کنوئیں کی کھوج اور ۱۴ مشاہدہ والے کنوئیں کی کھدائی کے کام ۲۷ ستمبر ۱۹۹۶ء سے ۵۶ ہفتوں کے اندر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔

دونوں پروجکٹوں کے متصل انجینئرنگ نقشہ کو جرمن مشیروں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ پروجکٹ ہذا مارچ ۲۰۰۱ء تک چالو ہو جائیگا۔ مگر جرمن حکومت اور حکومت ہند کے درمیان ہونیوالا معاہدہ یہ بتاتا ہے کہ اس پروجکٹ کی میعاد کا اختتام ۳۰ دسمبر ۲۰۰۲ میں ہو جائے گا۔

وزیر اعلیٰ ۲ مارچ کو (رگھوناتھ پور کے) اور ۳ مارچ کو (بولپور کے) اس پروجکٹ کا افتتاح کریں گے اس کے فوراً بعد ہی توقع کی جاتی ہے کہ کام چالو ہو جائے گا۔

مغربی بنگال میں سنکھیا کا مسئلہ اور اس کے حل کیلئے اقدامات

گوناگوں قدرتی آفات کے باوجود اس ریاست کے ہر گوشہ میں مغربی بنگال صاف اور جراثیم سے محفوظ پانی بہم پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا آ رہا ہے۔ حسب ضرورت تکنیکی اصطلاحیں بھی وجود میں لائی جا رہی ہیں۔ لوگوں کو بنیادی ضرورت بہم پہنچانے کی اپنی کوشش کے دوران یہ ریاست اپنی بہتر طبعی یا کیمیائی اور جراثیمی صنعت اور استعمال میں کم خرچیلا ہونے کے باعث بنیادی طور پر زمینی آبی وسائل پر انحصار کرتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن ۱۹۸۰ء کی دہائی کے دوران شمال ۲۴ پرگنہ، جنوب ۲۴ پرگنہ، ندیا اور مرشد آباد کے ضلع میں سنکھیا سے پیدا ہونے والی جلدی بیماری میں لوگوں کے مبتلا ہونے کے چند واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اسکول آف ٹروپیکل میڈیسن اور آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف ہائجن اینڈ پبلک ہیلتھ، کلکتہ اپنے ابتدائی وبائی بیماریوں سے متعلق غور و فکر و چھان بین کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ ان علاقوں کے زیر زمین پانی میں سنکھیا کی موجودگی نے سنکھیا آمیز پانی پینے والے لوگوں کی صحت کیلئے ایک زبردست اور بھیانک خطرہ لا کھڑا کیا ہے۔

ریاستی حکومت کی جانب سے قائم کردہ ماہرین کمیٹی کے خیال کے مطابق مذکورہ آمیزش کا سبب ان علاقوں کی آبی زمینی، چٹانوں کی ماہیت و ساخت ہے اور بلا شبہ ریاستی حکومت کے کنٹرول سے باہر ہے۔ لیکن اس قدرتی آفت نے اس سے متاثر لوگوں کیلئے پینے کے پانی کی فراہمی کے ریاستی حکومت کے کام کو (مالدہ، مرشد آباد، ندیا، شمال ۲۴ پرگنہ، جنوب ۲۴ پرگنہ، بردوان، ہگلی اور ہوڑہ) کے اندر واقع ۶۱ بلاکوں پر مشتمل ایک وسیع علاقہ کے زمینی پانی میں سنکھیا کی موجودگی پائی گئی ہے۔

ستمبر ۱۹۹۶ء تک ملنے والی رپورٹ کے مطابق ۹ میونسپلٹیوں، ۹۹۶ موضع، ۵ عدد غیر میونسپل شہری علاقوں کے زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش ملی ہے۔ ان ۹ میونسپلٹیوں اور ۶۱ بلاکوں میں مقیم کل ۵۰ء۴ لاکھ لوگ زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش سے متاثر ہوئے ہیں۔ سنکھیائی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے سلسلہ میں کی جانے والی کارروائی کی خاطر منصوبہ بنانا مسلسل آبی معیار کی جانچ پڑتال کے لئے اشد ضروری ہے۔ ریاستی حکومت اس کام کو آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف ہائجن اینڈ پبلک ہیلتھ، کلکتہ کو سونپا ہے۔ جادو پور یونیورسٹی، سنٹرل گراؤنڈ واٹر بورڈ اور ایس ڈبلیو آئی ڈی سے بھی مدد لی جا رہی ہے۔

سنکھیا کے مسئلہ کو ابتدائی دور میں قومی پینے کے پانی کی مشن کی زیر سرپرستی لانے کی بابت نہیں سوچا گیا تھا۔ ریاستی حکومت نے ۱۰۶۲ لاکھ روپے کی ایک تخمینہ شدہ لاگت پر زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش کی نوعیت، اہمیت اور سبب پر غور و فکر کرنے کے لئے ایک پروجکٹ تیار کیا اور قومی پینے کے پانی کی مشن کے تحت مئی ۱۹۸۸ء میں حکومت ہند کی جانب سے اتنی ہی رقم بطور منظور شدہ عطیہ حاصل کیا۔

اس ریاست میں سنکھیائی صورت حال سے نبرد آزما ہونے والا پہلا مرحلہ ایکشن پلان حکومت ہند اور ریاستی حکومت کے درمیان ۷۵:۲۵ کی ساجھیداری کے ساتھ مئی ۱۹۹۵ء کے دوران سنکھیائی مفروضات پر مشتمل تھا۔ پہلا مرحلہ ایکشن پلان کے تحت ۸ء۵۹ کروڑ کی لاگت پر ہونے والے کام سے ۳۳ لاکھ افراد مستفیض ہو چکے ہیں۔

پینے کے پانی کی فراہمی والے موجودہ بے شمار ٹیوب ویل سنکھیا کی آمیزش سے متاثر ہوئے ہیں۔ سنکھیا دور کرنے والے پلانٹوں کی فراہمی کے ذریعہ موجودہ انفرا اسٹرکچر کو استعمال میں لانے کی شدید ضرورت ہے۔ پی ایچ ای شعبہ انجینئروں نے زمینی پانی سے سنکھیا دور کرنے کے لئے ایک رہبر پلانٹ کا خاکہ تیار کیا اور اسے مالدہ ضلع کے کالیا چک پولس اسٹیشن میں شجاع پور پانی سپلائی اسکیم کے تحت کامیابی کے ساتھ نصب کیا ہے۔ شمالی ۲۴ پرگنہ ضلع میں واقع گوبرڈانگا میونسپلٹی میں مذکورہ بالا طرز کے ایک پلانٹ نصب کرنے کے سلسلہ میں کام چل رہا ہے۔ ریاستی حکومت نے ان دونوں ہی پلانٹوں کے لئے فنڈس فراہم کیا ہے۔

ریاستی حکومت نے ریاست کے سنکھیا سے متاثر علاقوں میں تقریباً ۹۰،۰۰۰ افراد کو مستفیض کرنے کی ناگہانی اقدامات کی حیثیت سے ۱۲ عدد صاف صفائی والے محفوظ دائرہ دار کنویں، ۹۸ عدد کھودے جانے والے

کے ساتھ ساتھ پیداواری کنویں اور ۱۲۶ عدد پمپ لگے ٹیوب ویلوں کی تعمیر کیلئے بھی فنڈ فراہم کیا ہے۔

آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف ہائجین اینڈ پبلک ہیلتھ کلکتہ نے دستی پمپ سے چلنے والے ٹیوب ویلوں کے لئے ایک مثال سنکھیا دور کرنے والا پلانٹ تیار کیا ہے۔ اس طرز کا ایک پلانٹ شمالی ۲۴ پرگنہ ضلع کے اشوک نگر۔ کلیاں گڑھ میونسپلٹی میں نصب کیا جا چکا ہے۔ اگر یہ پلانٹ اپنے کام میں کامیاب رہا تو امید کی جاتی ہے کہ یہ سنکھیا کی صورت حال سے نبرد آزما ہونے میں کافی عرصہ تک ہماری مدد کرے گا

چونکہ مالدہ ضلع کے سنکھیا سے متاثر بلاکوں میں سطح زمین سے نیچے تقریباً ۸۰ میٹر کی گہرائی تک چٹانی سطح پائے جانے کی وجہ سے زمینی پانی کو مذکورہ کثافت سے پورے طور پر پاک نہیں کیا جا سکا ہے۔ اس لئے بذریعہ پائپ / نل گانگ گا ندی کی آبی سطح پر مبنی پانی سپلائی اسکیم کو زیر عمل لانے کے سلسلہ میں اقدامات کئے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا اسکیم سے پانچ بلاکوں میں مقیم ۱۳، ۶ لاکھ افراد مستفیض ہوں گے۔ اسکیم ہذا کو سنکھیا سب مشن میں شامل کیا گیا ہے۔ اسے روبہ عمل لانے میں ۸۸،۴۸ کروڑ روپے کی تخمینہ شدہ لاگت آئے گی۔ حکومت ہند اور حکومت مغربی بنگال اسے روبہ عمل لانے کے سلسلہ میں ۲۵،۷۵ کے تناسب سے سرمایہ لگائیں گے۔

جنوبی ۲۴ پرگنہ ضلع کے ۹ بلاکوں کے زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش کی اطلاع ملی ہے۔ ان بلاکوں کے زمینی پانی کے کھارے / نمکین ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ ضلع ہذا کے سنکھیا سے متاثر علاقوں کے لئے پینے کے پانی کی فراہمی کے سلسلہ میں ہگلی ندی پر مبنی ایک سطح آب سپلائی اسکیم کو ۴۸،۲۳۲ کروڑ روپئے کی تخمینہ شدہ لاگت پر سنکھیا سب مشن کے تحت حال ہی میں منظوری دے دی گئی ہے۔ وزارت دیہی علاقے و روزگار کے تحت حکومت ہند اس پروجیکٹ کی کل لاگت کا تقریباً ۵۰ فیصد فراہم کرے گا۔ ریاستی حکومت وزارت شہری علاقے و روزگار، حکومت ہند کو اس پروجیکٹ میں مالی طور پر ہاتھ بٹانے اور تیار کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس اسکیم سے دیہی و شہری علاقوں سے کل ۲۶،۵۸ لاکھ افراد مستفیض ہوں گے۔

ریاستی حکومت نے ۷۵ کروڑ روپے کی تخمینہ شدہ لاگت پر (ستمبر ۹۵ء تک شناخت کردہ) سنکھیا سے متاثر اضلاع کے لئے ایک تناظری منصوبہ تیار کیا اور مرحلوں میں اسکیموں کی منظوری کے لئے اسے حکومت ہند کو پیش کیا۔ ۷۵،۰۰ کروڑ روپے کی تخمینہ شدہ لاگت پر ایک دوسرا مرحلہ وار ایکشن پلان تناظری منصوبہ کے ایک جزو کی حیثیت سے تیار کیا گیا۔ اگر یہ روبہ عمل لایا جاتا ہے تو اس سے کل ۱۱ لاکھ سے زائد افراد بیک وقت مستفیض ہوں گے۔

شمالی ۲۴ پرگنہ ضلع کے سنکھیا سے متاثر ۶ عدد بلاکوں کو سنکھیا سے پاک پینے کے پانی کی فراہمی کے لئے بھاگیرتی ندی پر مبنی سطح آب سپلائی اسکیم حکومت ہند کو باہمی تعاون کی خاطر پیش کیا گیا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ اسکیم ہذا جاپانی تعاون کے لئے قبول کیا جائے گا۔ اس اسکیم سے کل ۲۴،۷۲،۱ افراد مستفیض ہوں گے۔

ندیا اور مرشد آباد اضلاع میں واقع کل ۲۸ بلاکوں کے زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش کی اطلاع ملی ہے۔ باہمی تعاون کی بنیاد پر حکومت ہند کو جمع دینے کے لئے ایک اسکیم تیار کی جا رہی ہے اور اس سے ۲۶ لاکھ افراد مستفیض ہوں گے۔

اس ریاست میں سنکھیا کی صورت سے نبرد آزما ہونے کے سلسلہ میں تحقیقی و فروغی سرگرمیاں نہایت ہی اہمیت کی حامل بن گئی ہیں۔ حکومت ہند راجیو گاندھی قومی پینے کے پانی کی مشن کی سربراہی میں مذکورہ سرگرمیوں میں اپنا تعاون پیش کر رہا ہے۔

پی ایچ ای شعبہ نے حکومت ہند اور ریاستی حکومت کے تحت تنظیموں کے ماہرین پر مشتمل کام کرنے والوں کی فوج تیار کی۔ اس کا کام اس ریاست کے زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش سے متعلق گوناگوں سرگرمیوں میں تعاون دینا اور ان کی نگرانی کرنا ہے۔

ریاستی حکومت کو پورا یقین ہے کہ حکومت ہند اور سنکھیا سے متاثر علاقوں کے افراد کے تعاون اور دوستانہ اور باہمی امداد سے زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش سے پیدا ہونے والی نہایت ہی مشکل صورت حال پر ایک معینہ اور مناسب وقت کے اندر قابو پایا جا سکتا ہے۔

زمینی پانی میں سنکھیا کی آمیزش کا مقابلہ کرنے والی اسکیموں کی فہرست

(الف) منظور شدہ اسکیمیں

شمار نمبر	مستفیض ہونیوالے افراد	تخمینہ شدہ لاگت (روپے لاکھ میں)	موجودہ حالت
۱. پہلا مرحلہ ایکشن پلان		۸۵۸٫۳۳	
(i) ۴۵۷ ٹیوب ویلوں کی بدلی	۱٫۱۴ لاکھ		مکمل ہوا
(ii) ۸ بڑے ڈایا ٹیوب ویلوں کی بدلی	۱٫۲۰ لاکھ		مکمل ہوا
(iii) ۶ نئی بذریعہ پائپ پانی سپلائی کی اسکیمیں	۰٫۸۰ لاکھ		۴ چالو ہو گئیں اور ۲ تکمیل کے قریب ہیں
۲. موجودہ بذریعہ پائپ پانی سپلائی اسکیموں میں سنکھیا دور کرنے والے پلانٹ کا نصب کرنا			
(i) شجاع پور پولس اسٹیشن ضلع: مالدہ	۴۱٫۱۴۱	۳۱٫۰۸	چالو ہوا
(ii) گوبرڈانگا میونسپلٹی ضلع: شمالی ۲۴ پرگنہ	۲۳٫۳۹۸	۹۱٫۵	ابھی ابھی زیر عمل لایا گیا ہے۔
۳. ۱۴ صاف ستھرے محفوظ کنوئیں	۳٫۵۰۰	۷٫۷۰	مکمل ہوا
۴. ۹۸ تحقیقاتی مع پیدا واری ٹیوب ویل	۲۴٫۵۰۰	۱۱۱٫۰۰	مکمل ہوا
۵. ۱۲۶ مقامی وسائل کی بدلی	۳۱٫۵۰۰	۱۰۰٫۰۰	مکمل ہوا
۶. ضلع: شمالی ۲۴ پرگنہ کے اشوک نگر۔ کلیان گڑھ میونسپلٹی میں واقع دستی ٹیوب ویل میں سنکھیا دور کرنیوالا پلانٹ نصب کیا گیا	۲۵۰	اے آئی آئی ایچ اور پی ایچ کی جانب سے عنایت کردہ	مکمل ہوا
۷. سطح آب بذریعہ پائپ پانی سپلائی اسکیم برائے ضلع: مالدہ	۶٫۱۳ لاکھ	۸۸۴۸٫۰۰	روبہ فروغ
۸. سطح آب بذریعہ پائپ پانی سپلائی اسکیم برائے ضلع: جنوبی ۲۴ پرگنہ	۲۶٫۵۸ لاکھ	۲۳۲۸۴٫۰۰	ابھی ابھی تکنیکی طور پر چھوڑا گیا ہے

(ب) مجوزہ اسکیمیں

شمار نمبر	مستفیض ہونیوالے افراد	تخمینہ شدہ لاگت (روپے لاکھ میں)	موجودہ حالت
۱. دوسرا مرحلہ ایکشن پلان	۲۵٫۱۱ لاکھ	۷۵۰۰٫۰۰	منظوری کیلئے زیر غور
۲. سطح آب بذریعہ پائپ پانی سپلائی اسکیم برائے ضلع شمالی ۲۴ پرگنہ	۷۲٫۲۴ لاکھ	ہنوز غیر مقررہ	حکومت جاپان کو تعاون کیلئے پیش کیا گیا
۳. سطح آب بذریعہ پائپ پانی سپلائی اسکیم برائے اضلاع ندیا اور مرشد آباد	۲۶٫۵۵ لاکھ	〃	باہمی تعاون کے لئے پیش کیا گیا

جنوبی ۲۴ پرگنہ ضلع کے سنکھیا سے متاثر علاقوں کیلئے سطح آب سپلائی پروجکٹ کی اہم خصوصیات

۱۔ زیر اختیار علاقہ:

مرحلہ - I

بلاک:
- بج بج - II
- بشنو پور - I اور II
- بروئی پور (جزوی طور پر)
- سونار پور (〃)
- بھانگر - I

مرحلہ - II

بلاک:
- موگرا ہاٹ - II
- جے نگر - I
- بروئی پور (جزوی طور پر)
- سونار پور (〃)

میونسپلٹی: راجپور، بروئی پور

۲. علاقہ (مربع کیلومیٹر میں): ۸۱۷٫۶۰ ۸۱۷٫۶۰ ۲۴۴٫۱۳

۳. نشانہ آبادی (۲۰۱۶) : ۲۶٫۵۸ لاکھ (مرحلہ- I اور مرحلہ- II جڑا ہوا)

۴. فی کس پانی سپلائی : دیہی ۴۰ لیٹر/روز

غیر میونسپل شہری ۵۵ لیٹر/روز

میونسپل ۹۰ لیٹر/روز

۵. پانی کی مانگ: ۱۳۱٫۸۳ ملین لیٹر روزانہ

(مرحلہ- I اور مرحلہ- II جڑا ہوا)

۶. تقسیمی علاقے: ۱۵ (مرحلہ- I اور مرحلہ- II جڑا ہوا)

۷. تخمینہ شدہ سرمایہ لاگت: ۲۳۲٫۸۴ کروڑ روپئے

(مرحلہ- I اور مرحلہ- II جڑا ہوا)

سرمایہ کاری کا طرز (کروڑ روپئے میں)

	مرحلہ- I	مرحلہ- II	کُل
ریاستی حکومت:	۴۰٫۵۶	۷۷٫۱۳	۱۱۷٫۶۹
حکومت ہند:	۷۹٫۶۹	۳۵٫۴۶	۱۱۵٫۱۵
کُل	۱۲۰٫۲۵	۱۱۲٫۵۹	۲۳۲٫۸۴

حکومت ہند کے ساتھ صلاح و مشورے سے سرمایہ کاری کے طرز میں نظر ثانی کی جا سکتی ہے۔ [۴ فروری کو جاری کردہ ایک پریس ہینڈ آؤٹ سے] ■■

اقلیتی ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن کے تحت خود روزگار اسکیمیں

قومی اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن نے مغربی بنگال اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن کو خود روزگار پروجکٹوں کے تحت ۱۳۶۵ اسکیموں کیلئے ۹٫۳۱ کروڑ روپئے کے میعاد قرض کی منظوری حکومت مغربی بنگال نے دیدی ہے۔ مغربی بنگال اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن جو ایک قانونی کارپوریشن ہے، کی تشکیل اقلیتوں کی معاشی ترقی کے لئے مختلف پروگرام اپنانے کیلئے ہوئی ہے اس نے اقلیتی فرقوں کے پسماندہ طبقوں سے متعلق بیروزگار نوجوانوں کی جانب سے لی گئی مختلف اسکیموں کے لئے مفصل پروجکٹ کی تجاویز تیار کرلی ہیں۔ قومی اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن اپنے امکانات کا جائزہ لینے کے بعد کل ۱۰٫۹۶ کروڑ روپے کی لاگت پر مشتمل اسکیموں کی منظوری دی ہے۔

مستفید ہونے والے افراد وہ ہیں جنہوں نے قرض کے لئے درخواست کی اور جن کی شناخت ضلع حکاموں، ضلع پریشدوں اور شہری اداروں کی مدد سے کی جا رہی ہے۔ مستفید ہونے والے امیدواروں کو قرض دینے سے پہلے کچھ تربیت دی جائے گی۔ انھیں انفرادی پروجکٹ کی لاگت کی ۵ فیصد رقم اکٹھا کرنا ہوگی۔ مغربی بنگال اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن پروجکٹ کی لاگت کی ۱۰ فیصد رقم پیشگی کے طور پر دے گا۔ حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ اقلیتی ترقیات و فلاح و بہبود نے اس مقصد کے لئے اس کارپوریشن کو ۱٫۴۸ کروڑ روپئے کی منظوری دے دی ہے۔ اس کے باقی ماندہ ۸۵ فیصد حصے کو ریلیز کرنے کے لئے قومی کارپوریشن کے ساتھ اس کی شرائط اور دیگر قانونی ضابطے تیار کئے جا رہے ہیں۔

کارپوریشن کی میٹنگ میں قرض کی ادائیگی اور بازیابی کے سلسلے میں مقررہ طریقہ ہائے عمل کو جلد حتمی کرلیا جائے گا۔ یہ کارپوریشن اپنی گذشتہ میٹنگ میں درخواست کرنے کے طریقہ کار کو آسان بنانے کا باضابطہ طور پر فیصلہ کیا ہے امیدوار اپنے تفاصیل و مقصد کے ساتھ جن کے لئے قرض مطلوب ہے، سادہ کاغذ پر درخواست کر سکتے ہیں۔ کسی حلف نامہ یا اسکیم/ پروجکٹ رپورٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ مغربی بنگال اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے مناسب و موزوں اسکیموں کی تشکیل کرے گا۔ قریبی پنچایت سمیتی کے ضلع پریشد یا ڈی آئی سی آفس کے ذریعہ یا براہ راست مغربی بنگال اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن کو درخواست دی جا سکتی ہے۔

اس میعادی قرض کے علاوہ اقلیتی فرقہ کے لوگوں کے لئے قرض کو یقینی بنانے کی خاطر بڑے پیمانے پر بینک کی شمولیت کے لئے مارجین منی اسسٹنس (حاشیائی مالی تعاون) کی تیاری کی جا رہی ہے۔ ■■

مرزا اسداللہ خاں غالب

ڈاکٹر قمر رئیس



ہندوستان کے ایک عظیم [illegible] ساری

دنیا میں پھیلی جن کی ناموری پر وقت کی گرد نہیں جم سکی اور جو خواص اور عوام دونوں میں مقبول ہوئے۔ ان میں کالیداس، سنت کبیر، رابندر ناتھ ٹیگور اور چند دوسرے سربرآوردہ شعراء کی صف میں مرزا غالب کا نام بھی احترام سے لیا جاتا ہے۔ مرزا غالب کے قدر شناسوں کا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے کہ ان کا تخلیقی سرمایہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے حسن و جمال اور رکس و کمال کا ایسا یادگار مظہر ہے جس کی مثال کم از کم گذشتہ دو صدیوں میں نہیں ملتی۔ ہندوستان، ایران اور وسطی ایشیا کے فکری دھاروں، فنی روایتوں اور تہذیبی قدروں کے امتزاج سے جس خوش جمال اور خوش آہنگ کلچر نے فروغ پایا، مرزا غالب کی شخصیت اور فنانت اس کی بہترین علامت ہے۔

ایک منفرد شاعر کی حیثیت سے مرزا غالب اپنے عہد کے دوسرے تمام اردو شعراء سے الگ اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ جاگیرداری نظام کے زوال آمادہ ماحول میں انھوں نے آنکھ کھولی۔ اسی ماحول کی ایک نسبتاً آزاد اور کھلی فضا میں ان کی تعلیم اور تربیت ہوئی۔ اگر ایک طرف جاگیردار طبقہ کی عیش طلبی اور مستی انگیزی ان کی طبیعت کا میلان بن گئی تو دوسری طرف ان کے گرد شب و روز زندگی کا جو تماشہ جاری تھا اس پر غور و خوض کرنا بھی ان کی فطرت کا ایک حصہ بن گیا جس نے آگے چل کر ان کے یہاں ایک فلسفیانہ نظریہ پیدا کیا۔ انھیں روایتی تعصبات، رسم پرستی اور تقلیدی روش سے گریز کر کے اپنے لئے ایک نئی راہ پیدا کرنے کی جرات عطا کی۔ انھیں بت شکنی پر مائل کیا۔ ان کی شاعری میں صحتمند تشکیک کی تخم ریزی کی اور حقیقت کی تلاش میں انھیں زندگی کی تلخ و شیریں سچائیوں کا عرفان بخشا۔ اسی کے پہلو سے ان کی دردمندی اور انسان دوستی کے وسیع مشرب نے جنم لیا۔ ان کی شاعری میں ان کی شخصیت کے یہ سارے نقوش روشن نظر آتے ہیں۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
سبزہ و گل کہاں سے آتے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کے مکاں اپنا

یہ اشعار جو غالب کی آزاد مشربی اور تخلیقی فکر کے مختلف گوشوں پر محیط ہیں بغیر کسی خاص کوشش کے نقل کئے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تہ دار فکر اور اچھوتے احساس کے یہ پہلو ان کے اردو دیوان کے ہر شعر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ غالب اپنی شخصیت کی حکیمانہ افتاد کی بنا پر غمِ عشق اور غمِ روزگار دونوں کو ایک بلندی سے دیکھتے تھے اور دونوں کے تئیں ایک بے نیازی کا رویہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود یہ بھی سچ ہے کہ ان کی شاعری میں یاس و غم کی ایک لہر ضرور نظر آتی ہے۔ اس کا ایک سبب تو ان کی ذاتی محرومیاں اور تنگ دستی کی زندگی ہے۔ ایک جاگیردار خاندان کے چشم و چراغ کو دوسروں کا دست نگر ہونا پڑا۔ زندگی بسر کرنے کے لئے دوسرے امراء اور حاکموں کی خوشامد کرنی پڑی۔ اس کا دکھ غالب کو ہمیشہ رہا۔ ان کی حرماں نصیبی کا دوسرا سبب مغلیہ عہد کی اس تہذیب کا بکھراؤ اور زوال تھا جس نے ان کی شخصیت کو تابناکی بخشی تھی۔ جس کی روشنی، رونق اور رنگا رنگی انھیں عزیز تھی۔ ۱۸۰۴ء میں دہلی پر انگریزوں کے تسلط اور پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے دوسرے اہلِ دانش کی طرح غالب کو بھی بہت دل شکستہ بنا دیا تھا۔ اپنے بے شمار اشعار میں وہ اس تہذیب کے المناک انحطاط کا ماتم کرتے ہیں۔ یاس و حرماں کی شدت کبھی کبھی ان کے یہاں بے دست و پائی اور بیزاری کا احساس بھی پیدا کر دیتی ہے۔

خزاں کیا فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انساں ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
زندگی اپنی جو اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

غم و اندوہ کی کثرت کے باوجود غالب اس میں ڈوب نہیں گئے۔ ان کے ذوقِ جمال نے زندگی کے بے پایاں حسن سے انھیں وابستہ رکھا۔ ان کی تعقل دوستی نے انھیں ہمیشہ مستقبل کے خوش آئند خواب دکھائے۔ اگر ایک طرف وہ آشوبِ آگہی کی اذیت کے اسیر رہے تو دوسری طرف نشاطِ حیات کی لذتوں کی محرومی اور لذت کوشی کی عجیب و غریب کشمکش نے غالب کی شاعری کو حسن و معنی کی ایک نئی دنیا سے آشنا کیا اور انھیں غم کو انگیز کرنے کا حوصلہ بخشا۔

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

اسد یہ موسمِ گل اور طلسمِ کنجِ قفس
خرام تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے
مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے
اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

مولانا حالی نے غالب کو حیوانِ ظریف کہا ہے۔ ان کی خوش طبعی، شوخی اور ظرافت کے کرشمے ان کے اردو خطوط کے علاوہ ان کی شاعری میں بھی نظر آتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کی ظرافت محرمِ حسن اور رمز آشنائے حقیقت ہی کا حصہ ہوتی ہے لیکن حسن اور حقیقت کا محرم تو وہی ہوگا جو حالات کی کج رفتاری اور زندگی کی کمزوریوں اور بوالعجبیوں پر نظر رکھتا ہو۔ مرزا غالب کی رچی ہوئی قوتِ تمیز نشتر کے نازک سے نازک فرق کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ ان کی عقابی نظر واقعات، اشیاء اور افراد کی تہہ تک پہنچ جاتی تھی۔ زندگی کے اس ارفع شعور نے ان کی ظرافت کو شائستہ اور جاندار بنا دیا تھا۔ صرف چند اشعار:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
کہاں مے خانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے فرشتے
ہاں منہ سے اگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

مرزا غالب کی شوخیِ طبع اور شائستہ طنز و تمسخر کی مثالیں ان کے اردو خطوط میں زیادہ نظر آتی ہیں۔ یہ خطوط انیسویں صدی کی اردو نثر کا سب سے دلآویز نمونہ ہیں۔ ان کے آئینہ میں ایک خود آگاہ، حساس اور اعلیٰ ذوقِ جمال رکھنے والے انسان کے تو بہ تو تجربات کا انکشاف ہوتا ہے۔ ان خطوط کی زبان میں جو سادگی، برجستگی اور خوش آہنگی ہے وہ غالب کی تخلیقی فکر کا کرشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود سعی و کاوش کے اردو کا کوئی نثر نگار اس اچھوتے اسلوب کی تقلید میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ان خطوط میں غالب نے اپنا، اپنے دوستوں کا اور زمانے کا، سب کا مضحکہ اڑایا ہے لیکن اس کے

غزل

از:۔ اسد اللہ خاں غالب

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے، اتنے ہی کم ہوئے

پنہاں تھا دام سخت، قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری، اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ، آپ ہم اپنی قسم ہوئے

سختی کشانِ عشق کی، پوچھے ہے کیا خبر!
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ دہر میں
تیرے سوا بھی، ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

لکھتے رہے، جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ ری تیری تندیِ خو جس کے بیم سے
اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے!

اہلِ ہوس کی فتح ہے، ترکِ نبردِ عشق
جو پاؤں اٹھ گئے، وہی ان کے علم ہوئے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے، سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

چھوڑی اسد! نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

پیچھے ان کی بصیرت اور آشوبِ آگہی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اپنے دوست میر مہدی مجروح کو ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد لکھتے ہیں۔

"چشمِ بیمار ایسی چیز ہے جس کی کوئی شکایت کرے۔۔۔۔ تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دہلی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اڑی اس کو آپ نے از راہِ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی۔"

اس لطیف توجیہہ سے ایک طرف تو دہلی سے غالب کی محبت اور اس کی تباہی و بربادی کے ملال کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس میں ان لوگوں پر ایک طنز بھی پنہاں ہے جنہوں نے قدیم دہلی کی تاراجی کو زندگی کا آزار بنا لیا تھا۔ اس لئے کہ غالب اس تخریب میں مضمر تعمیر کے پہلو بھی دیکھ رہے تھے۔

ایک عظیم مفکر، شاعر اور نثر نگار کی حیثیت سے غالب کی جو قدر شناسی ہوئی اور ساری دنیا میں ان کی خدمات کا جو اعتراف اس صدی میں کیا گیا اس میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ ان کے کلام کی اعلیٰ درجہ کی کثیر شرحیں لکھی گئیں۔ وہ اپنے عہد کے تنہا شاعر ہیں جن کے سیکڑوں خطوط دریافت کر لیے گئے اور یہ عمل ابھی جاری ہے۔ تحقیق و تنقید کے میدان میں ان پر جو کام ہوا ہے وہ کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے بے مثل ہے۔ بیسویں صدی میں وہ محققین اور ناقدین دونوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ ہر دور میں ان کو ایک جدید شاعر ہم عصر شاعر سمجھ کر ان کا مطالعہ کیا گیا۔ اس طرح ایک تخلیق کار کی حیثیت سے ان کی انفرادیت کے نقوش نکھرتے اور سنورتے گئے۔

مرزا غالب بلاشبہ ہندوستان کے ان چند اکابر شعراء میں ہیں جن کی روایت اور جن کا ادب عالمی کلاسیکی ادب کی وراثت کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دنیا کی بڑی زبانوں میں ان کی شاعری اور نثر کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ مثلاً انگریزی، روسی، اطالوی، چیک، ترکی، تاجکی اور ازبکی۔ ترجمہ کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

مرزا غالب کے دو صد سالہ جشن دن کا آغاز ہو چکا ہے امید ہے کہ برصغیر ہند و پاکستان ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر یہ جشن منایا جائے گا۔ نئی پیڑھی اور نئے احساس و شعور کے نمائندہ ادیب غالب کو نئے عہد کے تناظر میں دریافت کریں گے۔

غالب نے سچ کہا تھا:

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں [illegible]

غالبؔ

علامہ رضا علی وحشتؔ

نسیمِ صبح گاہی ہے کلام جانفزا تیرا دلوں کو جوش میں لاتا ہے رنگِ آشنا تیرا
بہارستانِ مضموں ہے خیالِ نکتہ زا تیرا فروغِ طبع کی معراج ہے فکرِ رسا تیرا

ترا دیوان غالبؔ دفترِ نازک خیالی ہے
ترا پایہ سخنداناںِ ہندوستاں میں عالی ہے

ظہوری ہو کہ طالب تیرے دل کا راز کیا سمجھے ادا دانی کو تیرے عرفیِ شیراز کیا سمجھے
حزیں یہ شیوۂ فکرِ چمن پرداز کیا سمجھے تری ترکیب کیا جانے ترے انداز کیا سمجھے

ہوائے رشک افزائے عجم ہندوستاں تجھ سے
بنی یہ سرزمیں دلّی کو گویا اصفہاں تجھ سے

عبارت تیری کیا ہے سرمۂ تسخیر ہے گویا کلام جانفزا اعجاز کی تقریر ہے گویا
سخن تیرا ہے کیا اک درد کی تصویر ہے گویا جو تیرا نالہ ہے وہ نالے کی تاثیر ہے گویا

حکایت ہے ترے لب پر غمِ جانسوز ہجراں کی
اڑائی تیرے جامے نے ادا دلہائے نالاں کی

روانی میں سوا نکلا ترا شعر آب گوہر سے طراوت میں ہر اک مصرع بڑھا شاخِ گل تر سے
سخن کچھ تھا ہوا کچھ تیری طبعِ نکتہ پرور سے صفائی نے بیاں کی آئینہ چھینا سکندر سے

دکھایا فکر نے جمشید کے جامِ جہاں بیں کو
کیا شرمندہ دیواں نے ترے بتخانۂ چیں کو

ہندوستان میں اقلیتوں کو آئینی تحفّظ

خواجہ عبدالمنتقم

ہندوستان ایک ایسا وسیع و عریض ملک ہے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور الگ الگ زبانیں بولنے والے صدیوں سے مل جل کر رہتے آئے ہیں۔ آذان کی آواز اور صدائے ناقوس دونوں ہی اس کے طول و عرض میں سنائی دیتی ہیں۔ یہ گلہائے رنگا رنگ کا وہ حسین مرقع ہے جہاں فدائے حرم اور شیدائے صنم پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ انسان دوستی، رواداری اور آپسی بھائی چارہ اس کی وراثت ہے۔

دنیا کے دوسرے مہذب ممالک کی طرح ہندوستان کے تمام شہریوں کو بھی خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ماننے والے ہوں، ملک کے کسی بھی حصہ میں رہتے ہوں اور کوئی بھی زبان بولتے ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ بھارت کا آئین اور خصوصی طور پر بنیادی حقوق سے متعلق آئین کا حصہ اس کا سب سے بڑا دستاویزی ثبوت ہے۔ آئین کے اس حصہ کو اگر انسانی حقوق کا چارٹر بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو آئین ساز اسمبلی میں خود عوام نے یہ عزم کیا تھا کہ وہ بھارت کو ایک ایسی مقتدر عوامی جمہوریہ بنائیں گے جس میں تمام لوگوں کو سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف ملنے کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرنے اور اپنے دین و مذہب پر چلنے نیز عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہوگی۔ بعد میں آئین کی تمہید میں سماج وادی اور سیکولر جیسے الفاظ شامل کرنے سے عوام کے اس عزم کو مزید تقویت ملی۔ آج نہ صرف ہندوستان کے حامی بلکہ حریف بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی سیکولر عوامی جمہوریہ ہے۔

آئین کی دفعہ ۱۴ میں بھارت کے تمام شہریوں کو مساویانہ قانونی تحفظ کی ضمانت دینے کے بعد دفعہ ۱۵ میں یہ بات بالکل واضح کر دی گئی ہے کہ محض مذہب، نسل، ذات، جنس، نسب، مقام پیدائش، یا بود و باش کی بناء پر کسی بھی شہری کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔ اس کے علاوہ دفعہ ۱۷ کے ذریعہ چھوت چھات کا بھی مکمل خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ دفعہ ۲۱ میں جان اور شخصی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے تو دفعہ ۲۲ میں بعض صورتوں میں گرفتاری اور نظر بندی کی ضمانت۔ دفعہ ۲۲ کے مطابق کسی بھی گرفتار شدہ شخص کو گرفتاری کی وجوہات بتلائے بنا حوالات میں نہیں رکھا جائے گا اور ایسی گرفتاری سے ۲۴ گھنٹے کی مدت کے اندر اسے قریب ترین مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا جائے گا ایسے شخص کو کسی مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر مذکورہ مدت سے زیادہ حوالات میں نہیں رکھا جائے گا۔ البتہ اس امر کا اطلاق ایسے شخص پر نہیں ہوگا جسے کسی ایسے قانون کے تحت گرفتار یا نظر بند کیا گیا ہو جس میں انسدادی نظر بندی کا حکم ہو۔

بھارت کے آئین میں مذہبی امور کے معاملہ میں بھی تمام شہریوں کو مکمل آزادی کا حق دیا گیا ہے۔ دفعہ ۲۵(۱) کے مطابق تمام شہریوں کو آزادیٔ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے بشرطیکہ اس سے امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور آئین کے حصہ کی دیگر دفعات متاثر نہ ہوں اس شرط کے ساتھ دفعہ ۲۶ کی رو سے ہر مذہبی فرقہ کو مذہبی اور خیراتی اغراض کے لئے اپنے ادارے قائم کرنے اور چلانے کی آزادی ہے۔ دفعہ ۲۷ کے مطابق کسی بھی شخص کو ایسے ٹیکس ادا کرنے کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا جس کی آمدنی کسی خاص مذہب یا مذہبی فرقے کی ترقی کے لئے خرچ کی جائے۔ دفعہ ۲۸ میں یہ توضیح کی گئی ہے کہ ایسے ادارہ میں جو مکمل طور پر سرکاری فنڈ سے چلایا جاتا ہو کوئی مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ اس امر کا اطلاق ایسے ادارے پر نہیں ہوگا جس کا انتظام تو سرکار کے ہاتھ میں ہو لیکن وہ کسی ایسے وقف یا ٹرسٹ کے تحت قائم کیا گیا ہو جو ایسے ادارے میں مذہبی تعلیم دینا لازمی قرار دے۔

آئین کی دفعہ ۲۹ میں اقلیتوں کے ثقافتی مفادات کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اور یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ شہریوں کے کسی ایسے طبقہ کو، جس کی اپنی الگ الگ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو، اس کو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شہری کو ایسے تعلیمی ادارے میں جسے سرکار چلاتی ہو یا جسے سرکاری فنڈ سے امداد ملتی ہو محض مذہب، نسل، ذات، زبان یا ان میں سے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

سائنس کی سماجی معنویت

مارچ ۱۹۵۸ء میں سائنس کی پالیسی سے متعلق قرارداد میں کہا گیا تھا کہ سائنسی معلومات اور علوم کے حصول اور استعمال سے ملک کے عوام کو وہ تمام فائدے دستیاب کرانے ہیں جو کہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح آزادی کے بعد سے سائنس اور ٹکنالوجی کو ترقیاتی پروگراموں میں قابل فخر مقام دیا گیا ہے۔ بنیادی تحقیق اور اعلیٰ سائنسی تعلیم کے شعبے میں ہندوستان کو بجا طور پر ان ملکوں میں شمار کیا جاتا ہے جو اس شعبے میں صف اوّل میں ہیں۔ ملک میں ایک ایسا مستحکم ادارہ جاتی نظام موجود ہے جو دور حاضر کے دانشورانہ اور سماجی چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس نظام کے تحت ملک میں ۲۰۰ یونیورسٹیاں اور ۴۰۰ قومی تحقیقی تجربہ گاہیں ہیں نیز تحقیق و ترقی کے لئے مختلف صنعتی اداروں میں ۱۳۰۰ یونٹیں کام کر رہی ہیں۔

کامیابیاں اور چیلنج:۔ حصول آزادی کے بعد سائنس اور ٹکنالوجی نے سب سے زیادہ زراعت کے شعبے میں خدمات انجام دی ہیں اور زرعی ترقی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ کسانوں کی زراعت میں دلچسپی بڑھانے میں زیادہ پیداوار دینے والے بیجوں کے استعمال اور بڑے پیمانے پر توسیعی کاموں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کوششوں کی وجہ سے اناج کی پیداوار ۱۹۵۰ء کے مقابلے میں موٹے طور پر چار گنا ہو گئی ہے۔ آج ہندوستان مونگ پھلی والوں، پٹ سن، شکر اور چائے کی پیداوار کے لحاظ سے سب سے آگے ہے نیز چاول، پھل اور ترکاریوں کی پیداوار کے لحاظ سے یہ دوسرے نمبر پر ہے۔

بڑھتی ہوئی خواندگی اور اداروں کے جمہوری نظام نے سماج میں نئی توقعات کو جنم دیا ہے۔ اس کے علاوہ اب سائنسدانوں، انجینئروں، سماجی کارکنوں، زراعت پیشہ لوگوں، توسیعی کارکنوں، انتظامی ماہرین اور رابطہ عامہ کے عملے نیز صارفین کو آج نئے نئے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ایک عظیم ترین کام یہ ہے کہ تمام شہریوں کے لئے بنیادی کم سے کم ضروریات مہیا کرائی جائیں۔ مثلاً پینے کا صاف پانی، صحت کی بنیادی خدمات، پرائمری تعلیم اور مکانات، اہم سائنسی امور میں یہ معاملے شامل ہیں پانی نکالنے اور اس کو تقسیم کرنے کا موثر نظام، ایکوفر کا انتظام، عوامی صحت اور تعلیم، مواصلاتی دیکھ بھال کے نظام، تعمیر مکانات کے لئے سستے اچھے اور جمالیاتی ذوق کو تسکین دینے والا سامان، غذائیت سے متعلق حکمت عملیاں اور نظام ۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے ترقی یافتہ شعبے ان کاموں کی عمل آوری میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

سپر کمپیوٹر کے ذریعے کسانوں کو موسمی حالات کی پیشگی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ دور سے معلومات حاصل کرنے والے مصنوعی سیاروں کے ذریعہ قدرتی وسائل کے بارے میں مفید معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ صحت، زراعت اور صنعت کے شعبوں میں نیوکلیئر انرجی پروگرام کے ذریعے اہم اور بڑے پیمانے پر فائدہ پہنچانے والی سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں۔

سائنس اور ٹکنالوجی کے محکمے نے سائنس اور ٹکنالوجی کے کلیدی شعبوں میں تحقیقی سرگرمیوں کو بڑھانے کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔ یہ محکمہ ٹکنالوجی کے فروغ کے لئے ایک عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے انداز نظر سے کام لے رہا ہے۔ بائیو ٹکنالوجی کا محکمہ بیماریوں سے محفوظ رکھنے کی دواؤں، جراثیم کش دواؤں، ماحولیات کے لئے سازگار کیڑے مار دواؤں جینی کے ذریعہ زراعت اور کیمیائی کھادوں کی پیداوار بڑھانے کے لئے کام کر رہا ہے۔ انرجی کے غیر روایتی ذرائع کی وزارت ایسے طریقوں کو ایجاد کرنے پر زور دے رہی ہے جن سے انرجی کے متبادل ذرائع تلاش کئے جا سکیں۔ بحری ترقیات کے شعبے میں قدرتی وسائل کی تلاش میں ہماری سرگرمیاں محض مخصوص اقتصادی خطے تک محدود نہ رہ کر اس کے ماوراء دوسرے خطوں تک پھیل چکی ہیں۔ چنانچہ انٹارکٹیکا پروگرام سے بیش قیمت معلومات اور اعداد و شمار حاصل کئے گئے ہیں۔

مختلف اداروں کے درمیان تال میل:۔ صارفین کو امور تحقیق کے فائدوں سے بہرہ ور کرنے کے لئے اور حاصل شدہ معلومات کو ان تک پہنچانے کے لئے مختلف سائنسوں کا آپسی تال میل بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں اداروں سے متعلق عملے کے ارکان اور صارفین کے اداروں نیز

تنظیموں کے درمیان آپسی رابطے بہت ضروری ہیں۔

ہمارے ملک میں وافر انسانی وسائل ہیں۔ ان لوگوں کو ہنر دان اور علوم میں مہارت مہیا کرانی ہے تاکہ قومی اور عالمی معاشی نظام کی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ حالیہ پیش رفتوں نے صنعتی، تکنیکی اور اقتصادی شعبوں میں آپسی اشتراک عمل کی ضرورت کو واضح کر دیا ہے۔ ہندوستانی صنعت کو چاہئے کہ وہ ٹکنالوجی کو ایسا سرمایہ سمجھے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح تکنیکی ترقی کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ صنعتی شعبے میں اس سمت پیش قدمی کی جائے۔ ٹکنالوجی سے متعلق اس منظرنامے میں، جو کہ آئندہ پچیس برسوں کو سامنے رکھ کر وضع کیا گیا ہے، ایسی تحقیقی کوششوں کی ضرورت محسوس کی گئی ہے جو کہ بھرپور اثر انداز ہوں اور جن میں آپسی رابطہ اور تال میل ہو۔

حکومت کاروباری ایوانوں اور صنعتی اداروں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے تاکہ وہ تحقیق و ترقی کی سرگرمیوں میں سرمایہ کاری بڑھائیں اور اس طرح تکنیکی اعتبار سے ان کی قوت بڑھے۔ ستمبر ۱۹۹۶ء میں تکنیکی ترقی کا بورڈ قائم کیا گیا ہے جو کہ ان کوششوں کو آگے بڑھائے گا۔ صنعتوں میں تحقیق و ترقی کی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ٹیکس میں رعائتیں دی جاتی ہیں۔ حکومت نے ایسی بہت سی اسکیموں کا اعلان کیا ہے جن سے قومی لیباریٹریوں اور اداروں کو تحقیق و ترقی کے لئے صنعتوں سے رقومات فراہم ہو سکیں۔

<u>موزوں ٹکنالوجی</u>:۔ دنیا اس وقت تبدیلی کے دور سے گذر رہی ہے اب صنعتی معیشت کی جگہ عالمی اطلاعاتی معیشت لے رہی ہے اس نئے نظام میں پیداوار کے عناصر پر کنٹرول یا اس کے حجم و تنوع سے طاقت نہیں آتی۔ یہ طاقت نقل و حمل کے مراکز تک رسائی سے بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ بدلتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئی ٹکنالوجی کو کس حد تک اپنایا جا سکتا ہے۔

اس نئی تکنیک کو اختیار کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہمارے سماج اور ورثہ میں حاصل شدہ صلاحیتوں اور ہنرمندیوں کو بحیثیت مجموعی مربوط کر دیا جائے کبھی کبھی یہ رجحان دیکھنے کو ملتا ہے کہ جو ٹکنالوجیاں دوسرے مقام پر کامیاب ثابت ہوئی ہیں ان کو بے سوچے سمجھے اختیار کر لیا جائے جبکہ ممکن ہے کہ وہ ہمارے حالات کے مطابق نہ ہوں اور ان کے سماجی اور اقتصادی

اثرات ہمارے لئے موزوں نہ ہوں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ٹکنالوجی کی موزونیت کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے بعد ہی اس کے استعمال کی سفارش کی جائے۔

اس بات کی احتیاط ضروری ہے کہ جو ٹکنالوجیاں دوسرے مقامات پر اس لئے منتقل کی گئی ہیں کہ وہ فرسودہ ہو چکی ہیں اور جن کے ماحولیاتی اثرات مضر رساں ہیں، ان کو ٹکنالوجی کی منتقلی کے نام پر ترقی پذیر ملکوں کو منتقل نہ کر دیا جائے۔ ان نئی ٹکنالوجیوں کے جو ترقی یافتہ شعبے ہیں، ان کو ترقی پذیر ملکوں کو دینے میں حیل حجت کی جاتی ہے اور اس راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں اس وجہ سے ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان فرق بڑھتا جا رہا ہے۔ اس فرق کو دور کرنے کے لئے ٹھوس علمی تحقیقات پر مبنی ٹکنالوجی کا نظام مرتب کیا جانا ہے تاکہ قومی استعمال کے لئے ٹکنالوجی کے انتخاب میں صحیح راستہ اپنایا جا سکے۔

<u>ماحولیات پر مضر اثرات</u>:۔ آج ہر شخص کو اس بات سے پریشانی ہے کہ ماحولیاتی نظام خراب سے خراب تر ہوتا جا رہا ہے۔ کچرا اور فضلہ اتنا بڑھتا جا رہا ہے کہ اسے ٹھکانے لگانا مشکل ہو رہا ہے مگر یہی کچرا اور فضلہ انرجی اور بائیوماس کا ایک ذریعہ ہو سکتا ہے اور اس کی شکل بدل کر اس سے اقتصادی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اور سماجی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ نیا نعرہ "فضلہ اور کچرے سے دولت" ہونا چاہئے۔ اس سے اقتصادی سرگرمیوں کو فروغ ملے گا بلکہ ماحول کو صاف ستھرا بنانے میں بھی مدد ملے گی۔ اس سمت بہت سی کوششیں کی گئی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوششیں ناکافی ہیں۔

۱۹۵۰ء کے دہے کے شروع میں ہندوستان نے افریقہ اور ایشیا کی ابھرتی ہوئی اقوام کے لئے ایسا رول پیش کیا جو ان کے لئے نمونہ بن سکتا تھا۔ ہندوستان کی کامیابیوں سے ان کو تحریک عمل مل سکی۔ آج ہندوستان کے پاس ایسی ہنرمند سائنسی اور تکنیکی افرادی قوت موجود ہے جس سے وہ نہ صرف اپنا بھلا کر سکتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے نیز ترقی پذیر دنیا کو ایسی متبادل ٹکنالوجیاں فراہم کر سکتا ہے جو نئی جدتوں کی مظہر ہوں گی۔ اس طرح دنیا کو بھوک، بیماری، ناخواندگی اور دیگر لعنتوں سے بچایا جا سکتا ہے اور یہ کام ٹکنالوجی کو استعمال میں لا کر عوام کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرکے انجام پا سکتا ہے (بشکریہ پی آئی بی) ■■



گزشتہ ۱۱ر فروری ۱۹۹۷ء کو بہاجتی سدن میں منعقدہ تقریب میں وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نیتاجی پر ایک کتاب کی رسم اجراء کرتے ہوئے۔ نیچے وزیراعلیٰ موصوف اسی دن ایک استقبالیہ تقریب میں آئی این اے کے سپاہیوں کو اعزاز سے نوازتے ہوئے ـــــــــ (تصویر: مدھوسودن گھوش)



An Urdu Fortnightly
March 1, 1997

REGD No. WB/CC-596
Vol. No. 44, Issue No. 5
Price 50 Paise

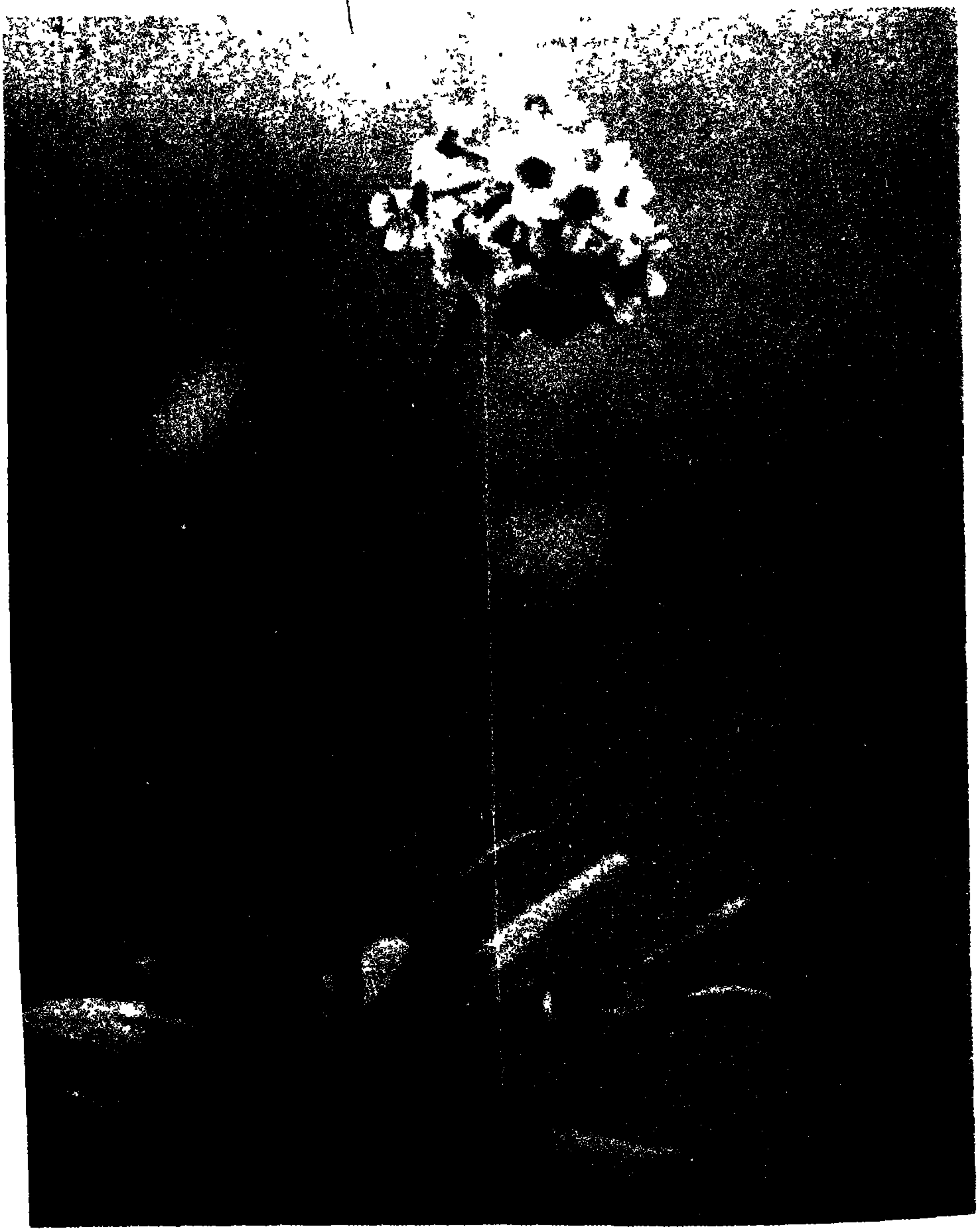


ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی گذشتہ ۳ جنوری ۹۷ء کو گاندھی گھاٹ، بارکپور میں گاندھی کی سمادھی پر گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے۔ نیچے اس موقع پر منعقدہ تقریب میں گورنر موصوف و دیگر عقیدت مندان۔ ــــــــــــــــ (تصویر : پرتیک سیٹھ)



Chief Editor : Tarun Bhattacharya, Asst. Editor Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd. 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012.

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۲۷ * ۱۵ مارچ و یکم اپریل سنہ ۹۷ء * شمارہ نمبر ۶ اور ۷

مدیر اعلیٰ:۔ ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون:۔ محمد مصطفیٰ

ترتیب

شرحِ خریداری

سالانہ۔ دس روپئے ■ نصف سالانہ۔ پانچ روپئے

* فی شمارہ کی قیمت ۵۰ پیسے

* ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) وابستہ پریس سیکشن ا
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۱

* پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون 255601/3371 Ext. 710

مغربی بنگال اسمبلی کے بجٹ اجلاس سے گورنر کا خطاب

مغربی بنگال میں صنعتی ترقی کیلئے ماحول سازگار ہے۔ گورنر

گوناگوں سیکٹروں میں ریاستی حکومت کے کارناموں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے خصوصاً اس ریاست میں صنعتی سرمایہ کاری کے سلسلہ میں ایک سودمند ماحول کی تشکیل کیلئے مغربی بنگال کے گورنر شری کے۔ وی۔ رگھوناتھ ریڈی نے گذشتہ ۲۴ر جنوری کو مغربی بنگال اسمبلی کے بجٹ اجلاس کے پہلے دن اپنی افتتاحی تقریر کے دوران یہ بتایا کہ مغربی بنگال کی صنعتی نشوونما اور اسکو صنعتی طور پر ترقی یافتہ ریاست بنانے کے مقصد کو ترجیح دینی چاہیئے۔ گورنر موصوف کی تقریر کا اردو متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

معزز اسپیکر اور معزز اراکین

سال رواں کے دوران ودھان سبھا کے پہلے اجلاس کے دوران آپ سبھوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ میں آپ سبھوں کو نئے سال کی بہت بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں اور آپ کے توسط سے ہماری ریاست کے عوام کو بھی نہایت ہی گرم جوشی کے ساتھ اپنی نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

اپنی تقریر کے آغاز میں ہی میں شری سید منصور حبیب اللہ اس عظیم ہاؤس کے سابق اسپیکر، شری اشوک سین، سابق مرکزی وزیر شری جاتن چکرورتی، شری پرابھاش چندر پکار، شری بڑا دا کت موئی اور شری اے کے ایم حسن الزماں، اس ریاستی حکومت کے سابق وزراء حضرات، شری اردبندو گھوش تال، اس ہاؤس کے ایک سابق رکن اور پارلیمان کے ایک سابق رکن شری سنیل موئترا کے انتقال کا تذکرہ گہرے دکھ کے ساتھ کرتا ہوں۔ ہملوگ سربا شری درگا پدا سنہا، سو کمار منڈل، سنیل کار، ککنر بہاتو، شانتی گوپال سین، شکتی پرشاد پال اور رنجیت پاترا جو اس عظیم ہاؤس کے سابق اراکین تھے اور شری نرملیا باگچی جو قانون ساز کاؤنسل کے ایک رکن رہ چکے تھے کی اموات پر بھی گہرے صدمہ کا اظہار کرتے ہیں۔ ہملوگ شری بھبانی رائے چودھری جو ایک ٹریڈ یونین لیڈر تھے، شری اشوک تاسوبندھو پادھیائے اور شریمتی نلیما سین جو ربندر سنگیت کی ممتاز کلاکار تھیں، پروفیسر سدھیر رنجن داس جو ایک آثار قدیمہ کے ایک مشہور عالم تھے، شریمتی ارونا آصف علی جو ایک ملی ہوئی مجاہد آزادی تھیں، شری ستیہ برتا سین جو ایک مشہور نقشہ ساز تھے اور پروفیسر بھابا توش دتا جو معاشیات ہند کے ایک جید عالم تھے انکو بھی ان کے انتقال پر گہرے دکھ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ہملوگ شریمتی نلیما داس جو ایک مشہور فلمی اور اسٹیج کی اداکارہ تھیں اور شری گوبردھن آش جو ایک ممتاز فنکار تھے کے انتقال پر بھی گہرے صدمہ کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۹۹۶ء کے دوران اس ریاست میں امن و امان کی تمام تر صورت حال اکا دکا واقعات کو چھوڑ کر بہتر اور خاطر خواہ رہی ہے۔ یہ قابل اطمینان بھی ہے کہ اس ریاست میں فرقہ وارانہ سکون و ہم آہنگی کی روایت عوام کی گرم جوشی حمایت کے ساتھ اور انتظامیہ کی سخت نگرانی کے ذریعہ برقرار رکھی جاتی رہی ہے۔ اگر ہماری ریاست کم و بیش طور پر انتہا پسند سرگرمیوں سے پاک ہے تاہم ہماری انتظامیہ انتشار پسند طاقتوں کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنے کے لئے سخت نگرانی رکھے ہوئے ہے۔ ان غیر ملکی لوگوں کے داخلہ روکنے کے لئے کڑی نگرانی رکھی جا رہی ہے جو ہمارے داخلی امن اور تحفظ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

کلکتہ پولس میوزیم جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کا تنہا ادارہ ہے کا قیام گزشتہ سال عمل میں آیا۔ اس میوزیم میں دوسری اشیاء کے ساتھ ساتھ اسلحہ جات، ہتھیار اور دھماکہ خیز مادہ وغیرہ جن کا استعمال انقلابیوں نے کیا تھا اور کتابیں و رسائل جن میں ہمارے ملک کی تحریک آزادی کے متوالے نقش ہیں زیر نمائش موجود ہیں۔

قومی پولس کمیشن کی تشکیل کردہ سفارشات کے پیش نظر ایک پولس کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ کمیشن ہذا موجودہ صورتحال کا جائزہ لے گی اور نئی چنوتیوں سے نپٹنے کے دوران اور زیادہ موثر طور پر اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے دوران مغربی بنگال پولس کو پیش آنے والی دقتوں کی نشاندہی کرے گی۔

ریاستی حکومت اپنی متواتر کوششوں کے ذریعہ صنعتی سرمایہ کاری کے لئے ماحول سودمند و موافق بنا پائی ہے۔ مغربی بنگال کو ایک بھرپور

نشو و نما والی اور صنعتی طور پر ترقی یافتہ ریاست بنانے کے مقصد کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔

صنعتی ترقی کے لئے اس ریاست کی چند بڑی بڑی سہولتوں میں خام مال کی بنا کسی پریشانی کے دستیابی، بجلی کی خاطر خواہ اور بہتر صورت حال، تجربہ کار انسانی وسائل، بہتر سماجی اور سیاسی ماحول، خوشگوار فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور پختہ صنعتی تعلقات کا شمار ہوتا ہے۔

گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی مختلف ممالک کے بے شمار مندوبین نے اس ریاست کا دورہ کیا اور اس ریاست کے مندوبین نے بھی یورپی ممالک، ریاستہائے متحدہ امریکہ، چین اور پڑوسی ممالک کا بھی دورہ اس ریاست میں سرمایہ کاری کو بڑھاوا دینے کے پیش نظر کیا۔ ایک چیمبرس آف کامرس کے ساتھ نہایت ہی قریبی تعلقات برقرار رکھے گئے ہندوستانی صنعتوں کی انجمن یعنی کنفیڈریشن نے پارٹنر شپ سمٹ برائے ۱۹۹۷ء انعقاد کے لئے اس ریاست کا انتخاب کیا سمٹ ہذا ۹ جنوری تا ۱۱ جنوری ۱۹۹۷ء منعقد ہوئی۔ ایک اعلیٰ سطحی مندوبین جو برطانیہ سے آئے تھے اور جسکی قیادت ان کے وزیر اعظم نے کی تھی۔ اس طرح کے کئی اعلیٰ سطحی مندوبین بہت سارے دوسرے ممالک سے بھی یہاں آئے اور اس سمٹ کانفرنس میں شرکت کی

صنعتی پیداوار کا اعشاریہ بلندی کی جانب جا رہا ہے۔ اس ریاست کو کل ۳۱۵۲۶ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کے سلسلہ میں ۱۹۹۱ء کے بعد سے ۱۴۰۶ عدد سرمایہ کاری کی تجاویز ملی ہیں۔ ۱۹۹۶ء کے دوران ۱۵ دسمبر تک اس ریاست کو ۶۲۲۵ کروڑ روپے سرمایہ کاری پر مشتمل صنعتی منظوریاں ملی ہیں۔ مدت ہذا کے دوران ۴۰۶ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری پر مشتمل ۳۵ صنعتی اکائیوں نے تجارتی پیداوار کا آغاز کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں ۴۰۵۲ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری پر مشتمل ۸۰ صنعتی اکائیاں عمل درآمد کے ترقی یافتہ مدارج تک پہنچ چکی ہیں۔ یہ امر امید افزا ہے کہ ۱۲۰۰ کروڑ روپے کی لاگت کے ایک پروجکٹ درگاپور میں بنام جامع اسٹیل پلانٹ اور وار جلنگ میں ۶۰۰ کروڑ روپے کے ایک پیپر پلانٹ پر مشتمل بہت سارے پروجکٹس زیر غور ہیں۔ ٹینریوں کی ازسر نو منتقلی سے متعلق بنیادی لوازماتی سہولتوں کی فراہمی کے لئے ایک جدید چرمی کمپلکس اور دیگری اکائیوں کا قیام ایسٹرن میٹروپولیٹن بائی پاس کے کنارے عمل میں لانے کی تجویز رکھی گئی ہے اسکو روبہ عمل لانے میں ۲۸۵ کروڑ روپے کی تخمینہ شدہ لاگت آئے گی۔ علاوہ، بیربھوم اور جلپائی گوڑی کے اضلاع میں ایک گروتھ سنٹرس (یعنی بڑی نشو و نما مراکز) قائم کرنے کا کام ۹ ویں منصوبہ مدت کے دوران شروع کی جانے کی توقع کی جاتی ہے۔

گذشتہ ایک سال کے دوران بجلی کی سپلائی بالکل ٹھیک رہی اور اس کے پہلے سال کے مقابلہ میں سال رواں کے دوران بجلی ۷ فیصد زیادہ پیدا ہوئی تھی۔ میری حکومت اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہے کہ نئی صنعتوں کی اضافی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس ریاست کی بجلی کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانا ہوگا۔

لہٰذا ۲۰۰۰ میگا واٹ سے زیادہ بجلی پیدا کرنے کے لئے مجموعی طور پر تیستا کنالی آبشار، پرولیا پمپ اسٹوریج اسکیم اور بکریشور تھرمل پاور پلانٹ کے بجلی پروجکٹوں کے کام کی شروعات کی جا چکی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ آئندہ سال تک بذریعہ سی ای ایس سی قیام میں آنے والا بج بج تھرمل پاور پروجکٹ ۵۰۰ میگا واٹ بجلی پیدا کرے گا۔ مزید برآں مستقبل میں پیش آنے والی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر بالا گڑھ تھرمل پاور پروجکٹ، ساگردیگھی تھرمل پاور پروجکٹ، گوری پور تھرمل پاور پروجکٹ کے قیام میں لانے اور درگاپور پروجکٹ لمیٹڈ اور بنڈیل پاور پروجکٹ کی جلا بخشی اور تجدید کاری کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

ریاستی شاہراہوں اور بڑے اضلاع کی سڑکوں کے پروجکٹ کو ملنے والے عالمی بینک قرض تعاون کے تحت ۱۳ عدد پروجکٹس جس میں ۵۳۴ کیلومیٹر لمبائی کا رقبہ آتا ہے، حکمت عملی اختیار کے درجہ کو پہنچ چکے ہیں حالیہ سطح نرخ کے مطابق اس میں تقریباً ۱۲۰۰ کروڑ روپے کی مالیت آئے گی۔

زرعی اصلاحات کے میدان میں میری حکومت کی حیثیت ایک پہلے ہم جولی سی ہے۔ سماج میں انصاف کو بحال رکھنے کے لئے اراضی جیسی کمیاب قدرتی وسائل کی جہاں تک ممکن ہو پائے مساوی تقسیم ایک لازمی امر ہے۔ مغربی بنگال اثاثہ حصولی ایکٹ برائے ۱۹۵۳ء اور مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ برائے ۱۹۵۵ء کے تحت ابتک عطا کردہ ۲۹۰۲ ۲۹ لاکھ ایکڑ اراضی میں سے ۱۰٫۰۵ لاکھ ایکڑ اراضی ۲۳٫۵۳ لاکھ مستفیضوں میں تقسیم کی جا چکی ہے۔ ابتک ہی ۱۴٫۲ لاکھ بٹائی داروں کا اندراج کیا جا چکا ہے۔ بانٹہ دہوم (اسٹیڈ) حصولی مغربی

بنگال ایکٹ کے تحت مستفیض ہونے والوں کی تعداد ۲۱٫۱۷ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ برائے ۱۹۹۵ء کے تحت جائزہ (سروے) اور تصفیہ (سٹلمنٹ) کے کام کاج قریب قریب تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ ۲۰٫۶۷۴ موضع میں سے ۲۰٫۵۴۹ موضع کے سلسلہ میں حقوق کا اندراج حتمی طور پر شائع ہو چکا ہے۔

اختیارات کی سپردگی، مالی اقتدار کی دھندگی اور دیہی ترقی میں لوگوں کی شمولیت کے ذریعہ پنچایت اداروں کو استحکام بخشنا میری حکومت کے اعلان شدہ مقاصد میں سے ایک رہا ہے۔ پنچایت نمائندے اپنے اپنے کام زیادہ تشفی بخش طور پر کر پائیں اس لئے مذکورہ نمائندوں کی تربیت کے سلسلہ میں زبردست اور کڑے تربیتی پروگرام ۱۹۹۳ء سے منعقد کئے جا رہے ہیں۔ ریفریشر کورسیز، سیمینار اور ورکشاپ کا انعقاد بھی ان کی معلومات کو تازہ ترین بنانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ تمام سطحوں پر پنچایتی اداروں کی قریبی شرکت ہی گوناگوں دیہی ترقیاتی پروگراموں کی کامیابی کا سبب بنتی چلی آ رہی ہے۔ ان پروگراموں کا مقصد دیہی غریب لوگوں کو خاطر خواہ روزگار فراہم کرنا، دیہی اثاثوں کی تعمیر کرنا، عام فائدہ والے دیہی وسائل میں اضافہ کرنا، معاشی ترقیاتی سرگرمیوں اور دیہی حفظانِ صحت کے کام کاج میں خواتین کو شامل کرنا وغیرہ ہے۔

میں اس امر کا تذکرہ کرنے کا بھی خواہاں ہوں کہ دستور کی فراہم کردہ گنجائش کے مطابق تمام ضلع منصوبہ بند کمیٹیاں فی الحال ہماری ریاست میں کام کرتی چلی آ رہی ہیں۔ مذکورہ کمیٹیاں کم از کم بنیادی خدمات کی دیکھ ریکھ میں لگی ہوئی ہیں۔

معزز اراکین اس امر سے واقف ہوں گے کہ زراعت کے میدان میں میری حکومت ۱۹۹۲ء سے غذائی اجناس کی ریکارڈ پیداوار کرتی چلی آ رہی ہے اور یہ زرعی پیداوار کے میدان میں صف اول کی ریاستوں میں شمار کئے جانے کی قدر و منزلت سے فیضیاب ہو رہی ہے۔ بہرکیف سیلاب اور دیگر قدرتی آفات کی وجہ سے ۱۹۹۶-۹۷ء کے دوران پیداوار میں کچھ دقتیں بھی پیش آئی ہیں۔ بہرحال ہم لوگوں کا حوصلہ بلند ہے اور یہ امید کرتے ہیں کہ تمام دشواریوں کے باوجود ہم لوگ ۱۳۱٫۹۹ لاکھ ملین ٹن غذائی اجناس کے پیداواری نشانہ کو پا لیں گے۔

آلو اس ریاست کی ایک نہایت ہی اہم ترین نقد فصلوں میں سے ایک ہے۔ گذشتہ سال ہم لوگوں نے ۸۵٫۴۲ لاکھ ملین ٹن آلو پیدا

کیا تھا اور سال رواں کے دوران ۶۵ لاکھ ملین ٹن آلو پیدا ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لئے کہ کاشتکاروں کو آلو اور دیگر سبزیوں کی بہتر قیمت ملے کولڈ اسٹوریج کی سہولتوں کو توسیع دینے کی ضرورت ہے اور میری حکومت اس سلسلہ میں سنجیدگی سے غور کر رہی ہے کہ وہ دوسروں کے درمیان امداد باہمی کاروباریوں کو کولڈ اسٹوریج قائم کرنے کے لئے ان کی ہمت افزائی کرے۔

یہ بات قابل فخر ہے کہ مغربی بنگال ملک میں مچھلی پیدا کرنے والی ریاستوں کی فہرست میں بلند ترین مقام پاتا چلا آ رہا ہے۔ ہم لوگ مسلسل / لگاتار ۹ سال تک ماہی گیری کے سیکٹر کا قومی زرخیزی کا نیشنل ایوارڈ پاتے رہے ہیں۔ کثیر المقاصد ماہی گیری سرگرمیاں زور و شور پر چل رہی ہیں۔ ۱۹۹۵-۹۶ء کے دوران ۹۳٫۸ ملین ٹن ریکارڈ پیدا ہوئی۔

جب سے ماہی گیری دیہی معیشت کو استحکام بخشنے میں ایک نہایت ہی اہم اور سرگرم کردار ادا کرتی آ رہی ہے اور خصوصاً عوام کے کمزور طبقوں کو فائدہ پہنچاتی آ رہی ہے اس وقت سے ہی زیادہ سے زیادہ ترقی و فروغ کی حصولی کے سلسلہ میں تمام تر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ندی مہانندہ دوانیہ پر واقع نام کھانہ میں ایک بارج جیٹی کی تعمیر، جامع براکش واٹر پر تعاون پانے والے پروجکٹ قومی امداد باہمی ترقیاتی کارپوریشن کی تعمیر، نیاچک میں اکواکلچر کی ترقی، بیل ماہی گیری اور جامع بحری ماہی گیری اسکیموں کی ترقی، شنکر پور ماہی گیری بندرگاہ کا دوسرا مرحلہ، بالکل نچلی سطح پر ماہی گیروں کے لئے تربیتی اسکیم وغیرہ۔

گذشتہ ایک سال کے دوران مغربی بنگال کو مویشیوں سے حاصل ہونے والی بڑی بڑی مویشیوں کی پیداوار میں نمایاں کامیابی ملی ہے۔ دودھ میں ایک لاکھ میٹرک ٹن، انڈے میں ۶۸ ملین اور گوشت میں ۰۰۰٫۸ ملین ٹن کا اضافہ ہوا ہے۔ مصنوعی تولیدی عمل کے ذریعہ مقامی مویشیوں کو فروغ بخشنے کے مقصد کے تحت ایک منجمد نطفی لیباریٹری اور تین سیال نائٹروجن پلانٹ چالو کئے گئے ہیں۔ مویشیوں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے، ان کی بیماریوں کو مزید بڑھنے سے روکنے اور ان کے علاج و معالجہ کے لئے جانوروں کے دواخانے اور جانوروں کو راحت پہنچانے کے مراکز اپنے کام کر رہے ہیں۔ گذشتہ سال کے دوران ۱۴۹ لاکھ جانوروں کو ٹیکہ لگائے گئے تھے اور ۸۴ لاکھ مویشیوں کو علاج

کی سہولتیں مہیا کی گئی تھیں۔

میری حکومت کا جنگلاتی شعبہ کم درجہ جنگلات کی احیاء اور جلا بخشی کی گوناگوں اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے دوران دیہی لوگوں خصوصاً شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب فرقوں کی فلاح و بہبود پر سنجیدگی سے توجہ دے رہی ہے اور انھیں مذکورہ اسکیموں میں ان کی شمولیت کو یقینی بنا رہی ہے۔ نتیجہ کے طور پر ۳۰۰۰ جنگلات بچاؤ کمیٹیاں تشکیل ہوئی ہیں اور ان کمیٹیوں نے جنگل بچاؤ کے خاطر خواہ کام انجام دیئے ہیں اور انھیں جنگلات سے حاصل ہونے والی اشیاء کی کل مالیت کے ۲۵ فیصد ملے ہیں۔ یہ امر باعث اطمینان ہے کہ مغربی بنگال میں اکیلے ہی جنگلاتی رقبہ کو ۹۰۰ مربع کیلومیٹر توسیع دی گئی ہے جبکہ مجموعی طور پر پورے ملک میں مذکورہ علاقہ میں صرف ۲۷۶ مربع کیلومیٹر کا اضافہ ہوا۔ جنگلاتی زندگی تحفظ کے علاقوں کے قرب و جوار میں معیشت فروغ کمیٹیاں دیہی لوگوں کی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے کام کر رہی ہیں جبکہ دیگر علاقوں میں فروغ شدہ ریشم سازی کے کام کو مقامی پنچایتی اداروں کے گہرے تعاون سے چالو کیا گیا ہے۔

ماحولیات ایک ایسا موضوع ہے جس کو اعلیٰ ترین ترجیح دی جانی چاہئے۔ یہ زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ آج کی اور آنے والی نسل کی فلاح و بہبود کا پورا دارومدار اسی پر ہے۔ میری حکومت کو ماحولیات کے تحفظ اور اسکو بہتر بنانے کی کوشش کی اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہے۔ جلد ہی اس سلسلہ میں مزید حکام اور اختیارات کے ساتھ مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ تشکیل پائے گا۔

شور کی آلودگی کم کرنے کے سلسلہ میں کلکتہ ہائی کورٹ کے حکمنامہ کے عمل درآمد پر عوام نے اختصاصیہ کو بہت سراہا ہے۔ مزید براں عدالت کے متعدد حکمناموں کو روبہ عمل لانے اور متعلقہ ماحولیاتی اصول و ضابطوں کو نافذ کرنے کے بعد ۲۳۱ بڑے اور درمیانے پیمانے کی صنعتوں نے صنعتوں سے برآمد ہونے والے ضرر رساں رقیق فضلات کو بے ضرر رساں بنانے کے پلانٹ اپنے یہاں نصب کئے ہیں اور ان میں سے ۱۴۴ صنعتوں نے ہوائی آلودگی روک تھام کے نظاموں کو اپنے یہاں نصب کیا ہے۔

ماحولیات میں مزید گراوٹ اور تنزلی کو روکنے کے لئے گھنی آبادی والے شہری علاقوں میں بکثرت واقع فاؤنڈریوں، رولنگ ملوں اور دیگر ہوا کو آلودہ کرنے والی اکائیوں پر کڑی نگرانی رکھی جا رہی ہے۔ گاڑیوں سے

برآمد ہونے والی دھوئیں کی آلودگی روکنے اور شور کی آلودگی کو کم کرنے کی بھی سنجیدہ طور پر کوششیں کی گئی ہیں۔ گذشتہ مہینوں کے دوران لاگو کی گئی مذکورہ بالا متعلقہ بے شمار کارروائیوں کو روبہ عمل لانے کے بہتر نتائج برآمد ہوئے ہیں اور عوام نے ان کارروائیوں کو سراہا ہے۔

میری حکومت اس ریاست کی ماحولیاتی حیثیت رپورٹ کی تشکیل و ترتیب جیسے اہم ماحولیاتی پروجیکٹوں کو روبہ عمل لانے، آسنسول، درگاپور علاقہ کے لئے ماحولیاتی خطرہ انتظام منصوبہ، ہلدیہ کے لئے خطرہ انتظام منصوبہ کو روبہ عمل لانے، ساحلی علاقہ کے لئے زونگی انتظام منصوبہ اور اسی طرز کے دیگر پروگراموں جن سے طویل مدتی فوائد حاصل ہوں گے، کو روبہ عمل لانے کی بھی خواہاں ہے۔

عالمگیر طور پر یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ خواندگی محض ترقی و فروغ کی ایک کنجی ہی نہیں ہے بلکہ یہ ہر انسان کا بنیادی حق بھی ہے۔ میری حکومت نے اپنی اعلان شدہ پالیسیوں کے تحت ایسی حکمت عملی پر مشتمل پروگرام اپنایا ہے جو ریاست کے گوشے گوشے میں ترقی و فروغ کی روشنی پھیلائے گا اور اس خواندگی مہم میں لاکھوں اساتذہ کی خدمات سے فیض اٹھایا گیا ہے۔

فی الحال کل خواندگی پروگرام ۱۳۹ لاکھ افراد کو اپنے دائرہ عمل میں لاتا ہے۔ محاسبہ پر تیار کردہ رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ ۱۲ اضلاع مثلاً مدناپور، بردوان، بیربھوم، بانکوڑا، ہگلی، ہوڑہ، کوچ بہار، شمالی ۲۴ پرگنہ، جنوبی ۲۴ پرگنہ، مرشدآباد، ندیا اور جلپائی گوڑی میں ۴۹٫۹۶ لاکھ نو خواندگان خواندگی کے زیور سے آراستہ ہوئے ہیں اور بعد از خواندگی مہم ان اضلاع میں شروع کی گئی ہے۔ بردوان اور بانکوڑا جہاں بعد از خواندگی مہم میں خاطر خواہ پیش رفت ہوئی ہے، فی الحال تعلیمی پروگرام کو جاری رکھنے کیلئے منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

ان علاقوں تک محدود کردہ کوششوں کی ہمت افزائی کیلئے اور نو خواندگان کی توقعات کو پورا کرنے کے لئے سرکاری کتب خانوں کی ہر طرح کی خدمات مذکورہ بالا خواندگان کو دستیاب کی جا رہی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کتب و رسائل بینی کی سہولت بہم پہنچانے کے لئے دیہی کتب خانوں کو خاطر خواہ لوازمات سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔

پرائمری تعلیم کے سلسلہ میں میری حکومت نے ۱۵ اگست ۱۹۹۵ء سے ۲۱۴ بلاکوں میں دوپہر کے کھانا کی اسکیم کو چالو کیا ہے۔ یہ حکومت

جنہیں کی چالو کردہ اسکیم ہے اور اس ریاست کے بقیہ بلاکوں اور میونسپل علاقوں میں بھی آئندہ مالی سال کے دوران اسکیم ہذا چالو کی جائے گی۔ یو کے اور یو این آئی سی آئی ایف کے اوورسیز ترقیاتی انتظامیہ کے تعاون سے چلنے والے اضلاع پرائمری تعلیم پروگرام اور بے شمار دیگر پروگراموں کو مستقبل قریب میں چالو کئے جانے کی توقع ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب لڑکیوں اور ۴۰ فیصد پرائمری اسکول میں زیر تعلیم دیگر فرقوں کی طالباؤں کو اسکول ڈریس (اسکولی لباس) کی سپلائی / فراہمی کی جا رہی ہے۔

لوک ثقافت کو تحفظ اور فروغ بخشنے کی غرض سے ایسٹرن میٹرو پولیٹن بائی پاس ایک لوک گاؤں قائم کرنے والا ہے۔ کلکتہ ثقافت مرکز کی تعمیر کا آغاز جلد ہی ہوگا۔

مالدہ ضلع کے جگجیون پور میں بودھ مذہب کی ایک نئی کمپلکس کی قابل تحسین دریافت ہوئی ہے۔ کھدائی کا کام چل رہا ہے۔ شاید یہ ۹ ویں۔ ۱۰ ویں صدی عیسوی کے ہندوستان کے بزرگ ترین خانقاہوں میں سے ایک ہے۔

میری حکومت نے پوری ریاست بھر میں شایان شان طور پر نیتاجی سبھاش چندر بوس کی صد سالگرہ ۲۳ جنوری ۱۹۹۷ء سے منانے کے سلسلے میں اقدامات اٹھایا ہے۔ نیتاجی پر ایک یادگار جلد بھی شائع کی جائیگی۔ ۵۰ سالہ جشن آزادی بھی شایان شان طور پر منانے کے سلسلہ میں اقدامات روبہ عمل لائے گئے ہیں۔

لوگوں کی اکثریت کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے توہم پرستی دور کرنے، سائنس اور ٹکنالوجی کو فروغ دینے کے اعلان شدہ مقاصد کے ساتھ ساتھ شعبۂ سائنس اور ٹکنالوجی اور غیر روایتی توانائی وسائل نے ضرورتوں پر مبنی لاتعداد پروگراموں کو روبہ عمل لایا ہے۔ متعدد معاملات میں لیبارٹری سے میدان تک ٹکنالوجی کی منتقلی میں زبردست کامیابی ملی ہے۔ غیر روایتی توانائی کے میدان میں شمسی اور بایوماس توانائی وسائل کو عام انسان کی فلاح اور ماحولیات کی بہتری کے لئے بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

ریاستی حکومت ۲۰۰۰ء تک سبھوں کے لئے صحت، کے مقصد تک پہنچنے کے لئے صحت سکٹر میں متعلقہ پروگراموں اور سرگرمیوں کو تیز تر اور زوردار بنا رہی ہے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ادارہ جاتی صحت خدمات کے ذریعہ شفائی اقدامات اور فلاحی صحت اقدامات دونوں ہی کو توسیع دی گئی ہے۔

دیہی اور شہری دونوں ہی جگہ کے غریبوں کو ان اقدامات کے زیر عمل لانے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ میری حکومت ۲۰۰۰ء تک ۲۱ شرح پیدائش، ۹ شرح اموات اور ۶۰ بچوں کی شرح اموات کو پالینے کے قومی نشانہ کو تقریباً پہنچ چکی ہے جیسا کہ سال ۱۹۹۵ء کے دوران حاصل شدہ اعداد شمار کے مطابق شرح پیدائش ۲۳٫۶، شرح اموات ۵۹ فی ہزار تھے۔

سال ۱۹۹۴ء سے اس ریاست میں ملیریا کی وقوع پذیری میں اضافہ پایا گیا ہے۔ فی الحال اس کے رجحان پستی کی جانب ہیں۔ ۱۹۹۵ء کے دوران ۱۶۵۱۱ عدد لوگ ملیریا کے حملہ کے شکار ہوئے اور ۸۹ اموات واقع ہوئی تھیں اور گذشتہ سال جولائی تک ملیریا کے ۱۲۶۱۴ واقعات ظہور پذیر ہوئے اور ملیریا سے ۵۹ اموات واقع ہوئیں۔ ملیریا کے واقعات و اموات ہذا میں کمی مختلف علاقوں میں ملیریا کش / دشمن چھڑکاؤ کی زوردار مہم کا نتیجہ ہے۔

دیہی علاقوں کے صحت مراکز میں خصوصاً ڈاکٹروں کی عدم دستیابی کے مسئلہ کو کسی حد تک معاہدہ کی بنیاد پر ڈاکٹروں کی تقرری کے ذریعہ خالی جگہوں کو پُر کر کے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ مقامی ڈاکٹروں کی تقرری پر خصوصی زور ڈالا گیا ہے تاکہ وہ لوگ صحت مراکز میں جانے سے انکار نہیں کرسکیں اور اس طرح چند اضلاع میں ظہور پذیر سنکھیا کے مسائل کو نپٹانے میں سہولت ہوگی۔ ایس ایس کے ایم ہسپتال کلکتہ آؤٹ ڈور اور انڈور سہولتوں کے ہمراہ ایک سنکھیا شفاخانہ قائم کیا گیا ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ عالمی بینک قرض سے تعاون پانے والا صحت نظام ترقیاتی پروجکٹ ۔ II جس کو روبہ عمل لانے میں ۷۰۱ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی، مغربی بنگال میں واقع ثانوی سطح کے ہسپتالی خدمات کو استحکام بخشنے کی خاطر عمل درآمد کے لئے روبہ عمل لایا گیا ہے۔

میری حکومت میونسپل امور کے شعبہ میں ۱۲۲ شہری مقامی اداروں کی رہائش کو بہتری سہولتیں فراہم کرنے اور ترقیاتی کاموں میں لوگوں کی شرکت کو تحفظ بخشنے کے سلسلہ میں سنجیدگی سے سوچ رہی ہے۔ گذشتہ ایک سال کے دوران کوپرس کیمپ نوٹیفائڈ ایریا اتھارٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اور اسی دوران درگاپور نوٹیفائڈ ایریا اتھارٹی

کے درجہ کو ترقی دیکر ایک میونسپل کارپوریشن کی حیثیت بخشی گئی ہے میری حکومت دھوپ گوڑی، ڈالکھولا اور بنسکولا میں واقع شہری مقامی نئے ادارہ کی تشکیل پر غور کر رہی ہے۔ مقامی اداروں کو بہتر خدمات اور رہنمائی فراہم کرنے کو مد نظر رکھتے ہوئے میونسپل انجینئرنگ نظامت کو از سر نو منظم کیا گیا ہے۔

ریاستی شہری ترقیاتی ایجنسی شہری علاقوں میں غریبی ہٹاؤ پروگرام کی منصوبہ بندی اور اسکو روبہ عمل لانے کے سلسلہ میں ایک نہایت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ وزیر اعظم کی جامع شہری غریبی ہٹاؤ پروگرام کے تحت ۹۶۶۰۰ اشخاص کو ابتک اس کے زیر عمل لایا گیا ہے۔ انسانی فضلات کی صفائی کرنے والے ڈوم عرصہ دراز سے ہمارے سماج پر ایک بدنما شرمناک داغ رہتے چلے آرہے ہیں۔ میری حکومت نے اس شرمناک داغ کو پورے طور پر ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جامع کم خرچ صفائی پروگرام سے حکومت ہند کی جانب سے ملے مالی تعاون کے ذریعہ ابتک ۲۶۰۰۰ سینٹری پاخانے کی تعمیر کی جاچکی ہے اور اس کام میں ۹٫۴۲ کروڑ روپے کی لاگت آئی ہے۔ پروگرام ہذا کو روبہ عمل لانے کے نتیجہ میں تقریبا ۵۰۰۰ ڈوموں کو اس گندے کام سے مکتی دی گئی ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس سال کے اختتام تک تقریبا ۳۴۰۰۰ نئے پاخانوں کی تعمیر مکمل ہو جائے گی۔ چھوٹے اور متوسط قصبات پروگرام کی جامع ترقی کو ۱۶ قصبوں میں روبہ عمل لایا جارہا ہے اور مزید ۴ قصبوں کو اس پروگرام کے تحت لانے جانے کی توقع کی جاتی ہے۔ شہری علاقوں میں ٹیکس کے ڈھانچہ کو معقول بنانے کے تحت مغربی بنگال مرکزی جائزہ / محاسبہ بورڈ نے ۱۲۲ شہری مقامی اداروں کے ۸۳ قطعات اراضی و مکانات کے ابتک کا جائزہ لے لیا / کر لیا ہے۔

ٹریفک کی آرام دہ اور اطمینان بخش نقل و حرکت کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے کلکتہ میونسپل کارپوریشن نے فٹ پاتھوں پر ناجائز قبضہ ہٹانے اور ان پر تعمیر شدہ غیر قانونی ڈھانچوں کو توڑ ڈالنے اور کلکتہ کی اہم شاہراہوں سے سست رفتار گاڑیوں کو بھی ہٹانے کے سلسلہ میں کارروائیاں کی ہیں۔

میری حکومت کی جانب سے سیاحت کو ایک صنعت کی حیثیت سے تسلیم کئے جانے کا اعلانیہ سیاحت سکٹر کے لئے ایک سنگ میل کی اہمیت کا حامل ہے۔ میری حکومت نے سیاحت کو ایک صنعت کی حیثیت عطا کرنے کے لئے "مغربی بنگال سیاحت پالیسی برائے ۱۹۹۶ء" میں ایک رسمی طور پر ایک اعلانیہ جاری کیا تھا۔ مذکورہ اعلانیہ کے نتائج ہوٹلوں، تفریح گاہوں، گاڑیوں کو رکھنے

کی سہولت والے مسافر خانوں یا تری نواس جیسی سیاحت کی اکائیوں سے متعلق مغربی بنگال ترغیبی اسکیم (۱۹۹۳ء) کی توسیع کی شکل میں برآمد ہوئے ہیں۔ سیاحت کو بڑھاوا دینے کی غرض سے ریاستی حکومت نے کلکتہ میں خوراک اور سیاحتی میلہ اور بشنو پور میں بشنو پور میلہ کا انعقاد کیا تھا۔ حکومت نے بھی نئی دہلی میں منعقدہ ہند بین الاقوامی تجارتی میلہ، کلکتہ کے سفر و سیاحت میلہ اور کلکتہ میں منعقد ہونے والے دسویں صنعتی تجارتی میلہ میں شرکت کی تھی۔ موجودہ ٹورسٹ لاجوں کو چلانے اور فروغ دینے اور سیاحوں کو بہتر خدمات فراہم کرنے کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ شنکر پور، بانکوڑا، کرشنا نگر، جلپائی گوڑی وغیرہ میں نئے ٹورسٹ لاج تعمیر کئے جارہے ہیں۔

گذشتہ سال بدقسمتی سے ریاست کو تین مرحلوں میں سیلاب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پہلے مرحلہ کے دوران ۱۱ تا ۱۸ جولائی ۱۹۹۶ دارجلنگ کے شمالی بنگال کے اضلاع جلپائی گوڑی، کوچ بہار اور دکھن دیناجپور سیلاب سے متاثر ہوئے تھے۔ سیلاب کا دوسرا مرحلہ اگست ۱۹۹۶ء کے پہلے نصف کے دوران دامودر اور میوراکشی ندی نظام کے کیچمنٹ علاقوں میں زوردار بارش کے سبب ہوا تھا۔ مائتھن اور پنچت ڈیموں اور تل پاڑہ بیراج سے بڑی مقدار میں اخراج کے نتیجہ کے طور پر متعدد اضلاع میں زبردست تباہ کاریاں ظہور میں آئیں۔ مرشد آباد میں ۷ اشخاص ندیا اور ہگلی اضلاع میں ایک ایک شخص کی جانیں گئیں۔ تیسری بار سیلاب کے آنے کا سبب شمالی ریاستوں میں ایسی غیر متوقع بارش ہوئی جس نے بہت سارے مقامات پر گنگا کو چھلکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس سیلاب نے مالدہ اور مرشد آباد اضلاع میں زبردست تباہ کاری مچائی۔ مالدہ میں چار اشخاص کی جانیں گئیں۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے ضلع انتظامیہ اور پنچایت کے نمائندوں نے مشترکہ طور پر بچاؤ اور راحت کاری کا کام انجام دیا۔ متعدد سکٹروں میں ہونے والے نقصان کا تخمینہ ۱۸۱۴ کروڑ روپے کو پہنچتا ہے۔

دیہی غریبوں کے فائدہ کے لئے کام نہ ہونے کے دنوں میں بے زمین زرعی مزدوروں کو کم قیمت پر چاول کی تقسیم کی اسکیم ستمبر اور اکتوبر ۱۹۹۶ء کے دوران ۴ ہفتوں کے لئے چالو کی گئی تھی۔ اس اسکیم سے ۱۵ کروڑ بالغ اکائیاں مستفیض ہوئی تھیں۔ حکومت ہند کی جانب سے ملنے والا کراسن تیل کا مختص ہماری ضرورت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ اس لئے

مساوی پیمانہ پر کراسن تیل کی تقسیم کو پورے سال بھر تک یقینی نہیں بنایا جا سکا۔

اس امر کا تذکرہ کرنا یہاں لازمی ہے کہ حکومت ہند نے عوامی نظام تقسیم کے تحت غریب طبقوں کے لئے غذائی اجناس کی قیمت ۵۰ فیصد کم کرنے کی بابت ایک فیصلہ لیا ہے۔ حکومت ہند کے ساتھ مشورہ کے بعد میری حکومت اس نئی اسکیم کو روبہ عمل میں لانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

گذشتہ سال کے دوران مزدوروں کی صورت حال عموماً پر امن رہی ہے بہر کیف ۱۸۲ تالابندی کے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجہ کے طور پر ۴۶ء۸ ملین کام کے دنوں کا نقصان ہوا ہے حکومت ہذا نے اطمینان بخش طور پر سینما صنعت اور کولڈ اسٹوریج صنعت کی مانگوں کے چارٹر کو سلجھایا ہے۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۹۶ء کو سینما صنعت سے متعلق ایک سہ طرفہ سمجھوتہ پر دستخط ہوا تھا۔ اس سے ۹۰۰۰ کارکنان مستفیض ہوئے اور ۲۹ر نومبر ۱۹۹۶ء کو کولڈ اسٹوریج صنعت سے متعلق ایک سمجھوتہ پر دستخط ہوا تھا۔ اس سے تقریباً ۵۰۰۰ کارکنان مستفیض ہوئے تھے سال ہذا کے دوران ۴۳ کاٹیاں تالابندی کا شکار بنی رہیں اور ۸ بند کاٹیاں از سر نو کھل گئیں اور تقریباً ۸۸۰۰ کارکنان اس سے مستفیض ہوئے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ انجینئرنگ صنعت میں سہ رخی اجرت سمجھوتہ بھی جلد ہی پائے اختتام کو پہنچ جائے گا۔

مزدوروں کے مفاد کو تحفظ بخشنے کے لئے ۵ اقسام کی صنعتوں مثلاً رسّی بنانے، جوتا بنانے، نمک بنانے، گھنڈہ ظفرا اور پیتل صنعت اور انعطافی / سرکشن صنعت میں کم از کم اجرت مقرر کی گئی تھی۔ میری حکومت کو بہت زیادہ تشویش بچہ مزدوری کے مسئلہ پر ہے۔ قومی بچہ مزدوری پروجکٹ کے تحت ۷ اضلاع میں نہایت ضرر رساں پیشوں سے آزاد کرائے گئے ۷۵۰۰ بچہ مزدوروں کے لئے ۱۵۰ خصوصی اسکول کھولے گئے ہیں۔ ملازمین کی ریاستی بیمہ (طبی امداد) اسکیم کے ذریعہ بہتر خدمات کو پُر یقین بنانے کے لئے خصوصی انتظامات کئے گئے ہیں۔ تقریباً ۳۹ لاکھ مزدوروں کو فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

میری حکومت نے ۹۷-۱۹۹۶ء کے دوران متعدد خود روزگار پروگرام کے ذریعہ ۵ لاکھ بے روزگار نوجوانوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنے کا نشانہ بھی تیار کیا ہے۔ اس ریاست میں شہری اور نصف شہری علاقوں کے لئے خصوصی روزگار پروگرام کی ایک اسکیم بھی یکم ستمبر ۱۹۹۶ء سے چالو کی گئی ہے۔

سماج کے کمزور اور ہدف بننے والے طبقوں خصوصاً بچوں، عورتوں، بوڑھوں، جسمانی طور پر کمزوروں، معذوروں اور خانہ بدوشوں کی فلاح میری حکومت کا اول ترین مقصد رہا ہے۔ اس ریاست میں لاتعداد سماجی رفاہ اسکیموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

جامع بچہ فروغ خدمات اسکیم ایک بزرگ ترین اسکیم ہے اور گذشتہ سال کے دوران ۲۷۵ منظور شدہ پروجکٹوں میں سے ۲۰۳ زیر عمل ہیں۔ ان سے تقریباً ۲۴٫۵ لاکھ اشخاص مستفیض ہو رہے ہیں۔ مذکورہ اعداد و شمار میں ۶ سال کی عمر والے بچے، حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی مائیں شامل ہیں۔ خاندانی رفاہ، عوامی خواندگی پروگرام، دیہی ترقیاتی پروگرام، وغیرہ جیسے دیگر پروگراموں کی جانب سماجی رفاہ پروگراموں کو مائل کرنے کے سلسلہ میں اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔

کوئی بھی سماج فخر کے ساتھ ترقی و فروغ کا دعویٰ اس وقت تک نہیں کر سکتے ہیں جب تک ان کے دور میں خواتین ترقی کی دوڑ میں اوروں سے پیچھے ہیں خصوصاً عورتوں کے لئے اندرا مہیلا یوجنا اور مہیلا سمریدھی یوجنا جیسی اسکیموں کو ورک شاپ، بیدار خیموں کے ذریعہ اور مقامی ذریعہ ابلاغ کے توسط سے اشتہارات کے ذریعہ خاطر خواہ توجہ دی جا رہی ہے۔ معذوروں کی رفاہ پر بھی خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔

پناہ گزینوں کی رفاہ کی خاطر ۹۹۸ کالونیوں پر کام کرنے کے سلسلہ میں ایک بڑا فیصلہ لیا گیا تھا جن کو ابتک تسلیم نہیں کیا گیا ہے تاکہ پناہ گزینوں کی کالونیاں جو تمام تر ریاستی حکومت کی زمین پر واقع ہیں پناہ گزیں خاندانوں کو دستاویز ملکیت عطا کر کے خاندان ہذا کے حوالے نہیں کی جا سکی ہیں۔ علاوہ ازیں حکومت ہذا پناہ گزینوں کی کالونیوں میں ضروری لوازمات کو فروغ دینے کے اہم پروگرام کو بھی روبہ عمل لا رہی ہے اور پانی کی فراہمی، صفائی، زمین دوز نالوں اور سڑکوں پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔

ہماری ریاست میں ۲۳٫۶۲ فیصد آبادی شیڈولڈ کاسٹ کی ہے اور ۵٫۵۹ فیصد آبادی شیڈولڈ ٹرائب کی ہے۔ میری حکومت ان کے رفاہی سرگرمیوں جو وظیفہ کی منظوری، ہوسٹل اور گذر بسر کے اخراجات، کتابوں کے سلسلہ میں عطیات وغیرہ کے ذریعہ طلباء فرقہ کی رفاہ پر مشتمل ہے، میں مشغول ہے۔ میری حکومت زراعت، مویشی پروری، ماہی پروری،

چھوٹے پیمانے کی صنعتوں وغیرہ میں مالی تعاون کے ذریعہ محتاج اور معاشی طور پر کمزور شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب خاندانوں کی رفاہ کے کام بھی کر رہا ہے۔ مختلف زبانوں اور بولیوں کو فروغ دینے کی غرض سے مقامی قبائلی زبانوں میں ڈرامے کے اور ثقافتی مقابلے کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ مغربی بنگال کمیشن برائے پست طبقات کی سفارشوں پر میری حکومت نے اب تک ۴۴ طبقات کو بطور دیگر پست طبقات تسلیم کیا ہے اور ریاستی حکومت کے تحت براہ راست تقرری پانے والے ۵ فیصد خالی جگہوں کو ان کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

ہماری ریاست ان چند ریاستوں میں سے ایک ہے جس نے یکم جنوری ۱۹۹۷ء سے وقف ایکٹ برائے ۱۹۹۵ء کو روبہ عمل لایا ہے۔ مغربی بنگال وقف بورڈ نے ایکٹ ہذا کے تحت تشکیل پاکر کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ میری حکومت نے ایک تحقیقی کمیشن قائم کی ہے۔ کمیشن ہذا کا چیئرمین کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک نشستہ جج جناب جسٹس گیتیش رنجن بھٹا چارجی کو بنایا گیا ہے۔ جج ہذا اس ریاست کی سابق وقف بورڈوں سے متعلق امور اور وقف جائدادوں کی جانچ پڑتال کریں گے۔ اوقاف اور وقف جائدادوں سے متعلق جھگڑوں کو سلجھانے کے لئے ایک وقف ٹربیونل (یعنی عدالت) کی تشکیل بھی میری حکومت کے زیر غور ہے۔ میری حکومت مذہبی اور لسانی اقلیتوں کی رفاہ کا خاص خیال رکھتی ہے لہٰذا ایک علیحدہ شعبہ بنام شعبۂ برائے اقلیتی فروغ و رفاہ کی تشکیل کی گئی۔ شعبہ ہذا نہ صرف اقلیتوں کے مسائل پر غور و خوض کرے گا بلکہ ان کی رفاہ کے لئے ترقیاتی پروگراموں کو تشکیل و ترتیب بھی دیگا اور پروگرام ہذا کو روبہ عمل بھی لائے گا۔ صرف بنگال کے ہی نہیں بلکہ پڑوسی ریاستوں کے عازمین حج کے ٹھہرنے اور ان کی نقل و حرکت میں آسانیاں پیدا کرنے اور سہولتیں فراہم کرنے کیلئے ایک حج ہاؤس (بیت الحجاج) تعمیر کی گئی ہے۔

عام لوگوں تک قانون اور انصاف کی سہولتوں کو یکسانی اور بحسن و خوبی پہنچانے کیلئے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اور سیشن ججوں پر مشتمل چند مزید عدالتیں بھی مختلف مقامات پر قائم کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں اضلاع میں بے شمار لوک عدالتیں بھی قائم کی گئی ہیں اور عوام نے بڑے ہی جوش کے ساتھ فوراً اپنے مسائل کے سلسلہ میں عدالت ہذا سے رجوع کیا ہے موٹر گاڑیوں کے حادثوں اور ازدواجی تنازعوں کے بے شمار معاملے ان لوک عدالتوں میں سلجھائے گئے ہیں۔

شمالی بنگال میں کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک سرکٹ بنچ قائم کرنے کی راہ میں آنیوالی قانونی رکاوٹوں پر غلبہ پالیا گیا ہے۔ معاملہ ہذا معزز ہائی کورٹ کے ہاتھ میں ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ بہت جلد ہی شمالی بنگال میں مذکورہ سرکٹ بنچ کا قیام عمل میں آجائے گا۔ میری حکومت اس کوشش میں بھی لگی ہوئی ہے کہ سپریم کورٹ کے ایک بنچ کا قیام بھی مشرقی / شمال مشرقی علاقہ میں کسی مقام پر عمل میں لایا جائے۔ اس سلسلہ میں ایک کنونشن / نشست کا انعقاد بھی گزشتہ سال ۱۴ اکتوبر کو کلکتہ میں ریاستی حکومت کی ایماء پر کیا گیا تھا۔ جنوبی ۲۴ پرگنہ، بانکوڑا، جلپائی گوڑی، بیر بھوم، بردوان، ہگلی اور مالدہ کے اضلاع میں بنگلہ زبان کو بحیثیت عدالتی زبان چالو کرنے کی پالیسی کو روبہ عمل لایا جا چکا ہے۔

میں نے اپنی حکومت کی کارکردگی کے چند بڑی بڑی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ معزز اراکین میری حکومت کی پیش کردہ تجاویز پر سیر حاصل بحث و مباحثہ کے موقع کا بھرپور استفادہ کریں گے۔ میں آپ کی کامرانی و کامیابی کا خواہاں ہوں۔ ــــ جے ہند ■

مغربی بنگال کے آئی آر ای پی بلاکوں کیلئے بائیو۔گیس پلانٹس

ریاستی حکومت مغربی بنگال نے آئی آر ای پی (جامع دیہی روزگار پروگرام) بلاکوں میں بائیو۔گیس پلانٹس قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے موجودہ مالی سال کے دوران شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی کی جانب سے ۲۰۳۰۰۰۰۰ روپے کی رقم منظور کی ہے کل رقم میں سے ۱۵۸۵۰۰۰ روپے سلی گوڑی کے ضلع صنعتی مراکز کے جنرل منیجروں کے پاس رکھے گئے۔ ۴۴۵۰۰۰ روپے کی باقی رقم بانکوڑہ۔ مرشد آباد، شمالی ۲۴ پرگنہ۔ کوچ بہار۔ اتر دیناجپور اور ضلع جلپائی گوڑی کے آئی آر ای پی بلاکوں کے لئے مختص کر دی گئی ہے۔ مرکزی اور ریاستی سبسڈی سے زائد تعمیری لاگت ذاتی طور پر مستفید ہونیوالے برداشت کریں گے ■

وزیراعلیٰ نے کمرہٹی میں انڈین فوئیلس پلانٹ کا افتتاح کیا

ہم نے مرکزی حکومت کو ایک صحیح سمت عطا کرنے کیلئے عام کم از کم ضرورت" پروگرام کی بنیاد پر تشکیل شدہ اسٹیرنگ کمیٹی میں حصہ لیا۔ مرکزی موجودہ متحدہ محاذ حکومت کو بہتر طور پر کام کاج کرنے کیلئے اسکی ضرورت ہے لیکن اسٹیرنگ کمیٹی میں شرکت مرکز کے تمام فیصلوں کی منظوری کی ضمانت نہیں دیتی ہے۔ ہم نے مرکز کے ہر غلط فیصلہ کی مخالفت کی ہے۔ یہ باتیں وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۵ مارچ کو کمرہٹی میں انڈین فوئیلس کے ۳۰۰ کروڑ روپئے کی لاگت پر مبنی توسیع مع تجدیدی پروجکٹ کا افتتاح کرتے ہوئے کہیں۔

وزیراعلیٰ موصوف نے مزید بتایا کہ گذشتہ برسوں سے مرکزی حکومت کی مسلسل لاپرواہی اور امتیازی برتاؤ کی وجہ سے مغربی بنگال میں متعدد صنعتیں بیمار پڑ گئی ہیں۔ ان میں زیادہ تر صنعتیں عوامی سیکٹر اکائیاں ہیں۔ ریاستی حکومت گذشتہ کئی برسوں سے مرکز کو حالات سے آگاہ کیا ہے لیکن کچھ نہیں ہوا۔ انھوں نے کہا کہ ریاستی حکومت کے بلئے یہ ممکن نہیں ہے کہ بیمار صنعتوں کے احیائے نو کے لئے حسب ضرورت اسے کافی فنڈ کا انتظام کرے۔ انھوں نے صنعت کاروں سے درخواست کی کہ وہ سامنے آئیں اور بیمار صنعتوں کے لئے سرمایہ اور انتظامی قابلیت دونوں کو بروئے کار لائیں۔ شری باسو نے بتایا کہ ریاستی حکومت اس کے دوش بدوش مشترکہ سیکٹر ادارے قائم کرنے کے لئے حتی الامکان کوشش کر رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے محنت کش عوام کے مفاد کو نقصان پہنچائے بغیر موجود یونٹوں کی جدت کاری پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ اسٹیرنگ کمیٹی کو یہ دیکھنے کی درخواست کی گئی ہے کہ کوئی بھی عوامی سیکٹر یونٹ بند نہ ہو۔ یہاں جدت کاری کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے طریق کار بھی ہونا چاہئے۔ انھوں نے نجی سکٹر صنعتوں صنعتوں سے درخواست کی کہ وہ ایسی صنعتوں کا انتخاب کریں جس میں زیادہ روزگار کے مواقع ہوں۔

شری باسو نے بتایا کہ ان کی حکومت گلوبلائزیشن کے خلاف نہیں ہے لیکن نشانہ ہمیشہ خود کفالت کے لئے ہونا ضروری ہے۔ ہمارے سائنسی اور تکنیکی علم کو وقت سے ہم آہنگ بنانے کی خاطر ضروری تحقیقات کو جاری رکھنے کے لئے مناسب مالی اور لازمی سہولتوں کی توسیع کرنی چاہئے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں صنعت کار اس طرح کی ذمہ داری خود لیتے ہیں لیکن ہندوستان میں صورتحال دگرگوں ہے۔ اگر کام کاج کا یہ سلسلہ غیر معینہ مدت تک جاری رہا تو ہم ترقی یافتہ ملکوں کے ساتھ مسابقت کے لائق نہیں رہیں گے۔ سابقہ مرکزی حکومت کی غلط معاشی پالیسی نے نہ صرف ہماری خود مختاری کو خطرے میں ڈال دیا بلکہ اس نے عام لوگوں کے مفادات کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ اس پالیسی سے صرف ۵ افیصد آبادی مستفید ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جو بھی ہو موجودہ مرکزی حکومت نے ریاست کے مفادات پر غور کرنے کا وعدہ کیا ہے اور ہم بہترین مستقبل کی امید کر سکتے ہیں۔ وزیراعلیٰ نے امید ظاہر کی کہ مغربی بنگال جس نے اعلیٰ زرعی پیداوار کے لئے نمایاں مقام حاصل کیا ہے، جلد ہندوستان کی صنعت کار ریاستوں میں اعزازی مقام حاصل کر لے گا۔ اس موقع پر وزیر صنعت و تجارت شری بدّوت گانگولی، وزیر محنت شری شانتی گھٹک اور انڈین فوئیلس کے چیئرمین شری پی۔ ایم کھیتان نے بھی اس پروجکٹ سے متعلق اظہار خیال کیا۔

اس تقریب کی صدارت کرتے ہوئے شری بی۔ ایم کھیتان نے بتایا کہ کمرہٹی کے اس پلانٹ کو جدید ترین جرمنی ٹکنالوجی سے آراستہ کیا جائے گا۔ ■

دولت مشترکہ پارلیمانی ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام

لوک سبھا اور ریاستی مجالس قانون ساز اسمبلی میں خواتین کی نمائندگی پر سیمینار

دولت مشترکہ پارلیمانی ایسوسی ایشن (خواتین کی پارلیمانی جماعت) مغربی بنگال شاخ کے زیر اہتمام مغربی بنگال اسمبلی میں گزشتہ ۱۱ مارچ تا ۱۲ مارچ ۹۷ء کو پارلیمنٹ اور ریاستی مجالس قانون ساز میں خواتین کی نمائندگی پر ایک دو روزہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کا افتتاح مغربی بنگال اسمبلی کے اسپیکر جناب ہاشم عبدالحلیم نے اپنی تقریر سے کیا۔ اس سیمینار کی بحث میں بہار اور اڑیسہ کے نمائندہ چندرا کمی اور بجمنے لکمی سیاہ کے علاوہ مغربی بنگال سے ممبران پارلیمنٹ، سابق ممبران پارلیمنٹ، ممبران قانون ساز اسمبلی، وزراء و دیگر اہم شخصیتوں نے حصہ لیا۔ مقررین میں وزیر پارلیمانی امور شری پربود ھ سنہا، وزیر شریمتی چھایا بیرا، مغربی بنگال اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر شری اتیش سنہا، ایم پی شریمتی گیتا مکھرجی، سابق ایم پی شری ککک مکھرجی، سرکاری چیف وہپ روبن ناتھ منڈل، ڈپٹی اسپیکر شری انیل مکھرجی، سابق ایم پی شریمتی سرلا مہشوری، ایم پی کرشنا بوس، ایم پی دیبی پرشاد پال، مہیلا سمیتی کی شری منجوری گپتا اور شریمتی تشیالی گپتا، ایم ایل اے کم کم چکرورتی، شری پرنند سین گپتا، ایم ایل اے شری رام جیم ماجھی، شری مایا رانی پال، ایم ایل اے شری روبن دے، ایم ایل اے شری نندا رانی دل اور دیگر اہم شخصیتوں نے لوک سبھا اور مجلس قانون ساز اسمبلی میں خواتین کی نمائندگی پر اظہار خیال کیا۔ بیشتر مقررین نے ۳۳ فیصد ریزرویشن کی تجویز کی حمایت میں تقریریں کیں۔ شریمتی شیالی گپتا نے تمام بحث و مباحثہ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ۳۳ فیصد ریزرویشن کے سلسلے کی حمایت میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں نامزد ایم ایل اے شریمتی روز میری البرٹ نے خواتین کی ریزرویشن پر مجوزہ قرارداد پڑھ کر سنایا جسے سبھوں نے منظور کیا۔ لوک سبھا اور ریاستی مجالس قانون ساز میں خواتین کے ریزرویشن پر ایک قرارداد کا متن درج ذیل ہے:

قرارداد :- **غور کرتی ہے** ... کہ خواتین کو دستور ہند میں مردوں کے ساتھ مساوی طور پر سیاسی حقوق دیئے گئے ہیں اور کہ ہندوستان ان بین الاقوامی کنونشنوں میں ایک فریق معاہدہ رہتا چلا آیا ہے جو خواتین کے خلاف ہر قسم کے ناروا امتیاز کو دور کرنے (سی ای ڈی اے ڈبلیو ۱۹۷۹ء) کے لئے وقتاً فوقتاً منعقد کیا جاتا رہا ہے اور اس طرح مساوی سیاسی حقوق کی تکمیل کی بحالی کے لئے تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کا پابند ہے۔

یاد کرتی ہے ... کہ ہندوستانی آبادی میں تقریباً ۵۰ فیصد ہونے کے باوجود، خواتین ملک کی معاشی اور سماجی زندگی میں ایک نہایت ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں اکثر انکی خدمات کو تسلیم نہیں کیا جانے کے باوجود یہ کہ سامراجیت مخالف جدوجہد نیز دیگر جمہوری تحریکوں میں خواتین کی شمولیت اکثر و بیشتر کافی اہم اور قابل قدر رہی ہے۔ **افسوسناک بتاتی ہے** ... کہ ایسی شمولیت کے باوجود خواتین کی ایک کثیر تعداد کی سماجی اور معاشی حیثیت میں ابتک نمایاں طور پر بہتری نہیں آئی ہے اور انکی مذکورہ حیثیت پر بھی زمانہ حال کے دوران جمہوری اصولوں میں گراوٹ اور کٹوتی کے باعث نئے حملوں کا شکار بن رہی ہے۔

مزید افسوسناک بتاتی ہے ... کہ دستور ہند کی جانب سے عطا کردہ مساوی سیاسی حقوق کے باوجود لوک سبھا اور ریاستی قانون ساز مجلسوں میں خواتین کی نمائندگی غیر متناسب طور پر نہایت ہی کم رہی ہے اور ۵۰ برسوں کے دوران انکی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا ہے اور کہ جمہوری اصولوں میں کٹوتی کے ساتھ ساتھ منفی طور پر مذکورہ ریزرویشن میں دن بدن مزید کمی واقع ہو رہی ہے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم لوک سبھا اور ریاستی مجالس قانون ساز اسمبلی میں عورتوں کے لئے ۳۳٪ فیصد ریزرویشن کے لئے، ہماری جمہوریت کی توسیع کے لئے، دن دونی رات چوگنی ترقی کے ذریعہ اور خواتین کی خود مختاری کی جانب ایک قدم کے طور پر ۲۱ ویں صدی میں پیش قدمی کے پیش نظر ہمارے ملک کی مدد کیلئے دستور میں ترمیم کی تجویز کی پوری حمایت کریں گے۔ ہم لوگ مزید یہ عہد کرتے ہیں کہ تمام سطح پر سیاست میں خواتین کی براہ راست شرکت کی سہولت کو یقینی بنانے کے مثبت اقدامات کیلئے کوشش کریں گے اور اس مقصد کیلئے ہم لوگ لوک سبھا سے یہ گذارش کرنے کا عہد کرتے ہیں کہ وہ کسی مزید تاخیر کے بغیر دستوری (۸۱ ویں ترمیم) بل پاس کر دے۔ ■■

حسرت موہانیؒ

مجاہد آزادی اور بلند پایہ شاعر

کے حالات



ہندوستان کی جنگ آزادی کی تحریک میں مولانا حسرت موہانی کا مقام اور مرتبہ نہ صرف اہم ہے بلکہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ تحریک آزادی کے ہر موڑ پر ان کی شخصیت کی چھاپ ہے۔ ان کی سیاست ان کی شاعری کی طرح پاک تھی۔ سالوں جیل میں رہے چکیاں پیسیں۔ حکومت برطانیہ کے مظالم برداشت کئے لیکن انھوں نے کبھی سر نہیں جھکایا۔ مکمل آزادی کے نصب العین کو نہیں چھوڑا۔ ان کی خودداری اور جرأت رندانہ کے سبھی قائل تھے۔ ان کی حب الوطنی اور انسان دوستی بے مثال تھی تیرہ مجموعۂ کلام شائع کئے۔ ان کی ۷۷۰ غزلوں میں تقریباً آدھی علی گڑھ، الہ آباد، نینی تال، جھانسی اور للت پور کی جیلوں میں لکھی گئی تھیں۔ ان کی غزلوں میں سوداؔ، مومنؔ اور دیا شنکر نسیمؔ کا رنگ ہے۔

حسرت موہانی نے اردو غزل کو اس وقت سنبھالا جب اس کے زوال کے دن تھے۔ حسرت نے غزل کو نام دیا۔ جب بڑے شاعروں نے غزل کو سہارا دیا۔ جہاں غزل کے آخری کلاسیکل شاعر جیسا موہانی و جدید اردو غزل کے بانی بھی ہیں....

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

ان کے مجموعی اشعار تقریباً ۷۰۰۰ ہیں۔ حسرت کی شاعری کی خوبی یہ ہے کہ یہ سیاسی شاعری نہیں ہے۔ انھوں نے سیاست اور ادب کو ہمیشہ علیحدہ علیحدہ رکھا۔ غزل کو غزل رکھا بلکہ اس میں نکھار پیدا کیا، لہٰذا ان کے اشعار میں ایک مخصوص ہولی کیفیت ہے۔ ان کے بکھرے ہوئے اشعار دریا کی لہروں کی مانند ہیں۔ ان میں بلا کا لوچ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب کہ غزل ہچکیاں لے رہی ہے حسرت کی شاعری مقبول ہے کیونکہ ان کی غزل صاف ستھری ہے اور غزل کو انہوں نے صرف انسانی جذبات کو بیان کرنے کے مقصد سے نکھا اور فروغ دیا ہے۔

حسرت موہانی ایک اعلیٰ مفکر اور صحافی تھے " اردوئے معلی " نام کے ایک اخبار کے مدیر تھے حکومت برطانیہ کی پالیسی کے خلاف ایک مضمون لکھنے اور چھاپنے کے جرم میں ڈیڑھ سال قید بامشقت اور پانچ سو روپیہ جرمانہ ہوا۔ رقم کی ادائیگی کے لئے انہوں نے اپنی بیش بہا کتابیں نیلام کر دیں لیکن صرف ساٹھ روپئے وصول ہوئے۔ دوسری بار جب برٹش سرکار کے سپرنٹنڈنٹ پولیس علی گڑھ نے حسرت موہانی کے گھر رات کے دو بجے دستک دی تو انھیں تین ہزار روپئے جرمانہ ادا کرنے کا نوٹس دیا گیا۔ یہ بھی حکم ہوا کہ اگر جرمانہ کی رقم نہ ادا کی گئی تو پریس ضبط کر لیا جائے گا۔ ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں حسرت اپنے اداریہ میں لکھتے ہیں۔

" چونکہ اردو پریس کی کل کائنات ایک لکڑی کے تختے اور دو پتھروں پر مشتمل ہے جس کی مجموعی قیمت پچاس روپئے سے زیادہ نہیں اس لئے حکومت کا نوٹس مضحکہ خیز ہے اور کینہ پروری کی حد تک پہنچ گیا ہے لہٰذا " اردوئے معلی " کی اشاعت ۱۹ مئی سے بند کی جائے گی "

مولانا ابوالکلام آزاد نے " الہلال " میں حکومت کے اس فیصلے کو یوں بیان کیا ہے۔

" تین ہزار روپئے کی ضمانت پریس ایکٹ کی مقدار مقررہ کے اندر ضرور ہے لیکن عموماً پانچ سو یا ایک ہزار سے زیادہ طلب نہیں کی جاتی ہے اور صرف ایک دو مثالیں دو ہزار کی ملتی ہیں۔ گورنمنٹ اس سے بے خبر نہیں کہ اردو پریس اور اس کے مالک کی حالت کیا ہے.... کہ خود مالک پریس اور دو چار مہتمم بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خود اس نے

لہٰذا انھوں نے اردوئے معلیٰ کو پیدا کیا، لکھتے ہیں اور خود ہی پتھروں پر چھاپتے ہیں۔ یہ کل کائنات اردو پریس اور اس کے مالک کی ہے۔ کوئی دوسرا ذریعہ کمانے کا نہیں اور دوسرا اس کی طبع غیور کسی کا مرہونِ احسان ہونا پسند کرتی ہے۔ "اردوئے معلیٰ کے دو چار سو خریدار ہیں۔ اس کی قیمت سے شاید ۵ روپے مہینہ میں بچ رہتے ہوں گے اس سے وہ وقت کی روٹی کھا کر نغمۂ آزادی کی بے خودی اور دولت اور استقلال اور صداقت کے نشۂ خیر خیال سے مست رہتا ہے.... ان حالات کے ساتھ ایک فقیر زندگی شخص سے تین ہزار کی ضمانت طلب کرنا یقیناً ایک واقعہ ہے جو برٹش انڈیا کی تاریخ اور گورنمنٹ کے اظہارِ سطوت و جلال کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا...."

رسالے کے بند ہونے پر حسرت کا ذریعہ معاش جاتا رہا لیکن اس خوددار انسان کا سر کسی کے آگے جھکا ہوا نہیں دیکھا۔ سودیشی اسٹور کھولا اور باعزت روزی کمانے کی کوشش کی۔ اکبر الہ آبادی اور مولانا شبلی کے طنزیہ بیانات اور اشعار چھپتے لیکن حسرت اپنے سودیشی اسٹور میں مگن تھے۔ بقول شبلی: "تم آدمی ہو یا جن، پہلے شاعر تھے پھر پالیٹیشن بنے اور اب بنئے ہو۔"

تاریخ گواہ ہے کہ یہ وہی بنیا تھا جو ۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں پہلا احتجاج کیا اور یہی وہ سید الاحرار تھا جس نے ۱۹۱۷ء میں مسلم لیگ کے آگرہ اجلاس میں اسی مسجد کے بارے میں وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ کے شکریہ کے ریزولیوشن کی مخالفت کی۔

پہلی عالمی جنگ کے دوران حسرت موہانی کی خانہ تلاشی ہوئی اس کے بعد نظر بندی کا حکم صادر ہوا۔ باغی طبیعت حسرت نے اس کی مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۱۶ء میں للت پور جیل میں حسرت موہانی پھر قید ہوئے۔ حکومت کی طرف سے جو وجہ بتائی گئی وہ تھی غیر ملک سے تعلقات۔ محکمہ سراغرسانی کی خفیہ خبروں کے مطابق حسرت موہانی اور مولانا آزاد کو کابل جانے کا دعوت نامہ افغانستان کی عارضی حکومت کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ احباب کرام نے حسرت کو مشورہ دیا تھا کہ وہ نظر بندی قبول کر لیں۔ اصولاً جیسے حسرت نے نظر بندی کے ستم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ للت پور سے اپنے ایک رفیق کو ۱۸ مئی ۱۹۱۶ء کی ایک چٹھی میں لکھتے ہیں کہ "میں نظر بندی کو منظور کر کے جبر و ستم کے سامنے عاجزی اور لاچاری کے ساتھ سر جھکا دینے کی ناقابل برداشت ذلت کو گوارا نہیں کر سکتا۔"

جلیانوالہ باغ کی خونی بیساکھی ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کے بعد پنجاب کے سیاسی حالات حکومت کے لئے خطرناک صورت اختیار کر گئے تھے یہی وجہ تھی کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر میں رکھے گئے۔ مہاتما گاندھی اور حسرت موہانی نے ان دونوں اجلاسوں میں شرکت کی۔ یہ وہ دن تھے جب قومی رہنما کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس میں بلا تفریق شرکت کیا کرتے تھے۔ حسرت موہانی نے اس جلسے میں اپنی وہ تجویز پیش کی جو کہ جلسے میں پیش کئے گئے ریزولیوشن کی ترمیم تھی کہ ہندوستانی افواج کو نو آبادیاتی اور غیر اسلامی مقاصد کے لئے ہندوستان سے باہر استعمال نہ کیا جائے۔ مہاتما گاندھی کے مشورے پر مسلمانوں کے ایک وفد نے ۱۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔ حسرت موہانی اس وفد میں شریک تھے۔ سوامی شردھانند اور گاندھی جی بھی تھے۔ وفد کے ممبران کی کل تعداد ۳۵ تھی جن میں ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر انصاری، علی برادران، حکیم اجمل خاں بھی تھے جب وائسرائے سے ملاقات کا وقت آیا تو حسرت وہاں سے غائب تھے۔ شہید بھگت سنگھ جب لاہور سے کانپور آئے تو انھیں حسرت موہانی کی شخصیت نے بہت متاثر کیا۔ ان کے ساتھ ان کی طویل بات چیت ہوا کرتی تھی۔ بھگت سنگھ نے کانپور میں ایک دم پارٹی قائم کی لیکن جب بھگت سنگھ کے والد سردار کشن سنگھ نے حسرت موہانی کو خط لکھا کہ بھگت سنگھ کو ہدایت کریں کہ وہ جلد از جلد لاہور واپس آئے کیونکہ اس کی دادی سخت بیمار ہے۔ دراصل بات یہ تھی کہ اس کے والد بھگت سنگھ کی شادی کرنا چاہتے تھے جس کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ حسرت موہانی نے نوجوان انقلابی کو یقین دلایا کہ لاہور واپس چلا جائے اس کی شادی غلام ہندوستان میں نہیں ہوگی۔ کانپور چھوڑتے وقت بھگت سنگھ کی آنکھوں میں آنسو تھے کیونکہ وہ حسرت موہانی کی قیادت میں کچھ وقت اور گزارنا چاہتے تھے۔

۱۹۲۱ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس احمد آباد میں ہوئے یہاں بھی حسرت موہانی نے تجویز پیش کی کہ یکم جنوری ۱۹۲۲ء کو ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے۔ حسرت موہانی کا خطبۂ صدارت ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس تاریخی خطبے کا لب لباب یہ تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے مقاصد اور نصب العین ایک ہی ہیں۔ پہلے آزادی حاصل کر لینی چاہئے بعد میں اقلیتوں کی حفاظت اور حقوق کی باتیں ہو سکتی ہیں۔ حقوق کی حفاظت اپنا گھریلو معاملہ ہے۔ خطبۂ صدارت میں انھوں نے یونائیٹڈ اسٹیٹس آف انڈیا کے قیام کا اعلان کیا۔ حسرت موہانی اپنے وقت سے بہت آگے تھے ان کی فکری وسعت بہت بلند تھی۔

خطبۂ صدارت حکومت نے ضبط کر لیا اور ۱۳ اپریل ۱۹۲۲ء کو حسرت ایک بار اور گرفتار ہوئے۔ اس بار انھیں دو سال کی قید ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں رہائی کے بعد پہلی آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس جو کانپور میں ہوئی مولانا حسرت موہانی اس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے۔ اپنے صدارتی خطبے میں حسرت فرماتے ہیں۔

"ہمارے بعض مسلمان لیڈر بلاوجہ کمیونزم کو اسلام کے خلاف بتاتے ہیں حالانکہ حقیقت بالکل اس کے خلاف ہے۔ خدا گواہ ہے کہ سرمایہ داری کے خلاف تو اسلام کا فیصلہ شاید کمیونسٹ عقیدے سے بھی زیادہ سخت ہے۔"

۱۹۳۶ء میں حسرت مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ حسرت جیسی ہستیوں کی وجہ سے مسلم لیگ نے عوامی رنگ اختیار کیا ورنہ مسلم لیگ تو زمینداروں اور جاگیرداروں کی پارٹی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر دستور ساز اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد بھی حسرت ہندوستان میں رہے۔ آزاد ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر چنے گئے لیکن وہی قلندرانہ انداز، وہی فقیرانہ رنگ، وہی تھرڈ کلاس کا سفر، وہی پرانی چپل، وہی گٹھری، قیام کبھی دفتر خلافت میں کبھی مسجد کے حجرے میں، وہی جرات اور وہی جرات رندانہ۔

۱۵ اگست کی شب جمہوریت کی شری سی راج گوپال آچاریہ کی طرف سے دی گئی دعوت میں شرکت نہ کرسکے کیونکہ ان کے پاس نہ گھوڑا تھا، نہ گاڑی تھی، نہ موٹر تھی نہ سائیکل لہٰذا وہ راشٹرپتی بھون پہنچے تو دعوت ختم ہو چکی تھی۔ تیرہ بار حج کیا۔ حج ٹیکس کے سلسلے میں سعودی عرب حکومت کی ہمنوائی نہ کرسکے۔ خدا کی بارگاہ میں کیسا ٹیکس... سعودی عرب حکومت کو ٹیکس معاف کرنا پڑا۔

۱۹۳۸ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے قاہرہ میں منعقدہ فلسطینی کانفرنس میں نمائندگی کی۔ ۱۹۳۹ء میں دمشق اور برطانیہ کا سفر کیا۔ دیوانہ ہونے اور دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کی وجہ سے کئی ممالک میں گرفتار ہوئے لیکن اپنے عزم میں ہمیشہ کامیاب رہے۔ ایک دفعہ جہاز نہ ملنے پر سمندر میں تیر کر جانے کے فیصلے پر تمام احباب حیران رہ گئے لیکن جہاز میں ایک سیٹ مل گئی۔ کئی بار حاجیوں کے قافلوں میں پیدل شامل ہو گئے۔ ڈاکٹر یوسف حسین اپنی کتاب "حسرت کی شاعری" میں لکھتے ہیں۔

"آج دیار سیاست میں حسرت کا نام لینے والا کوئی نہیں لیکن جتنا زمانہ گزرے گا ان کے شعر و ادب کی قدر افزائی ہوگی۔ ایک اعلیٰ درجے کے آرٹسٹ کی حیثیت سے حسرت کا نام اردو بولنے والوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

حسرت موہانی ایک فرد کا نام نہیں بلکہ ایک اصول کا نام ہے مشترکہ کلچر کے حامی، قومی یکجہتی کے علمبردار حسرت موہانی جیسی شخصیت ہزاروں سال میں پیدا ہوتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا (الف آر حسین)

حسرت موہانی ایک نظر میں

نام : سید فضل الحسن
قلمی نام : حسرت موہانی
ولادت : موہان، ۱۸۷۸ء
وفات : ۱۳ مئی، ۱۹۵۱ء
والد : سید اظہر حسن
والدہ : شہربانو بیگم بنت نیاز حسن
جد امجد : سید مہر الحسن
تعلیم : ابتدائی تعلیم موہان کے میاں جی غلام علی کے مکتب میں ہوئی ۱۸۹۴ء میں موہان مڈل اسکول سے مڈل کا امتحان پاس کیا
● ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول فتحپور سے ہائی اسکول کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔
● ۱۹۰۱ء میں علی گڑھ میں بی اے کیلئے داخلہ لیا۔
● ۱۹۰۳ء میں پرائیویٹ سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔

سیاست : سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۰۰ء میں علی گڑھ کے طالب علمی کے دوران ہوا۔ ● ۱۹۰۴ء میں انڈین نیشنل کانفرنس بمبئی میں ڈیلیگیٹ ہوئے۔ ● ۱۹۲۰ء میں کانگریس چھوڑ دیا۔ ● ۱۹۲۵ء میں کمیونسٹ تحریک سے قریب ہوئے۔ اسی سال کانپور میں آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کے انعقاد میں اہم رول ادا کیا اور اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر ہوئے۔
● ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی اور ہندوستان کے دستور ساز اسمبلی کے رکن ہوئے۔

قید و بند : ● ۱۹۰۸ء میں انگریز مخالف مضمون لکھنے کے جرم میں ۲ سال قید بامشقت ہوئی۔
● ۱۹۱۰ء میں رہائی ہوئی۔ سودیشی تحریک میں شامل ہونے کیلئے ۱۹۱۴ء میں للت پور جیل میں قید ہوئے۔ ۱۰ اپریل ۱۹۲۲ء کو تیسری بار قید بامشقت ہوئی۔

اخبار و رسائل : اردوئے معلی جولائی ۱۹۰۳ء، تذکرۃ الشعراء اور روزنامہ مستقبل (۳ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

غزلیں

حسرت موہانی

ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
محبت میں بتا اے ضبطِ غم ایسا بھی ہوتا ہے
بھلا دیتی ہیں سب رنج و الم حیرانیاں میری
تری تمکینِ بیحد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے
جفائے یار کے شکوے نہ کر اے رنجِ ناکامی
امید و یاس دونوں ہوں بہم ایسا بھی ہوتا ہے
مرے پاسِ وفا کی بدگمانی ہے بجا تم سے
کہیں بے وجہ اظہارِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
تری دلداریوں سے صورتِ بیگانگی نکلی
خوشی ایسی بھی ہوتی ہے الم ایسا بھی ہوتا ہے
وفا کا صبر کھویا گریہ ہائے بے قراری نے
کہیں اے اعتبارِ چشمِ نم ایسا بھی ہوتا ہے
بدعوائے وفا کیوں شکوۂ سنجِ جور ہے حسرت
دیارِ شوق میں اے محوِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

کون اس نگہ ناز کے قابو میں نہیں ہے
پھر دل کی خطا کیا ہے جو پہلو میں نہیں ہے
دلہائے پریشاں کی ہے رونق ترے غم سے
اس نور کی جا خاطرِ یکسو میں نہیں ہے
تاثیر ہے اس جلوۂ یکتا کی نمایاں
رنگینیٔ خونناب سے آنسو میں نہیں ہے
حیف اس قدمِ شوق کی بے راہ روی پر
جو اس گلِ رعنا کی تگاپو میں نہیں ہے
رعنائی و زیبائی وہ محبوبی و خوبی
کیا بات ہے جو اس قدِ دلجو میں نہیں ہے
آجائے جو اندازۂ اربابِ نظر میں
ایسی تو ضیا اس رخِ نیکو میں نہیں ہے
ہے کون سی ایسی وہ ادا دل شکری کی!
پنہاں جو ترے گوشۂ ابرو میں نہیں ہے
پھر اور کہاں ہے دلِ گم گشتۂ حسرت
آخر جو ترے طرۂ گیسو میں نہیں ہے

آزادی کے بعد ڈاک سروسز کی پیش رفت

ایس۔ سی۔ دتہ

اب جبکہ ہم آزادی کی پچاسویں سالگرہ کی طرف بڑھ رہے ہیں ڈاک خدمات کا جائزہ لینا بے محل نہ ہوگا۔ یکے بعد دیگرے سالانہ منصوبوں کے دوران سرکار کی سماجی انصاف کی پالیسی کے مطابق تشکیل دیئے گئے اور زیر عمل لائے گئے ترقیاتی پروگراموں کے نتیجے میں ڈاک سروسز میں نہ صرف توسیع و اضافہ ہوا ہے بلکہ ان میں بہتری بھی آئی ہے۔

سال ۴۸-۱۹۴۷ء میں ملک میں ۲۲۰۰۰ ڈاک خانے تھے جن میں سے ۴۱۶۰ شہری علاقوں میں اور ۱۹۱۸۴ دیہی علاقوں میں کام کر رہے تھے۔ اب ہمارے یہاں ۱۵۲۰۰۰ ڈاک خانے ہیں جن میں سے ۱۳۶۰۸۲ دیہی علاقوں میں اور ۱۶۷۱۰ شہری علاقوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آج ڈاک سروسز کا ہمارا نظام دنیا میں سب سے بڑا ہے۔

حکومت کی جانب سے ملک کے سبھی عوام کو ڈاک خدمات فراہم کرنے کی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ڈاک سروسز کی توسیع پر مسلسل زور دیا جاتا رہا ہے۔ دیہی، قبائلی اور پہاڑی علاقوں میں ڈاک خانے کھولنے کیلئے کافی سبسیڈی دی جاتی ہے۔

وسیع نظام:- ڈاک نظام میں خصوصاً دیہی علاقوں میں ڈاک سروسز کی توسیع کیلئے ایکسٹرا ڈپارٹمنٹل برانچ آفس کھولے گئے ہیں، جو دیہی عوام کو ڈاک کی سہولیات بہم پہنچا رہے ہیں۔ آج ہمارے ملک میں ایک ڈاک خانہ تقریباً ۲۱٫۴۸ مربع کلومیٹر علاقے میں اوسطاً ۵۵۲۶ لوگوں کو ڈاک کی خدمات مہیا کرتا ہے۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ایک ڈاک خانہ ۴۱٫۲ مربع کلومیٹر علاقے میں ۵۷۱۳ لوگوں کو ڈاک سروسز مہیا کرتا تھا۔ اس پیش رفت کو سراہنا مشکل نہ ہوگا اگر ہم یہ بات دھیان میں رکھیں کہ ۶۱-۱۹۶۰ء کے بعد سے ملک کی آبادی دوگنی سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

چھوٹی بچتوں میں اضافہ:- ہمارے ڈاک خانوں نے ڈاک خدمات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ چھوٹی بچتوں کی حوصلہ افزائی میں بھی خصوصاً دیہی علاقوں میں ایک کلیدی رول ادا کیا ہے۔ ڈاک گھر بچت بینک کی سہولیات تمام ڈاک خانوں میں دستیاب ہیں جن میں سے ۸۹ فیصد ڈاک خانے دیہی علاقوں میں واقع ہیں۔ مارچ ۱۹۹۶ء تک ڈاک خانوں میں پبلک پراویڈنٹ فنڈ کو چھوڑ کر باقی تمام قومی بچت اسکیموں کے تحت ۹۱۷۹۴٫۷۹ ملین روپئے جمع تھے۔ بچت کھاتوں کی تعداد جو ۴۸-۱۹۴۷ء میں ۳۱٫۱ ملین تھی ۹۶-۹۵ء میں بڑھ کر ۱۵۱٫۹ ملین ہوگئی ہے۔ چھوٹی بچتوں کو بڑھاوا دینے کی تازہ ترین اسکیم مہیلا سمردھی یوجنا، جو اکتوبر ۱۹۹۳ء میں بالغ دیہی عورتوں کی مالی حالت کو مضبوط بنانے کی غرض سے شروع کی گئی تھی، کامیابی سے چل رہی ہے۔

جدیدکاری — وقت کی اہم ضرورت:- ملک کی اقتصادی اور صنعتی ترقی نیز انفارمیشن ٹکنالوجی میں تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ ملک میں ڈاک سروسز کو اور بہتر بنانے کی مانگ بڑھتی ہے۔ آٹھویں پنجسالہ منصوبے کے دوران محکمہ ڈاک نے نئی ٹکنالوجی کے استعمال اور جدیدکاری کے خصوصی پروگرام شروع کئے ہیں۔

ان پروگراموں میں گاہکوں کو زیادہ اطمینان بخش خدمات فراہم کرنے اور ملازمین کے کام کرنے کے حالات بہتر بنانے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ ایک اور حکمت عملی کے تحت استعمال کنندگان کے الگ الگ گروپوں کے لئے الگ الگ خدمات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس سے کاروباری اور پیشہ ور طبقوں کو نفع بخش قیمتوں پر نئی ویلیو ایڈیڈ خدمات فراہم کی جاسکیں گی اور محکمہ کو زیادہ مالیہ حاصل ہو سکے گا، جو دیہی علاقوں میں بنیادی مقامی ڈاک خدمات کی توسیع کے پروگرام کو مستحکم بنانے کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔

ڈاک کے نظام میں ایک اور پالیسی کے تحت کاروباری یا بزنس ڈاک کی کثیر تعداد کی پراسیسنگ کے لئے نئی اور تیز رفتار ٹکنالوجی استعمال کی جا رہی ہے۔ اس سمت میں ابتداءً ممبئی اور مدراس میں دو آٹومیٹڈ میل پراسیسنگ سنٹر قائم کئے گئے ہیں اور اس قسم کے سنٹر دوسرے بڑے شہروں میں بھی قائم کرنے کا منصوبہ ہے۔

گاہکوں کو ٹکنالوجی کا فائدہ:- گاہکوں کو ٹکنالوجی کا فائدہ بہم پہنچانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے محکمہ ڈاک کے جدیدکاری کے پروگرام میں کاؤنٹر سروسز کے لئے کمپیوٹروں کا استعمال کرنے کو ترجیح دی گئی ہے۔ ملک کے

تقریباً ۸۰۰ ڈاک خانوں میں زائد از ۲۶۰۰ پوسٹل کاؤنٹر کمپیوٹروں پر مبنی مشینوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اب گاہکوں کو زیادہ دیر تک کاؤنٹر پر کھڑا نہیں ہونا پڑتا۔ مختلف خدمات ایک ہی جگہ پر فراہم کی جا رہی ہیں اب الگ الگ کاموں کے لئے الگ الگ جگہوں پر کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ گاہکوں کو کمپیوٹر کی مدد سے بہتر سہولیات فراہم کرنے کے لئے ۴۶۸ اہم ڈاکخانوں کی جدید کاری کی جا چکی ہے۔ اس سے کام کا ماحول بھی صاف ستھرا اور جدید ہو گیا ہے۔

<u>روپئے کی تیزی سے منتقلی</u> :۔ منی آرڈر ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو روپیہ منتقل کرنے کا ذریعہ ہے جو ایسے دیہی علاقوں کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے، جہاں بنکوں کی سہولت موجود نہیں ہے۔ محکمۂ ڈاک کے جدید کاری کے پروگرام میں منی آرڈروں کی ترسیل میں اسٹیٹ آف دی آرٹ ٹکنالوجی کا استعمال بھی شامل ہے تاکہ منی آرڈر کا روپیہ موصول کنندہ کو جلد از جلد مل سکے۔ ۷۵ مائکرو ارتھ اسٹیشنوں کا ایک نظام وی ایس اے ٹی (ویری اسمال اپرچر ٹرمینل) کے ساتھ قائم کرنے کا کام بہت جلد مکمل ہو جائیگا تمام راستوں کے احاطہ کرنے والے ۶۰ وی ایس اے ٹی اسٹیشن تو چالو بھی ہو چکے ہیں۔ پہلے منی آرڈروں کو منزل مقصود پر پہنچنے میں کئی دن لگ جاتے تھے لیکن اب الیکٹرانک طریقہ اور فوراً سیٹیلائٹ چینل کے ذریعے سے وی ایس اے ٹی سنٹروں کو بھیج دیئے جاتے ہیں۔ ان سنٹروں کا استعمال دیگر ویلیو ایڈیڈ خدمات کیلئے بھی کیا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر ہائبرڈ میل ہی کو لیجئے جس کے تحت کوئی بھی شخص سیٹیلائٹ چینل کے ذریعے تفصیلات اور ٹیکسٹ بھیجنے کے لئے وی ایس اے ٹی نظام کا استعمال کر سکتا ہے۔

الیکٹرانک فنڈ ٹرانسفر کے شعبے میں محکمے نے کارڈ پر مبنی ٹکنالوجی کا استعمال شروع کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دہلی میں بچت بنک سروس فراہم کرنے کے لئے ایک تجرباتی پروجکٹ بھی شروع کیا گیا ہے۔ اسپیڈ پوسٹ سروس (تیز رفتار ڈاک سروس) جو اگست ۱۹۸۶ء میں شروع کی گئی تھی اس وقت ملک کے ۴۲ بڑے شہروں میں کام کر رہی ہے۔ حال ہی میں اس سروس میں اصلاح کر کے کنٹریکٹ پر اسپیڈ پوسٹ سروس اور "بک اب کرو، پیسے بعد میں دو" کی سہولیات بھی فراہم کی گئی ہیں جن کی بدولت ملک میں "اسپیڈ پوسٹ" مقبول ہو رہی ہے۔

<u>ڈاک زندگی بیمہ</u> :۔ ڈاک زندگی بیمہ (پوسٹل لائف انشورنس) کا سلسلہ ۱۸۸۴ء میں ڈاک ملازمین کے لئے فلاحی اقدام کے طور پر شروع کیا گیا تھا۔ گذشتہ برسوں میں اس کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اس وقت یہ اسکیم مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ملازمین کے ساتھ ساتھ مرکزی اور پبلک سیکٹروں، یونیورسٹیوں اور سرکاری امداد پانے والے اداروں، قومیائے گئے بنکوں کے عملے اور محکمۂ ڈاک کے ایکسٹرا ڈپارٹمنٹل ایجنٹوں کا احاطہ کرتی ہے۔ ڈاک زندگی بیمہ کی نمایاں خصوصیت پریمیم کی کم شرحیں اور زیادہ بونس ہیں۔ دیہی علاقوں میں ڈاک زندگی بیمہ کی اسکیم، جو مارچ ۹۵ء سے شروع کی گئی تھی دیہی عوام، خصوصاً دیہات کے کمزور طبقوں کے لوگوں اور خاتون ورکروں کو زندگی بیمہ کی سہولت بہم پہنچانے کیلئے ایک اہم قدم ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاک سروسز کے شعبے میں آزادی کے بعد بہت زیادہ پیش رفت ہو چکی ہے اور وہ ملک کے تمام حصوں کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہوئے قومی تعمیر کے کام میں ایک اہم رول ادا کر رہا ہے نیز مستقبل میں بھی یہ کام انجام دیتا رہے گا۔ (بشکریہ پی آئی بی)

فارم IV ، دفعہ ۸

مرکزی اخبارات ایکٹ ۱۹۵۶ء کی دفعہ ۸ کے تحت تفاصیل درج ذیل ہیں:

(۱) رسالہ کا نام : مغربی بنگال

(۲) زبان : اردو

(۳) عرصہ اشاعت : پندرہ روزہ

(۴) جائے اشاعت : کلکتہ (۵) ناشر : ترون بھٹاچاریہ، ہندوستانی ڈائرکٹر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

(۷) مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ، ہندوستانی ڈائرکٹر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

(۸) مالک : حکومت مغربی بنگال

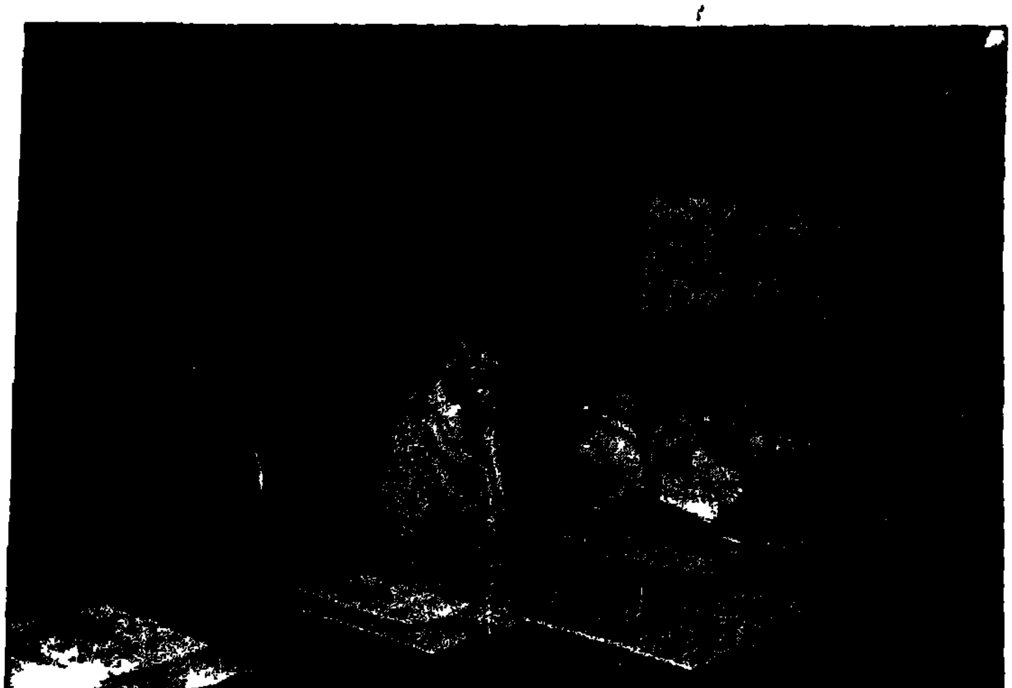
(۹) طابع : تیمیر مکھرجی، بسومتی کارپوریشن لمیٹیڈ ۱۴۴۔ بپن بہاری گانگولی اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۱۲

میں ترون بھٹاچاریہ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا بیان میرے علم و یقین کے لحاظ سے صحیح ہے۔

ترون بھٹاچاریہ
یکم مارچ ۱۹۹۷ء



اوپر: ریاستی گورنر شری کے۔ وی۔ رگھوناتھ ریڈی گذشتہ ۲۴ جنوری ۹۷ء کو مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے بجٹ سیشن کا افتتاح کرتے ہوئے۔ نیچے: حال ہی میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اپنے چیمبر میں جنوبی ۲۴ پرگنہ میں سکھیا سے پیدا ہونیوالی صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے سرکاری اقدامات پر پریس نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے۔ (تصویر: مدھوسدن گھوش)



MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
April 1, 1997

REGD No WB/CC-596
Vol No 44, Issue No 6 & 7
Price 50 Paise



Editor Tarun Bhattacharya, Asst. Editor. Md Mustafa, Published by the ...
...ment of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166, Bipin ...

مغربی بنگال



پندرہ روزہ کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۴۴ * یکم جون ۱۹۹۷ء * شمارہ نمبر ۱۱

مدیر اعلیٰ:۔ ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون:۔ محمد مصطفیٰ

ترتیب

شرح خریداری

سالانہ دس روپئے • نصف سالانہ پانچ روپئے

* فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

* ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

پریس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

* پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 255601/3371 Ext : 710

بنگلہ اکاڈمی کی جانب سے مانک بندھوپادھیہ کی ادبی خدمات کی اشاعت



• شریمتی کملا بندھوپادھیہ شری بدھادیب بھٹاچاریہ کو مانک بندھوپادھیہ کے چند مسودوں کا پلندہ دیتے ہوئے۔

گزشتہ ۱۹ مئی کو مغربی بنگال بنگلہ اکاڈمی کے زیر اہتمام اکاڈمی ہال میں مانک بندھوپادھیہ کی ۹۰ ویں سالگرہ کی تقریب منائی گئی۔ یہ تقریب مانک بندھوپادھیہ کے کچھ مسودوں کی دستیابی اور ان کی ادبی خدمات پر بحث و مباحثہ کے ساتھ کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ پروگرام کے شروع میں مانک بندھوپادھیہ کی کچھ مشہور کتابوں کے مسودے مصنف کی اہلیہ شریمتی کملا بندھوپادھیہ نے وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ کے حوالے کئے۔ ان مسودوں میں شامل ہیں دیبارا تریر کابیہ، جنانی، پدما ندیر مانجھی، پوتل ناچیر اتیت کاتھا، جیبونیر جاتی کاتھا، اہنسا اور تین مختصر کہانیاں جیسے جنیر اتیہاس، دھکا، چھوٹو بوکل پوریر جاتری۔ اس سے قبل مصنف کی فیملی کی جانب سے بنگلہ دیش اکاڈمی کے لئے بنگلہ دیش ڈپٹی ہائی کمشنر کے حکاموں کو ان کے دیگر ایسے مسودے دیئے گئے ہیں۔

وزیر موصوف شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ مانک بندھوپادھیہ ترقی پسند ادب کے پیش رو تھے جنہوں نے سائنٹفک اور عقلی بصیرت کے ذریعہ عصری دنیا کا تجزیہ کیا۔ ان کی نگارشات پست طبقہ اور استحصال شدہ عوام کی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں انھوں نے کہا کہ مانک بندھوپادھیہ کی خدمات کی اشاعت کے سلسلے میں جو رکاوٹ تھی اب دور ہو گئی ہے اور اکاڈمی جلد اسے شائع کرنے کے لئے ایک پروجکٹ جاری کرے گی۔

اس تقریب میں ممتاز ادیب سید مصطفیٰ سراج نے مانک بندھوپادھیہ کو جدید بنگلہ ادب کے ستون بتایا۔ انھوں نے کہا کہ ان کا ادب ذاتیات کی چوحدی سے پرے تھا۔

اس تقریب کی صدارت مشہور ادیب انّدا شنکر رائے نے کی۔ اس موقع پر شری اشوک مکھوپادھیہ نے مانک بندھوپادھیہ کی ایک مختصر کہانی پڑھ کر سنائی۔

■■

ایک گیت

از

رابندرناتھ ٹیگور

تیرے قلب پر افسردگی طاری ہے
اور تیری آنکھیں ابھی خواب آلودہ ہیں
کیا تیرے پاس یہ خبر نہیں آئی کہ پھول کانٹوں کے درمیان
کس شان سے حکومت کر رہا ہے ؟
جاگ، جاگ وقت کو بیکار نہ جانے دے
اس راہِ سنگین کے اختتام پر ایک اچھوتی تنہائی
کے ملک میں
میرا محبوب تنہا بیٹھا ہوا ہے، اسے دھوکا نہ دے
جاگ اٹھ جاگ
کیا ہے اگر آسمان ہانپتا ہے
اور حدتِ آفتاب سے
ہانپ رہا ہے
کیا ہے اگر جلتی ہوئی ریت اپنی پیاس کی چادر
پھیلا رہی ہے
کیا تیرے عمیق دل میں کوئی مسرت نہیں ہے ؟
کیا تیرے ہر قدم پر سازِ آہ درد سے نغمۂ شیریں میں
تبدیل نہ ہو جائے گا

(گیتانجلی سے)

ترجمہ

نیاز فتح پوری

ٹیگور کی شاعری میں موسیقی : گیتانجلی پر ایک تنقیدی نظر

سبھاشش سرکار



شوپن ہاؤر نے کبھی، کیا خوب کہا تھا کہ جملہ فنون کیفیت موسیقی کے مرہون منت ہیں۔ جب اس نے ایسا کہا تھا تو اس وقت اس نے موسیقی کی روحانی صفات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اس حقیقت کی بھی نشاندہی کی تھی کہ ان احساسات کے سلیقہ پسندی کے ساتھ اظہار کے لئے جو جذبات کو حسین روپ بخشتے ہیں، موسیقی ہی ایک واحد واسطہ ہے۔ اس بحث کو ہربرٹ ریڈ نے مزید آگے بڑھایا اور اس امر کا انکشاف کیا کہ "دیگر مقاصد کے لئے عام طور پر مستعمل مواصلاتی واسطہ کی مداخلت کے بغیر ایک فنکار کا براہ راست طور پر اپنے سامعین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانا صرف موسیقی ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔" ۱

ٹیگور کی شاعری میں اس انسانی سمجھ بوجھ کی داخلی ہم آہنگی اور سچائی کی وجہ سے ہر جگہ موسیقی اور نغمگی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جو موصوف کی نظموں کا ایک اٹوٹ اور لازمی عنصر ہے۔ موصوف اپنی ذات میں موسیقی کے لئے ایک فطری اور غیر اختیاری یا بے پناہ کشش رکھتے تھے اور اسی ذوق و شوق نے موصوف کے افکار و احساسات کو خاطر خواہ طور پر فروغ بخشا۔ یہ فکر و احساس کے اس امتزاج میں موجزن نظر آتا ہے، جو ہم آہنگی کے ایک ایسے نایاب احساس کو جنم دیتا ہے جو کسی بھی نامکمل پیشکش کی مخالفت کرتا ہے۔ دراصل ٹیگور کی موسیقی کے بنیادی ڈھانچہ میں کہیں ایسی کوئی بات ضرور موجود ہے جو نغمگی اور فکر کے امتزاج سے نشوونما پاتی ہے۔ موسیقی میں موصوف کی دلچسپی کبھی بھی بے توجہی اور غفلت کا شکار نہیں بنی۔ موصوف کی موسیقی سے والہانہ وابستگی سے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس والہانہ پن نے موصوف کی بہترین شاعری کو بدرجہ اتم طور پر متاثر، آراستہ و پیراستہ کیا۔ اس تاثر کو موصوف کے درج ذیل شعر میں ملاحظہ کیجئے:

"موسیقی کی آگ جو تو نے
میری روح کے اندر روشن کی ہے
میرے جملہ وجود میں پھیل گئی ہے۔"

ٹیگور کی شاعری کے بغور اور گہرے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موسیقی کی وساطت اور فکر و احساس کے امتزاج کے ذریعہ ہی سے موصوف کی شاعری کو داخلی ہم آہنگی ملی ہے۔ یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ٹیگور ہمیشہ ایک فنکار کی حیثیت سے اس وقت اپنے عروج پر رہے۔ جب موصوف نے موسیقی کی جمالیات میں زندگی سے متعلق اپنے تصور کو غرق پایا۔ عشق اور جنونِ عشق ہمیشہ موصوف کی سرود آگیں تخلیقات پر غالب رہے۔ اور اکثر و بیشتر دونوں ملکر آہنگ کی ایسی نایاب دلنشیں ذہن کی تشکیل کرتے رہے جو انسان کو ایک فوق البشر تقدس سے ہمکنار کرتی ہے یا تقدس مذکورہ بذات خود انسان میں مظہر ہو جاتا ہے اور یہ کیفیات موصوف کی تخلیقات پر اپنے انمٹ نقوش بھی چھوڑ جاتی ہیں۔ جو کچھ بھی ٹیگور نے اپنی شاعری یا موسیقی میں پیش کیا ہے۔ وہ باؤل نغموں کے مقبول عام اور عوامی (یعنی لوک) عناصر سے وابستہ ہندوستانی صحیفوں

کے منتروں کی تعریف پذیری کے ذریعہ وجود میں آنے والی انسانیت اور روحانیت کا ایک امتزاج ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا باؤل نغموں میں موصوف نے خود کو ڈبو دیا ہے یا کلی طور پر خود کو ان کے سپرد کر دیا ہے۔ باؤل نغموں کا صوفیانہ مسلک محض پرواز تخیل کو ترک [illegible] احساسات کے ذریعہ انسان الہامی تقدس سے متعارف ہوتا ہے اور جسم اور روحانیت ایک دوسرے سے روشناس ہو جاتے ہیں۔ یہاں عشق اور [illegible] خود ایک دوسرے [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] وہ جذبہ ہے جو [illegible] کے نغموں [illegible] شاعر [illegible] یعنی اصل تخلیق اور اس کے انگریزی ترجمہ [illegible] غیر معمولی طور پر محسوس کیا جاتا ہے اور اس جذبہ عشق میں [illegible] ایک ہو جاتے ہیں۔

[illegible] طور پر جدید موسیقی [illegible] سطح پر لطف لے اور [illegible] ہونے کا بنیادی [illegible] روحانیت پر مادیت کو غالب کرتا ہے۔ اس تمام تر [illegible] قوت کے ساتھ [illegible] معقولیت سے شاعر یا موسیقی پر اصلی اور ارفع اثرات چھوڑے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں ـ

"میں اس قسم کی موسیقی کا خواہاں ہوں جو شاعری کا ہم راز ہو، آزادی پر [illegible] سے آزاد ہو اور اس میں [illegible] ہو"۔ ۲

محمد منصور الدین کی تصنیف "ہارامونی" کے دیباچہ میں اپنی شاعری پر باؤل گیتوں [illegible] اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ٹیگور فرماتے ہیں ـــــ " جو لوگ بھی میری تحریروں کو پڑھ چکے ہیں، وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ باؤل [illegible] پر [illegible] کا اظہار میں نے اپنی تصنیفات میں بارہا کیا ہے۔ جب میں سلائی دہ میں مقیم تھا تو اس وقت میں باؤل گیت کاروں سے ملا کرتا تھا اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا کرتا اپنے بیشتر گیتوں میں، میں نے باؤل گیتوں کی موسیقی کو اپنایا ہے۔ اور راگوں اور راگنیوں کے ساتھ متعدد گیتوں میں باؤل گیتوں کی نغمگی اور سُر دانستہ و غیر دانستہ طور پر آپس میں گھلی ملی نظر آتی ہے۔ اس امر سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح باؤل گیتوں کی موسیقی اور افکار میرے مزاج میں رچ بس گئے تھے۔" ٹیگور انتہائی حد تک باؤل گیتوں کی سادگی، محسوسات کی گہرائی، نغمگی، نزاکت اور [illegible] ادراک کے جذبۂ محبت سے متاثر تھے اور حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا احساس کی نظیر ہمارے ادب میں نایاب ہے۔

دراصل گیتوں کی نغمگی اور گہرے افکار کا امتزاج جسے شاعر موصوف نے باؤل کی لوک گیتوں میں دریافت کیا تھا۔ وہ موصوف کی ابتدائی شاعری

خصوصاً گیت انجلی میں روحانی تاثیر پیدا کرنے کا سبب بنا۔

ٹیگور نے موسیقی پر تحریر کردہ اپنے مقالوں کے مجموعہ "سنگیت چنتا" میں بارہا کہا ہے کہ شاعری اور موسیقی یکساں طور پر محسوسات کی زبان ہیں۔ موصوف کی رائے میں شاعری اور موسیقی کو ایک دوسرے میں بالکل ضم ہو جانا چاہیئے۔ موصوف فرماتے ہیں ـ

"مجھے یقین ہے کہ یہ امر مثال ثابت ہوگا جب شاعری کی مدد سے موسیقی اپنا اظہار کرے گی۔ یہ روایتی راگ اور راگنی سے پاک ہوگی جیسے کیرتن راگ اور راگنی سے خالی ہوتا ہے۔ غیر لچکدار قسم کی موسیقی کو اس میں دخل نہیں ہوگا اور موسیقی کے بعض ضابطوں کی خلاف ورزی کرنی ہوگی کیونکہ یہاں شعری مطالبات کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔" ۵

شاعر موصوف مزید فرماتے ہیں کہ ـ " موسیقی کو بذات خود شاعری کے حسب حال ڈھالنا ہوگا اور شاعری کو اپنے آپ کو موسیقی کے مطابق وضع کرنا ہوگا۔"

موصوف واضح طور پر فرماتے ہیں کہ بنگلہ شاعری کو شاعری اور موسیقی کے مذکورہ امتزاج کی اشد ضرورت ہے ـــ

"بہر کیف میرے خیال میں بنگال میں مذکورہ طرز کی شاعری کو بڑی مقبولیت حاصل ہوگی۔ کم از کم میری اپنی شاعری کی تاریخ میں نغمہ سازی کے دوران موسیقی اور شاعری کے امتزاج کو میری پوری توجہ ملے گی۔" ۶

دراصل شاعری میں ٹیگور کی دلچسپی بے سلیقگی اور بے ترتیبی سے پاک ہی نہیں تھی بلکہ ہر قسم کے متاثر کرنے والے محاسن سے آراستہ تھی۔ موصوف ہربرٹ اسپنسر کے نظریہ سے اتفاق کرتے ہیں کہ موسیقی جذبات کی زبان کی حیثیت سے قوت گویائی پر اپنی پوری طاقت کے ساتھ اثر انداز ہوئی ہے اور اس نے اظہار کی قوت میں اضافہ کیا ہے۔ اسپنسر کے مشاہدہ کے مطابق انسانی فطرت سے موسیقی کا گہرا رشتہ ہے۔ اس کے نظریہ کے مطابق جذبات کی زبان جو موسیقی کے کلچر کو فروغ دیتی ہے اور اس میں شائستگی لاتی ہے۔ عقل و دانش کی زبان کے مقابلہ میں اہمیت کے لحاظ سے مقام دوم کی حقدار ٹھہرتی ہے۔ ٹیگور نے اسی مخصوص بنیاد پر اسپنسر کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعتراف کیا ہے۔ موصوف نے اس امر کی جانب نشاندہی کی ہے کہ موسیقی کو ہمدردی کے جذبات ابھارنے کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے اور یہی موسیقی جذباتی زبان کو فروغ بخشنے میں تعاون دے سکتی ہے۔ موصوف نے مذکورہ بالا باتیں بالکل اسی طور پر کہی ہیں جس طرح اسپنسر اپنے مقالہ "موسیقی کی ابتداء

اور اس کے کلام کے میں بیان کیا ہے —

"...... اس جذباتی زبان کو زود تر فروغ دینا اور بہتر بنانا موسیقی کا کام ہے۔ ہم لوگ موسیقی کو اس اعلیٰ اور ارفع مسرت کی حیثیت سے جس کی سمت میں دھندلا کر افق میں گم ہو جانا لکھا ہوا تسلیم کر سکتے ہیں" صـ

ہربرٹ اسپنسر نے شاعری اور غنائی موسیقی کے درمیان ایک واضح خط تفریق کھینچا اگرچہ اس نے جوش یا ہمدردی کا ایک زیریں رشتہ ان میں پایا تھا بقول اس کے — "غنائی شاعری زیادہ استعاراتی، زیادہ مبالغہ آمیز اور مدور ہوتی ہے اور علاوہ ازیں شاعر کا مذکورہ وزن / بحر کی موزونیت میں خطوط بحر کا اضافہ کرتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے موسیقی زیادہ بلند آواز، زیادہ اثر آفرین اور اپنے وقفوں میں زیادہ انتہا پسند ہوتی ہے علاوہ ازیں موسیقی مذکورہ نے سُر تال کے زیر و بم میں الفاظ کی نغمگی کا اضافہ کیا ہے اور اس حقیقت سے سب لوگ ہی واقف ہیں کہ رزمیہ شاعری سے پیدا ہونے والے قوی تر جذبات نے غنائی شاعری کو فروغ بخشا ہے اور اس نے بطور ان کے موزوں آلہ متعلقہ نتیجہ کو اس طور پر قوت بخشتا ہے کہ مذکورہ عناصر مماثلاتی طور پر خوش الحانی سے پیدا ہونے والی غنائی موسیقی کو فروغ بخشتے ہیں" صـ جذبات انگیزی اور خوش الحانی کے امتزاج نے اکثر ٹیگور کی شاعری کو ایک ایسی سحر انگیز اور دلکش موسیقی سے نوازا ہے جو ہمدردی جگانے کی زبردست قوت کی حامل ہے۔ وشنو ویدیہ، اودھ، کبیر، جیسی موصوف کی مذہبی نظموں میں ہلوگ، جذباتیت، اور خوش الحانیت کا عنصر پاتے ہیں۔ ان میں سے چند مخصوص نظموں کا انتخاب ٹیگور نے دانستہ طور پر اپنے انگریزی مجموعہ کلام یعنی گیتانجلی کے انگریزی ترجمہ کے لئے کیا تھا۔ انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے جو گیت مالیہ سے منتخب نظمیں بھی اکثر مذہبی جوش و ولولہ سے پُر ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں عشقیہ اور روحانی دونوں ہی جذبات کا امتزاج بھی ملتا ہے۔

اپنی انگریزی گیتانجلی (اپنی بنگلہ گیتانجلی میں بھی) ٹیگور نے کہیں بھی کسی مذہبی تعلیم کی تبلیغ نہیں کی ہے اور نہ ہی موصوف نے اپنے قارئین کو خدا کے بارے میں سمجھانے، بتانے یا خدا کیا ہے؟ باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ شاعر موصوف انسانوں کے درمیان خدا اور اس کے قاعدے اور قانون کی تبلیغ یا اسے جائز قرار دینے میں بالکل کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ باؤل گیتوں کی مخصوص اور جانی پہچانی دھن کی مزید قربت کے ساتھ موصوف نے بجا طور پر "خدا کے چاہنے والوں کے محسوسات کا اظہار کیا ہے (سعید ایوب)"

ہ (الف) عشق اور عقیدت کے ذریعہ ٹیگور کی شاعری نے "انسان کے اس مذہب" کو بلند مرتبہ بخشا ہے۔ جو خالق اور مخلوق کے ساتھ انسان کے گہرے رشتہ کو روشناس کراتا ہے۔ موصوف نے اپنی موسیقی میں، ہم آہنگ اور پر تقدس رشتہ کی کائناتی بیداری کو دریافت کیا ہے۔ اپنی تصنیف - سنگیت چینتا - میں موصوف رقم طراز ہیں —

"...... میں نے اس حقیقت کو پہلے سے زیادہ واضح پایا کہ ہماری موسیقی کا تعلق جذبہ کائنات کی موسیقی سے ہے۔ یہ بنیادی طور پر انسانی زندگی میں رونما ہونے والے نشیب و فراز کے ڈرامہ کی عکاسی نہیں کرتی ہے۔ یہ لوگوں کی سماجی تفریح کو اہمیت کا حامل نہیں گردانتی ہے۔ دراصل ہمارے تمام تہواروں اور تقریبوں میں ہماری موسیقی کی موجودگی میرے نزدیک اس خلوت اور جلوت کے ایک ہونے کے مفہوم کا نقش دل پر بناتی ہے جو ہم لوگوں کو ہر چہار طرف سے اپنے حلقہ میں لے لیتے ہیں۔ اس کا مقصد کبھی بھی ہماری موجِ مستی کے شعلوں کو ایندھن فراہم کرنا نہیں رہا ہے تاہم یہ ہماری موجِ مستی میں موزونیت اور توازن لاتی ہے اور اس میں گہرائی اور لاتعلق کا اضافہ کرتی ہے۔" صـ۹

ٹیگور اپنی مذہبی شاعری میں آفاقی جذبہ کو استعمال میں لاتے ہیں اور باؤل گیتوں کے سادہ اور ہیجان انگیز جذبوں کو آراستہ اور مزین کرتے ہیں۔ موصوف نے اکثر اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ دھن میں، الفاظ میں اور الفاظ کی نشست و برخاست یا بندش میں ادب کو موسیقی کی پناہ تلاش کرنی پڑتی ہے چونکہ جن جذبات و احساسات کا اظہار دشوار ہوتا ہے ان کی ادائیگی موسیقی کے ذریعہ ہی ممکن نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی گیتانجلی میں بھی شاعر موصوف نے نہ صرف جذبات کی زبان اور اس کی پرزور دھنوں کو استعمال میں لایا ہے بلکہ شعری صنعت تکرار کی حیثیت سے موسیقی کی تشبیہوں اور علامتوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ اس کی نظیر ملاحظہ ہو —

"تیری بانسری کی یہ مدھم دھن
پہاڑیوں اور وادیوں میں گونج رہی ہیں۔
یہ دل کو موہ لینے والے گیت جو ازل سے گو رہے ہیں
تیری سانسوں سے پھوٹ رہے ہیں"

(تو نے مجھے بے کراں اور لا منتہا بنا ڈالا ہے)

- " تیری موسیقی کے نغمے ایک عالم کو روشن کرتے ہیں
تیری موسیقی کی روح حیات فلک تا فلک دوڑتی پھرتی ہے
تیری موسیقی کا پر تقدس چشمہ راہ میں حائل چٹانوں کو
توڑتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے :
- آہ تو نے میرے دل کو، میرے مالک !
لا محدود فریبی جالوں میں اسیر بنا لیا ہے ۔
میرے مالک ! مجھے معلوم نہیں تو کیسے گاتا ہے "

اپنے مایہ ناز مقالہ " شاعری برائے صنعت " میں ٹی ایس ایلیٹ نے کیا خوب کہا ہے کہ جدید شاعری کو موسیقی یا نغمگی کی کسوٹی پر تولنے یا پرکھنے کی ضرورت نہیں لیکن کچھ مخصوص شاعری اپنی تجرید اور اپنی ساخت یا آوازوں کی موسیقار طرز اور شاعری مفہومات کی موسیقانہ طرز کی بدولت اپنے اندر ہم آہنگ نغمگی کی ایک نایاب روح ہو سکتی ہے ۔ ایلیٹ یوں گویا ہوا ہے ـــ

" میرا مقصد یہاں، جو کہ میں دعویٰ پر ڈٹے رہنا ہے کہ موسیقانہ شاعری نظم کی ایک ایسی مخصوص صنف ہے جس میں آواز کی ایک موسیقانہ طرز اور الفاظ کے ایسے ثانوی مفہوم کی ایک موسیقانہ طرز پائی جاتی ہے جو اس کی تخلیق کرتی ہے اور یہ دونوں طرز آپس میں مضبوطی کے ساتھ متحد ہیں "

ایک عظیم شاعر ہمیشہ آگہی کی سرحدوں سے وابستہ رہتا ہے، اس کے آگے الفاظ نا کارہ ثابت ہوتے ہیں لیکن مفہوم اور نغمگی دونوں ہی ایک حساس ترین تجربہ میں زندہ رہتے ہیں ـــ

" الفاظ گویائی کے بعد خاموشی میں ڈوب جاتے ہیں۔ پیکر اور طرز کے ذریعہ ہی الفاظ یا موسیقی سناٹے میں کھو جاتے ہیں " (برنٹ نورٹن کی چہار رباعیوں ماخوذ)

اس طرح آواز کی موسیقانہ طرز اور شاعری مفہوم کا عاملی انداز دونوں ہی انگریزی گیتانجلی کی سطروں کو اپنے حلقہ میں لے لیتے ہیں۔ ہمیں اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ٹیگور کے انگریزی گیتانجلی کی نظموں میں شاعر موصوف کی تشکیل کردہ تشبیہات کی طرز میں بحر اور ساخت کی اہمیت کی نشاندہی بخوبی کی جا سکتی ہے اور یہ اپنی دلکشی اور موزونیت میں نظموں کی دانشورانہ ساخت کا جداگانہ تغیر پیش کرتی ہیں ۔

جب ڈبلیو بی ایٹس نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ

ان نظموں کا مطالعہ کیا تو ان کی بے پناہ نغمگی اور سحر انگیزی نے اس کے اندر ایک ہیجان پیدا کر دیا اور وہ گیتانجلی کے اپنے شہرۂ آفاق پیش لفظ میں یوں گویا ہوا ہے ـــ " چاسر کے پیش رو شعرا اور داد کی طرح رابندر ناتھ ٹیگور اپنے الفاظ سے موسیقی پیدا کرتے ہیں اور سامعین کو ہر لمحہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کی تخلیق میں اتنی کثرت ہوتی ہے، اتنی بے ساختگی ہوتی ہے موصوف کے جذبات میں اتنے خوف ہوتی ہے اور ان میں جدت و استعجاب کا عنصر بدرجہ اتم ہوتا ہے کیونکہ موصوف ایسے کام کر رہے ہیں جو کبھی بھی تعجب خیز، غیر فطری نہیں رہے اور نہ ہی کسی دفاعی ضرورت کے تحت متشکل کئے گئے ہیں۔ یہ شعری ادب بارے ان خواتین کی میزوں پر حسین اور دلکش طور پر شائع شدہ کتابوں کی شکل میں پڑے نہیں رہیں گے جو وہ اپنے کاہل اور سست ہاتھوں سے اس کتاب کے ورق پلٹیں گی اور ایک بے معنی زندگی پر سرد آہیں بھریں گی کیونکہ اور بہت ساری ایسی باتیں ہیں جنہیں وہ زندگی سے متعلق جان سکتی ہیں یا طلباء اسے اپنے ساتھ یونیورسٹی لے جائیں گے اور ایک طرف رکھ دیں گے۔ جب زندگی کا کام شروع ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے نسلیں گذرتی جائیں گی اور راہ رو راہوں پر انھیں گنگنائیں گے اور ملاح کشتی رانی کے دوران گائیں گے ۔ عاشق حضرات اپنے محبوب کے انتظار میں انھیں زیر لب گنگنائیں گے اور پیار کا دیوتا ایک جادوئی خلیج میں اپنے بہتیرے تلخ جذبات کو دھو کر اپنے شباب کی تجدید کرے گا : ١١

اپنی تصنیف ـــ ہرن گھانس والی ایکسٹر زمین ـــ میں شاعر و نقاد بدھا دیب بوس ٹیگور کے انگریزی گیتانجلی میں موسیقی کے فقدان پر اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذکورہ گیتوں کے انگریزی ترجمہ میں اصل بنگلہ تصنیف گیتانجلی کا بیشتر حسن کہیں گم ہو گیا ہے ـــ

" یہ اصل تصنیف کے حسیاتی اور بحری ترتیب سے محروم ہے۔ اس پر سوئنبرن کی شاعری کے اثرات غالب نظر آتے ہیں۔ انگریزی ترجمہ آہنگ کے اعتبار سے زیادہ خاموش، زیادہ مطیع اور غیر معمولی طور پر مغلوب نظر آتا ہے۔ گیتانجلی کا تعلق بنگلہ میں گیت سے زیادہ ہے لیکن انگریزی میں یہ انجلی (یعنی نذرانہ) زیادہ نظر آتا ہے " ١٢

ایڈورڈ تھامسن اور ٹیگور کے دیگر نقادوں نے موصوف کے انگریزی گیتانجلی کی موسیقی کے سحر انگیز تاثرات کو تسلیم کیا ہے لیکن ٹیگور نے ایسا عجزہ

کیونکر کر دکھایا؟ ٹیگور کی شاعری کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے حضرات بہ آسانی اس امر کو سمجھ پائیں گے کہ شاعری کی مرصع موسیقی (جو بحر اور ساخت اور آواز اور معنی، دونوں پر مشتمل ہوتی ہے) ہم آہنگی کے مغربی تصور کے ساتھ موصوف کی گہری آشنائی کے ذریعہ اس کے "ترجمہ کے معجزہ" میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔[۱]

انگریزی گیتانجلی میں ہمیں ہم آہنگی، منظوم گویائی، شیرینی اور نغمہ سرائی کا ایک ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو شعری تجربہ کو ایک نئے اور علیحدہ مفہوم سے روشناس کراتا ہے۔ گیتانجلی کی بے شمار نظموں میں موسیقی کی روانی اور ہم آہنگی کے اپنے استعمال کا دفاع کرتے ہوئے (دلیپ رائے کو ایک خط میں) ٹیگور لکھتے ہیں کہ موصوف نے مذکورہ بالا محاسن پر انحصار کرنے کو ہی صرف ترجیح نہیں دی تھی بلکہ شعری تاثیر کے لئے موصوف نے شاعرانہ بحروں اور قافیوں پر بھی خصوصی توجہ دی تھی۔ بلاشبہ شاعری اور موسیقی کے ملاپ کا یہ ایک نیا اور انوکھا تجربہ تھا۔ گیتانجلی (بنگلہ) اور اس کا انگریزی ترجمہ واضح طور پر ان نظموں کے اس مجموعہ میں موسیقی سے ٹیگور کی گہری وابستگی کے مظہر ہیں جو طرز اور فکر دونوں طور پر موسیقانہ ہیں۔

دنیا کے ہر عہد کے ممتاز ترین گیت سازوں میں ٹیگور کا شمار ہوتا ہے۔ موصوف عظیم غنائی شاعری کو جنم دینے میں موسیقی کے جوہر اور احسان مندی سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ ایک عام قاری ذہن پر بھی موصوف کی گیتانجلی (انگریزی ترجمہ) میں موسیقی کی بار بار وقوع پذیر ہونے والے فقرے جیسے

This flute of a reed (نرسل کی یہ بانسری)، Commandest me (ابدی نغمے)، Melodies eternally Melts into one Sweet (تو نے مجھے گانے کا حکم دیا)، to Sing Drink with (ایک سریلی ہم آہنگی میں گھلتا ہے)، harmony the joy of Singing (سرائی کی خوشی کے ساتھ پیو)۔ (مذکورہ بالا فقروں کو نظم نمبر ۲ میں ملاحظہ فرمائیں)

The light of the music illumines (تیری موسیقی کے نغمے نور کی بارش کر رہے ہیں)، To join thy Song (تیرے گیت میں ڈوب جانا)، (مذکورہ بالا فقروں کو نظم نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں)

This chanting and Singing (اے گنگناتے اور گاتے)، Mustringing my Instruments (یہ فقرہ ملاحظہ ہو نظم نمبر ۱۱ میں)، (میرے سازوں کو تاروں سے بے نیاز کرتے ہوئے) (یہ فقرہ ملاحظہ ہو نظم نمبر ۱۳ میں)

Life Can only breakout in tunes (زندگی بکھر کر دھنوں میں ہو سکتی ہے)، (یہ فقرہ ملاحظہ ہو نظم نمبر ۱۵ میں)، These thy words wing in Songs will take (تب تیرے الفاظ نغموں میں پنکھ لگا کر اڑیں گے)، Melodies will break forth in flowers (نغمے پھول بنکر کھل اٹھیں گے) (یہ فقرہ ملاحظہ ہو نظم نمبر ۱۹ میں) وغیرہ اپنے نقش ثبت کر ڈالتے ہیں۔ موصوف کی انگریزی گیتانجلی میں موسیقی سے متعلق اس طرح کے بہت سارے حوالے ملتے ہیں۔ یہ حوالے موسیقی میں ٹیگور کی گہری دلچسپی اور موصوف کی شاعری پر دلچسپی کے گہرے اثرات کا مبین ثبوت ہیں۔

ٹیگور نے دنیا کی ایک ایسی عظیم موسیقی کو پیش کرنا چاہا تھا جسے اس نے اپنے ارد گرد سنا اور محسوس کیا تھا۔ موصوف نے اپنی شاعری میں تخلیق کی خوشی اور سادہ لوحی کا اظہار کرنا چاہا تھا اور اسی لئے موصوف نے اپنی زندگی کو سہل اور سیدھا سادہ بنانا چاہا تھا تاکہ خدا بانسری کی طرح موصوف کو موسیقی سے پُر کر دے۔ انگریزی گیتانجلی عظیم آہنگی اور خلقت کی شادمانی کا جشن مناتی ہے۔ موضوع اور ساخت دونوں ہی میں ٹیگور کے انگریزی گیتانجلی کے گیت موسیقی اور غنائیت سے پُر ہیں۔ یہ شاعری کے موسیقانہ تصورات، ساخت اور طرز سے آراستہ ہیں۔ ان میں شاعری کی گویائی اور ہم آہنگی کا نایاب امتزاج جابجا نمایاں ہے۔ دراصل اس بے مثال اور مربوط امتزاج کے سبب انگریزی گیتانجلی کے گیت بذات خود نغمہ ریز ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے بحسن و خوبی اپنی ایک نظم کے ایک نہایت ہی دلکش پیرائے میں اپنی شاعرانہ تخلیق کی روداد پیش کی ہے۔ ملاحظہ ہو ——

"میرے تمام گیتوں کو اپنی تمام گوناگوں تناؤ کے ساتھ
ایک منفرد لہر میں یکجا ہو جانے دو
اور بہہ جانے دو بحر خاموش کی جانب
ساتھ ایک سلام کے، تیرے نام"

(ایک سلام تیرے نام ۔ نظم نمبر ۱۰۳)

یہاں "برنٹ نورٹن" میں درج موسیقی اور خاموشی پر ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے الفاظ کیا ہمیں یاد نہیں ہیں؟

ایک مغنی شاعر رابندر ناتھ نے (ٹھیک ایک باولی گویئے کی طرح) اپنے انگریزی گیتانجلی میں خالق مخلوق کی شان میں ہدیۂ عقیدت کے ذریعہ اپنے دلی جذبات کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ یہاں موسیقی اور محو خیالی، ہم آہنگی

باقی صفحہ ۱۴۲ پر

رابندر ناتھ ٹیگور

نازش پرتاپ گڑھی

اے رسولِ شعر و نغمہ، امن کے پیغامبر
تیرا فرمودہ چراغِ منزلِ فکرِ بشر
تیرے ایک اک لفظ کی تہہ میں ہے آبِ گہر
ایک اک مصرعے میں پنہاں سیکڑوں شمس و قمر

تھا حقیقت آشنائے رازِ اے ٹیگور تو
زندگی تجھ سے رہا کرتی تھی محوِ گفتگو

دے کے رفعت اپنی فکرِ زمزمہ پرداز کو
کر کے تابع جذبِ دائے سحر کو اعجاز کو
زیرِ حرف و لفظ کر کے شعلۂ آواز کو
نطق کے سانچے میں ڈھالا زندگی کے ساز کو

تیرے درد و غم خوشی کو بات کرنا آگیا
شعر بن کر سطح کا جذبہ ابھرنا آگیا

تیرے لہجے سے نمایاں تھا مروت کا سبق
تیرے نغموں میں رہا ہمدرد محبت کا سبق
ترجمانی تھی ترے امن و اخوت کا سبق
عمر بھر تو نے دیا تھا آدمیت کا سبق

تو نے ہستی کو نئی موجِ ترنم دے گیا
غمزدہ انساں کے ہونٹوں کو تبسم دے گیا

حسنِ فطرت کا نمایاں تھا ترے اشعار میں
جلوۂ امروز و فردا تھا ترے افکار میں
بھول اٹھے تھے ہات تیرے گلشنِ گفتار میں
تیری نظروں کا گزر تھا پردۂ اسرار میں

یہ نوائے کیف و مستی، یہ تری گیتانجلی
زیست کے محراب میں ہے ایک شمعِ زندگی

معبدِ جذبات کو مستی فشانی مل گئی
سارے احساساتِ نازک کو جوانی مل گئی
بحرِ دل کی مردہ لہروں کو روانی مل گئی
زندگانی کے لبوں کو نغمہ خوانی مل گئی

عام تھے نغمات تیرے شش جہت کے واسطے
تو مسیحا تھا مریضِ انسانیت کے واسطے

●

(بشکریہ: روحِ ادب، جلد: اوّل، شمارہ: ۲)

بچہ مزدوری پر ایک جائزہ

ھندوستان کے معزز سپریم کورٹ نے ۱۰ دسمبر ۱۹۹۶ء کو اپنے فیصلہ میں خطرناک کاموں میں لگے بچوں کو خطروں سے نکالنے اور انھیں بحال کرنے اور غیر خطرناک کاموں میں لگے بچوں کے کام کی صورت حال کو بہتر بنانے سے متعلق طور اور طریقوں کے سلسلہ میں کچھ مخصوص ہدایات جاری کی ہیں۔ بچہ مزدور (امتناع و ضابطہ) ایکٹ برائے ۱۹۸۶ء میں پیش کردہ گنجائشوں کے مطابق بچہ سے مراد ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس نے اپنی عمر کا ۱۴واں سال مکمل نہیں کیا ہے۔ مذکورہ جائزہ میں سہلوگ مختلف کاروباری اداروں میں کام کرنے والے تمام ایسے بچوں کی شناخت کریں گے۔

سپریم کورٹ کا مذکورہ فیصلہ متعلقہ خطروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل نکات کو زیر غور لاتا ہے :

(الف) کام کرنے والے بچوں کی شناخت سے متعلق ایک جائزہ پیش کرنا ۸ جون ۱۹۹۷ء تک مذکورہ رپورٹ معزز سپریم کورٹ کو پیش کر دینا ہوگا۔

(ب) خطرناک کاموں میں بچوں کو لگانے کے جرم میں مرتکب پائے جانیوالے ضرر رساں آجروں سے فی بچہ ۲۰۰۰۰/- روپے اکٹھا کرنا اور اسے بچہ مزدور بحالی اور رفاہ فنڈ میں جمع کروانا۔

(ج) کام سے نکل جانے والے بچے کے خاندان کے ایک بے روزگار بالغ فرد کو روزگار فراہم کرنا اور اگر ایسا کرنا ممکن نہیں ہو پایا تو ریاستی حکومت کی جانب سے مذکورہ بالا فنڈ میں جمع شدہ ۲۰۰۰۰/- روپے تا ۲۵۰۰۰ روپے پر تحریری معاہدہ کے تحت ملنے والی سود کی آمدنی کی ادائیگی کام سے نکلوائے گئے بچوں کے خاندانوں کو کروانا اور اگر مذکورہ بچوں کے والدین / گارجین اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کرتے ہیں۔ گرچہ انھیں اس کے ساتھ ساتھ روزگار کی سہولت دی گئی ہو یا رقم کی ادائیگی سے نوازا گیا ہو تو ان کو ملنے والی رقم کی ادائیگی بند کر دی جائیگی یا ان کو عطا کردہ روزگار کی سہولت سے محروم کر دیا جائے گا۔

(د) یومیہ کام کے گھنٹوں کا تعین کرنا اور کم از کم دو گھنٹے روزانہ تعلیم کے لئے وقف کرنے کا یقین دلانا۔ علاوہ ازیں تعلیم پر آنے والے تمام اخراجات متعلقہ آجر کو برداشت کرنے ہوں گے۔

<u>جائزہ کا مقصد</u> :- مذکورہ جائزہ کا مقصد معزز سپریم کورٹ کے ہدایات پر عمل در آمد کروانا ہے۔ اس جائزہ کے دوران بچہ مزدور اور مختلف کل کارخانوں میں ان کے کام کاج کے ماحول کی جانچ پڑتال کرنا ہی کافی نہیں ہے جہاں کہیں خطرناک یا غیر خطرناک روزگار میں لگا کوئی بچہ ملتا ہے تو سپریم کورٹ کی ہدایات کے مطابق چند مخصوص کارروائی کرنی چاہیئے۔

<u>جائزہ کا رقبہ</u> :- خطرناک اور غیر خطرناک دونوں ہی قسم کے روزگار پر مشتمل دیہی اور شہری دونوں ہی پر مشتمل کل ریاست میں جائزہ ہذا کے انعقاد کا انتظام کیا جائے گا مرکزی حکومت یا ریلوے انتظامیہ یا ایک بڑا بندرگاہ یا ایک کان یا کستت روغن کے زیر اختیار کاروباری اداروں کے سلسلہ میں مقامی لیبر کمشنر (مرکزی) جائزہ ہذا کی ذمہ داری اٹھائیں گے۔ ان سے یہ بھی استدعا کی گئی ہے کہ وہ ضلع وار ایک رپورٹ تیار کریں اور اسے ضلع حکاموں کے پاس روانہ کر دیں۔ مذکورہ ضلع حکام اضلاع سے متعلق رپورٹ تیار کرنے کے دوران اس رپورٹ کو بھی اس میں شامل کریں گے۔ کارخانہ ایکٹ برائے ۱۹۴۸ء کے تحت رجسٹرڈ کارخانوں کے سلسلہ میں کارخانوں کے انسپکٹر حضرات جائزہ ہذا کرا سکتے ہیں اور اس کی رپورٹ ضلع حکام کو پیش کر سکتے ہیں اگر دیگر افسران مذکورہ جائزہ لینے کا کام کرتے ہیں تو انھیں چاہیئے کہ وہ ضلع کے ماتحت کارخانوں کے انسپکٹروں کے سامنے اسے پیش کر دیں۔

<u>تمام کاروباری اداروں اور کارگاہوں کا جائزہ</u>:- سپریم کورٹ نے یہ ہدایت دی ہے کہ ۱۰ جون ۱۹۹۷ء تک خطرناک کاموں میں لگے بچہ مزدوروں کے جائزہ پر مشتمل رپورٹ کورٹ ہذا میں داخل کر دی جانی چاہیئے۔ گرچہ عدالتی فیصلہ خصوصی طور پر خطرناک کاموں میں لگے بچوں کے جائزہ کو زیر بحث لاتا ہے تاہم تمام کاروباری اداروں اور کارگاہوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ سپریم کورٹ کی مخصوص ہدایات کو روبہ عمل لانے کے لئے ایسا کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ کاروباری اداروں کے دائرہ عمل میں دکان، تجارتی ادارے، کارخانے، کھیت رہائشی ہوٹل / ریسٹورانٹ، خانہ خوردنی، تھیٹر یا دیگر عوامی تفریح اور کھیل تماشہ کے دیگر مقامات آتے ہیں۔ ورکشاپ یا کارخانہ سے مراد کوئی ایسی جگہ ہے جہاں صنعتی کام کاج زیر عمل لائے جاتے

ہوں۔ مذکورہ بالا طرز کے تمام کاروباری ادارے اس جائزہ کے دائرہ عمل میں آتے ہیں۔ بچہ مزدوری ایکٹ برائے ۱۹۸۶ء میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی کاروباری اپنے خاندان کے افراد کی مدد سے کوئی کاروباری ادارہ چلاتا ہے تو اس طرح کے کاروباری اداروں پر مذکورہ بالا ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا جائزہ ہذا میں سلوک مذکورہ بالا طرز کے کاروباری اداروں کو شامل نہیں کریں گے۔ بہرکیف علاوہ ازیں تمام کارگاہوں کو خواہ وہ رجسٹرڈ ہوں یا نہیں جائزہ ہذا کے زیر عمل لایا جائے گا۔

جائزہ لینے والی ٹولی کی تشکیل:- جائزہ ہذا کے سلسلہ میں ہر ایک بلاک/میونسپل علاقوں میں جائزہ لینے والی متعدد ٹولیاں بنائی جائیں گی۔ مذکورہ ٹولی کی تعداد کا انحصار مختلف علاقوں میں واقع مذکورہ بالا کاروباری اداروں کی وقوع پذیری پر ہوتا ہے۔ ہر جائزہ لینے والی ٹولی کم از کم دو رکنی ہوں گی۔ ان میں سے ایک کی تقرری بچہ مزدوری ایکٹ برائے ۱۹۸۶ کی دفعہ ۱۷ کے تحت بحیثیت انسپکٹر کی جائے گی۔ سلوک جائزہ ہذا سے متعلق امور کے سلسلہ میں رہنمائی کے لئے منتخب نمائندوں کی مدد لے سکتے ہیں۔

جائزہ کی میعاد:- مذکورہ جائزہ لینے والی ٹولی کو چیدہ مخصوص علاقے عطا کئے جائیں گے۔ معزز سپریم کورٹ کی ہدایات پر عمل درآمد کروانے کی ذمہ داری جائزہ لینے والی ٹولی پر عائد ہوگی۔ جائزہ لینے والی ٹولیوں کی تربیت حاصل کر لینے اور فارم اور دیگر کاغذات، جائزہ لینے والی لوازمات کے تیار ہو جانے کے فوراً بعد ہی جائزہ ہذا کا کام شروع ہو جائے گا گرچہ مقصد ہذا کے سلسلہ میں کوئی مخصوص تاریخ مقرر نہیں کی گئی ہے تاہم جائزہ ہذا کی مرتب شدہ رپورٹ شعبۂ محنت میں ۱۵ر جون ۱۹۹۷ء تک جمع کر دی جائے گی۔

مختلف تنظیموں کی باہمی امداد:- جائزہ ہذا کے دوران سلوک ایجلائزیشن، ایجلائزس ایسوسی ایشنس، غیر سرکاری تنظیموں، مقامی کلبوں وغیرہ کے نمائندوں جیسی تنظیموں سے مدد لے سکتے ہیں۔ جائزہ لینے کے کام کاج میں منتخب نمائندوں کی شمولیت لازمی ہے۔ خصوصاً ان علاقوں کی نشاندہی میں جہاں گوناگوں کاروباری ادارے واقع ہیں اگر آجرین/بچہ مزدور/والدین یا گارجین/مقامی لوگ اس مہم کی مخالفت کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کی شمولیت ان کے ارادوں کو ناکام بنا دیں گے۔

بچہ کی عمر پر تنازعہ:- بچہ کی عمر جائزہ لینے کی تاریخ کے مطابق ہونی چاہئے۔ بچہ کے آجر کو چاہئے کہ وہ بچہ کی تاریخ پیدائش، اس کے نام پر (بچہ مزدوری ایکٹ کی دفعہ ۱۱ کے مطابق) مشتمل ایک رجسٹر جاری رکھے۔ اگر اس بچہ کی عمر سے متعلق جو کسی کاروباری ادارہ میں کام کرتا ہے کوئی سوال انسپکٹر اور آجر کے درمیان اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو، سند پیدائش کی عدم موجودگی کی صورت میں مقررہ شدہ طبی حکام کے پاس فیصلہ کے لئے انسپکٹر حضرات اس معاملہ کو بھیج دیتے ہیں اور مذکورہ طبی حکام (ایکٹ ہذا کی دفعہ ۱۰) کی جانب سے تعین کردہ عمر کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر طبی حکام کو کوئی حق خدمت/اجرت ادا کرنا پڑی تو اس کی ادائیگی کی ذمہ داری مذکورہ کاروبار کے آجر پر عاید ہوتی ہے (ضابطہ ۱۱(۲))۔

کام سے علیحدہ کئے گئے بچوں کی تعلیم:

کورٹ ہذا کے فیصلہ کے مطابق خطرناک پیشوں سے علیحدہ کئے گئے بچوں کو ایک موزوں اور مناسب تعلیمی ادارے میں تعلیم دلوانے کا یقین دلوانا ہوگا۔ ہدایت ہذا کے مطابق مذکورہ ایکٹ کی دفعہ ۱۷ کے تحت انسپکٹروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ ہدایت ہذا پر عمل درآمد ہو رہا ہے یا نہیں اس کے بموجب انسپکٹروں کو لازمی کارروائی کرنی ہے جس سے کام سے نکالے گئے بچوں کو ان کے گھروں سے قریب واقع تعلیمی اداروں میں داخل کیا جائے۔ انھیں رسمی اور غیر رسمی دونوں ہی قسم کے اسکولوں میں تعلیم دلوائی جائے۔ اسکولوں میں ان بچوں کے داخلے کے سلسلہ میں انسپکٹروں کو اکثر و بیشتر ان کے اسکولوں اور گھروں میں جانا چاہئے۔ یہ لوگ بی ڈی او/زونل افسران کے صلاح و مشورہ کے بعد ان کے متعلقہ تعلیمی اداروں کو ضروری ہدایات بھی جاری کر سکتے ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ: صفدر علی خان)

بچوں سے مزدوری کرانے کے خاتمہ کیلئے عزم مصمم

بچوں کے مزدوری کرنے کی بنیادی وجہ کنبے کی غریبی ہے۔ محنت مزدوری کرنے والے بچوں کو کھیتی باڑی اور پود کاری کے کام، گھریلو کاموں، جنگل بانی اور ماہی گیری کے کام، گھریلو صنعتوں، دکانوں اور ہوٹلوں میں کام، جوتوں پر پالش کرنے کے کام، چھوٹی اور بڑی صنعتوں، نقل و حمل اور شیلی مواصلات کے کام وغیرہ پر لگایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مزدور بچوں کی تعداد سب سے زیادہ یعنی تقریباً ۱۷۰٫۲ لاکھ ہے۔ کل مزدوروں میں ان کی تعداد تقریباً ۷ فیصد ہے اور مجموعی اندرون ملک پیداوار کے لئے ان کا تعاون ۲۰ فیصد ہے۔ صرف سات ریاستوں میں ہی مزدور بچوں کی تعداد نوے فیصد سے زیادہ ہے۔

<u>عزم مصمم</u>:- حکومت کا مقصد پانچ سال کیلئے ہر سال ۲۰ لاکھ بچوں کی باز آبادکاری کرنا ہے۔ ہر سال ایک بچے پر تقریباً ۴۳۰۰ روپے خرچ جائیں گے، جو ۳۵۸ روپے ماہانہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ رقم کافی نہیں ہے، لیکن ان بچوں کے رہن سہن کے حالات بہتر بنانے کے سلسلے میں شروعات کر دی گئی ہے۔ عوام کے سماجی و معاشی حالات میں عام بہتری آنے سے امید ہے کہ صنعتوں میں بچوں سے محنت مزدوری کرانے کا معاملہ رفتہ رفتہ ختم ہوتا جائے گا۔

<u>قومی پروجکٹ</u>:- حکومت نے ۹۳ اضلاع میں مزدور بچوں سے متعلق پروجکٹوں کو منظوری دی ہے۔ ان کے علاوہ مزدور بچوں سے متعلق قومی پروجکٹ کی اسکیم کے تحت ۱۲ پروجکٹوں پر بھی عملدرآمد کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ پروجکٹ کے تحت تقریباً ۱۴ ہزار بچوں کو مستفید کیا جائیگا۔ مزید برآں، حکومت نے ملک میں مزدور بچوں کی سب سے زیادہ تعداد والے ۳۴ اضلاع کے لئے ۶۲٫۵ کروڑ روپے کی رقم بھی جاری کی ہے۔ مزدور بچوں کے بارے میں تفصیلی سروے کرانے کے سلسلے میں ۲۱۲ اضلاع کیلئے ۲٫۴۶ کروڑ روپے کی رقم بھی جاری کی گئی ہے۔ خطرناک پیشوں میں بچوں کے کام کرنے کی روک تھام کرنے کی غرض سے، عملدرآمدی مشینری کو مستعد بنایا گیا ہے کہ وہ مزدور بچوں کے کنبوں کے مار... بہتر ... سرگرامیوں پر توجہ دے اور بچوں سے محنت مزدوری کرانے کے سلسلے میں لوگوں کی حوصلہ شکنی کرے تاکہ والدین کو معاشی طور سے مستحکم بنایا جائے اور اس طرح وہ اپنے بچوں کو اسکول بھیج سکیں۔

مزدور بچوں سے متعلق قومی پروجکٹ میں تعلیمی اور پیشہ ورانہ تربیت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ خصوصی اسکول قائم کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، اس پروجکٹ میں ماہانہ وظیفہ پر مبنی ترغیب، کام کرنے کی جگہوں سے لئے گئے بچوں کے لئے دوپہر کے کھانے اور صحت کی دیکھ بھال کا اہتمام بھی ہے۔ خطرناک صنعتوں میں بچوں سے محنت مزدوری کرانے کا معاملہ ختم کرنے کے کام میں پنچائتوں کی شمولیت کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ یہ بھی محسوس کیا گیا ہے کہ پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ ساتھ لازمی اور مفت ابتدائی تعلیم دینے سے آگے چل کر بچوں کو مناسب ہنر حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔

<u>بیداری کی مہم</u>:- بچوں سے مزدوری کرانے کے خلاف لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے اخبارات، رسائل اور الیکٹرونک ذرائع ابلاغ میں اس سال وسیع پیمانے پر بیداری پیدا کرنے کی قومی مہم شروع کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ، ملک میں مزدور بچوں کی سب سے زیادہ تعداد والے علاقوں کے ریاستی اور ضلعی افسران کے ساتھ تفصیلی تبادلۂ خیالات کیا گیا ہے۔ حکومت کا ارادہ ہے کہ ۲۰۰۰ء تک مرحلہ وار اندازہ ۲۰ لاکھ خطرناک پیشوں میں بچوں سے محنت مزدوری کرانے کا معاملہ رفتہ رفتہ ختم کیا جائے۔

<u>قانونی ضابطے</u>:- مختلف کمیٹیاں قائم کرنے کے علاوہ، حکومت نے مزدور بچوں کی تعداد میں اضافے کی روک تھام کرنے کے لئے متعدد قانون منظور کئے ہیں۔ تمام قوانین میں بچوں کے لئے روزگار شروع کرنے کی کم سے کم عمر مقرر کرنے کے علاوہ ملازم بچوں کیلئے کام کرنے کے اوقات، آرام اور چھٹی کی سہولیات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ بچوں سے مزدوری کرانے کی ممانعت اور روک تھام سے متعلق قانون ۱۹۸۶ء میں بچوں کیلئے کام کرنے کے اوقات کی ضابطہ بندی کرنے، رات کے وقت ان سے کام کرانے پر پابندی، کام کرنے کے اوقات کے علاوہ بھی ان سے کام کرانے کی ممانعت وغیرہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مذکورہ قانون میں اس قانون کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے پر سخت سزا کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ جس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ مزدور بچوں کے تئیں سماج کے رویے میں مکمل تبدیلی لائی جائے۔ موجودہ قوانین کے وسیع دائرہ کار کے پیش نظر ان قوانین پر موثر طور سے عملدرآمد نیز نگرانی اور عملدرآمد کرنے والی مختلف محکمہ جاتی ایجنسیوں میں قریبی تال میل کی ضرورت ہے۔

(بشکریہ: پی آئی بی)

جنگ کے برے اثرات سے بچوں کو محفوظ رکھنے پر اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ

جنگ میں بچوں کو کسی قسم کا کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہیئے

نئی دہلی مورخہ ۸ نومبر:

آج یعنی ۸ نومبر کو اقوام متحدہ میں بچوں پر پڑنے والے مسلح تصادم کے اثرات پر بولتے ہوئے رپورٹ ہذا کی مصنفہ گریکا ماشیل نے کہا — "دنیا کو چوس چوس کر ایک تخریب الاخلاق خلا میں تبدیل کیا جا رہا ہے"۔ اقوام متحدہ کی یہ رپورٹ دنیا کے مختلف مقامات میں ہونے والی تیس سالہ جنگوں سے متاثر ہونے والے بچوں کی ایک تفصیل پیش کرتا ہے۔ اس موضوع پر پہلی مرتبہ اتنی جامع رپورٹ مرتب کی گئی ہے۔ اس کے نتائج غیر لچکدار اور غیر مصالحانہ ہیں۔" مادام ماشیل فرماتی ہیں۔ "بچوں پر ظلم و حیوانیت کے پہاڑ توڑے جانے کے جو بھی اسباب رہے ہوں اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور حیوانیت کے اس کھیل پر مکمل طور پر پابندی عاید کریں"

یہ رپورٹ جو مادام ماشیل کی قیادت میں ہونے والی دو سالہ تفصیلی تحقیق اور صلاح و مشورہ کا نتیجہ ہے حالیہ صورتحال کا نتیجہ ہی نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ایک دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ آپ فرماتی ہیں — "ان تمام باتوں کے علاوہ یہ رپورٹ حرکت میں آنے کی ایک پکار ہے۔ یہ نہایت ہی قابل غور بات ہے کہ ہم لوگ بارہا واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ بچوں کے حقوق پر حملے ہوئے ہیں اور ہم لوگ انہیں روکنے میں اور بچوں کا دفاع کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ یہ ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ بچوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک ہو رہا ہے، ان کی بے حرمتی کی جا رہی ہے، ان کو قتل کیا جا رہا ہے اور باوجود ان تمام باتوں کے ہمارا ضمیر بالکل خاموش ہے اور یہ ہمارے وقار کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ ۱۹۹۴ء کے دوران اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بطرس غالی نے موزمبیق کی سابق وزیر تعلیم مادام کی تقرری اپنے ایک ماہر کی حیثیت سے کیا تھا۔ اس کے تحت ان کو جنرل اسمبلی کی جانب سے سونپی گئی ذمہ داری یعنی مسئلہ ہذا کی تفصیلی جانچ پڑتال سے وابستہ بچوں پر مسلح حملوں کے برے اثرات کا محاسبہ کرنا تھا۔ مادام ماشیل فی الحال نیویارک میں اقوام متحدہ کی تیسری کمیٹی کو اپنی رپورٹ پیش کرنے والی ہیں۔ اگر مذکورہ رپورٹ کی سفارشوں کو اقوام متحدہ کی رکن ریاستیں قبول کر لیتی ہیں تو یہ مذکورہ ریاستیں جنگوں میں پھنسے بچوں کو تحفظ بخشنے کی اگلی کارروائی کا خاکہ تیار کریں گی۔

اس دوران آپ نے مسلح حملوں کے اثرات سے بچوں کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں بے شمار ٹھوس قدم اٹھانے کی تجویز رکھی ہے۔

مادام ماشیل کی اہم ترین بنیادی مانگ یہ ہے کہ — "جنگ میں بچوں کا کوئی کردار ہی نہیں ہونا چاہیئے۔"

رپورٹ ہذا اس عالمی بے حیائی اور کھوکھلی آسودہ خاطری کو تنقید کا نشانہ بنا رہی ہے جس کے باعث گذشتہ دہائی کے دوران مسلح حملوں میں ۲ ملین بچوں کو موت کا منھ دیکھنا پڑا اور مذکورہ تعداد سے تین گنا زیادہ بچے بری طرح زخمی ہوئے یا مستقل طور پر معذور ہو گئے۔ ماشیل فرماتی ہیں کہ "ہزاروں بچے ان حملوں میں ایسے پھنسے ہیں جہاں وہ لوگ محض تماشائی ہی نہیں تھے بلکہ نشانہ بنے تھے۔" بین الاقوامی فرقہ کو چاہیئے کہ وہ بچوں پر اس ناقابل قبول اور ناقابل برداشت حملوں کی مذمت کریں۔"

رپورٹ مذکورہ میں درج رائے کے مطابق اس سلسلہ میں ٹھوس کارروائی کی ضرورت کو کبھی بھی تعمیل طلب نہیں گردانا گیا ہے۔ یہ رپورٹ جنگ کی بدلتی ہوئی نوعیت پر بھی تبصرہ پیش کرتا ہے۔ آج کی جنگیں ریاستوں کے درمیان نہیں لڑی جاتی ہیں بلکہ آپس میں گاؤں گاؤں اور سڑک سڑک پر لڑی جاتی ہیں۔ اس نے شہریوں کو بندوق کی گولیوں سے نشانہ پر لا کھڑا کر دیا ہے اور اب انہیں ۹۰ فیصد سے زائد جنگ

کے شکار لوگوں کے لئے جواب دیتے ہیں۔ بچوں کا تناسب ان مقتولین اور محرومین میں نصف سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بیشتر بم اور گولی سے مارے گئے ہیں اور دوسروں کے جسم کے پرخچے سرزمینی سرنگوں میں دھماکہ خیزی سے اڑے ہیں بہت ساری اموات زیادہ تر بلا واسطہ طور پر اور جنگ کی ناقابل تصور تباہ کاریوں، صحت مراکز کی تباہی، پانی سپلائی کی تباہی اور خاندانوں اور لوگوں کی خانماں بربادی کے سبب ہوئی ہیں۔

رپورٹ ہذا کے مطابق ہتھیاروں کی آسان دستیابی نے خونریزی میں اضافہ کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں دس ہزار لڑکے اور لڑکیوں کو مسلح افواج میں بھرتی کیا گیا ہے۔ نئی نسل کو حملہ آور ہونے کے لئے آسانی سے استعمال میں آنے والی ہلکی رائفل دستیاب ہیں۔ انھیں توڑ کر علیحدہ علیحدہ میزوں میں بھی رکھا جا سکتا ہے اور حسب ضرورت ان ٹکڑوں کو جوڑ کر رائفل تیار کر لی جاتی ہے۔ عام طور پر ۱۰ سال یا اس سے بھی کم عمر کے بچے جوڑ کر استعمال کر سکتے ہیں اور ان کی قیمت دے کر خریدی جاتی ہے جتنے میں ایک مرغی کا بچہ خریدا جاتا ہے۔

رپورٹ مذکورہ مسلح افواج میں ۱۸ سال کی عمر سے کم کے بچوں کی بھرتی پابندی عائد کرنے کے لئے ایک عالمی تحریک چلانے کی مانگ کرتی ہے اور اس امر پر بھی زور دیتی ہے کہ ۱۸ سے نیچے کی عمر کے بچوں پر مشتمل تمام مسلح افواج کی سبکدوشی کا پروانہ فوری طور پر جاری کیا جائے۔ بچوں کے حقوق پر منعقدہ کنونشن میں خصوصی اختیاری مسودہ پر جلد از جلد عملدر آمد اور مسلح افواج میں بھرتی اور شریک کی کم از کم عمر کو بڑھا کر ۱۸ سال کرنے کیلئے جملہ ممالک سے استدعا کی گئی ہے۔

مذکورہ رپورٹ میں اس بات کی بھی مانگ کی گئی ہے کہ سکریٹری جنرل کے ایک خصوصی نمائندہ کی تقرری ہونی چاہئے۔ نمائندہ ہذا کا کام رپورٹ کی سفارشات پر ہونے والے ترقیاتی کاموں کی نگرانی اور جنگ میں بچوں کو ملوث کئے جانے کے جملہ مسائل کو بین الاقوامی ایجنڈا پر بخوبی لانا ہوگا۔

داخلی طور پر اجڑے ہوئے لوگوں کی روز افزوں کثیر تعداد کی اشد ضرورتوں کو تسلیم کرتے ہوئے رپورٹ ہذا یہ سفارش کرتی ہے کہ جنگ کے نتیجہ میں پیدا شدہ تمام صورت حال میں داخلی طور پر اجڑے اور خانماں خراب بچوں کو تحفظ اور راحت پہنچانے کے لئے اقوام متحدہ کا بچوں کا فنڈ ـــ یو این آئی سی ای ایف کے استعمال میں لانے کو ترجیح دینی چاہئے۔

جنگی ہتھیار کے طور پر عصمت دری اور بڑھتے ہوئے واقعات کے ساتھ متعلقہ جنگوں کے دوران خواتین اور لڑکیوں کو لاحق خصوصی خطرات پر روشنی ڈالتے ہوئے رپورٹ ہذا یہ سفارش پیش کرتی ہے کہ جنگ کے دوران زنا بالجبر اور جنسی اذیت کے تمام واقعات کے خلاف جنگی جرائم کے تحت کارروائی کرنی چاہیے اور تمام فوجی حکام کو جو امن و امان کی بحالی کے کام میں مشغول کئے جاتے ہیں، خواتین اور بچوں سے متعلق ان کی ذمہ داریوں پر مشتمل ایک خصوصی تربیت دینے کا انتظام کرنا چاہئے۔

جنگوں کے اختتام میں پہنچ جانے کے بعد بھی آج تک بچوں کو عالمی جنگ کے علاقوں میں بچھی تخمینہ شدہ ۱۱۰ ملین دشمن افواج زمینی سرنگوں کے خطرات لاحق ہیں۔ زمین دوز سرنگوں کی تشکیل ان کے استعمال، ان کی تجارت اور ذخیرہ اندوزی پر مکمل پابندی عائد کرنے کے سلسلہ میں ایک نمودار ہوتی ہوئی بین الاقوامی تحریک کی حمایت کرتے ہوئے، رپورٹ ہذا نے انسان دوست زمینی سرنگوں، جنس اور عمر موزوں سرنگ بیداری پروگراموں کی اہمیت اور بچوں کی بحالی کی ضرورت پر کافی زور ڈالا ہے۔ اس نے یہ بھی تجویز پیش کی ہے کہ مذکورہ بالا فلاحی کاموں کے لئے مالی امداد فراہم کرنے میں خصوصاً ان کمپنیوں اور ممالک کو پہل کرنی چاہئے جنہوں نے مذکورہ بالا مہلک ہتھیاروں کی فروخت سے نفع کمایا ہے۔

رپورٹ ہذا یہ دلیل پیش کرتی ہے کہ صنعت، تعلیم اور نفسیاتی و سماجی حمایت کو بچوں کی طویل مدتی فروغ کو تحفظ بخشنے کی خاطر جنگ کے دوران جملہ ہنگامی مداخلتوں کا تین ستون بننا چاہئے۔

رپورٹ مذکورہ بین الاقوامی فرقہ سے یہ بھی مانگ کرتی ہے کہ وہ اس امر کا یقین دلائے کہ منظوریوں کو ٹھیک نشانہ کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے اور ان بنیادی سماجی خدمات کو کم اہمیت کا حامل بنانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے جو بچوں کی خوشحالی اور بہتری کے لئے نہایت ہی ضروری ہیں۔ بچوں پر پڑنے والی منظوریوں کے اثرات کو نہایت ہی احتیاط برتتے ہوئے اور نہایت ہی ہوشمندی کے ساتھ جانچا جانا چاہئے۔

باقی صفحہ ۱۶ پر

مغربی بنگال بنگلہ اکاڈمی میں رابندرناتھ ٹیگور پر سمینار

پچھم بنگا بنگلہ اکاڈمی کے زیر اہتمام گزشتہ ۱۲ مئی کو اکاڈمی کے ہال میں آئندہ نسل کے خیالات میں رابندرناتھ کے موضوع پر ایک سمینار کا انعقاد ہوا۔ پہلے دن کا ساختہ دو روزہ سمینار کی کڑی تھی۔ بنگلہ اکاڈمی کے زیر اہتمام ٹیگور کے جشن سالگرہ تقریبات میں سمینار کے علاوہ دوسرے ہی دن کوی سمیلن کا بھی انعقاد کیا گیا۔ مشہور گلوکار شری سیلن داس نے سمینار کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ موسیقی پریمی رابندر اسنگیت کے لئے اپنے دل میں نرم گوشے رکھتے ہیں کیونکہ ٹیگور کے گیتوں کا ہر پہلو ادبی گہرائی سے ہی میل رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ دنوں کی صورت حال میں مادہ پرست سماج کے برے اثرات کو دور کرنے کے لئے رابندر ناتھ کے خواب و خیال کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے

ممتاز ادیب شری امیتابھ چودھری نے آئندہ دہائیوں کے بنگلہ ادیبوں کے سامنے ٹیگور کے مقام کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ٹیگور غیر معمولی طور پر آج بھی ان ادیبوں سے کافی ہم آہنگ ہیں۔

مشہور ڈرامہ کار شری کمار رائے نے اپنی تقریر میں کہا کہ انھیں فخر ہے کہ بحیثیت ڈرامہ نگار وہ ان میں سے ایک ہے جو آج ٹیگور کی وراثت کی نگہداری کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ٹیگور کے ڈرامے جدلی تصورات کے تناظر میں تاریخی آگہی میں گراں مایہ ہیں۔

ممتاز آرٹسٹ شری بیجن چودھری نے رابندر ناتھ کی مصوری میں غیر معمولی جدت کاری پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ان کی مصوری نے نئی نسل کے مصوروں کو بہت زیادہ متحرک کیا ہے۔

سامعین کی بڑی تعداد میں چلنے والے اس سمینار کی صدارت ڈاکٹر بیجت کمار دت نے کی۔ انھوں نے اپنی صدارتی خطبہ میں سمینار کے سیر حاصل بحث کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ رابندر ناتھ آج کی ہماری روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انکی نگارشات آج کے موضوعات سے ہم آہنگ ہیں۔

■■

ہاروائیں و دیا دھاری ندی پر ایک نئے پل کی تعمیر

ہاروا میں ودیا دھاری ندی پر ایک ۳۰۰ میٹر طویل پل تعمیر کی جائے گی۔ اس کی تعمیر سندر بن ترقیاتی بورڈ کی طرف سے اپنائی گئی ترقیاتی اسکیم کے حصہ کے طور پر ہوگی اس مجوزہ پل کی تعمیر ۲۰۰۰ء تک مکمل ہو جائیگی۔ یہ پل ودیا دھاری ندی کے شمالی حصہ میں بیرا چمپا۔ ہاروا اور جنوبی حصہ میں لاہوائی۔ ہاروا کو جوڑ دے گا۔ چھ کروڑ روپے کی لاگت سے بننے والا یہ مجوزہ پل سندر بن علاقہ میں ماناخان، ہاروا اور سندیش کھالی بلاک کے دور دراز علاقوں اور کلکتہ کے بیچ ایک بڑا ذریعہ آمدورفت بن جائے گا اور چھ (۶) کروڑ روپئے کی پوری پروجکٹ لاگت کو برداشت پی ڈبلیو ڈی (روڈس) کے سندر بن ڈیولپمنٹ بورڈ ضلع حکام مساوی طور پر کریں گے۔

■■

بقیہ: ٹیگور کی شاعری میں موسیقی .....

اور نغمگی اپنی علیحدہ علیحدہ شناخت کھو دیتی ہے اور ایک متحد شعری تجربہ میں ڈھل جاتی ہے۔

حوالے اور حواشی

(۱) ہربرٹ ریڈ، دی مینگ آف آرٹ، پینگوئن بکس، لندن۔ ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۵ (۲) رابندرناتھ ٹیگور، سنگیت چنتا، وشوابھارتی ۱۹۶۷ء صفحہ ۲، ۳۱، ۴۹، ۷، ۴۹ (۷) ہربرٹ اسپنسر لٹریری اسٹائل اینڈ میوزک، ہالس اینڈ کو، لندن صفحہ ۷۵، (۸) ۶۴ (۹) رابندرناتھ ٹیگور سنگیت چنتا صفحہ ۳۲۷ (۱۰) ٹی ایس ایلیٹ، سلکیڈ پروز آف ٹی ایس ایلیٹ فیبر اینڈ فیبر لندن ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۱۳ (۱۱) ڈبلیو بی ایٹس، انٹروڈکشن ٹو ٹیگورس سانگ آفرنگس میکملن، دہلی، بمبئی، مدراس ۱۹۱۳ء صفحہ x تا xl (۱۲) بدھا دیو بوس، این ایکرز آف گرین گراس، پاپی رس، کلکتہ ۱۹۸۲ء صفحہ ۱۵ (۱۳) دنش ٹیگور سیڈ ٹور و لینڈ، یور ماڈرن میوزک اینڈ ویل آرگنائزڈ اینڈ ہارمونی کمپس دی میوزک بیونڈ ذی فارم اینڈ ٹریڈیشن اینڈ گاڈ ز فینٹیس، سنگیت چنتا صفحہ ۳۳۶ (انگریزی سے ترجمہ جعفر علی خان)

ہلیان میں مولانا ابوالکلام آزاد گرلز ہوسٹل کی مجوزہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا



• سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب میں جناب محمد امین مولانا معصومی، جناب عبدالمنان اور دیروپما اینزن

گزشتہ ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو ہلیان ہائی اسکول گراؤنڈ میں ہلیان آزاد سنگھ کے زیر اہتمام مولانا آزاد گرلز ہوسٹل کی مجوزہ عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کی مناسبت سے ایک پُرشکوہ تقریب منعقد ہوئی جس میں بطور مہمان خصوصی وزیر ترقیات و فلاح اقلیات جناب محمد امین صاحب نے شرکت فرمائی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں مرکزی حکومت کے تعاون اور مولانا ابوالکلام آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے پُرخلوص جد و جہد کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ علاقہ کی خواتین کی فلاح و بہبود اور پسماندہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد گرلز ہوسٹل کا قیام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے یقین دلایا کہ انتظامی امور میں اگر کسی قسم کے تعاون کی ضرورت پڑی تو ریاستی حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی کسر نہیں رہے گی۔ وزیر موصوف نے کلکتہ سمیت دیگر اضلاع میں ریاستی حکومت کی طرف سے گرلس ہوسٹلوں کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بایاں محاذ حکومت اقلیتی طبقہ کی ترقی و بہبود کے لئے کوشاں ہے۔ مجوزہ عمارت کی بنیاد مغربی بنگال وقف بورڈ کے چیئرمین حضرت علامہ مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی کے دست مبارک سے رکھی گئی موصوف نے اپنی تقریر کے دوران مرحوم مولانا آزاد کی اہلیہ کے نام پر ہوسٹل میں ایک بلاک بنانے کی تجویز پیش کی جسے ہوسٹل کمیٹی نے بطیب خاطر قبول کرلیا۔

دور حاضر میں تعلیم نسواں کی اہمیت اور ضرورت کے عنوان پر ایک اہم سیمینار بھی منعقد کیا گیا جس میں ریاست کے سربرآوردہ علمی شخصیتوں نے حصہ لیا۔ جلسہ کی صدارت مقامی ایم پی نوجوان لیڈر جناب حنان ملا نے کی۔ موصوف نے اپنے صدارتی خطبہ میں اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ میرے ہی پارلیمانی حلقہ انتخاب میں اس طرح کا ایک عظیم منصوبہ عملی جامہ پہننے جارہا ہے۔ انھوں نے اپنی طرف سے ہر قسم کے تعاون دینے کا وعدہ کیا۔

اخیر میں ہلیان آزاد سنگھ کے صدر جناب شیخ عبدالمجید نے مرکزی حکومت مولانا ابوالکلام آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن، مہمانان گرامی اور جملہ مدعوئین اور شرکاء کا پرخلوص شکریہ ادا کرتے ہوئے جلسہ اختتام کا اعلان کیا۔ اس تقریب میں علاقہ کی ممتاز شخصیتوں کے علاوہ چیئرمین اقلیتی کمیشن پروفیسر جمال شاہ قادری، سابق چیئرمین ہوڑہ میونسپل کارپوریشن جناب مشتاق احمد اور اورینٹل چیمبر آف کامرس کے سکریٹری جناب زبیر احمد بہ نفس نفیس موجود تھے۔

حقوق خواتین کے تحفظ کے لئے ۱۳ رکنی کمیٹی کی تشکیل

ریاستی حکومت نے حقوق خواتین کے تحفظ کے پیش نظر مندرجہ ذیل کارگزاروں کی شمولیت سے کلکتہ علاقہ کے ہر پولس ڈویژن میں ایک ضلع سطح کمیٹی کی تشکیل دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۔ ڈپٹی کمشنر آف پولس۔ — چیئرپرسن

۲۔ کلکتہ ہائی کورٹ کی منظوری سے شعبہ عدلیہ کے نامزد کردہ ایک جوڈیشیل افسر۔ — ممبر

۳۔ متعلقہ علاقہ سے منسلک کورٹ کے چیف پولس پروسیکیوٹر۔ — ممبر

۴۔ اس علاقہ کے ریاستی سرکاری اسپتالوں کے سپرنٹنڈنٹ۔ — ممبر

۵۔ خواتین کے مقامی کالج کی پرنسپل — ممبر

۶۔ لڑکیوں کے مقامی ہائی اسکول کی ہیڈ مسٹریس۔ — ممبر

۷۔ اس علاقہ کی پچیم سنگیہ گنتانترک مہیلا سمیتی سے ایک نمائندہ۔ — ممبر

۸۔ ناری دستیشو سمیتی سے ایک نمائندہ۔ — ممبر

۹۔ ناری دتیلیان سمیتی سے ایک نمائندہ۔ — ممبر

۱۰۔ پچیم سنگا مہیلا سمیتی سے ایک نمائندہ۔ — ممبر

۱۱۔ اگرا گامی مہیلا سنگھ سے ایک نمائندہ — ممبر

۱۲۔ نکھیل سنگیہ مہیلا سمیتی سے ایک نمائندہ۔ — ممبر

۱۳۔ ڈپٹی ڈائرکٹر آف سوشل ویلفیئر۔ — ممبر۔ کنوینر

ڈپٹی کمشنر آف پولس کو اس موضوع سے متعلق دیگر مفادات کی نمائندگی کے لئے مزید تین نمائندوں کو اس کمیٹی میں شامل کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اس کمیٹی کا کام کلکتہ علاقے میں عورتوں کے خلاف جرائم کی صورت حال کی تشخیص کرنا ہوگا، عورتوں سے متعلق بڑے معاملات کی تحقیق اور پولس کے ذریعہ کارروائی کو تیز تر کرنا ہوگا اور علاقے کی مخصوص ضروریات کی روشنی میں عورتوں کے خلاف جرم کو روکنے کے لئے صحیح حکاموں کو اقدامات کرنے کا مشورہ دینا ہوگا۔ یہ کمیٹی عورتوں کے حقوق کے عوامی محافظ کے طور پر کام کرے گی۔ یہ واحد سہل الحصول، زیادہ نظر آنے والی ایجنسی ہے جس سے وہ خواتین جن کے حقوق سلب کئے گئے ہوں، ازالہ کے لئے رابطہ قائم کرسکتی ہیں۔ اس کمیٹی کو قانونی مدد فراہم کرنے و وکالت کے لئے خاص مقدموں کو لینے کا اختیار ہوگا اور عورتوں کے خلاف مظالم سے متعلق معاملوں کا رجسٹریشن، عمل، تحقیقات اور انجام دہی کی نگرانی بھی کریگی۔ یہ کمیٹی دو مہینوں میں کم از کم ایک بار میٹنگ کریگی۔ ▪▪

بقیہ: جنگ میں بچوں کو کسی قسم کا کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہئے

علاوہ ازیں انسان دوست استثنات کو بچوں پر مرکوز ہونا چاہیئے۔

اس رپورٹ کے مطابق طویل مدت کے دوران بین الاقوامی فرقہ کو چاہئے کہ وہ پہلے مقام پر جنگ کے بھڑکتے شعلوں کو بھڑکنے سے روکنے جنگوں کے سماجی و معاشی اسباب کا جائزہ لے اور جنگی علاقوں کو اسلحہ فراہم کرنے پر پابندی عائد کرے۔ بہرکیف دریں اثنا ان لوگوں نے جنگ سے متاثر بچوں کو مدد اور راحت پہنچانے کی کوشش کی ہے پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ بچوں کے حقوق کی پامالی کے بارے میں بتائیں۔

یہ رپورٹ اس بات کی بھی مانگ کرتی ہے کہ بین الاقوامی طور پر متعلقہ معیاروں جو بچوں کو تحفظ بخشنے کے لئے آج بھی موجود ہے کی نشر و اشاعت بڑے پیمانہ پر کی جائے اور ان کا اطلاق بھی نہایت ہی سختی کے ساتھ کیا جائے۔ مذکورہ بالا کاموں کو روبرو عمل لانے کے لئے جینوا کنونشن کی قرارداد سے مدد لی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ جینوا کنونشن اور اس کی قرارداد بچوں کے حقوق کو تقویت بخشتے ہیں اور خواتین کے خلاف غیر مساوی سلوک و عمل کا خاتمہ کرتے ہیں۔

مادام ماشیل فرماتی ہیں ——— "یہ سفارشات قابل قبول اور قابل عمل ہیں۔ ہم لوگوں کو اپنے اندر صرف ایک مضبوط قوت ارادی پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور باقی باتیں خود بخود حسب ضرورت وقوع پذیر ہو جائیں گی۔ کچھ نہ کرنے کا متبادل بعید از قیاس ہے۔ مستقبل میں امن و امان کی برقراری و بحالی کیلئے ہم لوگوں کو چاہیئے کہ آج ہی سے ہم لوگ بچوں کو تحفظ بخشنے کے کام میں جٹ جائیں (ترجمہ: صفدر علی خان) ▪▪



پچھم بنگا سرامک کلیان پریشد کے زیر اہتمام گزشتہ یکم مئی کو رابندرا سدن میں جشن یوم مئی کی پرشکوہ تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں مہمان خصوصی
کی حیثیت سے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے شرکت فرمائی۔ اس جلسہ کی صدارت وزیر محنت شری شانتی گھٹک نے کی
اس تقریب میں وزیر نقل و حمل شری شیامل چکرورتی، وزیر تعمیرات عامہ شری کشتی گوسوامی، وزیر خود روزگار
شریمتی چھایا بیرا، وزیر ترقیات و فلاح اقلیات شری محمد امین، وزیر ریلیف آفات سماوی، شری سد گوپال
بھٹاچاریہ اور لیبر سکریٹری شری کالوس رامیم نے شرکت کی۔ (تصویر: شکریہ ایس پاترا)



MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
June 1, 1997

RLGD. No. WB/CC-596
Vol. No. 44, Issue No. 11
Price 50 Paise



وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو گزشتہ ۲۴ اپریل ۱۹۹۷ء کو بدھان نگر میں بدھان نگر، جنوبی دمدم
اور دمدم میونسپلٹیوں کے لیے ''فلٹرڈ واٹر سپلائی سسٹم'' کے آبی اسٹیشن کا
افتتاح کرتے ہوئے۔

نیچے: آبی اسٹیشن کی بیرونی شبیہ دیکھی جا سکتی ہے۔

(تصویر: مدھوسودن گھوش)



Editor Tarun Bhattacharya, Asst. Editor Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta 700 012

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۲۴ ■ ۱۵ جون سنہ ۱۹۹۷ء ■ شمارہ نمبر ۱۲

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹا چاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپے • نصف سالانہ : پانچ روپے

• فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر :

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۵ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ

کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک ، ا

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5401/3371 Ext : 710

ترتیب

کلکتہ میں بعد از خواندگی اور مسلسل تعلیم پر ورک شاپ



وزیر اطلاعات شری بدھا دیب بھٹا چاریہ پہلے دن ورک شاپ کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے

شعبۂ عوامی توسیع تعلیم اور ریاستی وسائل مراکز برائے تعلیم بالغاں نے مشترکہ طور پر گزشتہ ۴ر جون ۱۹۹۷ء کو ریاستی سطح پر بعد از خواندگی و مسلسل تعلیم پر دو روزہ ورک شاپ منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹا چاریہ اسی دن صبح کو کلکتہ کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں افتتاحی تقریب سے خطاب کیا۔ وزیر شعبۂ اصلاحات آراضی، دیہی ترقیات و پنچایت شری سوریہ کانت مشرا اس تقریب میں مہمان اعلیٰ کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ وزیر ریاست برائے لائبریری خدمات شری نیمائی مال، وزیر ریاست برائے عوامی توسیع تعلیم شریمتی انجو کور نے افتتاحی تقریب کو اپنی شرکت سے رونق بخشی۔

دوسرے دن ۵ر جون کو اسی مقام پر اختتامی تقریب کا انعقاد ہوا۔ جس میں وزیر صحت و خاندانی رفاہ شری پارتھو دے، وزیر برائے تکنیکی تعلیم و تربیت شری بنگشو گوپال چودھری اور شری بمان بوس نے شرکت فرمائی۔

مغربی بنگال کے شہری مقامی اداروں میں مقررہ آبی محصول پر مبنی ایک پالیسی بیان

وزیر بلدیاتی امور و شہری ترقیات شری اشوک بھٹا چاریہ نے گزشتہ ۱۱ اپریل کو رائٹرس بلڈنگس میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے مغربی بنگال کے شہری مقامی اداروں میں مقررہ آبی محصول پر مبنی ایک وضاحتی پالیسی بیان پیش کیا۔ ذیل میں اس بیان کا اردو متن پیش ہے:

شہر کلکتہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں پانی کا اہم ترین ذریعہ ہگلی ندی ہے۔ مغربی بنگال میں واقع دیگر میونسپل علاقوں میں کچا پانی ندیوں اور گہرے ٹیوب ویلوں دونوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ شہری مقامی اداروں کے لگان مصارف کا ایک اہم حصہ شہری پانی سپلائی نظاموں میں واقع او اینڈ ایم لاگتوں سے وابستہ ہے۔ چند میونسپلٹیاں مالی طور پر اتنی مقتدر نہیں ہیں کہ وہ مشینوں کے اضافی کل پرزوں کی خریداری، موجودہ نظاموں میں بہتری لانے اور موجودہ تقسیمی نظاموں کو فروغ دینے کے لئے مطلوبہ اخراجات کو برداشت کر پائیں۔ گزشتہ دو دہائیاں اس امر کی شاہد ہیں کہ عرصہ ہذا کے دوران شہری آبادی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ مرکزی تجارتی اضلاع میں آبادی کو بڑی تیز رفتاری سے بڑھتا ہوا ریکارڈ کیا گیا ہے اور موجودہ میونسپلٹیوں میں نئے علاقوں کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ بہت سارے شہری مقامی اداروں میں ان کے پانی کی سپلائی نظام کی موجودہ گنجائشوں میں اضافہ کرنے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور اضافی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے نئے پلانٹوں کے قائم کرنے کی ضرورت لازمی بن گئی ہے۔ ترقیاتی پروگراموں میں میونسپلٹیوں کی پست کردہ گوناگوں توقعات اور ان کی کمزور وسائل بنیادوں کے باعث یہ توقع نہیں کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ بغیر خارجی (یا سرکاری) عطیات اور قرضوں کے کوئی بڑا سرمایہ اخراجات برداشت کر پائیں گے۔ قرضوں کی دستیابی اصل اور سود کی ادائیگی کی شکل میں شہری مقامی اداروں پر اضافی ذمہ داریوں کا بار ڈالیں گے۔ نئے سرمایہ اخراجات کے سلسلہ میں زائد بچت کی تشکیل اور او اینڈ ایم ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے پانی سپلائی سکٹر میں خاطر خواہ آمدنی بڑھانے سے منسلک مسئلے کو زیادہ دنوں تک طاق کی زینت بنا کر نہیں رکھا جا سکتا ہے۔

۲ ـ ریاستی مالی کمیشن نے (اپنی پیش کردہ رپورٹ کے باب ۲/۲ پیراگراف میں) یہ سفارش پیش کی ہے کہ "آبی شرحوں کو درجہ بند طور پر رائج کرنے کے لئے زیر غور لایا جا سکتا ہے۔ اس طرح ایک جانب عام صارفین کو تحفظ بخشا جا سکے گا اور دوسری جانب کثیر المقدار صارفین اور اسے مصرف میں لانے والے تجارتی اور صنعتی انڈرٹیکنگوں پر محصول عائد کیا جا سکے گا۔ ابتک آب پیماں (آبی میٹر) اس میدان میں غیر تشفی بخش ثابت ہوئے ہیں لیکن ایک درجہ بند محصول بنا کسی وقت کے فیرول کے ماپ کے مطابق نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح میونسپلٹیاں کم از کم او اینڈ ایم لاگت جو کثیر مقدار ہے کی بازیابی کی اہل بن پائیں گی۔ علاوہ ازیں مقامی حکام مالک مکان سے ان کے گھروں میں پانی کی لائن دینے کے لئے ایک اچھی خاص رقم وصول کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ چند شہروں میں مذکورہ رقم پہلے سے وصول کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اس پروجکٹ کے لئے جس پر اکثر مالی ادارے زیادہ زور ڈالتے ہیں سرمایہ اکٹھا کرنے کا اہل مقامی ادارہ بن جائے گا۔

۳ ـ مغربی بنگال کے شہری علاقوں میں مقیم تقریباً ۴۵ فیصد تا ۵۰ فیصد لوگ معاشی اور سماجی طور پر پچھڑے فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے مفاد کو تحفظ بخشنے کے نظریہ کے تحت میونسپلٹیوں نے ابتک لاگتوں کی بازیابی کے سوال پر سنجیدگی سے نہیں غور کیا ہے۔ جب ریاستی حکومت پورے طور پر اس نظریہ کی تصدیق کرتی ہے کہ پانی سپلائی نظام کو تجارتی طور پر قابل عمل بنانے کی کوششوں میں غریب خاندانوں پر فاضل مالی بوجھ نہ ڈالا جائے گا تب ہی یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ میونسپلٹیوں کے لئے اضافی آمدنی اکٹھا کرنا اور غریب لوگوں کے مفاد کو نقصان پہنچائے بنا پانی سپلائی سکٹر میں قابل گزیر اخراجات پر بچت کرنا ممکن ہو پائے گا۔ ریاستی حکومت کو چاہیئے کہ وہ تمام مقامی حکام کو یہ ہدایت جاری کریں کہ وہ شہری پانی سپلائی نظاموں کی اپنی موجودہ آمدنی اور ان کے اخراجات کا بغور جائزہ لیں اور آمدنی مذکورہ کا موازنہ اخراجات ہذا سے کرنے کے سلسلہ میں اقدامات اٹھائیں۔ ہر ایک مقامی ادارہ کو

درج ذیل اربنیا اصول پر مبنی اپنے آبی قیمت ڈھانچہ کو فروغ دینا چاہیئے:۔

(الف) آبی شرحوں کو ایک درجہ بند طور پر نافذ کیا جائے تاکہ کثیر مقدار میں پانی استعمال کرنے والے تجارتی اور صنعتی گھر اور رہائشی گھر کے مالکان پانی اکٹھا کرنے، اسے جراثیم سے پاک کرنے اور اس کی تقسیم پر آنے والی لاگت مکمل طور پر ادا کر پائیں۔ ان انڈسٹریل گھروں اور رہائشی گھروں کے خوشحال ان مالکوں کو جو ادائیگی کا استحقاق رکھتے ہیں محصول ہذا پر رعایت یا چھوٹ دینے میں انصاف پسندی کا کوئی نکتہ نظر نہیں آتا ہے۔

(ب) تجارتی اور صنعتی گھروں اور بڑی مقدار میں پانی استعمال کرنے والوں کو متحمل طور پر صرف او اینڈ ایم کی لاگتوں کی ادائیگی نہیں کرنی ہے بلکہ فاضل بچت کیلئے مزید زائد رقم کی ادائیگی کرنی ہوگی تاکہ میونسپلٹیاں حسب ضرورت موجودہ نظاموں کی بڑے پیمانے پر مرمت اور درستگی کے کام کروا سکیں اور شہروں میں جملہ پانی سپلائی کو بڑھانے کے لئے سرمایہ کاری کر سکیں۔ مغربی بنگال کی متعدد میونسپلٹیاں آبی صارفین سے ایک اچھی خاصی رقم بطور پانی کنکشن محصول اکٹھا کر رہی ہیں۔ اس عمل کو بہتر کرنا ہوگا۔

(ج) حقیقی مصارف کی بنیاد پر پانی کی لاگتوں کی بازیابی اور جائدادوں کی قدر وقیمت یا آب پیمایا فیرول کے مابین کی بنیاد پر لاگتوں کی بازیابی کرنا بعید از عقل و منطق نہیں ہوگا۔ بہرکیف ان جملہ مذکورہ بالا باتوں کے اپنے فوائد و نقصانات ہیں۔ آبی محصول کی وصولی کے مخصوص طریقہ کار کے فوائد و نقصانات کو اس کے نفاذ سے قبل اچھی طرح جانچ لینا چاہیئے۔

(د) پانی کی قیمت تعین کرنے والی پالیسیوں کو روبہ عمل لانے کے دوران مقامی حکام کو چاہیئے کہ وہ اس کا اچھی طرح سے جانچ پڑتال کر لیں کہ سماجی اور معاشی طور پر کمزور جماعتوں کے لئے یہ پالیسیاں فاضل مالی بوجھ کا سبب تو نہیں بن رہی ہیں۔ بستی علاقوں کے بیشتر باشندے اور ان کے قرب وجوار میں مقیم دیگر کم آمدنی والے افراد جملہ لاگت ہذا ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر لوگ شہری زندگی کے پہیے کو چلانے میں اپنی گراں قدر خدمات پیش کرتے ہیں۔ ان حضرات پر پینے کے پانی کے سلسلے میں کسی طرح کی کوئی بندش لگانا نامناسب نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ غریب خاندانوں میں پانی کا فی کس صرف شہر میں پانی کے اوسط صرف سے نمایاں طور پر کم ہوتا ہے لہٰذا غریب خاندانوں کو پانی کی سپلائی کے محصول میں رعایت دیتے ہوئے شہروں کے زیادہ صرف میں لانے والے خوشحال طبقوں پر کچھ زیادہ محصول عاید کرکے پانی سپلائی کی لاگتوں کو پورا کیا جانا چاہیئے۔

(ہ) جملہ شہری مقامی اداروں کو چاہیئے کہ وہ سنجیدگی سے پانی کی بربادی میں کٹوتی کرنے کی کوشش کریں۔ چند علاقوں میں اچھی خاصی پانی کی تعداد پائپ لائن یا حوض میں سوراخ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سڑکوں پر لگے نلوں میں چابی/ ٹیپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سا پانی ضائع ہو جاتا ہے۔ جراثیم سے پاک کردہ ۱۰ تا ۱۲ فیصد کی سطح سے زائد پانی کی جملہ مقدار کا نقصان تقسیمی مراحل کے دوران ہوتا ہے۔ ایسے اعلیٰ سطحی نقصان تصور کرنا چاہیئے اور اس سلسلہ میں مناسب انسدادی اور نگرانی کے اقدامات نافذ کرنا چاہیئے تاکہ مذکورہ نقصان کی سطح کو نیچے لایا جا سکے۔ ریاستی حکومت کا قرب و جوار کے علاقوں میں، جہاں کم آمدنی والے افراد مقیم ہیں، واقع سڑکوں پر ہی نل لگوائے جائیں لیکن ان علاقوں کے علاوہ دوسرے علاقوں میں نل نہیں لگوائے جائیں۔ بستی علاقوں میں سڑکوں پر نل بھی بے ترتیبی کے ساتھ نہ لگائے جائیں۔ میونسپلٹیوں کے انجینئروں کو اس بات کی یقین دہانی کرنی چاہیئے کہ سڑکوں پر لگائے گئے عام پانی سپلائی نلوں میں ٹھیک طور پر کام کرنے والی چابیاں لگائی گئی ہیں اور بلا ضرورت ان نلوں سے پانی ضائع نہ ہو۔ پانی کے پائپوں سے غیر قانونی طور پر لائن لینے کی نظیروں پر سختی کے ساتھ روک لگائی چاہیئے۔

(و) میونسپلٹیوں کو چاہیئے کہ وہ شہری پانی سپلائی نظام مو

ل موجودہ انتظامیہ اور اس کے متفرق اخراجات کا جائزہ لے۔ چند مقامی حکام نے اس سیکٹر میں نگراں عملہ اور مزدوروں کی ایک کثیر تعداد کو لگا رکھا ہے۔ مذکورہ عملہ کے ہر درجہ کے کام کاج کی نوعیت ل ٹھیک سے وضاحت کرنے کے بجائے ان مستریوں جو تقسیمی ائن کے چھوٹے موٹے نقص کو دور کرتے ہیں اور جو ضلعوں میں سوراخ ل شناخت میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، کی تعداد بڑھانی چاہیئے۔

(ذ) ریاستی حکومت یہ محسوس کرتی ہے کہ پانی کی بربادی میں کمی لانے و متعلقہ کام کی لاگتوں کو کم کرنے میں عام شہریوں کی رضاکارانہ حمایت نہایت ہی ضروری ہے۔ لہٰذا مقامی حکام کو چاہیئے کہ وہ پانی کے تحفظ کی ضرورتوں کے سلسلہ میں لوگوں کے اندر بیداری پیدا کرنے پر زیادہ زور ڈالیں۔ پانی کے استعمال میں کفایت شعاری برتنے کے سلسلہ میں عام لوگوں کو تعلیم دینے کی کوشش کریں۔ اور موجودہ متعلقہ نگراں نظام کو استحکام بخشنے میں ان کا تعاون حاصل کریں۔ اس کام میں وارڈ کمیٹیوں کو ملوث ہونا چاہیئے۔

(ح) شہری مقامی اداروں کو چاہیئے کہ وہ متعلقہ آئین و ضابطوں کی گنجائشوں کے مطابق پانی کی قیمت کو تعین کرنے والے اپنے ڈھانچوں سے متعلق جانکاری ریاستی حکومت کو دیں۔

حج برائے ۱۹۹۸ء کیلئے درخواستیں مطلوب ہیں

مرکزی حج کمیٹی نے حج برائے ۱۹۹۸ء کے لئے ایک اعلانیہ جاری کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ریاستی حج کمیٹی مغربی بنگال رائٹرس بلڈنگس کلکتہ کی نچلی منزل بلاک نمبر ۱ سے آفس اوقات کے دوران سوموار ۱۶ رجون ۹۷ء سے ریاست کے عازمین حج برائے ۱۹۹۸ء مقررہ درخواست تقسیم کی جائے گی۔ فارم مفت میں دستیاب کئے جاسکتے ہیں۔

ہر لحاظ سے ٹھیک ٹھیک بھرے گئے فارم کے ساتھ مندرجہ ذیل دو (۲) ڈرافٹوں کا ہونا ضروری ہے۔

(i) "ریاستی حج کمیٹی، مغربی بنگال" کے نام سے پیشگی غیر ملکی زرمبادلہ کے لئے ۵۲۸۰ (پانچ ہزار دوسو اسّی) روپئے کا ڈرافٹ۔

(ii) "کلکتہ حج ھاؤس فنڈ" کے نام سے کلکتہ میں حج ھاؤس کی تعمیر کے لئے عطیہ کے طور پر ۳۰۰ (تین سو) روپئے کا ڈرافٹ۔

مذکورہ بالا دونوں ہی ڈرافٹس " ریاستی حج کمیٹی، مغربی بنگال" اور " کلکتہ حج ھاؤس فنڈ" کے نام ڈرا کئے جائیں اور مذکورہ رقوم کلکتہ میں ہی واجب الادا ہوں۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا دونوں ڈرافٹس مغربی بنگال کی ریاست میں واقع کسی قومیائے گئے بینک سے تیار کرائے گئے ہوں۔

حج برائے ۱۹۹۸ء کے سلسلہ میں درج ذیل اشخاص کو درخواست فارم بھرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

(الف) وہ اشخاص جنہوں نے گذشتہ پانچ (۵) برسوں کے دوران فریضہ حج ادا کیا ہے۔

(ب) سولہ (۱۶) سال تک کی عمر کے بچوں۔ بہرکیف دو (۲) سال کے بچوں کو اپنے والدین کے ساتھ سفر مذکورہ پر روانہ ہونے کی اجازت دی گئی ہے۔

(ج) محرموں کے ساتھ سفر حج پر روانہ ہونے والی خواتین

عازمین حج درخواست فارموں کو صرف انگریزی کے جلی حروف سے پُر کرنا ہے۔ حج برائے ۱۹۹۸ء کے تمام مکمل درخواست فارم ۱۵ رجولائی ۱۹۹۷ء تک مع ۲ عدد بینک ڈرافٹس ریاستی حج کمیٹی کے دفتر، مغربی بنگال پہنچ جانے چاہئیں۔ زیادہ سے زیادہ دس عازمین حج کی درخواستوں کو ایک لفافہ کے اندر رکھ کر بھیجا جاسکتا ہے۔ درخواست جمع کرنیکی آخری تاریخ ۱۵ رجولائی ۱۹۹۷ء مقرر کی گئی ہے۔ تفصیلی جانکاری کیلئے ریاستی حج کمیٹی کا دفتر، مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، بلاک نمبر ۱، نچلی منزل، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱، فون نمبر ۲۱۵-۲۲۳۱ سے رابطہ قائم کریں۔

شیڈولڈ کاسٹ کی فہرست میں "چین" کی شمولیت کیلئے ریاستی حکومت کے اقدامات

چین (Chain) فرقہ کو شیڈولڈ ٹرائب کی حیثیت سے فہرست ہذا میں شامل کرنے کا دعویٰ ۳۱ اگست ۱۹۹۳ء کو (ملاحظہ ہو عرضداشت سکریٹری مغربی بنگال، چین سماج اُنین سمیتی) اس شعبہ کے سامنے پیش ہوا ہے۔ شعبہ ہذا نے ان کی رائے طلب کرنے کے لئے اس معاملے کو ثقافتی تحقیق ادارہ کے حوالے کر دیا۔ مذکورہ ادارہ کے ڈائرکٹر کی رائے کے مطابق چین فرقہ کی سماجی حیثیت وہی ہے جو بنڈ، پان اور نونیہ جیسے شیڈولڈ کاسٹ فرقوں کی ہے۔

ادارہ ہذا کی تحقیقی رپورٹ پر مشتمل مشاہدہ کے مطابق شیڈولڈ کاسٹ یا شیڈولڈ ٹرائب فہرست میں چین فرقہ کی شمولیت کے لئے ریاستی حکومت کے ایس سی اور ایس ٹی شعبہ نے ۲۲ فروری ۱۹۹۴ء کو (ملاحظہ ہو نامہ نمبر ۱۸ ٹی ڈبلیو/ای سی) اس معاملہ کو حکومت ہند کے سامنے رکھا۔

ایک بار پھر ۱ ستمبر ۱۹۹۴ء کو شعبہ ہذا کے سکریٹری نے اپنے نامہ میں خاص طور پر سکریٹری وزارت رفاہ سے چین فرقہ کو نامہ نمبر ۴۱۳ ۔ ٹی ڈبلیو/ای سی کے مطابق مغربی بنگال کی شیڈولڈ کاسٹ فہرست میں شامل کرنے کی پُرزور سفارش کی۔

شعبہ ہذا کو نامہ نمبر ۴۹۳ ۔ ٹی ڈبلیو/ای سی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۹۴ء کے تحت اس شعبہ کو ایک یادداشت بھی بھیجا گیا تھا اور مذکورہ یادداشت، ملاحظہ ہو نامہ نمبر ۲۷ ٹی ڈبلیو/ای سی مورخہ ۵ جنوری ۱۹۹۵ء میں چین فرقہ کو مغربی بنگال کے شیڈولڈ کاسٹ فہرست میں شامل کرنے کو استدعا کی گئی تھی۔

مغربی بنگال کے شیڈولڈ کاسٹ کی فہرست میں چین فرقہ کی شمولیت کے سلسلہ میں شری دینیش چندر ڈاکوا وزیر برائے شعبۂ ایس سی اینڈ ایس ٹی نے وزیر مملکت برائے وزارت رفاہ حکومت ہند کے نام ایک ڈی او نامہ نمبر ۴۵۶۔ٹی ڈبلیو/ای سی مورخہ یکم جون ۱۹۹۵ء روانہ کیا۔

وزیر موصوف کے ڈی او نامہ کے جواب میں اس وقت کے وزیر مملکت وزارت رفاہ حکومت ہند شری کے وی ٹھنگکا بالو نے شعبہ ہذا کے ریاستی وزیر کو مطلع کیا کہ چین فرقہ کی شمولیت کے معاملے پر ایک مشاورتی کمیٹی غور کرنے والی ہے۔ کمیٹی ہذا کی تشکیل ملاحظہ ہو ڈی او نمبر ۱۲۰۱۶/۲۲/۹۵ ایس سی ڈی (آر سیل) ایس سی اور ایس ٹی کی فہرستوں کی مجوزہ جامع نظر ثانی کے سیاق وسباق میں ایک خاص مقصد کے تحت کی گئی ہے۔

بالآخر شعبہ ہذا کے سکریٹری نے ایک ڈی او نامہ نمبر ۹۱۴ ٹی ڈبلیو مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۹۶ء جاری کیا ہے اور جوائنٹ سکریٹری حکومت ہند، وزارت رفاہ (ایس سی۔ شاخ) سے استدعا کی کہ وہ مغربی بنگال کے ایس سی فہرست میں چین فرقہ کی شمولیت کے سلسلے میں جلد از جلد حتمی فیصلہ لیں۔ ■■

یاس یگانہ چنگیزی

راقم لکھنوی

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک اختلافی شخصیت سے افق ادب پر طلوع ہوئی اور اردو ادب کے لسبتاً ٹھہرے ہوئے سمندر میں ایک طوفان برپا کرتی ہوئی ۱۹۵۶ء کو ۷۳ برس کی عمر میں عروب ہو گئی۔ اس ہنگامہ خیز شخصیت کو اردو ادب میں یگانہ چنگیزی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

۱۸۸۳ء میں یگانہ ریاست بہار کے مرکزی شہر عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ والدین نے واجد حسین نام رکھا۔ مرزا واجد حسین کا رجحان کم سنی ہی سے شعر و سخن کی جانب تھا۔ جب وہ اسکول میں زیر تعلیم تھے اسی وقت شعر موزوں کرنے لگے تھے اگرچہ ان کے والد شعر گوئی کے حق میں نہیں تھے مگر یہ کافر جب منہ کو لگ جاتی ہے تو چھوٹتی نہیں۔ لاڈلے صاحب بیتاب کی شہرت اس وقت عظیم آباد (پٹنہ) میں اچھی خاصی تھی۔ واجد نے بیتاب سے شرف تلمذ حاصل کیا اور یاس عظیم آبادی کی حیثیت سے بہت جلد شہر میں اپنا مقام بنا لیا۔

بیتاب عظیم آبادی ایک خوش گو اور خوش فکر شاعر تھے لیکن یاس جیسے فلک پیما شاگرد کو اپنی گرفت میں رکھنا ان کے بس سے باہر تھا۔ چنانچہ انہوں نے خود اس نو عمر مگر ذہین شاگرد کو اپنے استاد محترم سید علی محمد شاد عظیم آبادی کے سپرد کر دیا۔ جب تک یاس عظیم آباد میں رہے حضرت شاد سے مشورہ سخن کرتے رہے۔

مرزا واجد حسین یاس ۱۹۰۴ء میں کلکتے تشریف لائے۔ مقصد تلاش معاش تھا مگر کلکتے کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ علاج کی غرض سے لکھنؤ پہنچے۔ اور وہاں کی ادبی فضا سے ایسے متاثر ہوئے کہ وہیں کے ہو رہے۔ لکھنؤ ہی میں شادی کی اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابھی تک مرزا واجد حسین یاس ہی کے تخلص سے پہچانے جاتے تھے اور وہ طوفان جو ان کی شخصیت سے عبارت ہے، ابھی تک تہ نشیں تھا مگر لکھنؤ کے ادبی ماحول نے یاس کو نہ صرف یگانہ بنا دیا بلکہ چنگیزی کا لاحقہ بھی فراہم کر دیا۔

یاس جب لکھنؤ پہنچے اور ادبی حلقے میں شمولیت اختیار کی تو پیارے صاحب رشید کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ مرثیہ گویان لکھنؤ میں تین خانوادے تقریباً ہم مرتبہ گزرے ہیں۔ جن میں ایک خاندان انیس ہے جسے سب سے زیادہ شہرت ملی، دوسرا خاندان دبیر ہے اور تیسرا گھرانہ عشق و تعشق کے نام سے مشہور ہے۔ میر عشق اور تعشق پانچ بھائی تھے اور پانچوں اچھے مرثیہ گو تھے ان میں تعشق سب سے بہتر تھے۔ ان پانچ بھائیوں کے سلسلے میں لکھنؤ کے کسی زندہ دل عقیدت مند نے کہا تھا ؎

تعشق، عشق، و عاشق، مہر و صابر
یہ پانچوں تن غلام پنجتن ہیں

پیارے صاحب رشید کے والد کا تخلص صابر تھا۔ ان کی شادی میر انیس کے مجھلے بھائی میر انس کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے رشید کا تعلق عشق و تعشق کے گھرانے سے بھی تھا اور خاندان انیس سے بھی۔ ایک سند میں رشید نے ان تعلقات پر خود ناز کیا ہے ؎

بلبل گلشن ناسخ ہوں، یہ ہے فخر کی جا
انس جد ہیں مرے، صابر ہیں پدر، مہر چچا
تھے خلیق اور حسن، ہمجد اس کے نانا
انس نانا کا تخلص تھا یہی ربط رہا
آج ہے سب کی زباں پہ کہ وحید ایسا تھا
کل مجھے لوگ کہیں گے کہ رشید ایسا تھا

انیس اور دبیر نے مرثیے کو جس بام عروج پر پہنچایا تھا۔ اس سے آگے بڑھانے کی ہمت کسی اور نے نہیں کی تاہم رشید نے مرثیے میں بہار اور ساقی نامہ جیسے موضوعات کو خاصی وسعت دی، رشید لکھنوی مزاج کے بہترین غزل گو شاعر تھے ان کی غزل گوئی پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک مستقل مضمون درکار ہے یاس نے رشید میں بہرحال ایسی خوبیاں محسوس کی تھیں کہ ان کے سامنے زانوئے تلمذ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی۔

جس وقت یاس لکھنؤ پہنچے وہاں مولانا علی نقی صفی، مرزا محمد ہادی عزیز، کاظم حسین محشر اور جاوید جیسے شعرا موجود تھے یاس نے اپنی شخصیت منوانے کے لئے لکھنؤ کے نامور شعراء پر سر محفل اعتراضات کرنا شروع

تنقید سے زیادہ اہل لکھنؤ کو نیچا دکھانا تھا مگر نتیجہ یہ نکلا کہ خود یگانہ بدنام ہو گئے جس وقت یگانہ "غالب شکن" لکھ رہے تھے اسی وقت انھوں نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں کہا تھا ؎

غالب اور میرزا یگانہ کا
آج کیا فیصلہ کرے کوئی

لیکن بعد میں یگانہ نے خود ہی غالب کو معاف کر دیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب یگانہ لکھنؤ سے حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں سب رجسٹرار کے عہدے پر مامور ہوئے مگر حیدرآباد میں انھیں لکھنؤ کی یاد ستاتی رہی آخر لکھنؤ واپس آ گئے اور اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا ؎

کشش لکھنؤ ارے توبہ
پھر وہی ہم، وہی امین آباد

اس غزل کے مقطع میں انھوں نے غالب سے مصالحت بھی کر لی ؎

صلح کرلو یگانہ غالب سے
وہ بھی استاد، تم بھی اک استاد

یگانہ کے اشتعال نے خود انھیں بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ "غالب شکن" لکھنے کے بعد وہ "اقبال شکن" لکھنے کی تیاریاں بھی کر رہے تھے۔ اقبال کیونکہ مذہب کی جانب زیادہ رجحان رکھتے تھے لہٰذا یگانہ نے مذہب کو نشانہ بنانے کی سعی کی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مسلسل جد و جہد اور ادبی جنگ و جدل کے سبب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے کچھ ایسی رباعیاں لکھیں جس پر مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے "صدق جدید" میں سخت الفاظ میں گرفت کی۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی سخت جذبات کا مظاہرہ کیا اور اس کے نتیجے میں شدت پسند طبقے نے ان کی موت سے کچھ پہلے ہی لکھنؤ میں منصور نگر سے ان کا جلوس اس طرح سے نکالا کہ گدھے پر انھیں بٹھا کر گلے میں جوتیوں کا ہار ڈالا۔ ضعیف چہرے پہ سیاہی پھیری اور ہر طرح کی اذیت پہنچائی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ جلوس، منصور نگر سے یحییٰ گنج تک پہنچا۔ درمیان میں دو پولس چوکیاں بھی تھیں مگر کہیں بھی پولس والوں نے اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کی کہ قانون ہاتھ میں لینے والوں سے اس بوڑھے شخص کو نجات دلواتے۔ خدا بھلا کرے یحییٰ گنج پولس چوکی کے انچارج کا کہ اس نے انتہاپسند جذباتی لوگوں سے یگانہ کو نجات دلوائی۔

کر دیئے۔ یہ انداز لکھنوی تہذیب اور مزاج تمدن کے خلاف تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یاس پر کم مرتبہ افراد کی جانب سے اعتراضات ہونے لگے کم مرتبہ سے مراد یہ ہے کہ یاس جنہیں اپنا حریف مقابل سمجھتے تھے اور ان پر اعتراض کرتے تھے۔ انھوں نے یاس کو جواب نہیں دیا۔ ان کے شاگردوں اور مداحوں نے یاس کی اچھی طرح خبر لی اور ان پر جا و بیجا اعتراضات کی ایسی بوچھار کی کہ ان کی طبیعت کا اشتعال اور بڑھ گیا۔

یاس نے اپنے لکھنوی حریفوں پر لفظی دباؤ ڈالنے کے لئے اپنا تخلص بدل کر یگانہ رکھ لیا۔ ممکن ہے کہ انھوں نے غالب کے اس شعر سے فائدہ اٹھایا ہو ؎

چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے
کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

مرزا یاس نے یگانہ تخلص اسی لئے اختیار کیا تھا کہ وہ حریفوں کو نیچا دکھانا چاہتے تھے اور انھیں یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم بے مثل ہیں، تم ہمارا کیا مقابلہ کروگے؟ مگر اس تخلص کی تبدیلی نے بھی خاطر خواہ کوئی اثر نہیں کیا لہٰذا مرزا یاس نے یگانہ پر چنگیزی کا مزید اضافہ کرلیا۔

لکھنؤ کی وضع داری ضرب المثل ہے اگرچہ یہ وضعداری بعض حالات میں غلط نتائج کی حامل ہو جاتی ہے۔ مرزا رسوا نے اپنے ایک ناول "ذات شریف" کے دیباچہ میں لکھنؤ اور اہل لکھنؤ کی بڑی سچی لفظی تصویر پیش کی ہے اس وقت اس کا دہرانا مقصود نہیں، صرف ایک جملے کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے، رسوا نے لکھا ہے کہ لکھنؤ میں خاندانی سلسلے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، جیسے خاندانی عالم، خاندانی حکیم، خاندانی شاعر وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کسی بھی فن پر باہر یعنی غیر خاندانی افراد کا تسلط ناقابل قبول ہو گیا۔

یاس کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ وہ لکھنؤ کے تسلیم شدہ بالفاظ دیگر خاندانی شاعروں کے خلاف صف آرا ہو گئے اور یہ صف آرائی لکھنوی مزاج تہذیب و تمدن نیز وضعداری کے خلاف تھی لہٰذا اہل لکھنؤ نے ان کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا، اور مرزا یاس یگانہ کی شخصیت چنگیزی بنتی چلی گئی جس کا خمیازہ خود انھیں بھگتنا پڑا۔

یگانہ کے عہد میں لکھنؤ پر غالب پسندی کا رواج تھا۔ یگانہ نے غالب کو نشانۂ تنقید بنا ڈالا اور جی بھر کے بُرا بھلا کہا۔ مقصد غالب پر

یگانہ کی یہ درگت محض اس لئے بنی کہ بعض اہم ارباب قلم نے انصاف پسندی کا دامن چھوڑ دیا۔ ہم نے اس بات کی پہلے ہی وضاحت کر دی ہے کہ یگانہ خود شناسی کی جس منزل پر تھے اسے اہل لکھنؤ نے تسلیم نہیں کیا۔ جس کا قہری نتیجہ یہ ہوا کہ یگانہ کا ذہنی توازن معیار کے مطابق نہیں رہا اور جھنجلاہٹ میں پہلے انھوں نے غالب کے پرخچے اڑائے اور پھر مذہب کے پیچھے پڑ گئے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کئی رباعیاں لکھیں، یہ حقیقت ہے کہ یگانہ جھنجلاہٹ کے باوجود اس قسم کی رباعیاں عوام میں لانا نہیں چاہتے تھے مگر بہرحال دادِ سخن کے لئے بیتاب تھے۔ انھوں نے یہ رباعیاں مولانا نیاز فتح پوری کے پاس حصولِ داد کی غرض سے بھیج دیں برائے اشاعت نہیں مگر مولوی نیاز فتح پوری جو خود بھی کٹر مذہب پسندوں میں لائق صد ملامت سمجھے جاتے تھے، انھوں نے یگانہ کی یہ رباعیاں مولانا عبدالماجد دریاآبادی کے پاس یگانہ کے نجی خط سمیت بھیج دیں۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی اس حقیقت سے واقف تھے کہ یگانہ کی یہ رباعیاں برائے اشاعت نہیں ہیں مگر انھوں نے نہ صرف یہ کہ ان رباعیوں کو "صدق جدید" میں شائع کیا بلکہ ایسے اشتعال انگیز مضامین لکھے کہ لکھنؤ کی شیعہ سنی فضا مکدر ہو گئی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یگانہ کی مذہب بیزاری سے تمام مسلمانوں کو نفرت تھی چاہے وہ سنی ہوں یا شیعہ۔ مگر مولانا عبدالماجد کی تحریروں کا انداز بہرحال فضا کو بگاڑ رہا تھا۔ تاہم شیعہ کانفرنس کے ترجمان "سرفراز" نے جب شیعوں کی جانب سے بیزاری کا اعلان شائع کیا تو کشیدگی کم ہوئی۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یگانہ کا یہ جلوس جن لوگوں نے نکالا ان میں شیعہ اور سنی دونوں شامل تھے۔

اس واقعہ کے بعد یگانہ اپنے بیٹے کے پاس لاہور چلے گئے مگر وہاں بھی فضا کو سخت مخالف پایا۔ راتوں رات لکھنؤ واپس ہوئی اور لکھنؤ پہنچ کر اسی طرح خانہ نشین ہوئے کہ پھر گھر سے ان کا جنازہ نکلا۔ ۱۹۵۶ء کے فروری کے مہینے میں یہ اختلافی شخصیت ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اس نامور شاعر کے جنازے میں گنتی کے پندرہ بیس افراد شامل تھے۔ وہ بیشتر ان کے رشتہ دار تھے۔ یگانہ کی نماز جنازہ پڑھانے سے علماء نے انکار کر دیا کیونکہ یگانہ پر کفر کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا۔ اس نازک موقع پر والدین کا دیا ہوا نام کام آیا اور واجد حسین کی حیثیت سے ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور انھیں لکھنؤ کی زمین کے سپرد کر دیا گیا۔

یگانہ چنگیزی اپنے عہد کے بہت بڑے شاعر تھے۔ مجھے غالب کے بعد جس شاعر نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یگانہ تھا، خود یگانہ کو اپنی اہمیت کا احساس تھا اور شدید احساس تھا۔ انھیں زمانے سے یہ شکوہ تھا کہ وہ ان کی شخصیت کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتا۔ اسی احساس نے انھیں بے قابو کر دیا اور ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ جوش ملیح آبادی نے ایک رباعی میں کیا سچی بات کہی ہے ؎

اکثر انعام قہر ہو جاتا ہے
یہ بحر کثیف نہر ہو جاتا ہے
وہ علم جو اکسیر ہے انساں کیلئے
گر ہضم نہ ہو تو زہر ہو جاتا ہے

معرفت بھی علم کی ہم پلہ ہے یگانہ کو اپنی شخصیت کی معرفت تو تھی مگر وہ اسے ہضم نہ کر سکے اور وہ معرفت ان کے لئے زہر بن گئی۔

یہ ان کے ذاتی معاملات ہیں کہ انھوں نے اہل لکھنؤ سے ٹکر لی، انھوں نے "غالب شکن" لکھی، "اقبال شکن" لکھنے میں مشغول تھے یا مذہب اور مذہبی رہنماؤں کے خلاف صف آراء تھے۔ اب وہ مر چکے ہیں، ان کے اعمال کی جزا یا سزا انھیں مل چکی اور مذہبی اعتبار سے مل رہی ہو گی اور ملے گی مگر جہاں تک ان کے فن کا تعلق ہے اہل نظر کبھی فراموش نہیں کر سکتے "یگانہ آرٹ" واقعی خاص اہمیت رکھتا ہے۔

یگانہ کا انداز فکر دوسروں سے بہت مختلف تھا۔ یہی سبب ہے کہ وہ عام باتوں میں بھی خصوصیت کا رنگ بھر دیتے ہیں۔ شباب اور حسن یہ وہ دو نعمتیں ہیں جو بندوں کو ملتی ہیں اور پھر چھن جاتی ہیں اور احساس بھی ان دونوں کی چھننے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اسی کیفیت کو بیشتر شعراء نے بیان کیا ہے لیکن یگانہ کا انداز بالکل انوکھا ہے ؎

نشۂ حسن کو اس طرح اترتے دیکھا
عیب پر اپنے جیسے کوئی پشیماں ہو جائے

حسن کو عیب تشبیہ دینا وہ بھی اس سلسلے سے کہ حسن کے دامن پر آنچ نہ آئے۔ یگانہ ہی کا کام ہے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ یگانہ کفر کے فتوے کا مستحق کیونکر ہو سکتا ہے جو خدا کی یکتائی اور بے ہمتائی کا اعتراف کرے ؎

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

، بلکہ وہ تو جس میں بھی قدرت الٰہی کا پرتو دیکھتا ہے سر جھکا دیتا ہے۔

کرشن کا ہوں پجاری، علی کا بندہ ہوں
یگانہ شان خدا دیکھ کے رہا نہ گیا

ہے کہ یگانہ مذہب کے معاملے میں توازن نہیں برت سکے۔ حالاں کہ
، پسندی کے خلاف ان کی اٹھائی ہوئی آواز میں کافی وزن ہے ے

سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا؟
سر پھرا دے انسان کا ایسا خبط مذہب کیا

، بڑھ کر وہ توازن کھو بیٹھتے ہیں اور اس طرح لب کشاں ہوتے ہیں۔

دنیا کے ساتھ دین کی بیگار الاماں
انسان آدمی نہ ہوا جانور ہوا — میا —
سمجھ میں کچھ نہیں آتا پڑھے جاؤں تو کیا حاصل
نمازوں کا ہے کچھ مقصد تو پردیسی زبان کیوں ہو

شعر بظاہر یہ تاثر دیتا ہے کہ یگانہ عربی زبان میں نماز کے مخالف تھے
مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی میں کیا تھا۔ پاکستان میں سر پھروں نے
ہ مرتبہ عید بقرعید کی نماز اردو میں ادا کرنے کا ڈھکوسلا کیا تھا۔
ہے کہ یگانہ بھی نمازوں کی ادائیگی مادری زبانوں میں چاہتے ہوں
ے نزدیک اس شعر کی توضیح یوں بھی ہو سکتی ہے کہ نمازوں کو مقصد کا
ت کہا جا سکتا ہے جب سوچ سمجھ کے ادا کی جائیں۔ صرف چند آیات و
دہرانے کا نام نماز نہیں۔

بات کو طول دینا مقصود نہیں نہ ہی یہ میری ذمہ داری ہے کہ یگانہ
نب سے مذہب کے سلسلے میں کوئی وکالت کروں مجھے بھی ان کی بعض
وں اور بعض اشعار سے اتنا ہی اختلاف ہے جتنا مرحوم عبدالماجد
دی کو بہت سے دوسرے مسلمانوں کو تھا اور ہے مگر میں شدت پسندی
ا نہیں وہ اپنے اعمال کے جواب دہ خود ہوں گے۔ ہمیں سزا دینے کا نہ آئینی
. حاصل ہے نہ شرعی۔ پہلے ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانک کے دیکھنا
کہ ہم خود کس حد تک مذہب کے وفادار اور پابند ہیں؟

یگانہ، مومن ہے یا کافر، اس سے بحث نہیں ہمیں تو ان کی شاعری
ن سے تعلق ہے اور یہاں کوئی صاحب نظر اور منصف مزاج شخص

اختلاف نہیں کر سکتا کہ یگانہ شاعر تھے اور عظیم شاعر اور ان کی شخصیت
اختلافات کی نذر نہ ہو گئی ہوتی اگر وہ اپنی حیثیت منوانے پر اس حد تک
جذباتی نہ ہو گئے ہوتے کہ ذہنی توازن ہی کھو بیٹھے تو آج کا ادبی کارواں یگانہ
کی بنائی ہوئی راہوں پر چل کر منزل مراد تک پہنچنے کی سعی کرتا۔

"یگانہ آرٹ" اپنا ایک مقام رکھتا ہے جو اتنی سخت مخالفت کے
باوجود اپنی اہمیت برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔ یہ بات اس حقیقت
کی نشاندہی کرتی ہے کہ یگانہ کا فن سطحی نہیں بلکہ اس کی جڑیں خاصی
عمیق ہیں، چند اشعار پیش کر رہا ہوں دیکھئے ان میں کیسی کیسی حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ ے

گناہ زندہ دلی کہئے یا دل آزاری
کسی پہ ہنس لئے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا

وقت جس کا کٹے حسینوں میں
کوئی مردانہ کام کیا کرتا

پیامِ مرگ سے کیا کم ہے مژدۂ ناگاہ
اسیر چھوٹتے ہی تلملائے ہیں کیا کیا

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائے گا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا

ہنسی میں وعدۂ فردا کو ٹالنے والو!
لو دیکھ لو وہی کل آج بن کے آ نہ گیا؟

ہر شام ہوئی صبح کو اک خواب فراموش
دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

درج بالا اشعار کسی سخت گیر انتخابی نگاہ کے رہین احسان نہیں۔
یگانہ نے ان اشعار میں مختلف مسائل بیان کئے ہیں ان میں طنز بھی ہے۔
درس ہمت بھی، کیفیات و محسوسات کی جلوہ گری بھی۔ یگانہ کا فن ان کے
انداز فکر سے عبارت ہے۔ غالب نے کہا تھا کہ ے

"کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور"

یگانہ نے ایسا کوئی دعویٰ تو نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے ان کا اندازِ بیاں
بھی "اور" ہے۔ کم از کم اپنے ہم عصر شعراء میں یگانہ کی شخصیت انفرادیت کی
حامل ہے۔ یہ مختصر مضمون ان کے فن پر روشنی ڈالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یگانہ
آرٹ پر تو مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

یگانہ کی جمالیاتی حس بھی کسی سے کم نہیں۔ انھوں نے حسن و عشق کے

مضامین بھی زندگی سے لبریز انداز میں پیمانۂ غزل میں بھرے ہیں۔
یہ اشعار سنئے :-

چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا
چال سے تو کافر پر سادگی برستی ہے

دہائی ہے دلِ دردآشنا دہائی ہے
کہ آہِ سرد یہ تہمت ہے دل دکھانے کی

گلہ کسے ہے کہ قاتل نے نیم جاں چھوڑا
تڑپ تڑپ کے نکالوں گا حوصلہ دل کا

دل دہی دل ہے جو ہو اپنی حرارت سے فنا
خاک ہو جائے مگر آگ بگولہ نہ بنے

شوخی کی بھی یگانہ آرٹ میں کمی نہیں ہے

دیوانہ بن کے ان کے گلے سے لپٹ ہی جاؤ
کام اپنا کر لو یاس بہانے بہانے میں

شیخ کی کونسی ہے کل سیدھی
اوسے جو بات ہے وہ اوٹ پٹانگ

مجھ سے معنی شناس پر حبا دو
حسن صورت حرام کیا کرتا

آخری شعر میں شوخی لفظوں کی ہے۔ معنویت کے اعتبار سے بڑا عمیق شعر ہے

یگانہ اپنے عہد کی ایک ایسی منفرد شخصیت کا نام ہے جس نے آنے والے زمانوں پر بھی بڑا گہرا اثر چھوڑا ہے، یگانہ کا مشاہدہ بھی وسیع تھا اور قدرت نے انھیں فطرت شناس دل و دماغ بھی عطا کئے تھے۔ کاش وہ ان صلاحیتوں کو جذبات و اشتعال کی گرفت سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے تو آج ان کا نام غالب کے ہم فکر شعراء کی صف میں ہوتا۔ انھیں فطرت بشری کی عکاسی پر بڑی قدرت تھی ایک رباعی میں انھوں نے فطری کشمکش کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

کعبے کی طرف دور سے سجدہ کر لوں یا دیر کا آخری نظارہ کر لوں
کچھ دیر کی محتاج ہے جاتی دنیا اک اور گنہ کر لوں؟ کہ توبہ کر لوں

مجھے یقین ہے کہ موجودہ عہد کے اہل نظر اور اہل قلم یگانہ آرٹ کی جانب متوجہ ہوں گے جس کا وہ مستحق ہے۔ (بشکریہ رد ج ادب، ستمبر ۸۴ء کلکتہ)

یگانہ چنگیزی ایک نظر میں



نام : مرزا واجد حسین
تخلص : یاس یگانہ
قلمی نام : شروع میں یاس عظیم آبادی لکھنؤ پہنچ کر یگانہ چنگیزی ہوئے
ولادت : ۱۷ اکتوبر ۱۸۸۴ء محلہ مغل پورہ عظیم آباد (پٹنہ)
والد ماجد : مرزا پیارے صاحب
جد امجد : مرزا آغا جان صاحب
تعلیم : ابتدائی تعلیم مسرت عظیم آبادی کے مدرسہ میں ہوئی، اسکولی تعلیم عظیم آباد محمڈن اینگلو عربک سے حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا
اساتذۂ سخن : پہلے بیتاب عظیم آبادی بعد میں شاد عظیم آبادی پھر لکھنؤ پہنچ کر رشید لکھنوی سے مشورۂ سخن کیا۔
شادی : ۱۹۱۳ء میں لکھنؤ کے حکیم مرزا محمد شفیع کی دختر نیک سے ہوئی۔
ذریعۂ معاش : درس و تدریس، ملازمت (آخری دور بیکاری و مفلسی میں گزرا)۔
سیاحت : کلکتہ، دہلی، اجمیر، الہ آباد بنارس، لاہور۔

تصانیف :
شعری : نشترِ یاس ۱۹۱۴ء، آیاتِ وجدانی ۱۹۲۷ء ترانہ ۱۹۳۳ء، گنجینہ ۱۹۴۸ء
نثری : چراغِ سخن ۱۹۲۱ء، شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافاتِ عزیز ۱۹۲۳ء، غالب شکن ۱۹۳۵ء غالب شکن (۲) ۱۹۳۴ء
مجدد : یگانہ آرٹ
وفات : ۳۱ مارچ ۱۹۵۳ء، محلہ شاہ گنج، لکھنؤ
مدفون : وکٹوریہ گنج کی کربلائے منشی فضل حسین میں مدفون ہیں۔

غزلیں

یاس یگانہ چنگیزی

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ، مگر بنا نہ گیا

ہنسی میں وعدۂ فردا کو ٹالنے والو
لو دیکھ لو وہی کل آج بن کے آ نہ گیا

گناہِ زندہ دلی کہیے یا دل آزاری
کسی پہ ہنس لئے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا

پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا
خدا تھے اتنے، مگر کوئی آڑے آ نہ گیا

سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے فسانۂ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا

کروں تو کس سے کروں دردِ نارسا کا گلہ
کہ مجھ کو لے کے دلِ دوست میں سما نہ گیا

بتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا
خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا

کرشن کا ہوں پجاری، علی کا بندہ ہوں
یگانہ شانِ خدا دیکھ کر رہا نہ گیا

سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انساں کا ایسا خبطِ مذہب کیا

رنگ لاتی ہے آخر ایک جنبشِ لب کیا
دیکھئے دکھاتا ہے وعدۂ تذبذب کیا

چُلّو بھر میں متوالی، دو ہی گھونٹ میں خالی
یہ بھری جوانی کیا، جذبۂ لبالب کیا

شامت آگئی آخر کہہ گیا خدا لگتی
راستی کا پھل پاتا بندۂ مقرب کیا

سب جہاد ہیں دل کے، سب فساد ہیں دل کے
بے دلوں کا مطلب کیا اور ترکِ مطلب کیا

آندھیاں رکیں کیونکر، زلزلے تھمے کیوں کر
کارگاہِ فطرت میں پاسبانیِ رب کیا

کارِ مرگ کے دن کا، تھوڑی دیر کا جھگڑا
دیکھنا ہے یہ ناداں جینے کا ہے کرتب کیا

حسن پہ فرعون کی پھبتی کہی
ہاتھ لانا یار کیوں کیسی کہی

دامنِ یوسف ہی بھڑ کا تار تھا
عشق اور ترکِ ادب اچھی کہی

کون سمجھائے کہ دنیا گول ہے
آپ نے جیسی سنی، ویسی کہی

کوئی ضد تھی یا سمجھ کا پھیر تھا
من گئے وہ میں نے جب الٹی کہی

دوست سے پردہ کیا، یہ کیا کیا
آپ بیتی چھوڑ، جگ بیتی کہی

شک ہے کافر کو مرے ایمان میں
جیسے میں نے کوئی منہ دیکھی کہی

کیا خبر تھی یہ خدائی اور ہے
ہائے میں نے کیوں خدا لگتی کہی

مفت میں سن لی یگانہ کی غزل
ان سنی کر دی جو مطلب کی کہی

11

رباعیات

مرزا یاس یگانہ چنگیزی

معمائے ہستی

کیوں مطلب ہستی و عدم کھل جاتا
کیوں رازِ طلسمِ کیف و کم کھل جاتا
کانوں نے جو سن لیا وہی کیا کم ہے
آنکھیں کھلتیں تو سب بھرم کھل جاتا

عالم کیا ہے

صبح ازل و شام ابد کچھ بھی نہیں
اک وسعتِ موہوم ہے حد کچھ بھی نہیں
کیا جانئے کیا ہے عالم کون و فساد
دعوے تو بہت کچھ ہیں سند کچھ بھی نہیں

طلسم زندگی

صیادِ ازل کی شعبدہ کاری ہے
آزادی کیا؟ عین گرفتاری ہے
اسرارِ طلسم زندگی کیا کہئے
یہ رات کٹی تو کل کا دن بھاری ہے

رازِ فردا معلوم

اندھوں کی طرح ٹٹولنا کیا معنی
گونگے کی بولی بولنا کیا معنی
فردا معلوم و رازِ فردا معلوم
پھر پردۂ غیب کھولنا کیا معنی

موت کی دوا

حیران ہے کیوں رازِ بقا مجھ سے پوچھ
میں زندۂ جاوید ہوں آ مجھ سے پوچھ
مرتے ہیں کہیں دلوں میں بسنے والے؟
جینا ہے تو موت کی دوا مجھ سے پوچھ

زندہ دلی

دل ہو زندہ تو بارِ خاطر کیوں ہو
درد و غم ناگوارِ خاطر کیوں ہو
باقی ہو دماغ میں اگر بوئے امید
پیرہنِ جان غبارِ خاطر کیوں ہو

مردہ دلی

دل جو مردہ تو زندگانی بھی حرام
پیری کا ذکر کیا جوانی بھی حرام
افسانۂ عمرِ جاودانی بھی حرام
آبِ حیوان کہاں کا؟ پانی بھی حرام

دل سے دل تک

زنجیر سے ہونے کا نہیں دل بھاری
ہوں پاؤں میں کتنے ہی سلاسل بھاری
کعبہ کا سفر ہی کیا ہے؟ گھر سے در تک
دل سے دل تک مگر ہے منزل بھاری

ترکِ منزل

مطلب نہیں کوئی ترکِ منزل کے سوا
مقصد نہیں کوئی ترکِ باطل کے سوا
کعبہ کا ہوا میں نہ صنم خانے کا
سر جھک نہ سکا کہیں درِ دل کے سوا

دردِ طلب کی پرواز

مر مر کے مسافر سرِ منزل پہنچا
پہنچا تو سہی مگر بہ مشکل پہنچا
دیکھے کوئی اس دردِ طلب کی پرواز
دل ایک تڑپ میں تا درِ دل پہنچا

آئین ساز اسمبلی — ایک آزاد سماج کی تشکیل کا جمہوری طریقہ

"ہندوستان کا سیاسی مقدر خود ہندوستانیوں کو طے کرنا چاہیئے" یہ مطالبہ مہاتما گاندھی نے ۱۹۲۲ء میں اس وقت کیا تھا، جب انھوں نے کہا تھا کہ "سوراج برطانوی پارلیمنٹ کا ایک مفت تحفہ نہیں ہوگا۔ یہ ہندوستان کی مکمل خود اظہاری کا اعلان ہوگا۔"

ایک آئین عوام کا عمل ہوتا ہے، حکومت کا نہیں۔ یہ کسی سرزمین کا بنیادی قانون ہوتا ہے۔ یہ کسی ملک کے قانونی ڈھانچے کا احاطہ کرتا ہے یہ حکومت اور اس کے اداروں کی کارکردگی منضبط کرتا ہے۔
آئین ارتقاء سے، فرمان سے یا اسمبلی کی کارروائیوں سے بنتے ہیں۔ ایک آئین ساز اسمبلی آزاد سماج کے ذریعہ نیا آئین بنانے اور اختیار کرنے کا ایک جمہوری طریقہ ہوتی ہے۔ اس میں عوام کا اپنے مقدر کا فیصلہ کرنے اور یہ طے کرنے کا حق مضمر ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کے سیاسی نظام میں رہنا پسند کریں گے۔ آزاد ہندوستان کے لئے آئین مرتب کرنے کے واسطے آئین ساز اسمبلی بنانے کے خیال کی ابتداء اور ارتقاء ہندوستان کی تحریک آزادی ہی سے جڑی ہوئی ہے۔

آئین:۔ آئین ساز اسمبلی نے ہمیں ایسا آئین دیا ہے جو ایک نادر سیاسی و قانونی دستاویز ہے نیز جو بنیادی طور پر عام آدمی کیلئے تیار کی گئی ہے۔ یہ ترقی اور جدید کاری کا ذریعہ ہے۔ اس میں "ہم ہندوستان کے لوگوں" کی آرزوؤں اور امیدوں کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ہمارے آئین کی تمہید میں تمام شہریوں کے لئے "سماجی، اقتصادی اور سیاسی انصاف" کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہی ہمارے آئین کا بنیادی مقصد ہے۔

آئین دولت پیدا کرنے میں حوصلہ مند افراد کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ دولت کی تقسیم میں یقین رکھتا ہے۔ یہ دولت کی از سر نو تقسیم کے لئے قانون بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ آرٹیکل ۳۹، اسٹیٹ کو حکم دیتا ہے کہ وہ دیکھے کہ شہریوں کو روزی روٹی کمانے کا مناسب ذریعہ میسر ہو نیز ملک کے مادی وسائل کی ملکیت اور کنٹرول عام لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو۔ آئین کا تیسرا اور چوتھا حصہ بھی جو "بنیادی حقوق" اور "مملکتی پالیسی کے ہدایتی اصولوں" پر مشتمل ہے، ہمارے آئین اور ہمارے عوام کا ضمیر ہے۔

ہمارا سیاسی انقلاب آزادی پر ختم ہوا۔ سماجی اور اقتصادی انقلابوں کو ابھی اپنا سفر مکمل کرنا ہے۔ سماجی و اقتصادی انصاف نیز مساوات کے بغیر سیاسی آزادی عوام کے لئے بے معنی ہے جیسا کہ گاندھی جی نے کہا تھا "سیاسی آزادی سوراج کی سمت پہلا قدم ہے" ہمارے آئین کا پیغام بھی یہی ہے کہ سیاسی آزادی اپنے آپ میں نصب العین کا اختتام نہیں ہے بلکہ یہ سماجی و اقتصادی انصاف و مساوات حاصل کرنے کا محض ایک ذریعہ ہے۔

آئین میں ترامیم:۔ سماج جوں جوں ترقی کر رہا ہے دنیا بھر میں آئین میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو آئین کے نافذ ہونے کے بعد سے ہمارے آئین میں ۷۸ ترمیمات کی جا چکی ہیں۔ ان میں سے بیشتر ترمیمات ہمارے ملک کے خصوصی سماجی و اقتصادی مسائل کے حل کرنے کی غرض سے کی گئی ہیں۔ کچھ ترمیمات کا تعلق اصلاحات اراضی بشمول خاتمہ زمینداری، تعلیمی اور سماجی لحاظ سے پسماندہ شہریوں کی ترقی، لوک سبھا اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں میں درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے لئے نشستوں کی ریزرویشن کی میعاد میں توسیع، سابق شاہی ریاستوں کے راجاؤں اور حکمرانوں کو ملنے والے خصوصی اخراجات اور مراعات کے خاتمے، انتظامیہ اور دیگر ٹریبونلوں کی تشکیل، دل بدلی کو روکنے، ووٹ ڈالنے کی عمر ۲۱ سال سے گھٹا کر ۱۸ سال کرنے، درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے لئے قومی کمیشن کے قیام نیز پنچایتی راج کے اداروں اور بلدیاتی اداروں کو مضبوط و مستحکم بنانے سے ہے۔

ایک سب سے اہم ترمیم ہمارے آئین میں حصہ چار۔ اے کا اضافہ ہے جس میں شہریوں کے "بنیادی فرائض" بیان کئے گئے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے کہا تھا کہ "حق کا اصلی منبع فرض ہے۔ اگر ہم سب اپنے فرائض ادا کریں تو حقوق کے لئے زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔ اگر ہم اپنے فرائض ادا نہیں کریں گے اور حقوق کے پیچھے بھاگیں گے تو حقوق ہم سے دور ہوتے جائیں گے۔" آرٹیکل ۵۱۔ اے ہر شہری کو اس کے بنیادی فرائض کی یاد دلاتا ہے۔

عدلیہ کا رول :- ہمارے سیاسی نظام کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل ایک اور نقطۂ نگاہ، جو آئین ساز اسمبلی کے دور اندیشانہ تناظر اور عمیق بیداری کا مرہون منت ہے، یہ ہے کہ ایک متحدہ عدلیہ قومی اتحاد اور ہم آہنگی کے جذبے کو مضبوط بنانے میں بہت معاون ہوگی۔

ہمارے آئین کے بانیوں نے عدلیہ کی آزادی کے تحفظ اور اس کے دائرہ سماعت اور اختیارات، ججوں کے مرتبہ و مقام اور ان کی شرائط ملازمت سے متعلق امور پر کافی توجہ دی تھی۔ آئین کے پانچویں حصے کے باب چار اور چھٹے حصے کے باب پانچ میں شامل دفعات اس بات کی دلیل ہیں کہ آئین کے بانیوں نے یہ کام کتنی راسخ الارادی اور صراحت کے ساتھ انجام دیا۔

گذشتہ پانچ دہائیوں میں عدلیہ دوررس اہمیت کا حامل کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے آئین کی دفعات اور قوانین کی تشریح کرتے ہوئے اس نے ایسے فیصلے صادر کئے ہیں جن سے قومی اور انفرادی مفادات، مفاد عامہ بنیادی انسانی آزادی اور انصاف کا تحفظ ہوا ہے۔ سپریم کورٹ نے انصاف کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے آئین اور قوانین کی جو تشریحات کی ہیں ان سے قانون کی عظمت میں اضافہ ہوا ہے۔

آئین ترقی، خوشحالی اور نجات کے لئے ہمارے سماج کے نظریے کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ نظریہ ہے اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ مکمل سوراج۔ بہتر زندگی کے لئے عوام کی جدوجہد میں آئین و قوانین معاون عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مملکت کے تین ادارے :- اگرچہ ہمارے آئین میں اختیارات کی علیحدگی کے اصول کو مکمل طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ہے تاہم آئین سازوں نے مملکت کے تینوں اداروں انتظامیہ، قانون سازیہ اور عدلیہ کے فرائض کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ ان تینوں میں سے کسی بھی ادارے کو دوسرے ادارے کے فرائض نہیں سنبھالنے چاہئیں، نہ ہی ان میں حصہ بٹانا چاہیئے۔ اسی طرح حکومت کے ان تینوں اداروں میں سے کسی بھی ادارے کو اپنے بنیادی فرائض سے دست بردار نہیں ہونا چاہیئے۔

ہم نے عدلیہ کی آزادی اور عدالتی نظر ثانی کے اصولوں کی سختی سے پابندی کرنے کا عزم کیا ہوا ہے تاہم یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ ملک کی حکومت چلانے کا کام انتظامیہ کا ہے جو اپنے کاموں کے لئے قانون سازیہ کو جوابدہ ہے۔ ہماری جمہوریت کی کارکردگی کا انحصار ان تینوں اداروں کی مضبوطی اور آزادی پر ہے۔ تمام اداروں کو آئین میں مقرر کی گئی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنا کام کرنا ہے۔ آئین کی روح کو مقدم سمجھنا اور اسے برقرار رکھنے کی ضرورت ہے تاہم ہمارے آئین کے لاگو ہونے کے ۴۶ سال بعد اور اس میں مختلف ترمیمات کے شامل کئے جانے کے بعد بھی ہم ایک چوراہے پر ہیں۔ ہمارے عوام کی کثیر تعداد کو ابھی تک روزی روٹی کے کافی ذرائع میسر نہیں ہیں۔ ہم نے ابھی تک اپنے کمزور طبقات کیلئے سماجی اقتصادی انصاف اور مساوات حاصل نہیں کی ہے۔

کیا آئین ہماری توقعات پر پورا نہیں اترا ہے یا "ہم ہندوستان کے لوگ" آئین پر پورے نہیں اترے ہیں۔ اکثر یہ مطالبہ سننے میں آتا ہے کہ آئین میں انقلابی تبدیلیاں کی جائیں۔ اس سے قبل کہ ہم ایسا کرنے کے بارے میں غور کریں، ہمیں ڈاکٹر راجندر پرساد کے ان الفاظ کی یاد تازہ کرنی چاہیئے "بالآخر آئین ایک بے جان مشین کی مانند ہے۔ اس میں جان ان لوگوں کی وجہ سے آتی ہے جو اسے چلاتے اور اسے کنٹرول کرتے ہیں"۔ اگر ہم آئین کے منشور پر عمل نہیں کرتے تو اس کے لئے آئین کو الزام نہیں دیا جانا چاہیئے۔

تمام آئینی اداروں اور عہدیداروں کو آئین کے تحت اپنے فرائض آئین کی اصل روح کو برقرار رکھتے ہوئے انجام دینے چاہئیں۔

[یہ مضمون آئین ساز اسمبلی کی تشکیل کی گولڈن جوبلی تقریبات کے افتتاح کے موقع پر صدر جمہوریہ ڈاکٹر شنکر دیال شرما اور وزیر اعظم شری ایچ ڈی دیوے گوڑا کی تقاریر پر مبنی ہے۔
(بشکریہ: پی آئی بی)]

■■

راجا رام موہن رائے لائبریری کو شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کا عطیہ

ریاستی حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے راجا رام موہن رائے کے ۲۲۵ویں یوم پیدائش کے موقع پر راجا رام موہن رائے کی حیات و بیانات سے متعلق ایک مستقل نمائشی سیٹ کلکتہ کے رام موہن رائے لائبریری اینڈ فری ریڈنگ روم کو عطیہ کے طور پر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ گذشتہ ۲۲ مئی شام ۵ بجے سے اس لائبریری میں راجا رام موہن رائے کے ۲۲۵ویں یوم پیدائش تقریبات کمیٹی کے زیر اہتمام ایک تقریب کے ساتھ عام لوگوں کے لئے نمائش کا افتتاح کر دیا گیا ہے۔

■■

ایٹلانٹا اولمپکس ـــ ایک سنگِ میل

ہیمانک کوٹھیال

پینسلو ینیا کے بشپ نے کہا تھا "اہم بات مقابلے میں جیتنا نہیں ہے بلکہ اس میں حصہ لینا ہے ... زندگی میں ضروری چیز فتح حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ بخوبی لڑنا ہے" ان کے یہ الفاظ ایتھنس سے لے کر ایٹلانٹا تک کھیلوں میں حصہ لینے والے لوگوں بلکہ حصہ نہ لینے والے لوگوں میں بھی ہمیشہ جذبۂ عمل پیدا کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اولمپک کھیلوں کی جدید شکل کی صد سالگرہ کی تقریبات کو بشپ کے اس جذبے کے تئیں ایک خراجِ تحسین ہے جس کی نمائندگی یہ کھیل کرتے ہیں۔

<u>اولمپکس کی ابتداء</u>: سب سے پہلے کھیلوں کا اہتمام اولمپیا میں کیا گیا تھا۔ سب سے اولین ریکارڈ شدہ اولمپکس ۷۷۶ قبل مسیح میں منعقد ہوئے تھے۔

<u>جدید اولمپکس</u>: اس کے بعد، تقریباً ۱۵۰۰ سال تک اولمپکس کھیلوں کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ ۱۸۵۰ میں یونان کے ایک باشندہ نے اولمپکس کو پھر سے شروع کرنے کی کوشش کی، جو رائیگاں گئی۔ اس کے بعد) ڈے کوبرٹن نامی ایک فرانسیسی شخص نے اس سلسلہ میں عالمی حمایت حاصل کی اور ۱۸۹۶ء میں ایتھنس میں جدید اولمپکس کی شروعات کی۔

اولمپکس کا جھنڈا پانچ دائروں پر مشتمل ہے، جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ جھنڈا پانچ براعظموں کی نمائندگی کرتا ہے اور دنیا بھر میں کھیل کود پر مبنی دوستی کی علامت ہے۔ اولمپک کا جھنڈا ۱۹۱۳ء میں تشکیل دیا گیا تھا لیکن ۱۹۲۰ء میں اینٹورپ اولمپکس میں پہلی بار پیش کیا گیا تھا کیونکہ ۱۹۱۶ء میں کھیلوں کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ اگرچہ اولمپک کی شکل، جو قدیم اور جدید کھیلوں کے درمیان تسلسل کی علامت ہے، ۱۹۲۸ء میں ایمسٹرڈم کھیلوں میں روشن کی گئی تھی لیکن اس مشعل کی جدید شکل ۱۹۳۶ء میں برلن اولمپکس میں اختیار کی گئی تھی۔

<u>اولمپکس اور ہندوستان</u>: سر دوراب ٹاٹا اور ڈاکٹر اے جی نوہرین کے ذریعہ ۱۹۲۷ء میں ہندوستانی اولمپک ایسوسی ایشن کی تشکیل کا مقصد مستحکم کرنے والی ایک طاقت کے طور پر کھیلوں کے نظریے کو فروغ دینا تھا۔ خصوصی اور عمومی طور پر اولمپک کھیلوں میں ہندوستان کا ریکارڈ ویسا نہیں رہا ہے جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔ اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمیں اپنی کارکردگی کے معیار کو بہتر بنانے کیلئے سخت محنت کرنی ہوگی۔ ہمیں خاص طور پر اپنے گاؤں میں بے کار پڑی ہوئی انسانی دولت کے وسیع وسائل کو بروئے کار لانا ہوگا نیز انکے ہنر اور صلاحیت کو فروغ دینے کیلئے انھیں سہولیات اور تربیت فراہم کرنی ہوگی۔ ہندوستان جیسا ایک بڑا ملک عالمی کھیلوں کے معاملے میں پیچھے نہیں رہ سکتا۔ اس سال بھی، ہندوستانی شرکاء کی ایک ٹیم ۲۶ ویں ایٹلانٹا کھیلوں کے لئے پہلے ہی روانہ ہو چکی ہے اور یہ بات ابھی سامنے آنی ہے کہ وہ ہندوستان کیلئے کتنے اعزاز حاصل کرتے ہیں۔

<u>ایٹلانٹا میں اولمپکس</u>: ایٹلانٹا اولمپکس جدید اولمپکس کی صد سالگرہ کی تقریبات کی علامت ہے۔ ان اولمپکس میں بہت سی باتیں پہلی بار ہو رہی ہیں۔ جنگ کے بعد پہلی بار تمام ممالک نے اولمپکس میں شرکت کرنے سے اتفاق کیا ہے۔ ۱۹۷ ممالک کے ۱۶۵۰۰ ایتھلیٹس ۱۸۳۸ تمغے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں گے، جبکہ بارسیلونا میں ۱۹۹۲ء کے اولمپکس میں کھیلوں کی تعداد ۲۵ تھی جو بڑھ کر ۲۷ ہو گئی ہے۔ اولمپک مشعل میں بھی اب تک کی سب سے بڑی مشعل ہو گی ہے جس کی لمبائی ۳۲ انچ اور وزن ۳۱ پونڈ ہے۔ ایٹلانٹا اولمپکس میں پہلی بار خواتین کو میچوں میں قائم مقامی کرنے کی اجازت دی جائیگی۔ اولمپکس کی تاریخ میں پہلی بار ایٹلانٹا اولمپکس میں پرو۔ بیچ والی بال کی شروعات ہوگی۔ ۱۹۹۶ء کے اولمپکس میں ماسکوٹ ایزی ہوا۔

کورٹ آف آربیٹریشن کے نام سے ایک اولمپک کورٹ یعنی ایک عارضی ٹریبونل کی میٹنگ ایٹلانٹا میں پہلی بار منعقد ہوگی۔ اگرچہ اس سلسلے میں کافی اختلاف رائے رہا ہے لیکن اس کورٹ کی وجہ سے شرکاء کھیلوں کے دوران ان کے ساتھ کی گئی کسی طرح کی ناانصافی کے خلاف اپیل کرسکیں گے۔

حفاظتی انتظامات اتنے سخت کئے گئے ہیں کہ پورے حفاظتی انتظامات پر ۵ کروڑ ڈالر کا خرچ آنے کی توقع ہے ... ۲ مربع میٹر کے رقبے پر محیط ایک اسپتال نے ایتھلیٹوں اور کھلاڑیوں کے لئے چوبیس گھنٹے کام کیا۔ چھبیسویں اولمپک کھیلوں کے سلسلے میں لوگوں کو کافی پیسے بھی خرچ کرنے پڑیں گے۔ کھیلوں کیلئے ایک اوسط ٹکٹ کی قیمت تقریباً ۴۰ ڈالر تک ہو سکتی ہے۔ اسطرح ایٹلانٹا اولمپکس کئی لحاظ سے اہم اور امتیازی رہا۔ ان کھیلوں میں مقابلے بھی بڑے سخت ہوتے ایٹلانٹا میں درجہ حرارت تقریباً ۸۰ و ۲۵ ڈگری سیلسیس رہا۔ ۲۱ ویں کھیلوں میں ۱۸۹۶ء کے اولمپکس کے تمام کھیل بھی رہے۔

اس لحاظ سے ۱۹۹۶ء کے ایٹلانٹا اولمپکس جدید اولمپک کھیلوں کی صد سالگرہ کی تقریبات کی علامت رہا۔ یہ کھیل اولمپک کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئے۔ (بشکریہ پی آئی بی) ■

شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب رفاہ پر پارلیمانی کمیٹی شہر کا معائنہ کریگی

شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے رفاہ کیلئے ۲۵ ممبران اور ۴ افسران پر مشتمل ایک پارلیمانی کمیٹی ۱۶ جون سے ۲۴ جون ۱۹۹۷ء تک اس ریاست کا معائنہ کرے گی۔ وہ لوگ وہاں شیڈولڈ کاسٹ شیڈولڈ ٹرائب ایمپلائز ویلفیئر ایسوسی ایشن آف آئی بی پی کمپنی لمیٹیڈ اور شیڈولڈ کاسٹ شیڈولڈ ٹرائب ایمپلائز ایسوسی ایشن آف اورینٹل بینک آف کامرس کے نمائندوں سے ملاقات کریں گے۔ وہ لوگ آئی بی پی کمپنی لمیٹیڈ اور اورینٹل بینک آف کامرس کے منتظم سے بھی تبادلۂ خیال کریں گے۔ ■■

مغربی بنگال پست طبقات کمیشن کی جانب سے خصوصی سماعت

مغربی بنگال کمیشن برائے پست طبقات نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان پانچ طبقات کے لوگوں جنہوں نے مغربی بنگال کے پست طبقات کی فہرست میں اپنی شمولیت کے لیے کمیشن سے درخواست کی ہے، کو سماعت دینے کا موقع دیا جائے۔ مقررہ پروگرام کے مطابق ان پانچ طبقات کے نام سماعت کی تاریخ و اوقات مفصل طور پر درج ذیل ہیں۔

تاریخ۔ اوقات ۔ طبقات کے نام

۲۳ جولائی ۹۷ء ۱۱½ بجے دن تا ۴½ بجے شام ۔ (۱) کوٹے (۲) بالا چین (۳) ناشیہ ۔ سیکھ

تاریخ ۔ اوقات ۔ طبقات کے نام

۲۵ جولائی ۹۷ء، ۱۱½ بجے دن تا ۴½ بجے شام ۔ (۱) کلوار (۲) بھجڑ بھوجا / بھوجا والا

سماعت کمیشن کے دفتر بمقام اے ٹی آئی کمپلکس، ایف سی بلاک، سیکٹر III، سالٹ لیک، کلکتہ ۹۱... میں ہوگی۔

مندرجہ بالا تاریخ کو خواہشمند حضرات کسی بھی طبقے کے سلسلہ میں اپنے خیالات بذریعہ تحریر کمیشن کو آگاہ کرسکتے ہیں ■■

حکومتِ مغربی بنگال کے زیرِ اشاعت رسائل اور ان کی شرحِ خریداری

حکومت مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب وثقافت پر بھی گرانقدر مواد شائع کیے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں:

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفتہ وار	ایک روپیہ	۴۸ روپے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۲ روپے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۶ روپے (مع ڈاک خرچ)	۳ روپے (مع ڈاک خرچ)

- ۱ تا ۱۵۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت • ۱۵۰۱ تا ۳۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
- ۳۰۰۱ تا ۵۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت • ۵۰۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

- آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔
- پرچوں کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔
- کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔
- سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

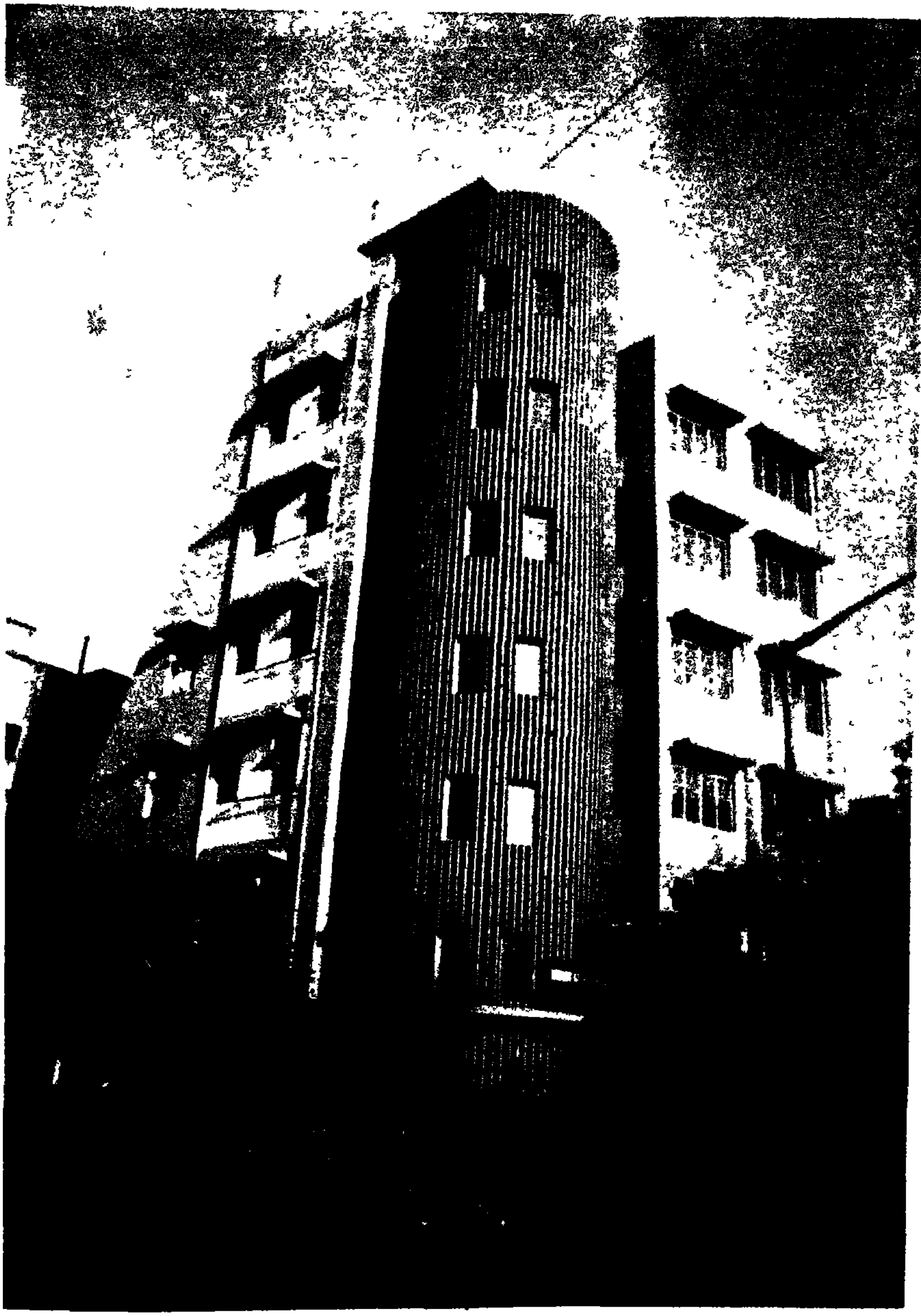
ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :- بزنس منیجر، شعبہ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، ۶/۱ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 221-4295

تفصیلات کے لئے بزنس منیجر سے مندرجہ بالا پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

An Urdu Fortnightly
June 15, 1997

Vol. No 44, Issue No. 12
Price 50 Paise



کلکتہ کے بالیگنج کا تیجی میں بستر امک کلیان پریشد کے صدر دفتر شرامک کلیان بھون تس کا افتتاح ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گزشتہ ٢٤ مئی ١٩٩٧ء کو کیا تھا

Chief Editor : Tarun Bhattacharya, Asst. Editor Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Dept
Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۴ • یکم جولائی ۱۹۹۷ء • شمارہ نمبر ۱۳

مدیر اعلیٰ :۔ تروُن بھٹاچاریہ

مدیر معاون :۔ محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپئے • نصف سالانہ : پانچ روپئے

• فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر!

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ

کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل بلاک ۱

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext: 710

ترتیب

••



نئی امید
نئی افق
ترقی کی ایک نئی دِشا

مغربی بنگال میں حکومت صرف انتظامیہ پر منحصر نہیں رہتی۔ پچھلے ۲۲ برسوں کے دوران حکومت مغربی بنگال نے بنگال کے عوام پسند اور صحت مند پنچایت نظام کے ذریعہ ضلع کے دور دراز علاقوں تک مقامی حکومت کی فضا قائم کی ہے۔ صرف اقتدار کی مرکزیت کا خاتمہ ہی نہیں بلکہ بے زمینوں میں زمینوں کی تقسیم، پست ذات و قبائل اور غیر ترقی یافتہ طبقہ کے لئے ملازمتوں کے امکانات، عورتوں کی نمائندگی، روزگار کے مواقع ناخواندگی کا خاتمہ بھی اہم کارنامے ہیں۔ پنچایت نظام کی کامیابی کے براہ راست نتائج میں پنچایتی انتظامیہ آپکی انتظامیہ ہے۔
قابلِ فخر آپ کی روایت !

حکومت مغربی بنگال

بائیں محاذ حکومت کے بیس سال

عوام کے اعتماد نے ہماری ذمہ داریوں کو مزید بڑھا دیا ہے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو



• وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بائیں محاذ کے ۲۰ سال پر شائع ہونے والے مجلّوں کا اجراء کرتے ہوئے۔

بائیں محاذ حکومت کی ذمہ داری کافی بڑھ گئی ہے کیونکہ عوام نے اس پر بھرپور بھروسہ کیا ہے۔ بائیں محاذ کے اتحاد نے نہ صرف ملک میں بلکہ دیگر ملکوں میں بھی ایک مثال قائم کی ہے۔ یہ بائیں وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۲۰ جون ۹۷ء کو رائٹرس بلڈنگس میں پریس نمائندوں سے مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی دو دہائیوں کے مکمل ہونے پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہیں۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے اس موقع پر بائیں محاذ کی ۲۰ سالہ کارکردگیوں پر مبنی ریاستی شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کی جانب سے شائع کردہ کچھ جرائد و کتابوں کا اجراء کیا۔ پریس نمائندوں کے درمیان وزیر اطلاعات و ثقافتی امور و خارجہ (پولس) شری بدھادیب بھٹاچاریہ، وزیر زراعت شری نارین دے، وزیر صنعت و تجارت شری بدوت گنگولی اور وزیر ترقیات حیوانی وسائل شری انیس الرحمٰن بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔ بعدازاں ریاستی وزیر شری بدھادیب بھٹاچاریہ اپنے شعبہ کے زیر اہتمام شائع کردہ کتابوں اور فلم فسٹول سے حاصل شدہ ۵ء۴ لاکھ روپئے کا ایک چیک وزیر اعلیٰ کی خدمت میں پیش کیا۔ وزیر اعلیٰ نے اس موقع پر شعبۂ ترقیات حیوانی وسائل کی شائع کردہ ایک کتاب کا بھی اجراء کیا۔

بیس برسوں سے متواتر مغربی بنگال میں متحدہ محاذ حکومت کا قیام اور مختلف سیکٹروں میں اس کی نمایاں کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے شری باسو نے مسرت آمیز فخر کا اظہار کیا۔ انھوں نے بایاں محاذ کا طویل عرصہ تک ریاستی انتظامیہ پر فائز رہ کر عوامی سطح پر

کام کرنے کی راہ میں ریاستی عوام کی حمایت اور تعاون کے لئے شکریہ ادا کیا۔

وزیراعلیٰ نے بائیں محاذ کی مختلف قابل فخر کارکردگیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان طویل عرصے کے دوران برسر اقتدار رہ کر ہم کبھی بھی آسودہ خاطر نہیں ہوئے۔ گذشتہ دو دہائیوں کے دوران متعدد کامیابیوں کے باوجود ابھی بھی بہت سے باقی کام ہیں جن سے ہمکنار ہونا ہے۔ انھوں نے بدعنوانی خود پسندی اور آپسی اختلافات کو دور کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ عام لوگوں کے اعتماد کو بحال رکھنے کے لئے ان کی مشکلات پر زیادہ سے زیادہ دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

مسٹر باسو نے کہا کہ مغربی بنگال میں صنعتی ماحول سازگار ہے۔ یہاں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری ہوئی ہے۔ اور امید ہے کہ مغربی بنگال جلد دیگر صنعتی طور پر ترقی یافتہ ریاستوں کی صف میں آجائے گا۔ انھوں نے کہا کہ بائیں محاذ حکومت نے دیہی ترقیات کے لئے بہت سے نئے پروگراموں کو اپنایا ہے۔ آج اس بات کو سبھوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ اصلاحات آراضی اور پنچایتی راج کے ذریعہ جمہوری لامرکزیت پر زور دیکر ہی دیہی ترقیات کی راہ میں عظیم کامیابی حاصل کی گئی ہے۔

اُسی دن کلکتہ کے نذرل منچ میں بائیں محاذ کے زیر اہتمام ایک جشن بیسّ سالہ تقریبات کے ایک جلسے سے وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بایاں محاذ حکومت بیسّ سال کی ایک حقیقت ہے اور مستقبل میں بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ بہت سے لوگ جو نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ ہماری حکومت کی تشکیل صرف انتخابات کے ذریعہ نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کامیابی کے پیچھے جدوجہد کی ایک طویل خونچکاں تاریخ ہے۔ انھوں نے یاد دہانی کراتے ہوئے کہا کہ ریاست میں کانگریس کے ۲۸ سالہ دورِ حکومت کے دوران تمام جمہوری حقوق سلب کرلئے گئے تھے ——————— لیکن ہم کبھی بھی دستبردار نہیں ہوئے۔ بائیں پارٹیوں نے متحد ہو کر جدوجہد کی اور عوام کے مفاد کے لئے کام کیا۔ یہ تاریخ بائیں محاذ حکومت کی تشکیل کے اہم اجزا میں سے ایک ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کی حکومت عوام سے کچھ بھی نہیں چھپاتی۔ ہم نے بہت سے میدانوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ بہت سے کام ابھی بھی کرنے کو باقی ہیں۔

مسٹری جیوتی باسو نے کہا کہ حکومت غیر ملکی سرمایہ کاری کو خیر مقدم کرنے کے معاملے میں پیچھے نہیں ہٹے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہماری صنعتی ترقیاتی پالیسی پیداوار میں اضافہ، بے روزگاری دور کرنے اور بیمار کل کارخانوں کے احیاء کے لئے مفید ہے۔ انھوں نے کہا کہ مغربی بنگال دیگر ریاستوں میں سب سے پہلی ریاست ہے جو نئے اور پرانے پروگراموں کو نافذ کرنے میں سب سے آگے ہے۔

واضح رہے کہ سی پی آئی (ایم) کی قیادت میں دس سیاسی پارٹیوں کے اتحاد نے ۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال کا عنانِ حکومت سنبھالا تھا۔ ۱۹۷۷ء سے لے کر اب تک بائیں محاذ حکومت کے کئی کارنامے ہیں جو قابلِ تعریف ہیں۔ بائیں محاذ کے کارنامے کو اپوزیشن پارٹیاں بھی تسلیم کرتی ہیں۔ یہ پارٹیاں خاص کر اس کو تسلیم کرتی ہیں کہ اصلاحات آراضی کے ذریعہ دیہاتوں کی ترقی میں اضافہ ہوا ہے۔ بائیں محاذ نے اصلاحات آراضی میں جو کامیابی حاصل کی ہے اس میں دیہی ترقیاتی پروگراموں میں پنچایت کی شمولیت شامل ہے۔ مغربی بنگال میں تقریباً مکمل صنعتی زمین میں سے ۶۰ فیصد زمین کسانوں کی ملکیت میں ہے۔ جبکہ پورے ہندوستان میں کسانوں کے قبضے میں صرف ۲۹ فیصد زمین ہے۔ پچھلے ۲۰ برسوں کے دوران حکومت مغربی بنگال نے بنگال کے عوام پسند اور صحت مند پنچایت نظام کے ذریعہ ضلع کے دور دراز علاقوں تک مقامی حکومت کی فضا قائم کی ہے۔ صرف اقتدار کی مرکزیت کا خاتمہ ہی نہیں بلکہ بے زمینوں میں زمینوں کی تقسیم، پست ذات و قبائل اور غیر ترقی یافتہ طبقہ کے لئے ملازمتوں کے امکانات، عورتوں کی نمائندگی، روزگار کے مواقع نا خواندگی کا خاتمہ بھی بائیں محاذ کے نمایاں کارناموں میں شامل ہے۔

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے بیس سال مکمل ہونے پر تصویروں کی نمائش



مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے ۲۰ سال مکمل ہونے کے موقع پر گزشتہ ۲۰ جون ۹۷ء کو شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے زیر اہتمام کلکتہ کے انفارمیشن سنٹر میں مختلف شعبوں میں ریاستی حکومت کی نمایاں کارکردگیوں پر مبنی تصاویر کی ایک ہفت روزہ نمائش کا انعقاد کیا گیا۔ اس نمائش کا افتتاح ریاستی وزیر اطلاعات و داخلہ (پولس) شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی لگی ایک قد آور تصویر کے سامنے قندیل روشن کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر وزیر موصوف نے ایک ویڈیو کیسٹ نیوہورائزن کا بھی اجراء کیا۔ یہاں پردۂ سیمیں پر اس ویڈیو کی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس نمائش کا مقصد عام لوگوں کو ۷۷ء سے ۱۹۹۷ء تک بائیں محاذ حکومت کی مختلف کارکردگیوں سے آگاہ کرنا تھا۔ اس نمائش میں زراعت، صنعت و تجارت، آبپاشی، اطلاعات و ثقافت، سائنس و تکنالوجی، اصلاحات آراضی، پنچایت اور توانائی سمیت مختلف شعبوں کی نمایاں کامیابیوں کی جھلکیاں پیش کی گئی تھیں۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی ایسی تصویریں بھی چسپاں تھیں جن میں انھیں گزشتہ کئی انتخابات کے بعد حلف لیتے ہوئے دکھایا گیا۔ شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے اس نمائش کا بغور معائنہ کیا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔



بائیں محاذ حکومت کے بیس سال

مغربی بنگال میں بایاں محاذ کی حکومت اور اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت

محمد امین، وزیر ترقیات وفلاح اقلیات

مغربی بنگال میں بیس برسوں کے دور البایاں محاذ کی حکومت نے ریاست کے غریب ترین لوگوں کی معاشی معاشرتی حالات میں کچھ تبدیلیاں لائی ہیں جس کا واجبی حصہ اقلیتوں کو بھی ملا ہے۔ جمہوریت اور سیکولرزم کے مضبوط ہونے کی وجہ سے فرقہ وارانہ امن کو استحکام ملا ہے جس کی وجہ سے اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کو روزی روٹی کی جدوجہد میں آگے بڑھنے کے لئے مساوی مواقع ملے اور تعلیم و ثقافتی سرگرمیوں زراعتی سرگرمیوں اور خود روزگار کے کاموں میں آبادی کے دیگر حصوں کے شانہ بشانہ وہ بھی چل رہے ہیں۔

اصلاحات آراضیات کے ذریعہ دس لاکھ تیرہ ہزار ایکڑ زمینیں ان غریب کسانوں میں مفت تقسیم کی گئی ہیں جن کے پاس زمین نہیں تھی۔ تناسب کے اعتبار سے اس کا حصہ مسلمانوں اور درج فہرست ذات کے لوگوں اور قبائلی غریبوں کو بھی ملا ہے جس کی وجہ سے زرعی پیداوار ایک کروڑ ۴۱ لاکھ ٹن سے بڑھ کر تین کروڑ ۱۵ لاکھ ٹن پر پہنچ گئی ہے اور چاول پیدا کرنے میں مغربی بنگال پورے ملک میں سرفہرست آگیا ہے۔

۱۵ لاکھ بٹائی داروں کے ناموں کا ریکارڈ بن چکا ہے جس کے حق کاشتکاری کی ضمانت ہو گئی۔ جنہیں اب مالکان زمین بے دخل نہیں کرسکتے۔ جاگیردارانہ ظلم اب قصۂ پارینہ بن چکا ہے اور غریب مسلمان کسان بھی آزادی سے سانس لے رہے ہیں۔ گاؤں میں سر اٹھا کر عزت کی زندگی جی رہے ہیں۔

پورے مغربی بنگال میں تعلیم پھیل گئی ہے جس میں مدرسے کی تعلیم بھی شامل ہے جس سے لڑکیوں سمیت بنگلہ اور اردو بولنے والے عوام کو تعلیم یافتہ بنانے میں بہت مدد ملی ہے۔ خواندگی کا تناسب ہر ضلع میں بڑھا ہے ایک ضلع تو سو فیصد کی سطح تک پہنچ گیا ہے۔ اس کا فیض اقلیتوں کو بھی حاصل ہوا ہے۔ مدرسے کی تعلیم میں جو وسعت ہوئی ہے وہ نمایاں ہے جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں مدرسے کی تعلیم پر حکومت نے پچاس لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا جو ۱۹۹۶ء میں ۲۵ کروڑ روپئے پر پہنچ گیا۔ مدرسے کے طلباء وطالبات میں غیر مسلموں کی تعداد صرف ایک فیصد ہے جبکہ ٹیچروں میں سے غیر مسلموں کا تناسب ۳۳ فیصد ہے۔ درج ذیل گوشوارہ مدرسے کی تعلیم میں جو ترقی ہوئی ہے وہ ثابت کرتا ہے۔

۱۹۷۷ء میں ہائی مدرسوں کی تعداد ۹۲ تھی جو ۱۹۹۶ء تک ۲۱۳ ہو گئی۔ طلبا کی تعداد ۲۷ ہزار ۶ سو سے بڑھ کر ۱۵ ہزار ایک سو بیس ہو گئی۔ جونیئر ہائی مدرسے ۸۴ سے بڑھ کر ۱۵۲ ہوئے جن میں طلبا وطالبات کی تعداد ۱۶ ہزار سات سو سے بڑھ کر ۴۲ ہزار تین سو بیس ہو گئی۔ سینئر مدرسے ۷۵ سے بڑھ کر ۱۰۲ ہو گئے جن میں طلبا وطالبات کی تعداد ساڑھے پندرہ ہزار سے بڑھ کر ساڑھے ستر ہزار ہو گئی۔ ہائی مدرسہ کے امتحانات میں بیٹھنے والوں کی تعداد تین ہزار چار سو ۳۳ سے بڑھ کر ۱۱ ہزار ۹ سو سترہ ہو گئی۔ عالم ۵۶۷ سے بڑھ کر ۸۳۵ ہوئے۔ ہائی مدرسہ کے ملازمین کی تعداد ۱۱۲۵ سے بڑھ کر ۲۵۷۷ ہو گئی۔ جونیئر ہائی مدرسوں میں معلموں کی تعداد ۸۷۴ سے بڑھ کر ۲۸۶۸ اور دیگر ملازمین کی تعداد ۱۹۸ سے بڑھ کر ۴۳۰ ہو گئی۔

اقلیتوں کے مسائل کی نشاندہی کرنے کے لئے ۱۹۹۶ء میں محکمہ ترقیات و فلاح اقلیات کے نام سے ایک نیا محکمہ کھولا گیا جس کے تحت اردو اکادمی، حج کمیٹی، ترقیات اقلیات و مالیاتی کارپوریشن، اقلیتی کمیشن اور وقف بورڈ کام کر رہے ہیں۔ ۱۳۹۵ درخواست کنندگان

کی درخواستیں منظور کرتے ہوئے کارپوریشن نے انھیں قرض دینے کا فیصلہ کیا ہے جنہیں عنقریب رقم مل جائے گی جس سے وہ اپنا روزگار خود شروع کریں گے۔ قرض کی رقم چالیس ہزار سے ایک لاکھ تک ہوگی جس پر ۷ فیصد سود لگے گا اور پانچ برسوں میں وصولی کی جائے گی۔ اس میں دس فیصد ریاستی حکومت دے گی ۸۵ فیصد مرکزی کارپوریشن دے گی اور ۵ فیصد درخواست کنندہ کو مہیا کرنا ہوگا۔ ریاستی حکومت نے اس کے لئے ایک کروڑ ۴۸ لاکھ روپیہ جمع کردیا ہے اور مرکزی کارپوریشن نے ۴ کروڑ ۵۶ لاکھ کی رقم دے دی ہے۔ مستقبل میں یہ رقم اور بڑھے گی اور اقلیتوں کیلئے یہ خود روزگار کا ایک اہم ذریعہ بنے گا۔ سال رواں کے اندر مزید پانچ کروڑ کی رقم دی جائے گی۔

اردو اکاڈمی نے پانچویں جماعت سے لیکر یونیورسٹی کی تعلیم تک نصاب کی کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں نہ نفع نہ نقصان کی بنیاد پر طلباء و طالبات کو سستی قیمت پر دی جاتی ہیں۔ بہت سی ادبی کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں جن میں فیض کی کتابیں بھی ہیں۔ ۱۳ ہزار الفاظ پر مشتمل ایک مختصر بنگلہ اردو لغت شائع کی گئی ہے جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اکاڈمی نے کچھ ثقافتی اور فلاحی اسکیمیں بھی بنائی ہیں۔ فنڈ کی کمی کبھی کبھی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اردو اکاڈمی کی اپنی عمارت کے لئے ریاستی حکومت نے اکاڈمی کو فنڈ فراہم کیا جس سے عمارت کی نچلی اور پہلی منزل کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے جس کا افتتاح ۲۴ جون ۹۷ء کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کیا۔

مغربی بنگال ریاستی حج کمیٹی مشرقی ہندوستان کے تمام حاجیوں کے بذریعہ کلکتہ ہوائی اڈہ سعودی عرب جانے اور واپس آنے کے سلسلے میں تمام ضروری انتظامات کرتی ہے۔ مرکزی حج کمیٹی کے عطیہ سے اور حاجیوں کے چندہ سے تقریباً ایک کروڑ کی لاگت پر کلکتہ میں بیت الحجاج کی تعمیر کی گئی ہے۔

ریاستی وقف بورڈ کی تشکیل نئے قانون کے مطابق ہوچکی ہے۔ وقف بورڈ نے کلکتہ، بردوان، بیربھوم، مرشدآباد اور مدنا پور میں مسلمان لڑکیوں کے قیام کے لئے مسلم گرلز ہوسٹل تعمیر کیا ہے اور مالدہ، بشیرہاٹ اور اسلام پور میں ہوسٹل زیر تعمیر ہیں۔ ان ہوسٹلوں میں ہائی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والی مسلمان لڑکیاں اوسطاً ساڑھے تین سو روپیہ ماہوار کھانے کا خرچ ادا کرکے رہتی ہیں۔ کلکتہ والے ہوسٹل میں کمپیوٹر کی تربیت کا بھی اہتمام ہے۔

ریاستی اقلیتی کمیشن کی از سر نو تشکیل ہوئی ہے جسے نئے قانون کے تحت عدلی اختیارات بھی حاصل ہیں۔ کمیشن نے اپنا کام شروع کیا ہے اور موصولہ شکایتوں پر ضروری کارروائی کرتا ہے تاکہ اقلیتوں کے مفادات کی حفاظت کی جا سکے۔

ہندوستان کا معاشی اساس ابھی تک نیم جاگیردارانہ نیم سرمایہ دارانہ ہی رہ گیا جس کا سیاسی ڈھانچہ پارلیمانی جمہوریت ہے۔ دو سو برسوں تک سامراجی استحصال کے باقیات نے عوام کے وسیع ترین حصے کو تباہ حال کردیا تھا جنہیں ابھی دو وقت پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا، بے کاری، مہنگائی اور عام معاشی بدحالی پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ مغربی بنگال اس سے الگ نہیں رہ سکتا اور اقلیتوں کو بھی اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ معاشی، معاشرتی سرگرمیاں مشترکہ ہوتی ہیں اس لئے دوسروں کے ساتھ اقلیتیں بھی پریشان ہیں۔ بایاں محاذ حکومت کی کوششیں یہ رہی ہیں کہ اقلیتوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا جائے اور جائز حقوق سے انھیں محروم نہ ہونے دیا جائے۔

بایاں محاذ حکومت نے فرقہ وارانہ امن کی گارنٹی کی ہے اور بلا امتیاز سب کے لئے مساوات کی پالیسی پر چل رہی ہے۔ جب کبھی امتیاز کی کوئی شکایت موصول ہوتی ہے تو حکومت اس کا بروقت نوٹس لیتی ہے اور مؤثر طریقہ پر مداخلت کرتی ہے۔

اقلیتوں کے ذہن پر بھی مغربی بنگال کی مضبوط متحدہ سیکولر اور جمہوری تحریک کا لازمی اثر پڑا ہے اور وہ بھی ایک بہتر کل کے لئے دوسروں کے ساتھ مل کر آگے بڑھ رہی ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ہاتھوں مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی نئی عمارت کا افتتاح



مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۲۲ جون کی شام کو ۲/۲، ۷، رفیع احمد قدوائی روڈ میں واقع مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی نئی عمارت کا رسمی طور پر افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اس ریاست میں سب زبانوں، سب مذہبوں کو یکساں مریادا حاصل ہے۔ بایاں محاذ حکومت کسی تنگ نظری کو نہیں مانتی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ملک کی تقسیم اگرچہ مذہبی بنیاد پر ہوئی تاہم تمام لوگوں کے درمیان دوستانہ تعلقات رکھنے کی اشد ضرورت ہے ہم اس پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم یہاں کے لوگوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی قائم رکھ پائے ہیں۔

شری باسو نے مزید بتایا کہ ہندوستان کے دستور میں ملک کو سیکولر کہا گیا ہے لیکن اب اس کی پابندی نہیں کی جا رہی ہے۔ ملک میں کچھ ایسی پارٹیاں قائم ہو رہی ہیں جو دستور کو نہیں مانتی ہیں۔ مذہبی بنیاد پر، زبان کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ایک مخصوص جماعت نے پانچ سو سالہ پرانی مسجد کو ایک آن میں ڈھا دیا۔ شری باسو نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کیا کسی مذہب میں کہا گیا ہے کہ اپنے مذہب کے پابند ہونے کے لئے دوسرے کے مذہب پر حملہ آور ہوا جائے، ایسا کہیں بھی نہیں کہا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایسی بات تو عہد وسطیٰ سے تعلق رکھتی ہے۔ مہذب ملک میں ایسا ہو نہیں سکتا۔ انھوں نے اس بات پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اسے روکنے کی ذمہ داری کس کی تھی؟ اس وقت کے جو وزیر اعظم تھے انھیں ہم نے تمام اختیارات دے دیئے تھے۔ دفعہ ۳۵۶ کے استعمال کے اگرچہ ہم لوگ خلاف ہیں لیکن اس معاملہ میں اس کے نفاذ کے لئے ہم لوگوں نے مشورہ دیا تھا۔ مسجد ڈھا دی گئی اگرچہ دو دن پہلے بھی میں نے ذاتی طور پر فون میں کچھ اقدام اٹھانے کے لئے کہا تھا لیکن انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ چپ چاپ بیٹھے رہے۔ دراصل یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ بی جے پی کو آگے بڑھایا جائے۔

شری باسو نے سکھوں کے واقعات قتل کے حوالے سے کہا کہ اس وقت کے وزیر اعظم سے ہم نے کہا تھا کہ وہ اپنی پارٹی کے لوگوں سے کہیں کہ وہ اس ریاست میں ہنگامہ کرنے سے باز رہیں۔ پولس کو بھی کڑی ہدایت دی گئی تھی کہ گردوارہ پر اگر کوئی حملہ کرے اس پر گولہ چلا دیں۔ سکھوں کو محفوظ مقامات پر پہنچا دیا گیا تھا۔ اس وقت

ہمارے ملک میں ہزاروں سکھوں کا قتل ہوا تھا لیکن یہاں کسی طرح کا ہنگامہ تک نہیں ہوا۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے ہزاروں لوگوں نے مل کر "امن جلوس" نکالا لیکن افسوس کہ اسے ٹی وی پر نہیں دکھایا گیا۔ فساد کی تصویروں کی نمائش ہوئی لیکن "امن جلوس" کی کسی بھی تصویر کی نمائش میں انھیں اعتراض تھا۔ شری باسو نے کہا کہ کوئی بھی مذہبی واقعہ رونما ہونے سے متذبذب ہونا فطری بات ہے لیکن جو لوگ اس طرح کے کام میں ملوث رہے وہ اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے پھر ہمارے ہمنوا ہوئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے اردو اکاڈمی کی کارکردگیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ اردو اکاڈمی اردو زبان کی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو داں طبقہ کو بنگلہ سکھا رہی ہے۔ اردو ٹائپ سکھانے کا کام بھی جاری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر ضلع میں کم از کم ایک اردو ٹائپسٹ ہو کیونکہ ہماری پالیسی ہے کہ لوگ جس زبان میں خط لکھیں انھیں اسی زبان میں جواب دیا جائے۔ اکثر اردو ٹائپسٹ نہیں ملتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بائیں محاذ حکومت نے اردو اکاڈمی کی بھرپور مدد کی ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو سرکار اسے مزید امداد کرے گی۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ہماری ریاست میں بنگلہ، ہندی، نیپالی اکاڈمیوں کے ساتھ ساتھ اردو اکاڈمی بھی ہے۔ ریاست کی خواندگی مہم میں اردو اکاڈمی کو نمایاں کردار ادا کرنا چاہیئے۔

اس تقریب میں ریاستی اسمبلی کے اسپیکر شری ہاشم عبدالحلیم نے کہا کہ اردو ادب بین الاقوامی زبان ہے۔ بی بی سی سے بھی اردو کے مختلف پروگرام ہوتے ہیں۔ یہ زبان قومی وراثت ہے۔ اس زبان کی ترقی کے لئے اردو اکاڈمی کو تحقیقی شعبہ قائم کرنا چاہیئے۔

معزز مہمان جناب محمد امین، وزیر ترقیات و فلاح اقلیات نے اپنی تقریر میں کہا کہ ۱۰ سال پہلے کا خواب آج شرمندۂ تعبیر ہوا ہے۔ اردو اکاڈمی نے پانچویں جماعت سے لیکر یونیورسٹی سطح تک نصابی کتابیں چھپوا کر طالب علموں کو مہیا کیا ہے۔ اس سے اردو کتابوں کی کالا بازاری ختم ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سال اکاڈمی کیلئے ریاستی سرکار نے ۸۰ لاکھ روپئے کی منظوری دی ہے اس سے اکاڈمی اپنا پریس بیٹھا سکتی ہے۔ وزیر موصوف نے اکاڈمی کی کارکردگیوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ جمہوری نظام میں تنقید کا حق ہمیں حاصل ہے بشرطیکہ یہ تنقید برائے تعمیر ہو۔

اس تنقید کو قبول کرنا چاہیئے اور جو تنقید برائے تخریب ہو اسے نظرانداز کر دینا بہتر ہے۔ ابھی اکاڈمی کو بہت سے کام کرنے ہیں۔ اس نئی عمارت کو ایک تہذیبی مرکز بنانا ہے۔

وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی نے کہا کہ ایک شخص کو اپنی مادری زبان کے زیر سایہ پنپنے اور اپنی شناخت کو ترقی دینے کا جمہوری حق حاصل ہے۔ بایاں محاذ اسی خیال کا پابند ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اردو اکاڈمی اردو اور بنگلہ کے درمیان پل کا کام انجام دے سکتی ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اردو کتابوں کا ترجمہ بنگلہ میں اور بنگلہ کتابوں کا ترجمہ اردو میں کرنے کرانے کا انتظام کرے۔

اس تقریب میں دیگر مہمانوں کے درمیان وزیر خوراک و رسد شری کلیم الدین شمس اور کلکتہ کے میئر شری پرسنتا چٹرجی بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔ اس موقع پر شری کلیم الدین شمس نے بھی اظہار خیال کیا۔

سب سے آخر میں جلسہ کے صدر اور اردو اکاڈمی کے چیئرمین شری سالک لکھنوی نے اپنے خطبہ میں کہا کہ آج ہمیں خوشی ہے کہ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۱۹۸۱ء میں اردو اکاڈمی کی جس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا آج انھیں کے ہاتھوں ۴۲ لاکھ روپئے کی لاگت سے بننے والی اس نئی عمارت کا افتتاح ہو رہا ہے۔

اکاڈمی کے وائس چیئرمین شری علقمہ شبلی نے اکاڈمی کی جانب سے ایک سپاس نامہ پڑھ کر سنایا اور اسے وزیر اعلیٰ کو پیش کیا۔ اکاڈمی کے سکریٹری شری شائق احمد نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

دوسرے دن اکاڈمی کے دفتر میں "مغربی بنگال میں اردو صحافت" پر ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا جس کا افتتاح ریاستی وزیر ترقیات و فلاح اقلیات شری محمد امین نے کیا۔ سمینار کی صدارت اکاڈمی کے چیئرمین شری سالک لکھنوی نے کی اور نظامت کے فرائض اکاڈمی کے وائس چیئرمین شری علقمہ شبلی نے انجام دیئے۔ اس سمینار میں شری رئیس الدین فریدی، سید منیر نیازی، شری ظہیر غازی پوری، شری رضوان احمد، شری جہانگیر کاظمی نے مقالات پیش کئے۔ اس موقع پر ڈاکٹر عبدالرؤف کی ایک نئی کتاب "مغربی بنگال میں اردو کا لسانیاتی ارتقاء" کا اجرا ریاستی وزیر شری محمد امین کے ہاتھوں ہوا۔ اکاڈمی کے سہ روزہ رنگارنگ پروگراموں میں ایک ڈرامہ، قوالی اور مشاعرہ کا بھی انعقاد کیا گیا۔

... انتظام کاری کے لئے منعقدہ ورکشاپ سے وزیر اعلیٰ کا خطاب

[وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے یہ خطبہ گزشتہ ۲۸ جون کو کلکتہ کے تاج بنگال میں ادارۂ انسانی حقوق کی انتظام کاری پر منعقدہ ایک ورکشاپ سے خطاب کرتے ہوئے دیا تھا۔ اس خطبہ کا اردو متن درج ذیل ہے]

خواتین و حضرات

مجھے ادارۂ انسانی حقوق کی انتظام کاری پر منعقدہ ایک ورکشاپ کی افتتاحی تقریب جس میں ایشیا میں واقع دولت مشترکہ ممالک کے نمائندے بھی شرکت کر رہے ہیں میں شریک ہو کر آج یہاں بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ یہ امر قابل تحسین ہے کہ پروگرام مذکورہ کے انعقاد کے لئے کلکتہ کا انتخاب کیا گیا۔ یہ شہر عرصہ دراز سے گوناگوں بین الاقوامی اور قومی کانفرنسوں اور دیگر اہم تقریبات کے انعقاد کے سلسلے میں میزبانی کے فرائض انجام دیتا چلا آ رہا ہے۔ میں اس تقریب میں شرکت کرنے والے تمام مندوبین اور مہمانان کو خوش آمدید کہتا ہوں جو یہاں ملک اور بیرون ملک سے تشریف لائے ہیں۔

مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس تربیتی ورکشاپ کے انعقاد کا مقصد دولت مشترکہ ممالک میں تمام سطحوں پر کام کرنے والے انسانی حقوق کے گوناگوں اداروں کے امکانی انتظامیہ کو مزید توسیع دینا ہے۔ ان کا کردار ایک ایسے موافق اور خوشگوار فضا کی تشکیل کے سلسلے میں بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں جو انسانی حقوق کے بارے میں عوامی بیداری لانے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے اور بیداری ہذا کا پیدا کرنا انسانی حقوق کی پامالیوں کو روکنے کے لئے اشد ضروری ہے۔ انسانی حقوق کے اغراض و مقاصد کی بقا و فروغ کے کام پر مامور قومی یا علاقائی سطحوں پر ان دولت مشترکہ ممالک کے اپنے اپنے انسانی حقوق کے ادارے ہیں۔ اس کا بڑا مقصد منجملہ طور پر انسانی حقوق کے وسیع اور بیکراں افق کو گلے لگانا ہے گرچہ یہ ایک نہایت ہی مشکل کام ہے تاہم عرصہ دراز سے اس جہت پر کوششیں جاری ہیں۔ بہرکیف فی الحال اس کا فوری مقصد انسانی سماج کے زیادہ حساس اور اہم امور مثلاً خواتین، بچوں، اقلیتوں، قبائلیوں وغیرہ کی فلاح و بہبود کے کاموں پر بھرپور توجہ دینا چاہئے۔ پوری

دنیا کے جملہ اقوام کی روایت و ثقافت میں انسانی حقوق کی جڑیں گہرائی تک گئی ہیں۔ ۱۹۴۸ء کے دوران اختیار کردہ انسانی حقوق کا ہمہ گیر اعلان اور بعدازاں شہری و سیاسی حقوق کی حیثیت سے اور معاشی، سماجی، ثقافتی اور تعلیمی حقوق پر مشتمل ۲ بین الاقوامی اقرار ناموں کو ۱۹۶۶ء کے دوران قبولیت بخشی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ حقوق کے بین الاقوامی بل کو بھی تشکیل دی گئی ہے۔ بنی نوع انسان کو دستیاب گوناگوں اور گراں قدر روایات سے حاصل نمایاں خدمات سے حقوق ہذا کو کافی تقویت ملی ہے۔

وزیر اعظم ہند کی جانب سے منعقدہ وزرائے اعلیٰ کی ایک کانفرنس میں ایک حقوق انسانی کمیشن قائم کرنے کی بات طے پائی تھی۔ لہٰذا تحفظ حقوق انسانی ایکٹ برائے ۱۹۹۳ء ۲۸ ستمبر ۱۹۹۳ء کو ہندوستان میں نافذ ہوا۔ اس میں یہ بات رکھی گئی کہ قومی سطح پر قومی حقوق انسانی کمیشن اور ریاستی سطح پر ریاستی حقوق انسانی کمیشنوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ ہمارے دستور میں شامل بنیادی حقوق انفرادی طور پر لوگوں کے وقار اور آزادی کے ضامن ہیں۔ ہمارا دستور ہندوستان کے شہریوں کو سماجی و معاشی انصاف دلانے کی ضمانت دیتا ہے۔ ہم لوگ ملک کے عوام الناس کے مفاد کو تحفظ بخشنے کے سلسلے میں ان اعلیٰ مقاصد کی حصولی کے لئے مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔

ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے مقابلے میں حکومت مغربی بنگال نے ریاستی انسانی حقوق کمیشن قائم کرنے کے سلسلے میں نیا جوش و مستعدی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ۳۰ جنوری ۱۹۹۵ء کو جب مغربی بنگال انسانی حقوق کمیشن کا قیام عمل میں آیا اسی وقت سے ہم لوگوں نے اس ریاست میں انسانی حقوق کے اسباب کو تحفظ بخشنے اور انسانی حقوق کی پامالیوں کو روکنے کی کوششوں کو زور دار بنایا ہے۔ ریاستی حکومت نے متعلقہ حکام کو متعدد سرکلر اور آرڈر

جائے گا یا جس کے تحت (۱) تمام پولیس افسروں کو چاہئے کہ وہ پولیس ضابطوں کے رہنما اصولوں اور سی آر پی سی کی قراردادوں پر سختی سے عمل کریں (۲) خواتین کے خلاف جرائم زیر حراست اموات خواہ وہ پولیس کی حاجت میں واقع ہوئے ہوں یا جیل میں، کے تمام معاملات کی اطلاع واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر این ایچ آر سی اور ڈبلیو بی ایچ آر سی کو دینی چاہئے (۳) خواتین کے لئے علیحدہ قید خانوں کا انتظام کرنا چاہئے اور کسی بھی خاتون کو غروب آفتاب اور طلوع آفتاب کے درمیان گرفتار نہیں کرنا چاہئے۔

ریاستی حکومت نے تمام پولیس افسران کو اس بات کی بھی ہدایت دی ہے کہ وہ انسانی حقوق کی پامالی کے تمام الزامات کی فوری تفتیش کریں۔ ریاستی حکومت نے ان بے شمار قصور وار پولیس افسران جو انسانی حقوق کی پامالی میں ملوث پائے گئے ہیں یا ان پامالیوں کی روک تھام میں ناکام ثابت ہوئے ہیں کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی ہے یا ان کے خلاف مجرمانہ معاملے درج کئے گئے ہیں فوری تفتیش کرنے کے لئے ریاستی ہیڈکوارٹروں میں ایک "نوڈل سیل" کا قیام ریاستی حکومت کے زیر غور ہے۔

ریاستی حکومت اس بات کی بڑی کوشش کر رہی ہے کہ پولیس حکام جملہ سطحوں پر بڑے محتاط ہو جائیں اور انسانی حقوق کی پامالی سے گریز کریں۔ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے پولیس حکام کے لئے معیاری انسانی حقوق تربیتی موڈیول کی تشکیل کی ہے اور اسے پولیس تربیتی نصاب میں شامل کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پولیس تربیتی نصاب میں اس تربیتی موڈیول کی شمولیت پولیس خود کے رویوں میں خاطر خواہ تبدیلیاں لانے میں معاون ثابت ہوگی۔

اس سلسلہ میں یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ حاجتوں میں اموات کے معاملوں کا تجزیہ بیہ بتاتا ہے کہ ایسے بے شمار معاملوں میں موتیں خودکشی، نشیلی دواؤں سے منسلک مسائل، قدرتی بیماریوں اور عوامی حملوں کے باعث ہوتی ہیں۔ کچھ موقعوں پر حقائق کو مسخ کیا جاتا ہے اور گمراہ کن افواہ پھیلائی جاتی ہے۔ یہ رجحان قابل مذمت ہے۔

ریاستی حکومت نے انسانی حقوق کی پامالی کے معاملوں اور

متعلقہ خلاف ورزیوں کی روک تھام میں ریاستی مشنریوں کی ناکامی کے معاملوں کے سلسلہ میں قومی انسانی حقوق کمیشن اور مغربی بنگال انسانی حقوق کمیشن کی سفارشات کو روبہ عمل لانے کے لئے ضروری اقدامات کئے ہیں۔ ۱۹۹۲ء کے دوران قومی انسانی حقوق کمیشن کا قیام عمل میں آیا اور اس وقت سے ہی کمیشن ہذا نے ۲۱ مئی ۱۹۹۷ء تک ریاستی حکومت کو ۱۸۸ حوالے پیش کئے ہیں اور ریاستی حکومت نے ان حوالوں کے خلاف موزوں اور مناسب حکام سے ضروری تحقیق و تفتیش کروانے کے بعد اب تک ۱۶۹ رپورٹیں بھیجی ہیں۔ بقیہ رپورٹوں پر کام تیزی سے ہو رہا ہے۔ چار پولیس حکام کے خلاف شعبہ جاتی کارروائی کی جا چکی ہے۔ مرنے والوں کے قریبی رشتہ داروں یا ان کے دیگر قانونی وارثین کو معاوضہ کے طور پر ادائیگی کے لئے ۲۵ء۱۱ لاکھ روپے منظور کئے جا چکے ہیں۔

اپنی ریاست میں بغیر مقدمہ چلائے اور جرم ثابت کئے لوگوں کو زیر حراست رکھنے کے خلاف ہم لوگ ہمیشہ سے آواز بلند کرتے چلے آرہے ہیں اور ہم لوگ پارلیمنٹ میں وضع کروائے گئے خصوصی ظالمانہ قوانین کا استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ ٹاڈا کو ختم کرنے کی ضرورت پر سبھی لوگ ایک رائے رکھتے ہیں تاہم ایک متبادل قانون لانے کی تحریک کو اب تک کامیابی نہیں ملی ہے۔ ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فی الحال قومی انسانی حقوق کمیشن متعلقہ مسائل کی جانچ پڑتال کر رکھی ہے۔ ہم لوگوں نے ایس سی اور ایس ٹی کمیشن، اقلیتی کمیشن، خواتین کی کمیشن وغیرہ قائم کیا ہے تاکہ سماجی انصاف، مساوات اور بھائی چارگی کو استحکام بخشا جاسکے اور افراد خصوصاً کمزور طبقوں کے وقار کو ہمارے دستور میں درج ہدایت کے مطابق پر یقین بنایا جاسکے۔ ریاستی حکومت یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ یہ تمام کمیشنیں بشمول مغربی بنگال انسانی حقوق کمیشن اپنے مقررہ فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں مکمل ہوتا ہیں اور باہمی تعاون برقرار رکھ پائیں الغرض عوامی زندگی میں ان سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

یہ حقیقت نہایت ہی شرمناک ہے کہ چند برسوں سے ہمارے ملک کے بیشتر حصوں میں کچھ انتشار پسند، علیحدگی پسند اور دہشت پسند طاقتیں سرگرم عمل ہیں۔ ان کی ان سرگرمیوں کے پیچھے ملک کے

اتحاد اور سالمیت کو نقصان پہنچانے کا مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ اس کے تحت یہ لوگ وسیع پیمانے پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ۱۹۹۲ء کے دوران انسانی حقوق پر وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس نے ملک کے متعدد حصوں میں رونما ہونے والی بغاوت و انتشار کو خاص اہمیت دی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ انسانی حقوق کی پامالی کو روکنے کی ضرورت کی ستائش کرتے ہوئے خصوصی حالات کی شدت و زور کو بھی لازمی طور پر مدنظر رکھنا چاہیے۔

ریاستی حکومت اپنی ریاست میں انسانی حقوق کے مقاصد کو جلا و فروغ بخشنے والی اعلیٰ اقداری اہمیت سے اچھی طرح واقف ہے اور اس کام پر یہ اپنی گوناگوں کوششوں کو بروئے کار لا رہی ہے۔ لیکن ریاستی حکومت کو انفرادی طور پر شخصی اور مجموعی طور پر عوامی مفاد کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث مسلح دشمن اور تشدد پسند عناصر سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے لہٰذا انسانی حقوق کے سلسلہ میں نئی بیداری اور رہنما اصول انتظامیہ کو اپنی ذمہ داریوں کے نبھانے میں بڑی مدد دیں گے۔

اپنی گفتگو کو اختتام تک لانے سے پہلے میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ بین الاقوامی ورک شاپ ان شریک ہونے والوں کے درمیان جو مختلف ایشیائی و دولت مشترکہ ممالک سے یہاں آکر جمع ہوئے ہیں، افکار و تجربوں کے لئے ایک فورم کے قیام کی اس نہایت ہی اہم ضرورت کو یقیناً پوری کریں گے۔ باہمی اور قریبی عوامل ہمیشہ ان لوگوں کو مستفیض کرتے ہیں جو مختلف ممالک میں ان مقاصد کو بروئے عمل لانے میں لگے رہتے ہیں۔

میں تہہ دل سے اس ورک شاپ کے انعقاد کرنے والوں اور اس میں شرکت کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ اپنی لگاتار اور انتھک کوششوں سے ہم عالمی امن کو برقرار رکھتے ہوئے اور تمام دنیا کے ہر فرد کے تحفظ اور وقار کو استحکام بخشتے ہوئے بنیادی انسانی قدروں کو پُر یقین بنانے اور بنیادی انسانی حقوق کو قائم کرنے کے اہل ہو پائیں گے۔

بین الاقوامی منشیات مخالف دن منایا گیا

گزشتہ ۲۶ر جون کو بین الاقوامی منشیات مخالف دن کے موقع پر مغربی بنگال کے کریمنل انوسٹی گیشن ڈپارٹمنٹ کی جانب سے ہفتہ بھر کے پروگرام کا آغاز ایک عوامی پدیاترا سے ہوا۔ صبح دس بجے یہ پدیاترا بھوانی بھون، علی پور سے شروع ہو کر بلویڈیر روڈ، ہیسٹنگس پارک روڈ، جج کورٹ روڈ، گوپال نگر موڑ، کالی گھاٹ پل، ہاجرا روڈ سے گزرتے ہوئے جتن داس پارک پر ختم ہوا۔ اس پدیاترا میں ریاستی وزیر ریاست برائے نقل و حمل شری سوشانت گھوش، آئی پی ایس ڈی جی اور آئی جی پی شری کے کے مجمدار، مغربی بنگال شعبہ جرم کے ڈائرکٹر شری ڈی۔کے سانیال سی آئی ڈی کے آئی جی پی شری پی کے دیناٹیک اور کلکتہ و مغربی بنگال کے دیگر سینئر آئی پی ایس افسران شریک تھے۔ علاوہ ازیں سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے افسران، مختلف سطح کے پولس عملے، ریاست کے ۱۲ اسکولوں کے طالب علم، مشہور اساتذہ اور علاقائی عوام نے عام لوگوں کو منشیات کے خلاف بیدار کرنے والے مضمون اور بینروں کے ساتھ حصہ لیا۔ پدیاترا میں کل شرکاء کی تعداد تقریباً ۳ ہزار تھی۔

پدیاترا کے خاتمہ پر جتن داس پارک میں ایک عوامی جلسہ کا انعقاد کیا گیا جس میں ریاستی وزیر ریاست اور دیگر اہم شخصیتوں نے طالب علموں اور عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انھیں منشیات کی لعنت سے مقابلہ کرنے کے لئے انتظامیہ کے ساتھ تعاون کرنے کی ضرورت ہے۔ منشیات مخالف ایسے پروگرام میں طالب علم سمیت عوام کے سبھی طبقے کے لوگوں کو شامل ہونا ضروری ہے۔ اسکول کے کچھ بچوں نے بھی اس موقع پر تقریر کی اور منشیات کی لعنت کے خلاف عوام میں بیداری لانے پر زور دیا۔

عبدالرحمٰن آصف بنارسی: ایک نظر میں

آصف صاحب نہ صرف طرزِ سخن میں بلکہ طرزِ زندگی میں بھی اپنے استادِ مرحوم کے مقلد تھے وہی حلم و انکسار، وہی سنجیدگی اور وقار، وہی پابندیٔ وضع، وہی مرنجان مرنج جو ان کے استاد مرحوم (حضرت رضا علی وحشت) کی امتیازی خصوصیات تھیں ان میں بھی پوری طرح پائی جاتی تھیں۔ انکی سادہ مزاجی حدِ تکلف سے بری تھی۔ بڑوں سے ارادت اور چھوٹوں سے شفقت، ان دونوں کا شعار تھا جس میں تصنع کی پرچھائیں بھی نہ ہوتی۔

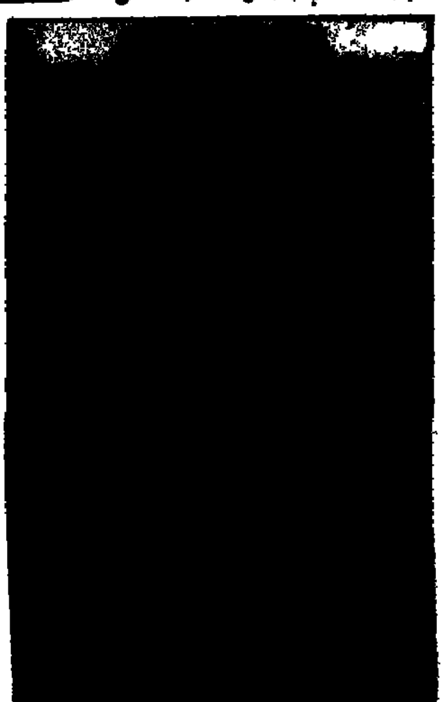
کلام میں صحتِ زبان اور محاوروں کا برمحل استعمال، ابتذال سے بچنے کا خیال ان دونوں کے کلام کی نمایاں خوبیاں ہیں جو ان کے کلام کے سرسری مطالعے سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں

... وہ (آصف بنارسی) بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ اُن کے کلام میں کہیں بھی رکاکت نظر نہیں آتی۔ ان کے کلام میں حلاوتِ فکر و لطافتِ جذبات کا امتزاج ہے۔ ان کی شاعری بلند آہنگ نہیں، دھیمے اور سنجیدہ لَے کی شاعری ہے۔ فنی نقائص سے پاک اور الفاظ کے استعمال میں محتاط نظر آتی ہے۔

... خالص تغزل کے اشعار ان کے یہاں زیادہ ہیں۔ ایک شعر یاد آرہا ہے ؎

بل ڈالے جارہے ہیں جو یوں بال بال ہیں قربان جاؤں کس کو پھنساؤ گے جال ہیں

(ماخوذ از تعارف سرگزشتِ آصف مطبوعہ مغربی بنگال اردو اکاڈمی ———— رضا مظہری)



نام : عبدالرحمٰن
تخلص : آصف
القاب : علامہ، فصیح العصر وغیرہ
ولادت : بنارس، ۳۰ دسمبر ۱۹۰۱ء
وفات : ڈھاکہ، ۳۰ ستمبر ۱۹۷۷ء
والد : عبدالشکور
شادی : پہلی ۱۹۲۰ء میں ساجدہ خاتون سے ہوئی۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد اسی نام کی ایک شریف خاتون سے ان کا دوسرا نکاح ہوا۔
اولاد : پہلی بیوی سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں دوسری بیوی سے بھی چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔
شاعری کا آغاز : ۱۹۱۷ء
شرفِ تلمذ : علامہ رضا علی وحشت
انتخابِ کلام : سرگزشتِ آصف مرتبہ پروفیسر ہارون رشید
تلامذۂ خاص : اختر مان پوری، ڈاکٹر رشید دہلوی، ضیا چنیوٹی، درد آصفی، پروفیسر اختر حسین اختر، عبداللہ ذاکر، سجاد حسین تمنا، نادانی موجد، شاکر آصفی، مدن لال آباد، عطا آصفی، شاد آصفی وغیرہ

غزلیں

شمع کیوں آنے لگی میرے سیہ خانے تک
دور مجھ سوختہ ساماں سے ہیں پروانے تک

ہمیں محروم نہ رکھ ساغرِ مے سے ساقی
مدتوں میں کبھی آجاتے ہیں میخانے تک

حسن نے باندھا ہے ناقابلِ تسخیر طلسم
اپنے افسونِ نظر سے مرے افسانے تک

میں تو میں ہوں در و دیوار بچھائیں آنکھیں
کبھی تم آئے تو دیکھو مرے کاشانے تک

فرقتِ گل میں جو تو گرمِ فغاں ہے بلبل
آگ لگ جائے نہ گلشن میں بہار آنے تک

چشم تر ہوتی ہے جس وقت پگھلتا ہے دل
بڑی مشکل سے یہ مے آتی ہے پیمانے تک

شدتِ کرب ہے تمہیدِ سکوں کی لیکن
جان پہ گزرے گی کیا دل کو قرار آنے تک

ابھی آنکھوں ہی کو دے بزم میں اگر دشِ ساقی
ابھی پیمانے چھلکتے رہیں جام آنے تک

دے نہ دے ساتھ مرا گردشِ دوراں آصف
زندہ رہنا ہے بہر حال قضا آنے تک

طبیعت کی نہیں افتاد ہی ایسی کہ غم ٹھہرے
تم آگئیں ہو کے مشکل ہے مرے سینے میں دم ٹھہرے

وہی ہو کر رہا جو کاتبِ تقدیر نے لکھا
نقوشِ امید نے کھینچے تھے جو سب کالعدم ٹھہرے

مقام ایسے ہزاروں رہ گئے جن پر ٹھہرنا تھا
بہت ٹھہرے ہم اس دنیا میں لیکن پھر بھی کم ٹھہرے

مری آنکھوں کے آئینے میں دیکھے اپنی صورت کو
مرا ذمہ جو اس کے بعد کافر وہ صنم ٹھہرے

ذرا بھر دو ہمارے جام کو صہبائے رنگیں سے
تو پھر دیکھو کبھی جو اس کے آگے جامِ جم ٹھہرے

مری نیت نمائندہ ہے میرے ظرفِ عالی کی
الٹ دے خم بھی ساقی میرے ساغر میں تو کم ٹھہرے

رہا ہے جلوہ گر یہ ایک نامعلوم جلوے کی
مزہ آئے اگر میرا حریمِ دل حرم ٹھہرے

تمہیں تھا نازِ خود بینی ہمیں تھا نازِ خودداری
اگرچہ بے نیازِ دل نہ تم نکلے نہ ہم ٹھہرے

سنی جاتی نہ آصف مجھ سے یہ ساقی کی غیبت تھی
نظر پڑتے ہی واعظ پر نہ میخانے میں ہم ٹھہرے

آصف بنارسی

فلپس اینڈ فائر سیفٹی پر منعقدہ ایک سمپوزیم سے وزیر ریاست فائر سروس کا خطاب

وزیر ریاست، فائر سروس شری پربھاتیم چیٹرجی نے گزشتہ ۷ اپریل ۹۱ کو کلکتہ کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں "فلپس اینڈ فائر سیفٹی" کے موضوع پر منعقدہ ایک سمپوزیم سے خطاب کیا۔ وزیر موصوف کے خطبہ کا اردو متن درج ذیل ہے۔

حضرات

آغاز میں ہی "فلپس اینڈ فائر سیفٹی" کے موضوع منعقدہ اس سمپوزیم میں فلپس انڈیا لمیٹڈ کی پکار پر شرکت کرنے کے لئے آپ سبھوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں تہہ دل سے فلپس انڈیا کا شکر گزار ہوں کیوں کہ اس نے عام لوگوں میں "آتش زنی سے محفوظ رہنے کے اقدامات" کی تبلیغ واشاعت کو فروغ دینے کے لئے میری پکار پر پیش رفت کی۔ میں آپ سبھوں کا بھی بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔

انسانی نسل کی بہترین دریافت پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کرنا تھی۔ پرانے زمانے میں انسانی سماج کے اندر آگ ایک نہایت ہی اہم کردار ادا کرتی تھی۔ جب ہمارے آباواجداد نے آگ کی دریافت کی اس وقت سے ہی ہمارے آباواجداد کے رہن سہن کے طور طریقوں میں بہت ساری تبدیلیاں آئیں۔ ہم لوگ آج کے سائنسی دور میں بھی آگ کے کردار کو فراموش نہیں کر سکتے ہیں لیکن آگ انسانی حیوانی اور نباتاتی زندگی کو تباہ و برباد بھی کر ڈالتی ہے خصوصاً جب کبھی یہ کسی ایک شخص یا دیگر لوگوں کے قابو سے باہر چلی جاتی ہے اسلئے اس سماج کے ہر طبقہ کے لوگوں کو ہمارے سماج کے بہترین دوست آگ کی خصوصیت اور مزاج سے واقف ہونا چاہئے۔

آج کے جدید دور میں بھی ہم لوگ آگ کا کوئی بدل پیدا نہیں کر پائے ہیں یا اپنے ماحول کو مکمل طور پر آگ سے محفوظ نہیں بنا پائے ہیں۔ متبادل کے طور پر آج کے دور میں ہم لوگوں کے چاروں طرف بیشتر اور کثیر تعداد میں ایسے جدید آلات، گھریلو ساز وسامان و پٹرولیم سے بنی چیزیں اور اشیاء جو آگ کا شکار جلد بنتی ہیں بکھری پڑی ہیں۔ لہٰذا آج کے دور کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ہم لوگ بلا کسی تفریق تمام لوگوں کو آگ کی تباہ کن خصوصیت سے آگاہ کرائیں اور آگ کے خطرات سے محفوظ رہنے کے اقدامات عمل میں لائیں۔ لہٰذا اسکولی سطح پر ہم لوگوں نے ایک فائر سیفٹی منتھ (آگ تحفظ مہینہ) منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا آغاز اس مہینہ کی ۱۴ تاریخ سے کیا جائے گا۔ اس وقفہ کے دوران آگ لگنے کے عام اسباب اور عام لوگوں کے ذریعہ اس پر قابو پانے کے فوری اقدامات کی نشر واشاعت کی جائے گی تاکہ لوگ آگ کی تباہ کاریوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ اس دوران فائر سیفٹی میزرس یعنی آگ تحفظ اقدامات سے لوگوں کو روشناس کروانے کے لئے اشتہاری فلمیں بھی بنائی جائیں گی۔ دو یا تین سمپوزیم یعنی سیمنار کا انعقاد بھی کلکتہ اور شمالی بنگال میں کیا جائے گا۔ حکومت ان بیداری لانے والے پروگراموں کو دیہی سطح تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کریگی۔ ۸۴ فائر اسٹیشنوں کے اسٹیشن افسران بھی اپنے اپنے علاقوں میں فائر سیفٹی میزرس / "آگ تحفظ اقدامات" کی تبلیغ واشاعت کے لئے کانفرنس کا انعقاد کریں گے۔

سماج کی بنیادی ضرورتوں میں آگ پر روک تھام کا شمار بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا بڑے شہروں میں رہنے والے امراء اور غریب و مفلوک الحال دیہاتوں میں رہنے والے غرباء دونوں کو ہی آگ کے خطرات پر قابو پانے کے اقدامات کا علم ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ شہر اور قصبوں دونوں جگہوں میں واقع سماج میں رہنے والے افراد کو ان تباہیوں اور خطرات سے واقف ہونا چاہئے جن کا سامنا انہیں ہر سال آگ کی فطرت اور خصوصیت اور اپنی زندگی اور اثاثے کو آگ سے بچانے کے اقدامات کی عدم واقفیت کی وجہ سے کرنا پڑتا ہے۔

سرکار یا حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس پیغام کو ملک کے ہر گوشہ اور ہر شخص تک پہنچا سکے لہٰذا غیر سرکاری تنظیموں جیسے مقامی کلب، صنعتی اداروں اور دیگر لوگوں کو اس جانب راغب کرنا ہوگا کہ وہ لوگ آگے آئیں اور آگ کے خطرات کو کم کرنے کیلئے آگ کی روک تھام کے اقدامات کی تشہیر کریں۔

حکومت نے مغربی بنگال فائر سروسز ایکٹ برائے ۱۹۵۰ میں

15

ترمیم کی ہے اور یہ گزشتہ نو برس سے آگ کی مزید روک تھام کے لئے لاگو ہے۔ نئے قانون کی اہم خصوصیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) ادارہ کی کوئی تنظیم متعلقہ حکام کی منظوری سے رضاکارانہ اور دیگر اشخاص پر مشتمل ایک امدادی فائر بریگیڈ بنا سکتی ہے۔

(۲) آگ اور اسی طرح کے دیگر خطرات سے بچاؤ کے لئے عام لوگوں کو انسدادی اقدامات لینے ہیں۔

(۳) بڑے خطرات والی عمارت کے مالک اور ساکنوں کو آگ انسدادی اور آگ بچاؤ اقدامات اپنانا ہے۔

حضرات: مجھے امید ہے کہ آپ سب لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ کلکتہ کا ہر حصہ اور ہر گوشہ آگ کے خطرات سے محفوظ نہیں ہے کیونکہ اس کی صورت حال کو خطرات لاحق ہیں۔ اس بڑے شہر کے بازار اور فلک بوس عمارتیں اپنی اپنی آگ انسدادی سسٹم سے لیس نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں میں اس امر کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ نیا قانون تنہا کلکتہ کو آگ کے دھانوں/خطروں سے محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے لہٰذا میں آپ سبھوں سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ سب لوگ عوام کو آگ کے اسباب سے واقف کرانے میں رضاکارانہ آگے آئیں اور یہ بتائیں کہ ہماری ریاست میں خصوصاً بڑے شہر کلکتہ میں جلد از جلد اور باقاعدگی کے ساتھ نیا قانون نافذ کیا جا رہا ہے یا نہیں۔

حضرات: مجھے امید ہے کہ آپ سب لوگ میرے خیال سے اتفاق کریں گے۔ اگر آپ لوگ آج سے ہی آگ تحفظ بیداری کی نشر و اشاعت میں لگ جائیں گے تو ہماری آئندہ نسل اس کے عملی اثرات سے جلد روشناس ہوگی۔

فی الحال میں اس امر کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ پہلے کلکتہ کتاب میلہ میں جو زبردست آتشزدگی کے حادثات رونما ہوئے تھے اس نے ہمیں ایک نہایت اچھا سبق سکھایا ہے۔ اس واقعہ کے بعد ہمارے ہوم سکریٹری کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ اس کا کام اس بڑی نوعیت کی تباہ کن آتشزدگی کے واقعات کے اسباب کی تحقیق و تفتیش کرنا ہے۔ آپ سبھوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ تفتیش کے بعد یہ پتہ چلا کہ کتاب میلہ کے منتظمین نے غیر مستقل ڈھانچوں کی تعمیر کے سلسلہ میں مغربی بنگال فائر سروس کے رہنما اصول سے انحراف کیا تھا اور کم از کم آگ بچاؤ اقدامات کو بھی نہیں اپنایا تھا۔ لہٰذا حکومت یہ فیصلہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ غیر مستقل دکانوں اور شامیانوں کی تعمیر کے سلسلہ میں فائر بریگیڈ کے رہنما اصول پر کاربند ہونے کے بعد ہی متعلقہ میلوں اور دیگر تقریبات کے منتظمین کو عوامی مجمع کیلئے اجازت دی جائے۔ اس کے بعد بھی یہ حکومت مغربی بنگال فائر سروس کے آگ بچاؤ رہنما اصول پر عدم عمل درآمد کی وجہ سے اس طرح کے بہت سارے تقریبات اور میلوں کے منتظمین کو اجازت دینے سے معذور رہی ہے۔

حضرات: میں نے آپ کا بہت سارا قیمتی وقت لیا اور اسے زیادہ طول دینا نہیں چاہتا ہوں۔ یہاں موجود لوگوں سے یہ جان کر خوشی ہو رہی ہے کہ یہ لوگ بھی یہ چاہتے ہیں کہ عوام الناس میں آگ انسدادی بیداری پیدا ہو۔

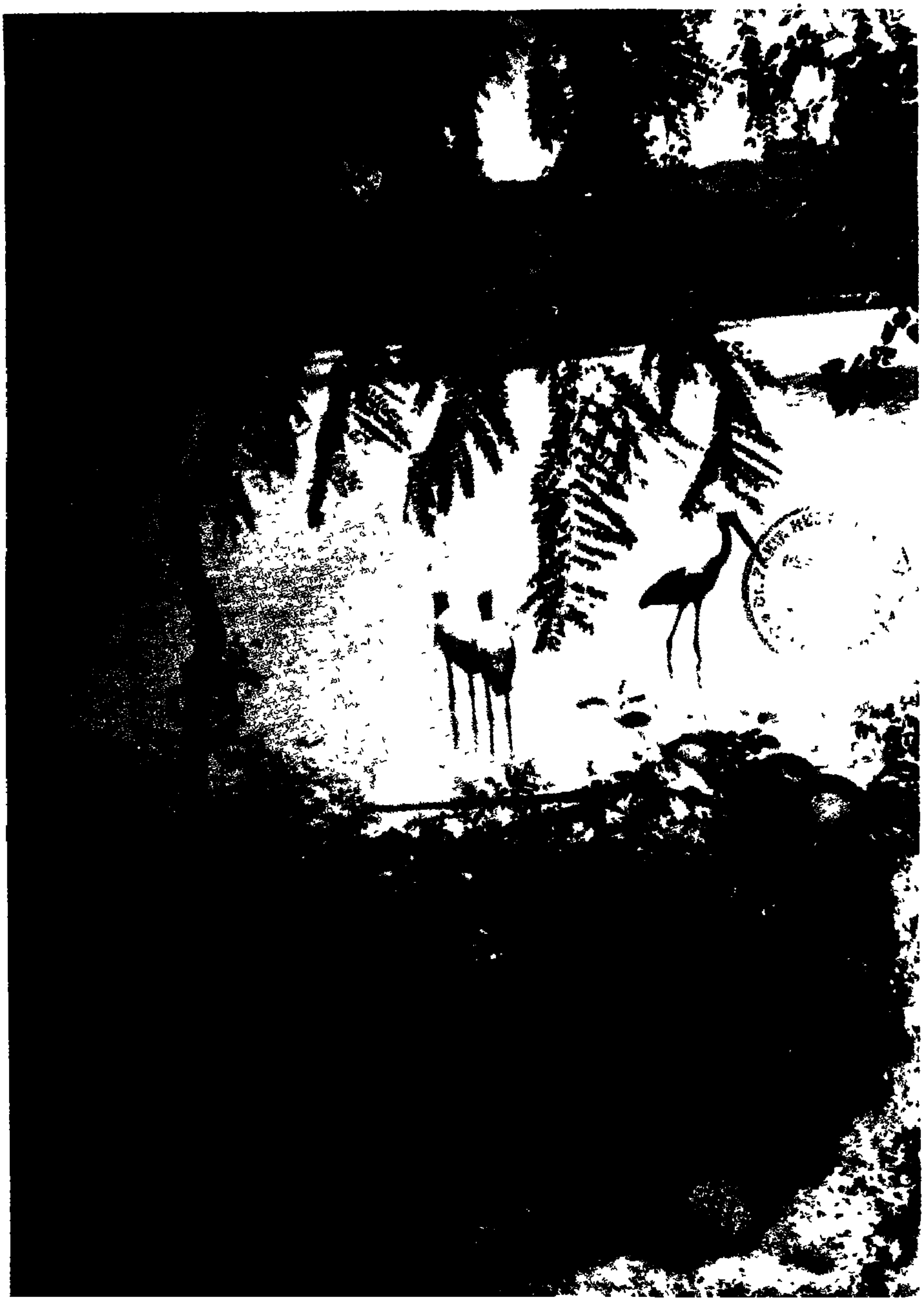
امید کرتا ہوں کہ فلیس کی طرح بہت سارے دیگر این جی اوز کے اندر بھی جوش و ولولہ پیدا ہو۔

اختتام پر میں ایک بار پھر اس کے منتظم فلیس انڈیا، اس تحریک کے پائنیروں اور سمیونزم کی ممتاز شخصیتوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ریاست میں صنعت کاری کے لئے جاپان کی دلچسپی

گزشتہ ۲۴ جون کو رائٹرس بلڈنگس میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ساتھ جاپان کے کونسل جنرل تو ہارو کو کیس نے ملاقات کی۔ اس رسمی ملاقات کے دوران ان دونوں کے درمیان مختلف موضوعات پر بات چیت ہوئی۔ شری تو ہارو نے اپنی گفتگو کے دوران مغربی بنگال میں صنعت کاری اور سرمایہ کاری کیلئے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ وزیر اعلیٰ شری باسو نے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کو مزید مستحکم بنانے کے لئے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی دونوں ملکوں کے درمیان معاشی و سیاسی تعلقات کو بڑھاوا دینے پر بھی زور دیا۔ ■■

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۴ ■ ۱۵ جولائی و یکم اگست ۱۹۹۷ء ■ شمارہ نمبر ۱۴ و ۱۵

ترتیب

■■

مدیراعلیٰ :۔ ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون :۔ محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپئے ● نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

● ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر :

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ

کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

● پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور

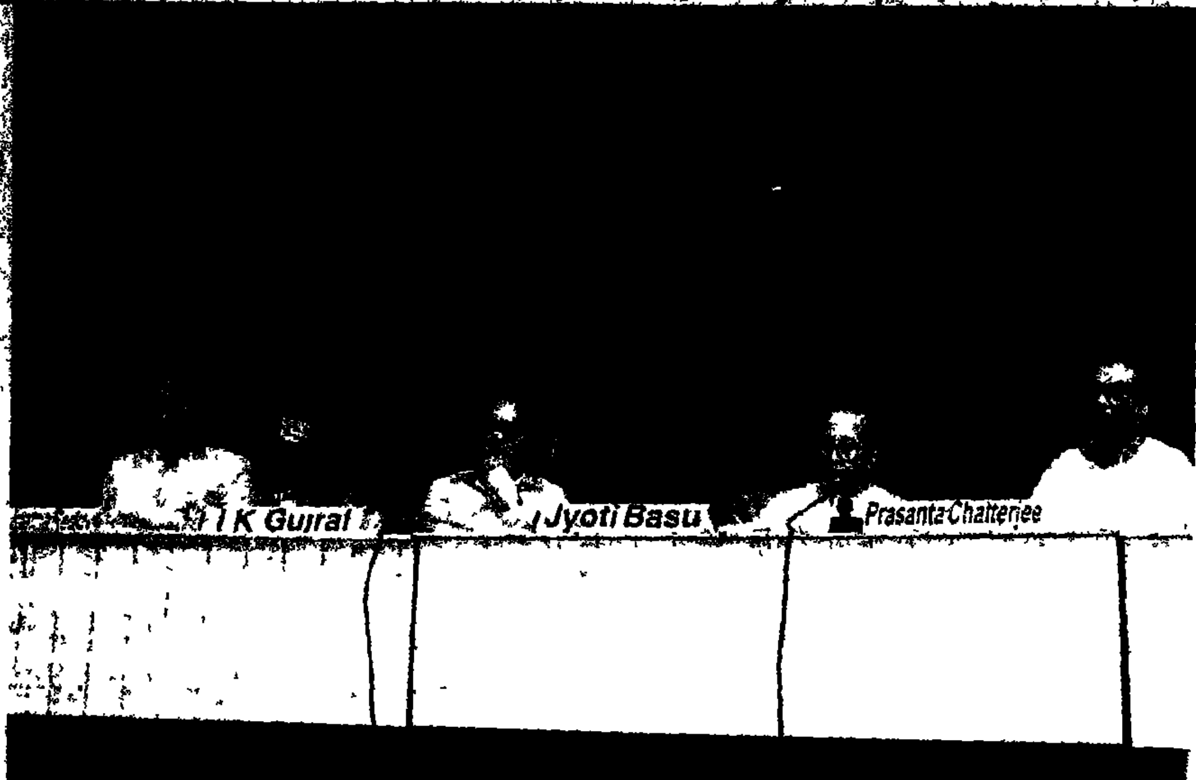
حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل بلاک سی

رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 715

وزیر اعظم کے ہاتھوں کلکتہ میں سائنس سیٹی کا افتتاح



سائنس سیٹی کی افتتاحی تقریب میں بائیں سے ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی، وزیر اعظم شری آئی کے گجرال، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور کلکتہ کے میئر شری پرسانتا چٹرجی۔

وزیر اعظم شری آئی کے گجرال نے گزشتہ یکم جولائی کو کلکتہ کا پہلا دورہ کیا۔ ان کا ہوائی اڈے پر ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور دیگر اہم شخصیتوں نے خیر مقدم کیا۔ وزیر اعظم موصوف کے ہمراہ مرکزی وزیر ترقیات انسانی وسائل شری ایس آر بومائی بھی تھے۔

وزیر اعظم کو ہوائی اڈہ سے براہ راست ایسٹرن میٹرو پولیٹن بائی پاس میں قائم کردہ سائنس سیٹی لے جایا گیا۔ ان کے ہمراہ ریاستی گورنر، وزیر اعلیٰ اور مرکزی وزیر موصوف تھے۔ نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیم کی مجلس انتظامیہ کے چیرمین شری اے پی مترا اور اس کے ڈائرکٹر جنرل شری سوروج گھوش نے اس سیٹی میں جدید ترین سائنٹیفک تنصیبات سے متعلق تفصیلات کی وضاحت کی۔ مجلس انتظامیہ کے ساتھ ایک میٹنگ میں وزیر اعظم نے سائنس سیٹی کے دوسرے مرحلہ کیلئے تمام ممکنہ مالیاتی مدد دینے کا یقین دلایا۔

افتتاحی تقریب میں ڈائرکٹر جنرل شری سوروج گھوش نے اپنی تقریر میں اس پروجکٹ کی مختلف پہلوؤں کو تفصیل سے بتایا۔ چیرمین شری اے پی مترا، مرکزی وزیر شری ایس آر بومائی، مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے اپنے تقاریر میں اپنے پروجکٹ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی مختصر سی تقریر میں کہا کہ سائنس سیٹی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایشیا میں واحد مثال ہے۔ یہ عظیم کلکتہ کے لئے ایک انتہائی اہم اضافہ ہے۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے کہا کہ ہندوستان ہمیشہ سے اعلیٰ سائنسی ورثہ کا مالک رہا ہے۔ سیکڑوں برسوں پہلے اس ملک میں سائنس کے لئے بہت سے اہم خدمات انجام دی گئی ہیں لیکن اس روایت اور اقدار کو برقرار نہیں رکھا جاسکا وقت

کے فنون کے تحت کلکتہ اہم سائنسی تحقیقات کا قلب بن گیا۔ سر ولیم جونس نے ۱۷۸۴ء میں کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام سے ہندوستان میں تحقیقات کی شروعات کی تھی۔ ۱۸۷۶ء میں ڈاکٹر مہندر لال سرکار کی پہل سے [illegible] ایسوسی ایشن فار دی کلٹیویشن آف سائنس قائم ہوا۔ [illegible] سائنس دانوں جیسے سی وی رامن نے [illegible] چندر رائے، پروفیسر میگھ ناد ساہا، [illegible] پروفیسر پی سی مہالانوبیس اور [illegible] نے اس شہر میں اپنا اصل تحقیقی کام انجام دیئے۔

شری باسو نے بتایا کہ مغربی بنگال کو یہ طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے کچھ اہم سائنسی اداروں کے ذریعہ سائنس کے میدان میں اپنی سرگرمیوں کا اثر انگیز ریکارڈ قائم کیا۔ ۱۹۵۹ء میں ہندوستان کا پہلا میوزیم برلا انڈسٹریل اینڈ ٹکنالوجیکل میوزیم کلکتہ میں قائم کیا گیا۔ شری باسو نے کہا کہ "اس وقت کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر بی سی رائے نے اس پروجکٹ کو قائم کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا۔ آج جولائی کی پہلی تاریخ ہے۔ اس دن ڈاکٹر بی سی رائے کی ولادت و وفات ہوئی تھی۔ میں انھیں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔"

شری باسو نے مزید بتایا کہ مغربی بنگال کے پرولیا میں ضلع سطح کا پہلا سائنس مرکز بھی قائم کیا گیا ہے۔ نتیجتہً دا نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیمس جسے ۱۹۷۸ء میں سائنس کو ملک میں مقبول بنانے کے پیش نظر قائم کیا گیا تھا، مضبوط سے مضبوط ہوتا گیا اور جس نے قومی، ریاستی اور ملک بھر میں ضلع سطح کے سائنس مراکز کے سلسلہ کو فروغ دیا۔

شری باسو نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سائنس سیٹی جو نیشنل کاؤنسل آف میوزیمس کی ذہنی پیداوار ہے کلکتہ میں قائم ہوا۔ ایسے ادارے عوام بالخصوص نوجوان نسل کے درمیان مشاہدہ و تفریح کے ذریعہ سائنسی تجسس کو بڑھاوا دینے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ ریاستی حکومت مغربی بنگال کے شعبہ سائنس و ٹکنالوجی اور انھیں ای ایس نے بھی طالب علموں کے درمیان سائنس کو عام کرنے کی غرض سے تعلیمی تفریح کے پروگرام مرتب کئے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیمس کے اشتراک سے ضلع پرولیا میں ایک ضلعی سائنس مرکز قائم کیا گیا ہے۔ [illegible] ایک اور [illegible] قائم کیا جا رہا ہے۔ سلیگوڑی میں ایک سائنس سنٹر [illegible] قائم کرنے کا کام قریب تکمیل ہے۔ یہ دونوں پروجکٹ نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیمس کے اشتراک سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا رہا ہے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو خود [illegible] طور پر اس نقطہ پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانی انجینیروں نے سائنس سیٹی جیسے شاندار اور جدید ترین مرکز کی تعمیر دیسی ٹکنالوجی، علم اور ساز و سامان سے کی ہے۔ اس سائنس سیٹی میں جو کچھ بنائش کی گئی ہے وہ پورے طور پر ہندوستانی ہے۔ جاپان اور برطانیہ کے دو بیرونی کمپنیوں نے اس پروجکٹ کے لئے تکنیکی مدد فراہم کی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیمس نے اپنے ممتاز انجینیروں اور سائنس دانوں کی ٹیم کے ساتھ سائنس کو مقبول عام بنانے کے سلسلہ میں بین الاقوامی سطح پر کامیابی حاصل کی ہے۔ سائنس سیٹی جیسے خوبصورت مراکز تیار کرنے کے لئے ہندوستان میں ایسے باصلاحیت انجینیروں اور سائنس دانوں کی کمی نہیں ہے بشرطیکہ انھیں حکومت ہند کی جانب سے مالی حمایت کی جائے۔ یہ ضروری ہے کہ انھیں مناسب مواقع اور سہولتیں فراہم کی جائیں تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کر سکیں۔

وزیر اعظم شری آئی کے گجرال نے سائنس سیٹی کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے احترام میں اپنا خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کے اس خلوص نے مجمع کو حیرت زدہ کر دیا۔ انھوں نے شری باسو کو ایک سچا محب وطن بتلاتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی پوری زندگی عام لوگوں کے لئے کام کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے گزشتہ دو دہائیوں سے مغربی بنگال کی قیادت کی ہے۔ وہ ایک عظیم شخصیت ہی نہیں بلکہ ایک ممتاز رہنما بھی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ [illegible]

دل تہنیت پیش کریں۔ حاضرین نے ان کی اپیل کو لبیک کہا اور مغربی بنگال کے ممبران نے وزیر اعلیٰ کو تالیوں کی گونج میں مبارکباد پیش کی۔

وزیر اعظم نے اپنی افتتاحی تقریر میں سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان کی پہلی سائنس سٹی اس کلکتہ میں ہی قائم ہونا تھا جہاں ایک صدی سے قبل قومی احیائے نو کا آغاز ہوا تھا۔ یہ کلکتہ ہی ہے جہاں ہندوستان کے جدید سائنس کی بنیاد پڑی۔ کلکتہ ہی میں کچھ اہم تخلیقی خیالات چاہے وہ سائنس ہو، آرٹس ہو یا فلسفہ ہو کی نمود و پرداخت ہوئی جب چند کہ سائنس اور کلچر کے درمیان تال میل کے تسلسل کو برقرار رکھنے کیلئے نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیمس کا قیام بھی کلکتہ میں ہوا اور آج نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیمس نے جس سائنس سٹی کو عالم ظہور میں لایا ہے وہ بھی کلکتہ ہی میں ہے یہ سائنس سٹی عظیم کلکتہ کے تخلیقی کارذہن اور ایجادات پر اعتقاد رکھنے والوں کے لئے ایک موزوں خراج عقیدت ہے۔

انھوں نے جے سی بوس، سی وی رمن، رامانوجن اور دیگر سائنسدانوں کے ریسرچ کاموں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جدید سائنس کے میدان میں ہندوستان کافی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

وزیر اعظم نے مزید کہا کہ آزادی کے بعد سے سائنس اور ٹکنالوجی کو ملک کی ترقی و افزائش کے لئے طاقتور ہتھیاروں کے طور پر لیا گیا ہے اور حکومت کی نظروں میں انھیں اعلیٰ اہمیت دی گئی۔ یہ اسی پشت پناہی اور حمایت کا نتیجہ تھا کہ آج ہندوستان اعلیٰ معیار کی تحقیقی تجربہ گاہوں اور اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں کے میدان میں بہتر سائنس اور ٹکنالوجی کی بنیاد پر اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کے علم کو عام لوگوں تک پہنچانے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے وزیر اعظم شری گجرال نے کہا کہ سائنس سٹی جیسے پروجیکٹوں کو سائنسی معلومات کی اشاعت اور تکنیکی ترقیات کی بیداری کو بڑھاوا دینے کے لئے ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ متحدہ محاذ حکومت محفوظ پینے کا پانی، بنیادی طبی خدمات، پرائمری تعلیم اور ہمارے شہریوں کے لئے مکانات جیسے کم از کم بنیادی خدمات کی فراہمی کے لئے [illegible] کر چکی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ کم از کم بنیادی خدمات سبھوں کو خاص طور پر غریب تر طبقہ کو حاصل ہونی چاہئیں۔ مرکزی حکومت نے اس حقیقت کو بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ ایک زبردست چیلنج ہے جس میں سائنس اور ٹکنالوجی اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ پانی کی دستیابی اور پھر اس کا [illegible] تقسیم، مناسب چھتوں اور جھیلوں سے پانی کو محفوظ رکھنے کا انتظام [illegible]

صحت اور تعلیم، مواصلات، نقل و حمل کے سسٹم، اسپیس، موثر اور خوبصورت [illegible] اشیاء اور غذائیت کے نظام، سماجی روز مرہ سے تعلق رکھنے والے ہم سائنس کے ہیں۔ یہ مسائل سائنس اور ٹکنالوجی کے سرحدی علاقوں میں پائے نہیں ہو سکتے ہیں لیکن آج کے سماج کے اصل مسائل ہیں انھیں جنگی پیمانے پر حل کرنا ہوگا۔ [illegible] سائنس میوزیمس کو سنجیدگی سے سوچنا ہوگا کہ انھیں ان پروجیکٹوں سے کیا کرنا ہے ان مسائل کے حل کے لئے عوام میں بیداری و دلچسپی لانا ضروری ہے۔

انھوں نے کہا کہ مرکزی حکومت نے سائنس و ٹکنالوجی کو فروغ دینے کی اہمیت پر زور دیا ہے اور ایسے دستوری ساخت تیار کرنے کیلئے وہ عمل پیرا ہے جس کے تحت حکومت کے شعبہ جات سائنسداں حضرات، ماہرین ٹکنالوجی اور مستفیض ہونیوالی ایجنسیوں کو سائنس اور ٹکنالوجی کے بہتر نصب العین کے ارتقاء کے لئے ایک ساتھ لایا جائیگا۔

وزیر اعظم نے امید ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ یہ سائنس سٹی مشتاق ذہنوں کیلئے علم و تجربہ کی ایک نئی دنیا کا دروازہ کھول دیگی۔ کلکتہ اور اس خطہ کے دیگر حصوں کے لوگ پوری طرح اسکی حیرتناک سہولتوں سے مستفید ہوں گے۔

وزیر اعظم نے اپنے خطبہ کا اختتام کرتے ہوئے بتایا کہ ہماری آزادی کے جشن زریں کے موقع پر میں اپنے ملک کے عوام کے نام اس سائنس سٹی کو منسوب کر رہا ہوں۔

دیگر اہم شخصیتوں میں ریاستی وزیر توانائی، سائنس و ٹکنالوجی ڈاکٹر شنکر سین، ریاستی وزیر نقل و حمل و اسپورٹس شری سبھاش چکرورتی، وزیر بلدیاتی امور و شہری ترقیات شری اشوک بھٹاچاریہ، ریاستی وزیر خدمات نوجوان، ماحولیات و سیاحت شری مانوبندر ا مکھرجی اور شری ایس وردا راجن پاشس پال سمیت کئی ممتاز سائنسدانوں نے بھی شرکت فرمائی۔

اسی دن راج بھون میں وزیر اعظم نے وزیر اعلیٰ مغربی بنگال کے ساتھ [illegible] پروجیکٹ، عوامی نظام تقسیم اور سیلاب بندی اور بھاگیرتی کے سواحل کی کٹوتی پر بات چیت کی۔ اس بات چیت کے دوران ریاستی وزیر مالیات شری اسیم داس گپتا بھی موجود تھے۔ وزیر اعظم کانگریس لیجسلیٹو پارٹی کے ممبروں سے بھی ملاقات کی۔

بعد میں وزیر اعظم نیتاجی بھون کا معائنہ کیا۔ نیتاجی ریسرچ بیورو کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سسیر بوس نے نیتاجی کی نامکمل سوانح عمری —— "انڈین پلگریم - ایک ہندوستانی زائر اور انڈین اسٹرگل" کے پہلے صد سالہ ایڈیشن کی پہلی کاپیاں وزیر اعظم موصوف کو پیش کیں۔ اس موقع پر [illegible] انھوں نے کہا کہ اس عظیم رہنما نے جو عہد کئے تھے اسکی تکمیل کے لئے ہمیں خود کو [illegible]

مغربی بنگال ترقی اقلیات ومالیاتی کارپوریشن: مقاصد و سرگرمیاں

بعنوان عبونی (تیسری منزل) کلکتہ میں واقع مغربی بنگال ترقی اقلیات و مالیاتی کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر شری ٹی سی گھوش نے عام اطلاع کے لئے کارپوریشن کے مقاصد اور سرگرمیوں پر مبنی ایک مختصر بیان جاری کیا ہے جو پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

اقلیتی فرقے کی مجموعی ترقی کے پیش نظر مغربی بنگال اقلیتی مالیاتی کارپوریشن نے ۸ جنوری ۱۹۹۶ء سے کام کرنا شروع کیا۔ فی الحال مخصوص وقت کے اندر قرض کے پروجکٹ (پانچ لاکھ روپے کی حد تک) پر عمل کیا جارہا ہے۔ پروجکٹ کی رقم کی ۹۵ فیصد قرض (سالانہ سات فیصد سود کی شرح پر جس میں اصل اور سود کی رقم پانچ سال کے اندر واجب الادا ہوگی) اور پانچ فیصد درخواست دینے والے کو کسی تجارتی بنک میں جمع رکھنے کی اسکیم مستقبل قریب میں شروع کی جائے گی۔

قرض کے ان پروجکٹوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے درخواست دینے والے کو اس علاقے کا مستقل باشندہ اور (اسلام / سکھ / بدھ / عیسائی / پارسی) مذہب سے متعلق ہونا ہوگا جس کے خاندان کی سالانہ آمدنی ۲۲ ہزار روپے سے کم ہو اور ماضی میں اگر کسی پروجکٹ کے تحت کوئی قرض لیا ہو تو اس کی ادائیگی ہوچکی ہو۔

پچھلے سال تمام اضلاع سے ۸۸۹ درخواستیں موصول ہوئی تھیں اب ان درخواستوں کی خاصیت کی بنیاد پر درج ذیل اسکیموں کے مطابق قرض منظور کئے جاسکتے ہیں۔

ایک لاکھ روپے سے کم لاگت کا پروجکٹ ◀ ۱۔ درزی کا کام / ریڈی میڈ کپڑے ۲۔ ریڈی میڈ پوشاک کی دکان

۳۔ جنرل اسٹور یا اسٹیشنری کی دکان ۴۔ چمڑے کی اکائی / جوتا چپل بنانے کا کام ۵۔ پاور ٹیلر (کھیت میں ہل چلانے یا باربرداری کیلئے چھوٹا ٹریکٹر)

۶۔ کھاد / بیج اور فصلوں کی حفاظت کیلئے کیمیائی چیزوں کی دکان ۷۔ سائیکل رکشا مرمت کا کارخانہ ۸۔ سوتی کپڑے یا بنکاری کے کرگھے

۹۔ بانس / پاٹ کی رسی بنانے کا کام ۱۰۔ بطخ / مرغی پالنے اور انڈے کی تجارت ۱۱۔ دودھ / مکھن / گھی وغیرہ کا ڈیری فارم

۱۲۔ پمپ سیٹ کی اکائی ۱۳۔ الکٹرونک کے ساز و سامان کی مرمت ۱۴۔ ایمبرائڈری (کپڑوں پر نقش و نگار بنانے کا کام)

ایک لاکھ روپے سے کم لاگت کا پروجکٹ ◀ ۱۔ بانس سے بنائی جانے والی چیزوں کی دستی کاریگری ۲۔ کتابوں کی دکان ۳۔ آٹو رکشا / وین

۴۔ دوا بیچنے کی دکان ۵۔ فوٹو کاپی (زیروکس) کی مشین ۶۔ چھاپہ خانہ (پریس) ۷۔ ریکسن کا کام ۸۔ کچے چمڑے کو تیار کرنے کا کام

۹۔ سوئنگ مشین / ٹائپ رائٹر مرمت کا کام ۱۰۔ کتاب کی جلد سازی ۱۱۔ ایس ٹی ڈی / پی سی او / آئی ایس ڈی

۱۲۔ جیسں کی جلائی اور کٹائی کا کام ۱۳۔ اونی پوشاک کی بنائی کا کام ۱۴۔ موٹر گاڑیوں کی مرمت

ایک لاکھ روپے سے زیادہ لاگت کا پروجکٹ ◀ ۱۔ ڈیسک ٹاپ پبلشنگ ۲۔ پولی پروپلنگ بیگ ۳۔ ہوائی چپل ۴۔ اسٹیل فیبریکیشن یونٹ

۵۔ مویشی اور مرغی بطخ کے چارے کی دکان ۶۔ مسالہ پیسنے والی مشین کی اکائی ۷۔ ہنڈی کل (۱۲۵۰ کیلوگرام یومیہ)

۸۔ گیہوں / چاول مل (۲۰۰ کیلوگرام فی گھنٹہ) ۹۔ پاؤ روٹی بنانے کا کارخانہ (بیکری) ۱۰۔ فنائل فرمال ڈی ہائیڈ میڈن

۱۱۔ ایڈہیسیو ریکسن فرسں قدرسا ڈبہ ۱۲۔ ٹیلیفون / فوٹو کاپیر / ایس ٹی ڈی / کمپیوٹرائزڈ بزنس سنٹر ۱۳۔ بیوٹی پارلر

۱۴۔ پرنس پیکیجنگ یونٹ / پاؤڈر کوٹنگ ۱۵۔ ویڈیو گرافی ۱۶۔ ٹکری ٹیکسی / ٹیکسی ۱۷۔ میٹاڈور وین (ایل سی وی) ۱۸۔ ٹشو کلچر

۱۹۔ میڈیکل واش (پلاسٹر) ۲۰۔ ہوٹل / موٹل ۲۱۔ فروٹ پروسیسنگ یونٹ ۲۲۔ سبزی، اچار رکھنے کی اکائی

درخواست فارم کا نمونہ ضلع مجسٹریٹ، ضلع پریشد، پنچایت سمیتی، ایس ڈی او اور ضلع صنعتی مرکز کے دفاتر میں دیکھنے کیلئے چسپاں کیا جائے گا۔ دیہی علاقوں میں متعلقہ پنچایت سمیتی اور میونسپل علاقوں میں ایس ڈی او کے دفاتر میں اور [illegible] ضلع صنعتی مرکز کے دفتر میں درخواستیں جمع کی جاسکتی ہیں۔ ■■

ل۔ احمد اکبر آبادی

آس: جاوید نہال

اکبر آباد شہنشاہ اکبر کی راجدھانی رہا۔ یہاں باکمال اشخاص افق پر چمکاتی ہوئی کہکشاں کی طرح دنیائے ادب میں اپنی روشنی بکھیرتے رہے تھے۔ اردو کے کئی نامور شاعر نظیر اکبر آبادی، غالب اکبر آبادی، میر تقی میر اکبر آباد کے تھے۔ لطیف الدین احمد بھی اس مردم خیز شہر میں پیدا ہوئے۔ ادبی دنیا میں ان کی شناخت ل۔ احمد اکبر آبادی کے نام سے ہوئی۔ ل۔ احمد بھی کچھ دنوں کے بعد مختلف ملکوں کی سیر کرتے ہوئے آگرہ سے کلکتہ چلے گئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ کلکتہ ہی میں گزرا۔ مگر ل۔ احمد اکبر آباد سے رشتہ غالب کی طرح منقطع نہیں ہوا غالب اکبر آباد سے والہانہ جذباتی لگاؤ کے ناتے ہی آبائی شہر کی مٹی انہیں اکبر آباد لے گئی۔ وہیں ان کا انتقال ہوا اور پیوند خاک ہوئے۔

اردو کے بیشتر ادیبوں کی طرح ل۔ احمد کی ادبی زندگی بھی افسانہ نگاری سے شروع ہوئی۔ ان کے عہد میں ہماری افسانہ نگاری ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی اور افسانے کی راہ میں بہت سارے نشیب و فراز بھی تھے۔ ل۔ احمد کو افسانہ نگار بننے کے لئے ان خطرناک اتار چڑھاؤ سے گزرنا پڑا۔ ان کے فن کو اسی شہر میں صلابت و پختگی نصیب ہوئی۔

جس عہد میں ل۔ احمد کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا تھا وہ رومانی افسانے کا عہد تھا۔ نیاز فتحپوری جیسے مستند نقاد نے بھی رومانی جمالیاتی افسانے سے اپنی ادبی زندگی شروع کی تھی شہاب کی سرگزشت اسی دور کے رومانی جمالیاتی پس منظر میں تخلیق ہوئی ل۔ احمد کا نیاز کے ساتھ گہرا التعلق تھا۔ نیاز کا اثر انھوں نے بھی قبول کیا۔ نگار میں ل۔ احمد کی رومانی کہانیاں (اکثر ترجمہ) شائع ہوتی رہیں اور اردو ادب میں ان کا نام احترام سے لیا جانے لگا۔ ل۔ احمد نے دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح افسانہ نگاری ترک نہیں کی مگر تنقید ... اردو ادب ... سنجیدہ صنف تھی اس کی

طرف بھی متوجہ ہوئے۔ ل۔ احمد کا تنقیدی شعور انہیں ان دشوار گزار راہوں میں بھٹکنے سے روکتا رہا۔ ان کے یہاں متوازن تنقید ملتی ہے جو ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ کسی کی دل آزاری ان کے مذہب میں گناہ تھی۔ لہٰذا انھوں نے کسی نئے پرانے فنکار پر کبھی ایسی تنقید نہیں کی جو اصولِ نقد کے دائرے سے باہر ہوتی اور خواہ مخواہ دل آزاری کی موجب بنتی۔ ل۔ احمد کے ادبی کارناموں اور خدمات کا محاسبہ کرنے سے پہلے ان کی ابتدائی زندگی اور ان کے عہد کے معاشرہ و حالات کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔

عرض کیا جاچکا ہے کہ ل۔ احمد کا پورا نام لطیف الدین احمد ہے۔ وہ آگرہ کے مشہور محلہ ڈھولی کھار میں اپریل ۱۸۸۵ء کو ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد فتح محمد صاحب کا لکڑیوں کے مشہور تاجروں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ شہر میں احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ گھر ہی میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور کم سنی ہی سے اردو زبان وادب سے گہری دلچسپی پیدا ہوئی بڑے ادیب کی طرح وہ بھی پہلے افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوئے۔ افسانے کے ترجمے سے ادبی زندگی شروع کی اور یہ مترجمہ افسانے رسالوں کے وقار کو بڑھاتے رہے۔ ان کی باضابطہ ادبی زندگی کا آغاز اس دور کی مشہور نظم "لالہ رخ" کے ترجمہ سے ہوا انھوں نے اس مشہور نظم جو قسط وار نیاز فتح پوری کے مشہور رسالہ نگار کے صفحات کی زینت بنتا رہا۔ ان کا ترجمہ مقبول انام ہوا۔ پہلی بار آگرہ سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کی مقبولیت کا ثبوت یہ ہے کہ لالہ رخ کئی بار شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی جاتی رہی۔ آج کل بہت کم ایسے ادیب وافسانہ نگار ہیں جن کی تخلیقات شائع ہوتے ہی فروخت ہو گئی ہوں "لالہ رخ" کی بے پناہ مقبولیت نے ل۔ احمد اکبر آبادی کی آتش شوق کو ہوا دی۔ غیر ملکی زبانوں کے مشہور افسانوں کو اردو میں منتقل کرتے رہے جو

اردو کے معیاری و موقر جرائد کے حسن میں چار چاند لگاتے رہے۔ "اردو دنیا" ایک نئے ادبی نام سے [illegible] پڑی۔ ان کے افسانوں کی مقبولیت صرف عام لوگوں میں ہی نہیں ہوئی بلکہ ثقہ دانشوروں اور ادیبوں نے بھی عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔ ان افسانوں نے ل۔ احمد کو مشہور اور کامیاب ادبا کی صف میں لا کھڑا کیا۔

ل۔ احمد کی ادبی زندگی ۱۹۲۲ء میں شروع ہوئی تھی جو موت کے وقت تک پہلی جیسی ہماہمی کے ساتھ ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی ایک بلند مقام پر پہنچی۔ انھوں نے نوّے سال کی طویل عمر پائی۔ آخری ایام میں بھی ل۔ احمد کا قلم مختلف خوشنما پھول کھلاتا رہا جو اردو ادب میں عطر بیز رہا۔ ل۔ احمد کی ادبی خدمات سے کوئی کافر ہی منکر ہوگا۔ انھوں نے بیسیوں کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ مطبوعات میں لالہ رخ، انشائے لطیف (کہانیوں کا مجموعہ) زندگی کا کھیل، محبت کا افسانہ (ناولٹ) اور ملاحظات نفسی کے علاوہ بہت ساری کتابوں کے مسودے ہیں ان کی اشاعت ہو جائے تو ل۔ احمد کے ادبی کارناموں کا تجزیہ و محاسبہ کرنے میں خاصی مدد ملے گی۔

اردو میں تنقید کی کمی کا احساس ل۔ احمد کو بھی تھا۔ ان کی مشہور تنقیدی کتاب "نقد ادب" بھی انگریزی سے ترجمہ ہے اور ناقدین ادب کے لیے گراں مایہ تحفہ بھی۔ انھوں نے تاثرات ادب، روسی مفکر، صبح و شام (افسانے) اور ملاحظات نفسی (افسانے) تخلیق کیے۔ ان میں سے بعض کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ انھوں نے اپنی حیات ہی میں یہ کتابیں ترتیب دے دی تھیں کہ بعد وفات ان کی اشاعت کا خاکہ بھی مرتب کر لیا تھا۔

یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ کلکتہ میں مستقل قیام کے بعد ہی انھوں نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں مگر مولانا نیاز فتحپوری کے اس ہمعصر ادیب کو اردو کے ناقدین نے یکسر فراموش کر دیا۔ انھوں نے بنگال کے ادبا و شعراء کو نظر انداز کرنے کی روایت ل۔ احمد کے سلسلے میں بھی برقرار رکھی مگر ل۔ احمد جیسے عظیم ادیب کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف نہیں کیا۔

ل۔ احمد باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ دبلے پتلے اور درمیانہ قد اور ضعیف [illegible] کے باوجود ان کی شخصیت ملاقاتیوں کو مرعوب کر دیتی تھی۔

ان کی عبارت میں ادبیت کی نرالی شان [illegible] تھی۔ ان کے اسلوب میں جو روانی، شگفتگی اور برجستگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے وہ اردو کے بہت کم ادیبوں کے یہاں پائی جاتی ہے۔ "ہفت صنوبر" کے اس اقتباس سے ان کے اسلوب کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

"میری آنکھیں ہمیشہ موسیقی کے سروں پر کھلتی ہیں۔ یہ موسیقی آتی ہی ہے کہیں دور سے شاید وہاں سے جہاں سے واپس آ کر میں ایک نئے جنون کے اندر قدم رکھ رہا ہوں۔ ابتدا بہت دھیمی کسی پی کی شکل سے جاتے دراصل وہ سنائی دینے سے زیادہ محسوس ہوتی ہے اور پھر تیز ہوتے مجھے چھپا لیتی ہے ... پھر میں اس سماوی موسیقی کو سنتا نہیں مگر میری بیدار ہستی اسے پیتے ہی [illegible] ریشہ ریشہ رقص ہو جاتا ہے جیسے کسی کی جوان انگلیاں ستار کے تاروں کو چھیڑ رہی ہوں (ہفت صنوبر)

"ہفت صنوبر" ان کی ذہنی اپج نہیں بلکہ ترجمہ ہے [illegible] ناول کا مگر اس کی زبان میں جو سلاست، ربط، تسلسل اور بے ساختگی ہے وہ قاری کو خود کر دیتی ہے وہ اسے انکی تخلیق سمجھنے لگتا ہے۔ ترجمہ دلکش اور اثر انگیز ہے۔ یہ ل۔ احمد کا کمال ہے ــــ ل۔ احمد اردو کے منجھے ہوئے ادیب ہیں اور ان کی زبان سند بھی ان کی تنقیدی نظر بھی گہری ہے۔ ل۔ احمد کے تنقیدی مضامین کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے۔ اصول نقد سے متعلق جو تالیفات منظر عام پر آئی ہیں وہ ترجمہ ہیں مگر انھوں نے کلکتہ اور دوسری ریاستوں کے شاعروں کے مجموعۂ کلام پر تقریظیں تحریر کی ہیں جن کے مطالعہ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ل۔ احمد بالغ النظر نقاد تھے۔ تنقید کے فن کو مستقل فن بنا لیتے، افسانہ نگاری اور ترجمے سے ہٹ کر تنقید پر توجہ دیتے تو اردو ادب کو ایک ثقہ اور باوقار نقاد مل جاتا۔

ل۔ احمد اردو ناقدین کے ادب سے متعلق رویے سے نا مطمئن تھے۔ ان کے خیال میں اردو کے نقاد چبائے نوالے اگلتے رہتے ہیں۔ مغربی تنقید کی نقالی میں اپنے فرض کو بھول گئے ہیں چونکہ اردو کے ناقدین کی آنکھوں پر مغربی عینک چڑھی ہوتی ہے لہٰذا وہ اردو کی تخلیقات اور کسی فنکار کے فن کے ساتھ صحیح انصاف نہیں کر پاتے۔ انھوں نے ناقدین کے رویے سے بیزاری کا اظہار خود کیا ہے۔

"میں اپنی اس عمر میں اردو ادب کی رفتار و ارتقا کے باب میں بہت کچھ سوچتا گیا ہوں۔ گزشتہ تیس چالیس سال کی مدت میں رفتہ رفتہ اردو ادب کی جو صورت بن گئی ہے میں اسے بے راہ روی کی [illegible] ادب کے اندر نظریات کی [illegible]

کوئی نظریہ وضع کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ وہ تھے تاثر پر بسر کرتے ہیں کیسے کہ بس نظریہ باز ہیں۔" (میری سرگزشت، ل۔ احمد)

ل۔ احمد کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ اردو کے ناقدین اپنا کوئی نظریہ نہیں رکھتے۔ اندھی تقلید اور اتباع کرتے ہیں اور مغربی ملکوں کے علمی نظریے کو اپنا لیتے ہیں اور بزعم خود بڑے نقاد بن جاتے ہیں۔ اس دور افتادہ ریاست کے بیشتر فنکاروں کو اردو کے بچے کھچے اور پرانے ہوئے نقادوں سے ہمیشہ یہ شکوہ رہا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں پر تعصب کی عینک چڑھا کر اردو کے فنکاروں کے ادب اور فن کا محاسبہ کرتے ہیں۔

ل۔ احمد کا نظریۂ تنقید ان کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے۔

"انتقاد فن کی بحثوں میں یہ کلیہ تسلیم ہو چکا ہے کہ فنکار کو اس کے ماحول کے اندر ہی جانچنا پرکھنا چاہئے۔ اسی بنا پر میں کہوں گا نئے نقادوں نے شعرائے متوسطین کو مردود قرار دیکر کوتاہ فہمی اور کم عملی کا ثبوت دیا ہے" (میری سرگزشت)

ل۔ احمد کی تنقید بالغ نظری کا اردو تنقید سے متعلق آپکے خیال و نظریے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اعزاز افضل کے مجموعۂ کلام "زخم صدا" میں انکا پر قلم کیا ہوا دیباچہ اس بالغ نظری کا ثبوت ہے۔ جہاں انھوں نے ایک ابھرتے ہوئے جواں سال شاعر کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے بعض خامیوں اور لغزشوں کی بھی نشاندہی کرکے شاعر کو اپنے لئے صحیح سمت متعین کرنے کی راہ دکھائی ہے۔ ایسے بے باک نقاد اردو میں کم ہیں اور ل۔ احمد کا دم غنیمت تھا۔ کاش ل۔ احمد نے تنقید کو مستقل فن کی طرح اپنا لیا ہوتا تو بنگال کے اردو کے بہت سارے فنکاروں کو جنہیں میں کشتگان ناقدین تصور کرتا ہوں ادب میں اپنا مقام مل جاتا۔

اس میں دو رائے نہیں کہ ل۔ احمد صاحب طرز ادیب تھے اور کہانی ہو، سرگزشت یا تنقید ہو زبان کی صحت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ جدید ادیبوں اور شاعروں کی زبان سے بے تعلقی اور بے پروائی انھیں کھلتی رہتی تھی۔ نئی نسل کے جن شاعروں اور ادیبوں کو انکا فیض حاصل ہوا وہ خوش نصیب ہیں۔ انھوں نے ل۔ احمد سے بہت کچھ سیکھا اور استفادہ کیا۔

ل۔ احمد کی طبیعت میں جو نفاست پسندی تھی وہ ان کی کہانیوں میں بھی صاف جھلکتی ہے۔ انکی کہانیاں علوئے نفس کی آئینہ داری کرتی ہے۔ انھیں جنسی محبت کی ریل پیل نہیں۔ مخمور اکبرآبادی نے انکی افسانہ نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

"ان کے افسانے جنسی محبت کی ریل پیل اور یلغار نہیں ہے۔ ان کی محبت کی دنیا [illegible] سرشار ہے۔ سنسان اور ویران ہوتی جنسیت سے [illegible] کا مدعا نہیں۔"

[illegible] فنکار تھا اور تنقید سے منکر نہیں تھے۔ انکے [illegible] گزشتہ ہیں ان میں [illegible] کی استبدادی حکومت، جاگیردارانہ نظام، مذہبی تعصب اور سماجی نا برابری پر ل۔ احمد کا دل بھی کڑھتا رہتا تھا اور قوم کے بگڑتے ہوئے ذہن کا ماتم انھوں نے اکثر کہانیوں میں کیا۔ یہی جذبات و احساسات انکی کہانیوں میں بھی ڈھل گئے ہیں اور متوسطین میں اپنے تئیں شمار کرنے کے باوجود عصری آگہی اور وقت کے نت نئے تقاضوں سے انھوں نے اپنی آنکھیں بند نہیں کیں اور بنگال کے ادیبوں اور شاعروں کے اذہان پر جو نقوش انھوں نے ابھارے وہ کبھی مٹ نہیں سکیں گے۔

ل۔ احمد کو بھی زندگی بھر نقادوں کی بے اعتنائی اور بے توجہی کا دکھ رہا۔ مخمور اکبرآبادی نے ل۔ احمد کی ادبی خدمات کا تجرباتی مطالعہ کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔

"میں اور ل۔ احمد دونوں نے ایک ساتھ ادبی زندگی شروع کی خون پسینہ ایک کیا پھر بھی ادب میں ہماری حیثیت اینٹ اور گارا ڈھونے والے مزدور جیسی ہے جو اردو کے قصر عالیشان کی تعمیر میں سہارا دیتے رہے۔"

مخمور اکبرآبادی ہوں یا ل۔ احمد دونوں نے منکسر المزاجی کی وجہ سے اپنے متعلق یہ رائے قائم کی ہے ورنہ جلد یا بدیر اردو طبقہ انھیں اردو ادب کے عالیشان محل کے اینٹ گارا ڈھونے والے مزدوروں کے بجائے چابکدست معماروں میں نمایاں جگہ دے گا۔

بھلے اردو کے تنگ نظر نقاد ل۔ احمد کو اردو ادب کی تنقیدی تاریخ میں کوئی خاص مقام عطا نہ کریں پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ مہاکوی ٹیگور، شاعر آتش نوا قاضی نذر الاسلام اور غالب دوراں علامہ وحشت کی سرزمین ان کا ہمیشہ احترام کرتی رہے گی اور یہاں کے فنکار ان کی بیش بہا ادبی خدمات کو کبھی بھول نہیں سکیں گے کیونکہ ل۔ احمد اکبرآبادی کے طویل قیام کلکتہ کے دوران میں اردو ادب کی نت نئی اصناف نثر سنوریں اور سجیں اور ان کا حسن دوبالا ہوا۔ ل۔ احمد نے یہاں کے موجودہ باکمال ادبا اور شعراء جیسے پرویز شاہدی، شاہ مقبول احمد، رضا مظہری، سالک لکھنوی، ابو محفوظ الکریم معصومی، بیخود، ابراہیم ہوش، جاوید نہال، احمد سعید ملیح آبادی، علقمہ شبلی، قمر صدیقی، اعزاز افضل، شانتی رنجن بھٹاچاریہ اور بہت سے دوسرے فنکاروں پر اپنا براہ راست یا بالواسطہ اثر ضرور چھوڑا ہے۔ بنگال کے عوام ان کے ادب کی وجہ سے انھیں ہمیشہ یاد رکھیں گے یہاں کی ادبی تاریخ ادب اردو ل۔ احمد کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کبھی جا سکے گی۔

مغربی بنگال میں پنچایتی نظام

از : پربھات دتہ

پنچایتوں کا تصور ہندوستان میں نوآبادیاتی خاتمہ کے بعد وجود میں آیا ہے۔ اس کا تذکرہ ہمارے دستور اور کمیٹیوں اور کمیشنوں کی رودادوں میں ملتا ہے اور ان کے کام کے تجربات اس رجحان کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ پنچایتوں پر تین قسم کے تناظر تشکیل پا سکتے ہیں یعنی فروغ ات (آلہ کاری تناظر) حیثیت کی حامل پنچایتیں، حکومت خود اختیاری اداروں کی حیثیت والی پنچایتیں (ادارہ جاتی تناظر) اور دونوں ہی (آلہ کاری و ادارہ جاتی تناظر) حیثیت کی پنچایتیں۔ پہلے تناظر کو بلونت رائے مہتہ کمیٹی نے مقبولیت بخشی تھی اور کمیٹی مذکورہ نے پنچایتوں کی ابتدا و ارتقا پر بحث چھیڑی ہے۔ غیر سیاسی پنچایتوں کی اول پود کے لئے اول اور اولین ترین ایجنڈا کی حیثیت سے دیہی ترقیات پر توجہ دیتے ہوئے غیر سیاسی پنچایتوں پر بیٹھی ہذا اور وکالت ہے۔ دیہی ترقیاتی پروگراموں پر بہتر طور پر عمل درآمد کے سلسلہ میں لوگوں کی شرکت کو لازمی گردانا گیا ہے۔

اشوک مہتہ کمیٹی جس نے ۱۹۷۸ء کے دوران پنچایتوں کے کام کاج کا جائزہ پیش کیا تھا، ایسا محسوس ہوتا ہے پنچایتوں کے آلہ کاری صورت سے بڑے پیمانے پر متاثر ہوئی ہے۔ اگرچہ اس نے سیاسی پنچایتوں کی وکالت کی تھی تاہم اس نے پہلے مہتہ کی تجویز کردہ سہ درجہ کے بجائے دو درجہ والی پنچایتوں کی سفارش کی۔ اس امر کی وضاحت پیش کی گئی چونکہ ہمارے یہاں بلاک سطح سے نیچے کوئی سرکاری مشنری نہیں ہے جس کے لئے مذکورہ سہ درجہ دیہی ترقیاتی پروگراموں پر عمل درآمد کے کام میں کوئی ثمر آور نتیجہ اخذ نہیں کر پائے گا۔ دوسری مہتہ کی سفارش کردہ سیاسی پنچایتوں کی دوسری پود نے اصلاح پنچایتوں کے آلہ کار رجحان کو شامل رکھا ہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ حکومت خود اختیاری کی اکائیوں کی حیثیت سے پنچایتوں کا تصور جو ہمارے دستور کی دفعہ ۴۰ میں مذکور ہے دونوں ہی مہتاؤں کی نظروں سے چوک گیا ہے۔ سیاستدانوں نے کبھی بھی بحث و مباحثہ کے دوران اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ یہ پہلو غالباً مرکزیت کے دائرہ عمل کے باہر رہا ہے۔

وہ ایل۔ ایم سنگھوی کمیٹی جسے ۱۹۸۹ء کے دوران راجیو گاندھی نے تشکیل دیا تھا جس نے دستوری آلہ کاری تناظر پر پہلی بار توجہ ڈالی تھی۔ [illegible] دستور کی ۷۳ ویں ترمیم نے ان دونوں تناظرات کے ایک امتزاج کی تشکیل کرنا چاہا تھا۔ دستور کی ترمیم پر چلتے ہوئے آج ہندوستان میں قیام میں آنے والی تیسری پود پر مشتمل پنچایتیں اس طرح دیہی ترقیات کے آلات اور حکومت خود اختیاری اداروں کے اشکال اپنا رہی ہیں۔

مغربی بنگال میں پہلی پود کی پنچایتیں ۱۹۵۰ء کی دہائیوں میں وجود میں آئیں جبکہ پورے ملک میں پنچایتوں کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ ریاست میں ناپذیر سیاسی استحکام اور کانگریس میں بڑھتی ہوئی گروہ بندی نے ۱۹۶۰ء کی دہائیوں کے دوران صورت حال کو مزید پر پیچ بنا ڈالا تھا۔ ۶۸-۱۹۶۷ء کی سالانہ رپورٹ میں ۱۹۶۶۲ میں سے ۱۰ اگرام پنچایتوں کی بھی موثر کارکردگی پر شک و شبہ کا اظہار کیا گیا تھا۔

پنچایتیں حالت نزع میں تھیں۔ راحت کے ساز و سامان کے مہیا ہونے کے بعد ہی یہ پنچایتیں اپنی موجودگی کا احساس دلوایا کرتی تھیں۔ نتیجہ کے طور پر دیہی لوگوں نے مسئلہ کو سلجھانے والی تنظیم کے طور پر ان کی خبر گیری شروع کیا جس کے سبب کی بنا پر اول پود والی پنچایتیں دیہی سطح پر اپنے زیادہ اثرات ثبت کرنے میں ناکام رہیں۔

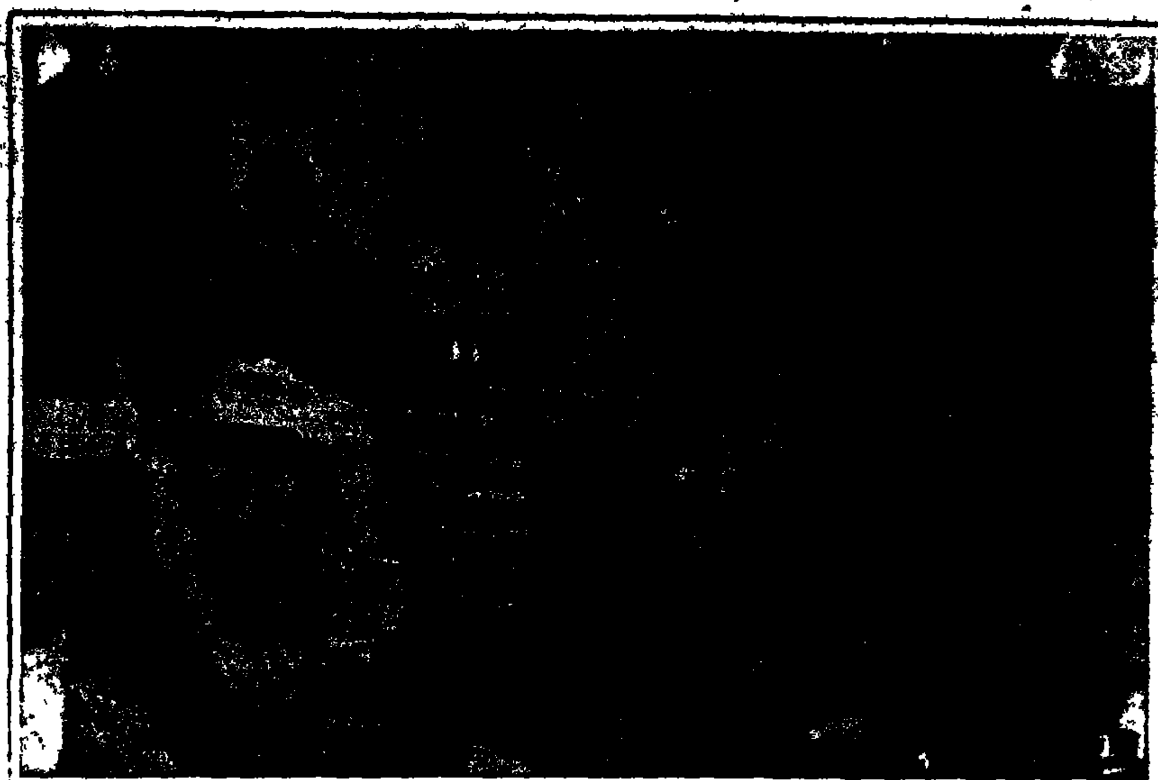
۱۹۷۷ء کے دوران بایاں محاذ حکومت اقتدار میں آئی اور اس نے پنچایتوں سے متعلق حکومت کے رویہ میں قابل تحسین تبدیلی لایا۔ ابتدا میں بایاں محاذ کو دیہی محاذ پر تین بڑے کام کرنے تھے

(الف) پنچایتوں کو از سر نو جلا بخشنا۔

(ب) غیر متحرک دیہی معیشت کو از سر نو متحرک بنانا۔

(ج) غریبوں کے حق میں طبقاتی طاقتوں کے توازن کو موافق بنانا۔

بایاں محاذ حکومت نے (الف) پنچایتوں کو سیاسی ادارہ بنانے (ب) فروغ اور ترقی کے صرف آلہ کار کی حیثیت سے [illegible] بلکہ دیہی نام نہاد (وسٹڈ) مفادات کے خلاف جنگ کرنے اور لوگوں کی [illegible] کرنے کے لئے ان کو کام میں لانے (ج) [illegible] اختیارات



" وفاقی نظام میں پنچایت کے کردار " پر منعقدہ ایک سیمنار میں مذاکرہ

کو محدود کرکے لوگوں کے اختیارات کو قائم کرنے اور (د) موجودہ سماج و معاشی ڈھانچہ میں تبدیلی طور پر موجودہ حدود سے ان کی شمولیت کے تجربے کے ذریعہ لوگوں کو واقف کروایا اور تب ایک متبادل ترقیاتی حکمت عملی پر عمل در آمد کے لئے جدوجہد کو کھلی چھوٹ دینے کے عزائم کا اظہار کیا۔

واضح طور پر یہ اپروچ اس مکھے دھارا (مین اسٹریم) والے اپروچ سے مختلف ہے اور یہاں حکومت خود اختیار اداروں اور آلات دہی فروغ کی حیثیت والی روبہ فروغ پنچایتوں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس اپروچ کی جڑوں کو اقتدار ہذا کی دشواریوں سے اور اس کے کردار میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

بایاں محاذ حکومت کے پروگراموں اور بایاں محاذ کے عام پروگرام پہ ایک نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا ایک اہم اور بڑا مقصد طبقاتی طاقتوں کے باہمی تعلقات میں بدلاؤ لانا ہے ۔ اصلاحات اراضی بایاں محاذ حکومت دیہی ترقیاتی پالیسی کی اصل بنیاد رکھتے ہیں۔ اراضی سے متعلق معاملات میں حکومت کا کام اس طرح (الف) زمیندارانہ نظام کا خاتمہ کرنا (ب) بے زمین زرعی مزدوروں اور غریب کاشتکاروں کے درمیان اراضی فاضل کو تقسیم کرنا (ج) کرایہ داروں کو زمین سے بے دخلی کے خلاف آئینی تحفظ کی پیشکش کرنا وغیرہ بن گیا ہے۔ مقاصد ہذا کی حصولی میں مدد کی خاطر دیہی علاقوں میں پنچایتیں حکومت کے ہتھیار کا کام کررہی ہیں۔

دوسری پود کی پنچایتیں ۱۹۷۸ء کے جون میں انتخابات کے ذریعہ وجود میں آئی ہیں ان کی اپنی کچھ ایسی قابل تحسین خصوصیات ہیں جس کی مثال ہندوستانی روایت میں ناپید ہے۔

(ا) اشوک مہتہ کمیٹی نے جب پنچایت کی سفارش کی تھی اس سے پہلے ہی سیاسی پنچایتوں کے سلسلہ میں مغربی بنگال نے پہل کی۔ اس وقت تک ملک کی دیگر ریاستوں کے ذہن و گمان میں کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں آئی تھی۔ اس وقت پنچایت انتخاب میں جماعتی شرکت کے معاملہ میں یہاں دو طرح کے حالات تھے۔ آندھرا اور کرناٹک جیسی ریاستوں میں جماعتیں شرکت ضرور کرتی تھیں لیکن تمام سطحوں پر نہیں مغربی بنگال ہی ایک ایسی ریاست تھی جہاں پنچایتوں کی تمام سطحوں پر جماعتیں انتخابات میں شریک ہوئی تھیں۔ بدھادیو سین گپتا کا قول ملاحظہ ہو۔

" اس تاریخ جمہوریت میں یہاں اقتدار کی جڑوں کے لئے سیاسی مقابلہ آرائی چل رہی تھی۔ ہندوستانی سیاست کی تاریخ میں

9

کمل مجبوری اور بڑا اس سیاسی خلا کے دوران میں اس سے قبل کوئی بھی سیاسی جماعت اتنی گہرائی اور باقاعدگی کے ساتھ گاؤں تک قدیم حسن میں نہیں داخل ہوئی تھی۔" [illegible] قیادت کے سماجی پس منظر کی اصلاح مغربی بنگال ملک کی واحد ریاست ہے جس نے پرانی سیاسی قیادت سے انحراف کیا ہے۔ اشوک مہتہ کمیشن نے کیا خوب کہا ہے: "پنچایت اداروں پر سماجی، معاشی اور سماجی طور پر خوشحال طبقوں کا غلبہ ہے۔" بہتیرے مشاہدات و تحقیقات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

۱۹۷۸ء کے انتخابات نے مغربی بنگال کے مروجہ صورت حال کو بدل ڈالا ہے۔ ایک بار ایک جائزہ اور کئی بار ایک بیان ثابت ہوئے اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ ۵ ایکڑ سے کم زمین رکھنے والے چھوٹے اور معاشی کاشتکار دوسری پود والی پنچایتوں پر غلبہ رکھتے تھے۔ داس گپتا اور مکھوپادھیائے کا قول ہے کہ "غریب اور بے زمین افراد کے لئے روایتی پنچایت ایک ایسا ادارہ تھی جس کی مدد سے بڑے زمیندار حضرات گاؤں کے لوگوں پر راج کرتے تھے.... ریاستی سطح پر بایاں محاذ حکومت کے اقتدار میں آنا اور پنچایت انتخابات میں سیاسی جماعتوں کی براہ راست شرکت نے ان روایتی رہنماؤں کو اقتدار سے بے دخل کر دیا اور پنچایت کو وسیع تر بنیادی ڈھانچہ عطا کیا..." (۳) مغربی بنگال ہندوستان کی وہ پہلی ریاست ہے جو ۱۹۷۸ء سے باقاعدگی کے ساتھ وقت پر پنچایت انتخابات کرواتی چلی آرہی ہے یعنی سنہ مذکورہ سے ایک دہائی قبل دستور کی ۷۳ ویں ترمیم لائی گئی تھی۔ ترمیم ہذا کا اصل مقصد ریاستی حکومتوں پر دباؤ ڈالنا ہے کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ معینہ وقت پر انتخابات کروائیں۔ دلچسپی کی بات تو یہ ہے کہ اس ترمیم کے لانے کے باوجود بھی لوگوں کو کرناٹک، مدراس، بہار، اڑیسہ وغیرہ کی ریاستوں میں پنچایت اداروں کے انتخابات کروانے کے سلسلے میں ریاستی حکومت کو حرکت میں لانے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ (۴) مغربی بنگال وہ پہلی ریاست ہے جس نے دوم پود کی پنچایت کے مرحلہ کے دوران دیہی مفاد پرستوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے پنچایتوں کو پلیٹ فارموں کی حیثیت بخشی۔ اس کا اندازہ انتخابی نعروں سے اچھی طرح لگایا جاسکتا ہے۔ نعرہ ملاحظہ ہو — مفاد پرستوں کے اڈوں کو توڑ دو، چھوڑ دو (باستو گھر گھر دیر باتسے بھاشو)۔ بعد ازیں بایاں محاذ

کے چیئرمین نے [illegible] انتخابات کو دیہاتوں میں مفاد پرستوں اور استحصال کرنے والے طبقوں کے خلاف غریب کاشتکاروں [illegible] اور زرعی کاریگروں کے حقوق کے قیام کے لئے ایک جدوجہد سے تعبیر کیا۔

۱۹۷۸ء کے دوران جب سیلاب کی تباہ کاریوں نے مغربی بنگال کے دیہی علاقوں کے ایک بڑے حصے کو اپنی ستم ظریفی کا شکار بنایا تو اس وقت دوسری پود کی پنچایت نے اپنی موجودگی کا احساس لوگوں کو بڑے ہی موثر انداز میں کروایا۔ اس موقع پر پنچایتیں سامنے آئیں اور چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ گزشتہ مواقعوں کی طرح اس بار زیادہ لوگ دیہاتوں سے شہروں کی طرف بھاگ کر نہیں آئے اور یہی پنچایتوں کی کامیاب کارکردگی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

دریں اثناء دیہی ترقیاتی پروگراموں کی عمل درآمد میں پنچایتوں کی شرکت سامنے آئی اور پروگرام ہذا کا بنیادی اور اہم ترین کام اصلاحات آراضی ہے۔ اصلاحات آراضی پروگرام کے تین پہلو ہیں۔ اول برگداروں کے ناموں کا اندراج جو آپریشن برگہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ دوم بے زمین کاشتکاروں کے درمیان سیلنگ سرپلس اراضی کی ازسرنو تقسیم اور اصلاحات آراضی سے مستفیض ہونے والوں کو ادارجاتی کریڈٹ میں توسیع۔

پنچایتوں نے آپریشن برگہ پروگرام میں نہایت ہی سرگرم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے رات کے وقت خیموں کے اندر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ متوقع برگہ داروں کو مدد اور حمایت کا وعدہ کرکے پنچایتوں نے رات کے وقت خیموں کے اندر محرکاتی کردار ادا کیا ہے۔ اس حمایت جس کا مظاہرہ موجودہ مصنف نے اپنے مشاہدہ میں کیا تھا، نے ان میں وقار اور اعتماد کا ایک احساس جگایا ہے۔ ۷۰ فیصد سے زائد ملحقہ اشخاص نے زمینداروں کی حمایت کے بغیر زمین پر کاشت کرنے کی اپنی صلاحیت کی رپورٹ پیش کی تھی۔ یہ کامیابی قابل ستائش تھی یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اندراج کی اوسط شرح میں تقریباً [illegible] فیصد کا اضافہ ہوا تھا۔

پنچایتوں نے براہ راست ازسرنو اراضی تقسیم پروگرام میں شرکت کی تھی۔ ضلع پریشد اور پنچایت سمیتی سطحوں پر ان کام کاج کی نگرانی اور دیکھ ریکھ کے لئے باقاعدہ کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ [illegible] سطح کی باقاعدہ کمیٹی عطا شدہ اراضی کی مستقبل میں ازسرنو تقسیم کے مطابق

اشخاص کی فہرست جاری کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں مغربی بنگال کا ریکارڈ ملک بھر میں بہترین رہا ہے۔ ۱۹۹۱ء کے اختتام تک مغربی بنگال جس کا کاشتکاری کا علاقہ تقریباً ۳ فیصد تھا، زرعی اصلاح پروگرام کے تحت از سر نو تقسیم شدہ جملہ قابل کاشت اراضی کے تقریباً چوتھائی حصہ کا حامل رہا ہے جبکہ ہندوستان کے اندر از سر نو تقسیم اراضی سے مستفیض ہونے والے ۲۸ فیصد سے زیادہ افراد اسی ریاست میں پائے جائیں گے۔ پنچایت اداروں کے عروج و فروغ کے ساتھ ساتھ اصلاح اراضی پروگرام پر کامیاب عمل درآمد کا نتیجہ دیہاتوں میں سماجی و معاشی منظر نامہ قابل تحسین تبدیلی کی شکل میں برآمد ہوا ہے۔

(الف) جملہ زرعی اراضی کے تقریباً ۶۰ فیصد کی ملکیت ۲۹ فیصد متبادل قومی اوسط کے مقابلہ میں چھوٹے اور حاشیائی کاشتکاروں کو جاتی ہے۔ مغربی بنگال میں ۵۰ فیصد بٹے کی اراضی پر کاشتکار قابض ہیں اور ان کا قبضہ دو ہکٹار سے کم کی اراضی پر رہے۔

(ب) اس ریاست کے جملہ اصل مزدوروں میں زرعی مزدوروں کا تناسب ۱۹۸۱ء کے دوران ۲۵٫۲ فیصد تھا جو ۱۹۹۱ء کے دوران گھٹ کر ۲۳٫۵ پر آ گیا۔ اسی دوران ملک کے جملہ مزدوروں میں زرعی مزدوروں کا تناسب ۲۴٫۹ فیصد سے بڑھ کر ۲۶٫۱۲ ہو گیا۔

(ج) ساتویں منصوبہ مدت کے دوران مغربی بنگال نے زرعی پیداوار کے میدان میں انقلاب برپا کیا تھا۔ ۸۴-۱۹۸۳ء تا ۹۲-۱۹۹۱ء کے دوران مغربی بنگال میں غلہ کی پیداوار میں اضافہ پورے ملک کے ۲٫۷ سے موازنہ کرتے ہوئے اوسطاً ۶٫۵ فیصد ہو گیا۔ ۱۹۸۰ء تک ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال کی زرعی پیداوار کی نشو و نما بہت پست تھی لیکن ساتویں منصوبہ مدت کے دوران غلہ کی پیداوار مذکورہ شرح ۳۴ فیصد کو پہنچ گئی یعنی ملک میں بلند ترین مقام کو پہنچ گئی۔ ہریانہ (۴ فیصد) اور پنجاب (۲۳ فیصد) اس اس دوڑ میں کافی پیچھے تھے یعنی ۱۹۹۰ء دہائیوں کے شروع میں مغربی بنگال ملک بھر میں سب سے زیادہ غلہ پیدا کرنے والی ریاست بن رہی۔

اس امر کا بھی ذکر لازمی ہے کہ بہرحال جیسے ماہرین نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ زرعی پیداوار میں مغربی بنگال کی قابل ستائش کارکردگی کا دارومدار بہت حد تک آبپاشی پر تھی اس کی جانچ پڑتال [illegible]

پر ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مذکورہ بالا مدت کے دوران مجموعی آبپاشی کے دائرہ عمل کو ۲۰ فیصد سے بڑھا کر ۳۲ فیصد کر دیا گیا تھا اور اس وقت مغربی بنگال کی فصلی زرخیزی کل ہند اوسط کے مقابلہ میں ۱۲۷ فیصد تھی اور اس کا مقام پنجاب (۱۷۸) اور ہریانہ (۱۴۴) کے بعد آتا تھا۔

لیکن اس سلسلہ میں آبپاشی کی دلیل پیش کرنا تشفی بخش نہیں ہے کیونکہ حالیہ پنج سالہ منصوبوں کے دوران آبپاشی پر بہار، اڑیسہ اور اتر پردیش میں کم اخراجات نہیں آئے ہیں پھر بھی وہاں پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا ہے۔

لیسٹن کی رائے کے مطابق مذکورہ کارکردگی کی حصولی کے پیچھے کوئی ایک سبب کارفرما نہیں ہے بلکہ کئی اسباب ہیں۔ زرعی اصلاحات پر مشتمل پیداوار اور پیداواری عوامل دونوں سے منسلک زرعی ڈھانچے اور ان ڈھانچوں سے اوپر کے عناصر مثلاً پنچایتوں جیسے ادارہ جاتی اسباب میں کل مداخلتیں ہیں۔ غلہ کی پیداوار میں اضافہ نے زرعی مزدوروں کی اوسط اجرت میں اضافہ کو نمو دبخشی۔ اوسط یومیہ شرح نقد و جنس میں اضافہ ہوا۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران شرح ہذا پانچ روپئے ساٹھ پیسے تھی اور فی الحال یہ بڑھ کر تقریباً ۲۰ روپئے ہو گئی ہے۔

مغربی بنگال میں پنچایتیں سرکار کی پیش کردہ تمام دیگر دیہی ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لاتی ہیں۔ فی الحال ان میں اہم ترین پروگرام جواہر روزگار یوجنا اور جامع دیہی ترقیاتی پروگرام ہیں۔ قومی زرعی بینک برائے دیہی ترقیات جس نے ۱۵ ریاستوں میں جامع دیہی ترقیاتی پروگرام کی روبہ عمل کے کام کا مشاہدہ کیا ہے نے یہ پتہ چلایا ہے کہ مستفیض ہونے والوں کی غلط شناخت کا کوئی بھی واقعہ پیش نہیں آیا ہے۔ گرام پنچایت نے تمام مستفیض ہونیوالوں کا انتخاب کیا اور مغربی بنگال میں اثاثہ کا معیار ۹۱ فیصد معاملوں میں اچھا رہا اور قومی اوسط ۸۱ فیصد پہنچا۔ دیسرائی کی تحقیق کے مطابق روزگار مواقع پیدا کرنے کے تحت اور جامع دیہی ترقیاتی پروگرام سے حاصل ہونے والے فوائد غریبوں کو پہنچ رہے ہیں۔ مذکورہ اسوالی ناقص کا تقابلی جائزہ یہ بتاتا ہے کہ تامل ناڈو میں یہ فوائد صرف

اسی طرح یہ تذکرہ بھی یہاں لازمی ہے کہ سرمایہ کاری کی ... کا انتخاب، مستفیض ہونے والوں کی ترجیحات، فرد کی ضروریات وغیرہ کے جیسے دیگر معاملات کے سلسلہ میں مغربی بنگال کا بڑا کارنامہ ...

زرعی پیداوار میں اضافہ، منضبط طور پر دیہی ترقیاتی پروگراموں کی کامیاب عمل درآمد اور سماجی اور معاشی مسائل کو حل کرنے میں پنچایتوں کا اہم کردار دیہی سماجی و معاشی منظر نامہ میں زبردست تبدیلی لانے کا سبب بنا ہے۔ اول - ۱۹۸۰ء کے دوران دیہی روزگار میں تقریباً ۶۳ فیصد اور ۲۴۴ ر ۲۲ لاکھ کا اضافہ ہوا تھا۔ ۱۹۹۱ء کے دوران اضافہ ہذا ۴۷ ر ۳۶ کو پہنچ گیا۔ دوم اس ریاست میں موجود مہاجنوں کی تعداد میں کافی کمی واقع ہو گئی۔ ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران ۲۶ فیصد کل بقایا دیہی قرض بھی مہاجنی نظام کے تحت تھے۔ ۱۹۹۳ء کے دوران کل بقایا دیہی قرض تقریباً ۱۲ فیصد کو پہنچ گیا۔ سوم ۱۹۷۷ء کے دوران جب بایاں محاذ حکومت اقتدار میں آئی تو مغربی بنگال کے پاس بلند ترین ہیڈ کاؤنٹ ریشیو تھا۔ اس کے تحت اس وقت یہاں کے بیشتر لوگ غربت کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۹۸۷ء سے اس رجحان میں تبدیلی آنی شروع ہوئی۔

چہارم مختلف میدانوں میں اپنے حقوق کے لئے ان جماعتوں کے درمیان ستائے ہوئے لوگوں کے اندر ظلم و ستم کے خلاف بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مکھرجی۔ بندوپادھیائے کی رپورٹ یہ کہتی ہے کہ پنچایتوں نے دیہی علاقوں میں ڈوبتی ہوئی انسانیت کے منتخب کو پیش کیا ہے اور تمام طبقوں میں اعلیٰ درجہ کی سماجی اور سیاسی بیداری پیدا کی ہے۔ اس کی بنیاد اصلاحات اراضی پر رکھی گئی تھی اور اصلاحات مذکورہ نے سماج میں بڑے بڑے زمینداروں کی گرفت کو کمزور بنا ڈالا۔

مغربی بنگال میں ترقیاتی پروگراموں کی کامیابی بہت حد تک عوام کی بیشتر شرکت سے ممکن بن پائی ہے۔ فیصلہ لینے والوں کو دستیاب مقامی اطلاع سازی کا بڑا فائدہ مقامی شرکت کو جاتا ہے۔

۱۹۹۲ء سے قبل مغربی بنگال میں شرکت ایک ... پروگرام ہی کی شکل اختیار کر چکی تھی جہاں آئی آر ڈی پی ... پر آج کی طرح تفصیلی بحث نہیں ہوتی تھی بلکہ ... مشورہ

دوستوں اور مقامی زمینداروں کے مفاد ... تک ہی محدود رہے۔ مغربی بنگال میں غیر منظم جماعتوں کو اس سے بہت ہی کم فائدہ پہنچا ہے۔ سی این دے کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ اتر پردیش اور گجرات کے برعکس مغربی بنگال میں جامع دیہی ترقیاتی پروگرام سے زیادہ سے زیادہ زرعی مزدور مستفیض ہوتے ہیں۔

این۔ آر۔ ای۔ پی جیسے لگے روزگار/روزگار کے مواقع پیدا کرنے والے پروگراموں کا جائزہ اور مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ غریب لوگوں کو روزگار فراہم کئے گئے ہیں۔ ویسٹرن گاڈ کا کہنا ہے کہ این آر ای پی اور آر ایل ای جی پی فنڈس کو استعمال میں لانے میں پنچایتوں کا کردار قابل تحسین اس معنی میں رہا ہے کہ فنڈس مذکورہ کا استعمال آبادی کے نچلے حصوں میں محروم طبقوں کو راحت پہنچانے کیلئے کیا گیا ہے۔ دی این آئی آر ڈی۔ ڈی اے بی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ روزگار پروگراموں سے روزگار کے مواقع پیدا کرکے اور کنٹرا کٹروں کو نکال باہر کرکے کسی حد تک کچھ اثاثوں کی تشکیل اور غربت سے نبرد آزمائی کے ذریعہ مقامی لوگ مستفیض ہوئے ہیں۔

مرکزی حکومت کی ایما پر روبہ عمل لائی گئی این آر ای پی اسکیموں کا حالیہ محاسبہ یہ بتاتا ہے کہ اسکیم ہذا سے مستفیض ہونے والوں میں ۸۲ فیصد بے زمین مزدور رہیں، ۶۵ فیصد کا تعلق شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب سے ہے جبکہ ان کا قومی تناسب ۲۴ اور ۲۰ فیصد بالترتیب ہے۔ رپورٹ مذکورہ یہ مزید بتاتا ہے کہ این آر ای پی کے تحت تشکیل پانے والے ۹۹ فیصد جملہ اثاثے کی دیکھ ریکھ ٹھیک طور پر ہوتی ہے اور اس کا موازنہ قومی اوسط ۳۵ فیصد سے کیا جا سکتا ہے۔ یہاں مزدور ۸۸ فیصد معاملہ میں روزانہ اجرت پاتے ہیں جبکہ مزدور قومی سطح پر اجرت ہذا ۵۰ فیصد پاتے ہیں۔ غریب اور مختلف الحال لوگوں سے گفتگو کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں سیاسی جانبداری بالکل نہیں برتی جاتی ہے۔

جواہر روزگار کی روبہ عمل پر پیش کردہ ایک مشاہدہ میں ایکسپیرٹ جنٹ یہ بتاتے ہیں کہ اسکیم مذکورہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ روبہ عمل لائی گئی اور غریب جماعتوں کو خاطر خواہ طور پر فائدہ پہنچایا گیا اور یہ کسی کی بدعنوانی سے بالکل پاک ہے۔

چونکہ تحت سطح کے ادارے برائے ترقیاتی معاشی تحقیق کے ایک جزو کی حیثیت سے اپنے دیہاتوں میں پنچایتوں کے کام کاج سے متعلق دیہاتیوں کے خیالات کا ایک سروے / جائزہ ہوا ہے جس کے تحت عام طور پر پنچایتی رہنماؤں نے اپنے حلقوں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ویبسٹر کے مشاہدے نے بھی اس حقیقت کو تقویت بخشی ہے کہ ان غیر رسمی مباحثوں نے ایک نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے ویبسٹر کے بموجب گرام سبھا کی نشستوں کے علاوہ غریب تر علاقوں میں مقیم خاندانوں کے درمیان ہونے والے بعد کے مباحثوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے ایک ثانوی فورم کی حیثیت سے پیش کیا اور یہی بعد میں گرام سبھا کے واسطے سے گرام پنچایت میں واپس آ گیا یا اکثر و بیشتر معاملہ میں یہ معاملہ کریٹک سمیتی اراکین کے واسطے سے منسلک ہو جاتا ہے۔

لیٹن نے گرام سبھا کی نشستوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس کی رائے میں عام عوامی نشستوں کے مقابلہ میں گرام سبھا کی نشستوں میں مسائل زمین سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ گرچہ خطاباتی ثقافت کسی حد تک موجود ہے۔

۱۹۹۴ء کے دوران ترمیم شدہ مغربی بنگال پنچایت ایکٹ ہر انتخابی حلقہ کے لئے گرام سنسد کی گنجائش رکھتا ہے۔ نشست ہذا کا انعقاد سال میں دو بار کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد متعدد غربت دشمن پروگراموں سے مستفیض ہونے والوں کی شناخت کے اصول کی تشکیل یا متعلقہ دیگر امور، ترقی اور سماجی انصاف دلوانے کی ذمہ داریاں جو لی جا چکی ہیں یا لی جانے والی ہیں پر مشتمل اسکیموں کے سلسلہ میں گرام پنچایت کو مشورہ دینا اور اس کی رہنمائی کرنا ہے۔

گرام سبھا کی نشست سال میں ایک بار بلائی جاتی ہے۔ گرام سنسد کی نشستوں میں پیش کردہ تجاویز پر پنچایتوں کے فیصلوں کو نشستوں کے سامنے رکھنا پنچایت کا فرض بنتا ہے۔

ان اداروں نے کام کرنا شروع کر دیا ہے گرچہ ان کے کام ہمارے سامنے تشفی بخش نہیں ہیں۔ ان نچلی سطح کی تشکیلات کے موثر کام کا [illegible] ہونا [illegible] اور بد دیانتی [illegible] لگی ہوگی۔ [illegible] ۷۳ ویں دستوری ترمیم کے ذریعہ خواتین [illegible] نشستوں [illegible] کے عہدوں کی نشستوں کی گنجائش بھی پیش کی ہے۔ ایس۔ ٹی اور ایس سی جیسے کمزور طبقوں کی نمائندگی کے سلسلے میں مثلاً لیٹن کے ۱۹۸۸ء کے حق ہوئے کے مطابق مغربی بنگال کا ریکارڈ نہایت ہی پرستائش رہا ہے۔ لیٹن کو یہ پتہ چلا کہ ایک نئے طرز کی قیادت سیاسی ارتقا کے نظام کے تحت نچلی سطحوں پر واقع اسٹیج پر نمایاں طور پر نمودار ہوئی ہے۔ غریب کاشتکار، زرعی مزدور اور شیڈولڈ کاسٹ کے لوگ سی پی آئی (ایم) کی مرتب شدہ فہرست کے باعث سامنے آئیں ہیں۔

لیکن خواتین کے سلسلہ میں زیادہ کچھ نہیں کیا جا سکا یہاں بھی عورتوں کو خاطر خواہ نمائندگی نہیں ملی ہے۔ ویبسٹر کی رائے کے مطابق انتخابی مہموں میں خواتین کی شرکت مردوں سے کم نہیں ہے۔ لیکن پنچایتوں میں ان کی نمائندگی کی عدم موجودگی نے انھیں اپنی ضرورتوں یا مفادوں کے اظہار کے موقعوں کی فراہمی سے محروم رکھا ہے۔ ۷۳ ویں دستوری ترمیم ایکٹ کے لاگو ہونے کے بعد مغربی بنگال میں خواتین کی ریزرویشن کے معاملہ میں ۲ فیصد سے بھی کم اضافہ ہوا ہے۔ ایکٹ ہذا کے تحت ۱۹۹۳ء میں منعقدہ گزشتہ انتخابات سے قبل پنچایتی اداروں میں خواتین کے لئے ایک تہائی نشستیں ریزرو کی گئیں۔ فی الحال مغربی بنگال میں پنچایتی نظام کے مختلف سطحوں پر ۲۴۷۹۹ خواتین منتخب ہو کر آئی ہیں ان میں ۸ عدد ضلع پریشد کی عہدیدار ہیں، ۸۲۰ عدد پنچایت سمیتی کے عہدوں پر زینت افروز ہیں اور ۱۹۶ عدد گرام پنچایت کی نشستوں پر براجمان ہیں۔ فیصد کی سطح پر خواتین کا فیصد کل نمائندوں کے ۳۶ فیصد سے زائد ہے۔ ان کے سماجی پس منظر کا کوئی تفصیلی مطالعہ یا مشاہدہ دستیاب نہیں ہے۔ بردوان میں واقع پنچایتوں کے ایک ریاستی ادارہ نے ایک مائکرو مطالعہ پیش کیا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ خواتین کی ایک کثیر تعداد تحریکوں یا خواندگی مہموں میں شرکت کرنے کا تجربہ رکھتی ہیں۔ ان اراکین کے پیش کردہ سماجی پس منظر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عام طور پر ان میں بیشتر کا تعلق غریب خاندانوں سے ہے۔

خواتین کو اختیار عطا کرنا لازمی طور پر ایک سماجی، معاشی اور سیاسی سوال ہے۔ اصلاحات اراضی نے جاگیردارانہ قدروں کو زبردست چوٹ پہنچائی ہے۔ تحریکوں اور شعوری کاموں کے ذریعہ انھیں جلا بخشنے کا یہ موزوں وقت ہے۔ سیاسی اور قانونی بنیادوں کی وجہ سے سنجیدہ طور پر مجبور ہوتے مزید زرعی اصلاحات کی وسعت کے ساتھ چند سوالات اٹھائے گئے ہیں۔

ریاستی حکومت کو پیش کردہ اپنی رپورٹ میں اکھر آباد و ہند دیا دھیائے نے یہ کہا ہے کہ پنچایتوں سے ہوا نکل رہی ہے۔ پنچایتوں کو اپنی منزل سے گمراہ ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ مشاہدہ ہے کہ پنچایتوں کی سرگرمیاں فی الحال بڑے پیمانے پر آئی آر ڈی پی کے تحت عوامی کام کاج کو کرنے تک ہی محدود ہو چکی ہیں۔ ان لوگوں کے مطابق پنچایتوں کو خود اختیار اداروں کی شکل نہیں دی گئی ہے۔

یہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے۔ کیا پنچایتوں کے اندر سے ہوا نکل چکی ہے؟ بابری مسجد گرانے کے دن ہندو بنیاد پرستوں کی اچھالی ہوئی فرقہ پرست جنونیت کا مقابلہ کرنے میں کیا یہ ادارہ ناکام رہا؟ اگرچہ کلکتہ شہر میں اکا دکا فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات رونما ہوئے تھے تاہم بنگال کے دیہاتوں میں اس طرح کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا اور وہاں پورے طور پر امن و امان کا بول بالا رہا۔ اس کامیابی کا سہرا پنچایتوں کو جاتا ہے۔ دوم راقم الحروف اور جی کے لیٹن [illegible] بتاتے ہیں کہ ۱۹۹۵ء کے دوران جلپائی گوڑی میں آئے سیلاب سے نپٹنے میں پنچایتوں کا کردار نہایت ہی قابل تحسین رہا ہے۔ [illegible] ہوا نکلی ہوئی پنچایتوں سے ایسے جامع اور موثر کردار کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ پنچایتوں کو خود اختیاری حکومت کی اکائیاں دینے میں بایاں محاذ حکومت کی مبینہ ناکامی پر تنقید کرتے ہوئے لیٹن اپنی حالیہ کتاب میں یوں گویا ہوا ہے "خود اختیاری حکومت کا تصور گاندھیائی روایت کی دین ہے" بعد کے علماء و فضلا کا یہ خیال ہے کہ مغربی بنگال کی پنچایتوں کو نیچے سے ملنے والے اعضا اختیار کے طور پر ان کے مزید فروغ میں کٹوتی کر دی گئی ہے۔ وقت کے مطابق پنچایتی اداروں کے کردار میں ایک متعلقہ مسئلہ کو بڑھا گیا ہے۔ ویبسٹر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر پروگرام کو بار بار کسی سیاسی تحریک کی وجہ سے بدلا جاتا رہا اور ریاستی حکومت میں بایاں محاذ کی دوبارہ منتخب ہونے کے واحد سیاسی مقصد کے ساتھ پورے طور پر [illegible] بنایا جاتا رہا ہے تو یہ اپنے مقصد کی تکمیل میں ناکام ہو جائیگا۔

اکھر آباد و ہند دیا دھیائے کمیٹی نے بھی یہ کہا ہے کہ پنچایتوں میں نئے ابھرتے [illegible] پر مشتمل متوسط طبقہ جو بنیادی طور پر اساتذہ پر مشتمل ہے نے "اوپر والوں" کو نکال باہر کرتے ہوئے "نیچے والوں" تک پہنچنے والے اختیارات کی زمین پر تحریک پر قبضہ جما لیا ہے۔ نظریہ ہذا کی وضاحت دو پنچایتوں [illegible] دو بیانات جنہیں بار بار رود، رتن خوشنویس جیسے علماء نے کی ہے پنچایتوں کے کام کاج کا تذکرہ کرتے ہوئے چند علماء نے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ پنچایتوں کے کام سے خوشحال طبقہ ہی مستفیض ہوا ہے۔ ویبسٹر کی دریافت کے مطابق ۵۸ فیصد مفلس افراد کو بھی خاطر خواہ فوائد ملے ہیں۔ لیٹن نے اس امر کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے کاشتکاروں کو نقصان پہنچا کر غریبوں کو سہولتیں نہیں عطا کی گئی ہیں۔

اتول کوہلی جیسے علماء کا خیال ہے کہ حق رائے دہی کو انتخابی حق رائے دہی تک ہی محدود کر دیا گیا ہے اور انتخابی سیاست میں ہی انقلابیت سے کثیر المدارج میثاق سازی اور اصلاح پسند یا سستی کی جانب منتقلی رو بعمل ہے۔

سیاسی پنچایتوں کے نقاد حضرات یہ فرماتے ہیں کہ دیہی ترقیات کے فوائد پنچایتوں پر حکمرانی کرنے والی جماعتوں پر مشتمل دوستوں، رشتہ داروں اور لوگوں کو پہنچ رہے ہیں۔ الغرض فوائد ہذا عموماً غریب اور مفلوک الحال لوگوں تک نہیں پہنچ رہے ہیں۔

کرناٹک کے تجربہ پر نظر ڈالتے ہوئے کچھ لوگ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سیاسی طور پر لوگ اتنے زیادہ متحرک ہو جاتے ہیں کہ ان کی سیاسی بازیگری دیہی ترقیات پر غالب آ جاتی ہے۔ اس طرح کی صورت حال دیوراج ارس کے اقتدار کے دوران دیکھنے کو ملی تھی۔ الغرض کرناٹک میں خاطر خواہ ترقیاتی کام ہو نہیں پائے تھے۔

رود سماجی و معاشی منشور کے ذریعہ دیہاتوں میں آنے والی تبدیلیوں کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس کی رائے میں مارکسی وادیوں نے ثقافتی طور پر تشکیل شدہ فرق مراتب والے نظام میں سرپرستوں کا کردار ادا کیا ہے اور اس طرح ان لوگوں نے اپنے ووٹ بینک تعمیر کئے ہیں۔ یہ مزید کہتا ہے کہ نئے دیہی رہنما حضرات ایسے بلند رسائی اور عزت والی حیثیت کے مالک ہیں کیونکہ یہ لوگ خود کو نئے اشخاص کی حیثیت سے [illegible] ہیں۔

مذکورہ بالا الزامات کی تردید کرتے ہوئے [illegible] کہتا ہے کہ [illegible] ایک [illegible] حیثیت [illegible] اور

ثقافتی صلاحیت پر مشتمل تیز ترقی مراتب والے نظام پر مبنی ہے، غالب ذات کے افراد کا اہم کردار بطور ایک تاریخی ضرورت کے نمودار ہوتا ہے۔۔ ایسے ایک سماج میں جہاں تعلیم کی کم از کم سطح بھی غریب خاندانوں کی پہنچ سے دور ہے، منظم تحریکوں کی فطری قیادت زمیندار خاندانوں سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا نقادوں کو چاہئے کہ وہ حکومت کی دشواریوں کو بھی زیر غور لائیں۔ ان دشواریوں کو سماجی، ساختی، ادارہ جاتی اور سیاسی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ محاذ ہذا کی تشکیل سے قبل عام معاہدہ میں مظہر حکومت کی توقعات اور ان مخصوص اسباب جس کے لئے چند جماعتوں نے اس طرز کی حکومت میں شرکت کی، کو بھی زیر غور و فکر لانا چاہئے۔ وزیر اعلیٰ کا یہ مشہور مشاہدہ ہر کس و ناکس کو یاد ہوگا "میں نظریہ عملیت کا حامی نہیں ہوں بلکہ میں ایک مارکس وادی ہوں۔ آپ واقف ہوں گے کہ مارکس واد ایک علم ہے۔ ایک مارکس واد ہونے کی حیثیت سے میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر آپ ایک ایسی ریاست میں بود و باش اختیار کرتے ہیں جہاں سرمایہ دارانہ جاگیردارانہ ڈھانچہ رائج ہے تو آپ وہاں بنیادی تبدیلیاں لا ہی نہیں سکتے ہیں۔ اس بات کو ہماری پارٹی پروگرام کے ۱۱۲ویں اقتباس میں بھی کہا گیا ہے۔

بہرکیف اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ٹیکس کی حصولی سے متعلق وسائل اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں پنچایت کی کارکردگی بہت قابل تعریف نہیں ہے۔ ٹیکس کی حصولی کو بڑھاوا دینے کی خاطر ریاستی حکومت نے ساتویں منصوبہ مدت کے دوران ایک تقابلی اسکیم پیش کی۔ اس اسکیم کے تحت زیادہ سے زیادہ ۵۰/- روپئے تک کی رقم تمام پنچایتیں اکٹھا کریں گی۔ مغربی بنگال میں پنچایتوں کے ذریعہ وسائل اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں ذہن میں یہ بات رکھنی ہوگی کہ مقامی خدمات بہم پہنچانے اور چھوٹے پلوں کی تعمیر اور آبپاشی کی سہولتوں وغیرہ کو توسیع دینے کے سلسلہ میں چھوٹے کنووں کی کھدائی جیسے عوامی کاموں کو [illegible] کے سلسلہ میں کھلی عوامی پیش قدمی میں پنچایتیں نمایاں [illegible] کردار ادا کر رہی ہیں۔ وسائل اکٹھا کرنے [illegible] ہے کہ وہ اپنے کاموں کو مذکورہ کام [illegible] میں رکھیں۔

ریاستی حکومت نے تمام خاص اراضی یا سرکاری ملکیت والی زمینوں کو بھی سرکاری اثاثے میں منتقل کر دیا ہے۔ بہت ساری پنچایتوں نے بیکار بنجر زمینوں کو ایسی سماجی شجرکاری میں بدل کر ایک نہایت بڑا کام کیا جس سے لگان ملتا ہے۔ کچھ پنچایتوں نے جھونپڑی بنائی ہے، اور چھوٹی عمارتیں بنائی ہیں اور اس طرح ان کے لگان میں اضافہ کیا ہے۔

حکومت نے ضلع میں لامرکوز وسائل اکٹھا کرنے کی ایک اسکیم جاری کی ہے۔ اس اسکیم کا نفاذ یکم نومبر ۱۹۹۲ء میں ہوا۔ اگر بڑے اور چھوٹے دھاتوں / معدنیات سے دستیاب رجسٹریشن فیس، تفریحی ٹیکس، موٹر گاڑی ٹیکس، وظیفہ / چنگی جیسی اشیاء میں ضلع کی وصولی معینہ نشانہ سے تجاوز کرتی ہے تو اضافی وصولیات کے ۵۰ فیصد کو ترقیاتی اخراجات کی تکمیلی مقصد کے لئے ضلع ہذا کے پاس لوٹانے کے بارے میں ضلع منصوبہ بند کمیٹی میں طے کرنا چاہئے۔

ریاستی حکومت نے ایک مالی کمیشن کی بھی تشکیل کی ہے۔ اس کا کام ریاست کی تشکیل کردہ فنڈ سے پنچایت کو امدادی عطیات کی تقسیم، ریاست کی جانب سے نافذ کردہ ٹیکسوں، ڈیوٹیوں، چنگیوں اور فیس سے حاصل مجموعی رقم کا ریاست اور پنچایتوں کے درمیان تقسیم سے متعلق اصولوں کا تعین کرنا اور ٹیکسوں، ڈیوٹیوں، چنگیوں فیسوں کو پنچایتوں کے ہاتھوں سونپنے یا پنچایتوں کو ان کے تصرف کا اختیار بخشنا ہے۔

بہرکیف مکھرجی بندو پادھیائے رپورٹ سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ جس جوش و تپاک کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں پنچایتوں کا آغاز ہوا تھا وہ اب سرد پڑ چکا ہے۔ اب پنچایتوں کا کام کاج محض ایک معمول کی تقت ہو رہا ہے اور جواہر روزگار یوجنا کا تعین ہوا ہے۔ مغربی بنگال میں پنچایتوں نے خواندگی پروگرام پر عمل درآمد میں ایک عظیم کردار ادا کیا ہے اور ان کی اس گراں قدر کارکردگی کی وجہ سے اس ریاست کو ایک باوقار بین الاقوامی انعام ملا ہے۔ سیلابوں میں قابل تحسین کام انجام دینے پر مطالعہ اور مشاہدہ میں پنچایتوں کی کارگزاریوں کو سراہا گیا ہے۔

بہرکیف لیشن کے مشاہدہ کے مطابق مغربی بنگال میں پنچایتوں کو سماجی تحدید اور اشتراکی سرمایہ ترقیات میں زیادہ مفید کردار ادا کرنا چاہئے تھا۔ خواندگی مہمات نے دیہاتوں میں ایک نئی فضا اور نئے ماحول کا جنم دیا ہے۔

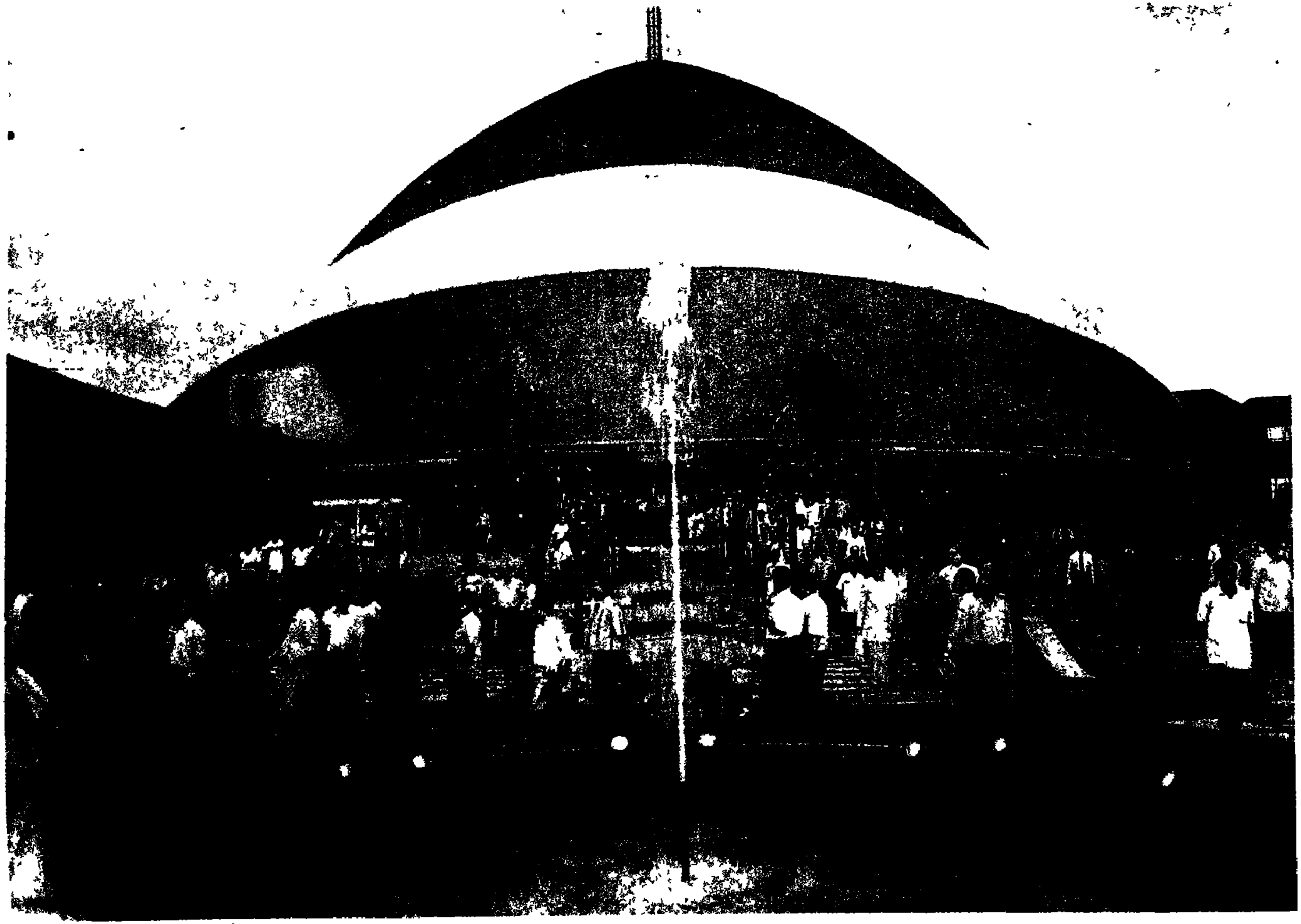
پیدا شدہ جوش و خروش کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ دستور ساز اسمبلی میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے امبیڈکر نے کیا خوب فرمایا تھا کہ ہندوستان میں دیہی سماج اگرچہ مقامی درد و بیچ میں ڈوبا نہیں ہے، تنگ نظری کا شکار نہیں ہے اور نہ ہی بے خبری / ناواقفی سے دوچار ہے تاہم بیشتر معاملوں میں آج بھی پچھڑا ہوا ہے۔ پرانی اور دقیانوسی قدریں آج بھی دیہی زندگی کے کام کاج پر حاوی ہیں۔ پنچایتیں سماج کا اختیار کے لانے میں ایک کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشی فروغ نے دیہی غریبوں کے رہن سہن کی صورت حال کو بہت بہتر بنا ڈالا ہے۔ اس کا بھی اثر وہاں کی سماجی زندگی پر ہوا ہے لیکن یہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ پنچایتیں آگے آئیں، عمل مذکورہ بالا میں تیز رفتاری پیدا کریں اور اپنی روشن خیال مداخلتوں کی مدد سے عمل ہذا کو جاری رکھیں۔ اس بڑے کام کو بحسن و خوبی انجام دینے کے سلسلہ میں متعلقہ قیادت کو تربیت دلوانی چاہیے۔ یہاں جماعت اور ریاستی حکومت کو اپنے اپنے کردار ادا کرنے ہیں۔

بایاں محاذ حکومت کے پہلے وزیر مالیات ڈاکٹر اشوک مترا نے ایک بار کہا تھا کہ اگر پنچایت ناکام ہوتی ہے تو مغربی بنگال پورے بایاں محاذ تجربہ کی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ ان کے قول کا مطلب یہ غیر جانبدار مبصر کی نظر میں مغربی بنگال کے پنچایتی نظام نے جو تجربہ تو نمایاں طور پر بہت اچھا انجام دیا ہے اور یہی اچھی کارکردگی بایاں محاذ کی کامیابی کا اصل سبب ہے۔ دیسنٹر کا کہنا ہے "پنچایتی راج پر عمل درآمد مغربی بنگال میں بایاں محاذ کی جرأت مندانہ اور نئی بات پیدا کرنے والی حکمت عملی تھی۔ بردوان ضلع کے واقعات اس حقیقت کو تقویت بخشتے ہیں کہ اس طرح کی حکمت عملی دیہی سماجی ڈھانچہ کے غریب تر طبقوں میں کافی حد تک معاشی بہتری لا سکتی ہے۔" مغربی بنگال کا پنچایتی راج ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے سامنے ایک متبادل طریقہ کار کی گنجائش پیش کرتا

گلوبلائزیشن یا عالمگیریت میں ہندوستان کی شرکت نے ریاستی پالیسی کے در کو وا کر دیا ہے۔ اب گاؤں کی پنچایتوں کو ایک نئی چنوتی کا سامنا پڑے گا۔ اب پنچایتیں محض دیہی ترقیاتی پروگراموں کی منصوبہ بندی او عمل درآمد کے آلات کی حیثیت سے نمودار نہیں ہو رہی ہیں بلکہ حسب توقع خود اختیار حکومت کی اکائیوں کی حیثیت سے سامنے آ رہی ہیں۔ کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ پنچایتیں خود اختیار حکومت کی اکائیوں کی حیثیت سے وجود میں آئیں گی جبکہ ریاست کی خودمختاری خود مشکوک ہے

(انگریزی سے ترجمہ از صفدر علی خاں)





سائنس سنٹر کا ایک اندرونی حصہ

MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
August 1, 1997

REGD No. WB/CC-596
Vol No. 44, Issue No. 14 & 15
Price 50 Paise



Ch. . Editor : Tarun Bhattacharya, Asst. Editor : Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. of Gov nment of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd. 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012.

مغربی بنگال

خصوصی شمارہ



پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

خصوصی شمارہ

جلد نمبر ۲۴ ■ ۱۵ اگست و یکم ستمبر ۱۹۹۷ء ■ شمارہ نمبر ۱۶ اور ۱۷

مدیر اعلیٰ:۔ ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون:۔ محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: دس روپئے ■ نصف سالانہ: پانچ روپئے

■ اس خصوصی شمارہ کی قیمت: ۲۰ روپئے

■ ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

■ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 25-5601/3371 Ext: 710

ترتیب

عوام کے نام وزیراعلیٰ کا نشری پیغام

ہماری حکومت نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی، جمہوری حقوق اور شہری آزادی کو برقرار رکھا ہے

• شری جیوتی باسو

دوستو !

آزادی کے ۵۰ سال مکمل ہونے کے مبارک موقع پر میں سبھوں کو دلی مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔ آزادی کی جدوجہد کے طویل باب میں جن محترم محب وطن کی قربانی ہمت اور غیر مصالحانہ جدوجہد کی مثالیں قائم کی ہیں ان سبھوں کو احترام کے ساتھ یاد کرنا ہی آج دیش واسیوں کا فرض بنتا ہے۔

آج سارے ملک میں جشن زریں مختلف تقریبات کے ذریعہ معقول طور پر منایا جا رہا ہے۔ آزادی کے بعد کے دور میں ملک کو مستحکم بنانے کے کام میں جن پروگراموں کو اپنایا گیا تھا، آج ان کا جائزہ لینا ضروری ہے اور ساتھ ہی ساتھ آج اور آئندہ کل کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا بھی ضروری ہے۔

گزشتہ ۵۰ برسوں کے دوران پورے ملک نے کسی کسی معاملہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے لیکن شروع سے غیر مناسب منصوبہ بندی کی وجہ سے مجملہ صورت حال میں کوئی بھی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ غلط معاشی پالیسی اور ترقی کے لئے غلط حکمت عملی کی وجہ سے ملک کے عوام کی اکثریت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ کچھ بنیادی اور بھاری صنعتوں کے معاملہ میں شروعات میں کچھ بہتری آئی تھی لیکن مختلف سہولتوں اور مراعات کی کمی کی وجہ سے ترقی کی رفتار میں تیزی نہیں آئی۔ ہندوستان جیسے ملک میں قطعات آراضی پر جس طرح اہمیت دینی چاہئے تھی وہ نہیں ہوا۔ دیہی معیشت کمزور ہو گئی۔ صنعتی ماحول پر بھی اس کا ناگزیر اثر پڑا۔ نتیجتہً پورے ملک کی معیشت مکمل طور پر متاثر ہوئی ہے۔ آبادی کے ۱۰ تا ۱۵ فیصد عوام ملک کی ترقی سے مستفید ہوئے ہیں باقی ماندہ لوگوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ غربت اور محرومی کے شکار ہوئے ہیں۔ بیرونی قرض کا بوجھ، روزگار کی کمی اور لازمی اشیاء کی قیمتوں میں غیر فطری اضافہ نے ہندوستانی معیشت کے منفی پہلو کو واضح کر دیا ہے۔

معاشی بحران کے علاوہ کئی مذہبت رجحانات نے سیاسی میدان میں بھی اپنا سر اٹھایا ہے۔ آزاد ملک ہونے کے بعد ہمارے ملک میں جن مقاصد اور مطمح نظر کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت تھی انہیں ابتک پورا نہیں کیا گیا۔ ناپاک طاقتوں نے اپنی غیر قانونی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے کے لئے اس موقع کا فائدہ اٹھایا۔ قومی یکجہتی اور سیکولرزم پر ضرب کاری کرنے کے لئے علیحدگی پسند اور بنیاد پرست قوتوں کی کوششوں نے قومی زندگی کے لئے زبردست خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ صحیح الدماغ لوگوں کو ان علیحدگی پسند اور بنیاد پرست قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے متحدہ طور پر سامنے آنے کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں موثر سیاسی اور احتیاطی اقدامات بھی لازمی ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں پارلیمانی انتخابات کے بعد دہلی میں اقتدار کے توازن میں تبدیلی آئی۔ متحدہ محاذ حکومت نے جو اب دہلی میں برسر اقتدار ہے، "عام کم از کم پروگرام" کو روبہ عمل لانے کا عہد کیا ہے۔ سیکولرزم کی پالیسی کو، وفاقی نظام کی عظمت کو سربلند کرنا، اس حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔ نئی مرکزی حکومت نے عام کم از کم پروگرام کے کچھ معاملوں میں باضابطہ طور پر یہ کام شروع کر دیا ہے۔ جب کبھی بھی دوسرے پروگراموں پر عمل درآمد کیا جائے گا اس وقت عام لوگوں کی امیدوں کی بھی تکمیل کی جائے گی۔ معیشت کے منفی پہلوؤں کو نکال باہر کرنے پر بھی زور دینا چاہئے۔ عوامی سیکٹر صنعتوں کو کمزور کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ ہماری معیشت میں عوامی سیکٹر، نجی سیکٹر اور مشترکہ سیکٹر سبھوں کو مشترکہ طور پر اہم رول ادا کرنا ہے۔ اس حقیقت کو ہمیں ماننا ہوگا۔ روزگار کی نئی گنجائشوں کے ذریعہ بے روزگاری کے خلاف لڑنے کے لئے پہل کرنا ضروری ہے۔ جدید صنعتی یونٹوں کے قیام کے ساتھ بیمار صنعتوں کے علاج کا بھی انتظام کرنا چاہئے۔ جہاں تک چھوٹے پیمانے کی صنعتوں پر

|

جیسے کوئی ضرب کاری نہ ہو اسی طرح اس کی توسیع کے لئے موافق ماحول پیدا ہو اس پر بھی دھیان رکھنا ہوگا۔

معاشی پروگراموں کی مناسب ترتیب میزان پر عمل درآمد کے لئے اہمیت دینی ہوگی۔

عالمی معیشت کے جدید رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا مقصد ہر ممکنہ طور پر ملک کی معیشت کو مستحکم کرنے کے لئے ہونا چاہئے۔ بیرونی اشتراک اور تکنیکی امداد صرف اسی وقت قبول کیا جا سکتا ہے جب کہ اس سے ہمارے قومی مفاد کو نقصان نہیں پہنچتا۔

ہم بار بار عرصہ دراز سے اس بات کو دہراتے آئے ہیں کہ مرکز۔ ریاست کے تعلقات کی بہتری ملک کی ہمہ جہت مفاد کے لئے ضروری ہے۔ سرکاریہ کمیشن، جس کی تشکیل اسی معاملہ کی جانچ پڑتال کے لئے ہوئی تھی، کی سفارشات بھی حقیقی صورت حال کے کافی مطالعات کو پورا کرنے میں ناکام رہیں۔ بدبختی یہ ہے کہ مزید برآں مرکزی حکومت نے حتیٰ کہ ان سفارشات کو بھی روبہ عمل نہیں لایا جو ریاستوں کی حمایت میں کی گئی تھیں۔ مرکز۔ ریاست کے تعلقات کے سلسلے میں متحدہ محاذ حکومت کی پیش رفت قابل ستائش ہے۔ انتک اہتمام کی گئی میٹنگوں میں بحث صحیح سمت کی جانب رواں ہے۔ اگر لامرکزیت کے مسئلہ پر زور دیا گیا اور از حد مرکزیت کے رجحان سے وفاقی نظام کو آزاد کرایا گیا تو یقیناً مرکز۔ ریاستیں دونوں فریق اس سے مستفید ہوں گے لہٰذا ملک کے مختلف گوشوں سے عوام کی امیدوں کو اس کی تکمیل کا موقع نصیب ہوگا۔

تعمیراتی پروگراموں کے ہر صورت کی کامیابی کا دارومدار بیشتر اخلاقی اقدار پر ہوتا ہے۔ عوامی زندگی کے مختلف شعبوں میں جس طرح سے بدعنوانی پھیل رہی ہے اس دم گھٹنے والے ماحول سے نجات پانے کے لئے ہر کسی کو ثابت قدمی کے ساتھ کھڑا ہونا ہوگا۔ باشعور لوگوں کی طرف سے جو کسی اخلاقی اقدار کے لئے ایک محافظ کے طور پر کام انجام دے سکتی ہے۔

امسال آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ کے دوران بائیں محاذ حکومت نے اپنے اقتدار کے بیس سال مکمل کر لئے ہیں۔ یہ انتہائی اہم معاملہ ہے اس حکومت نے عام لوگوں کی بدحالی میں سدھار لانے کے لئے مستعد

کوشش کی ہے۔ شروع سے ہی عوام کا واضح طور پر یہ ذہن بنایا گیا تھا کہ موجودہ نظام میں کسی بھی بنیادی تبدیلی کا امکان نہیں۔

یہ حکومت مستقل طور پر فرقہ وارانہ بھائی چارگی نیز جمہوری حقوق، شہری آزادی کو قائم کر پائی ہے۔ ریاستی حکومت نے اصلاحات آراضی، پنچایتی نظام کے احیائے نو، ماحولیات کا تحفظ، ماہی پروری وغیرہ جیسے پروگراموں کے ذریعہ قابل ذکر کامیابی حاصل کی ہے۔ صنعت کاری، تعلیم اور ثقافت سمیت عوامی مفاد سے متعلقہ شعبوں میں نئے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس حکومت نے امن و امان کی صورت حال کو برقرار رکھنے اور حقوق انسانی کے سوال کو ترجیح دینے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ بائیں محاذ حکومت کے بیس برسوں کے دوران ریاست کے دیہی علاقوں میں قابل ذکر تبدیلی آئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جو مشترکہ سرگرمیاں شہری علاقوں کے لئے اپنائی گئی ہیں وہ بھی کامیابی سے ہمکنار ہوں گی۔ جمہوری لامرکزیت، جیسے مغربی بنگال میں اپنایا گیا ہے، کی مثال قومی سطح پر اپنائی گئی تو یقیناً اس سے پورے ملک کو فائدہ پہنچے گا۔ مغربی بنگال کے عوام میں ایک زبردست خود اعتمادی پیدا ہوئی ہے اور اس خود اعتمادی کے ساتھ آنے والے دنوں میں ریاست مغربی بنگال کو اور بھی فخر حاصل ہوگا۔

ہندوستان کی آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ کے اس موقع پر ہمیں ملک کی جبلی قوت پر اپنے اعتماد کو مضبوط کرنا ہوگا۔ ہمارا ملک قدرتی نیز انسانی وسائل سے مالا مال ہے۔ ملک کے مختلف شعبوں میں جو باصلاحیت اشخاص، ماہرین، محققین، ماہرین تکنالوجی، انتظامیہ کار، باہنر مزدور، محنت کش جفاکش اور باشعور عوام ہیں، انھیں اگر مناسب موقع اور بنیادی سہولتیں ملیں تو یہ سب ترقی کی شرح افزائش میں اپنی بہترین خدمات فراہم کر سکتے ہیں۔ ابھی وقت کی اہم ضرورت ہے کہ سیاسی، معاشی اور سماجی میدان عمل میں اور اخلاقی معیار کی پستی کی التوا میں استحکام اور انضباط بحال کیا جائے۔

ہمیں آزاد اور خود مختار ہندوستان کی سیکولرزم کے تصور اور قومی یکجہتی کی روایت کی حفاظت کے لئے ایک بار پھر عہد کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے ملک کو اعلیٰ سطح پر لے جانے کیلئے متحدہ طور پر کوشش کرنی ہوگی، ہم اس مقصد کو برقرار رکھنے کے پابند ہوں گے۔ یہی ہے ہمارا عہد! ■■

ہندوستان کی جنگِ آزادی : کئی دھاروں کا سنگم

از : ہرکشن سنگھ سرجیت

۱۵ اگست کو پورا ملک اپنی آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ منا رہا ہے۔ ان تقاریب میں ملک کے تمام سیاسی قوتیں حصہ لے رہی ہیں۔ اس موقع پر ہندوستان کے عوام کے تمام حصوں کو متحد کرنا ضروری ہے تاکہ انھیں یاد دلایا جاسکے کہ اس ملک کی جنگ آزادی میں کس طرح مختلف دھاراؤں کا تعاون رہا تھا۔ کس طرح ہزاروں اور لاکھوں افراد نے زبردست قربانیاں دی تھیں کس طرح آزادی کے دیوانوں نے ہنستے ہنستے پھانسی کے پھندے چوم لئے تھے۔ برٹش سامراج وادیوں کی گولیاں کھائی تھیں۔ اپنی پوری کی پوری زندگیاں جیلوں میں کاٹی تھیں۔ جن میں انڈمان کا بدنام زمانہ سیلور جیل بھی شامل تھی۔ اور کس طرح لوگوں نے کانگریس کے پرچم تلے غیر ملکی حکومت کے خلاف ستیہ گرہ کے ہتھیار کو آزمایا تھا۔ ان تمام دھاراؤں سے ملکر بنی تھی ہماری آزادی کی لڑائی۔ ان تمام دھاراؤں نے ملکر اس ملک میں برٹش سامراج واد کی جڑیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اور عوام کے دلوں میں حب الوطنی، سیکولرزم اور قومی یکجہتی کے جذبات بھر دیئے تھے۔ ان دھاراؤں نے ملکر سامراج واد کی سازشوں کو شکست دی جو اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے ابتدا سے ہی عوام کو فرقہ پرستی کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔ جن میں سے زیادہ تر برٹش حکمرانوں کے مہروں کے طور پر کام کر رہے تھے اور ان کے ساتھ اقتدار میں شراکت داری کر رہے تھے۔

<u>کانگریس سے قبل سے</u>:- ہندوستان میں جدوجہد آزادی کی ابتداء کوئی کانگریس کے قیام کے بعد نہیں ہوئی تھی۔ ہماری قومی آزادی کی لڑائی تو ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے داخلہ کی طرح قدیم ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں کسانوں بے چینی کی شکل میں سلگ رہی چنگاری ۱۸۵۷ء کی پہلی جدوجہد آزادی میں اپنے عروج پر پہنچی تھی جس میں کسانوں نے ہی نہیں، برطانوی ہندوستانی افواج کے سپاہیوں نے بھی حصہ لیا تھا اور برٹش سامراج واد کو زبردست طور پر چیلنج کیا تھا۔ بہرحال یہ لڑائی کامیاب نہیں ہوسکی کیونکہ اس کی قیادت جاگیردارانہ طبقوں کی طرف سے کی جارہی تھی پھر بھی، اس لڑائی نے اپنے اثرات ضرور مرتب کئے تھے۔

برٹش حکمراں بہرحال اس بغاوت کو دبانے میں کامیاب تو ہوگئے لیکن انھیں نوآبادی تسلط کی اپنی پالیسی کو تبدیل کرنا پڑا۔ برٹش حکومت کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے لیکر بلاواسطہ طور پر عناں حکومت سنبھالنی پڑی، انھوں نے جاگیرداروں کو زبردست رعایتیں دیں اور ان کی ہمدردی و حمایت حاصل کیا۔ دوسری طرف اس بغاوت کی ناکامی کے ساتھ ہندوستان کا نوآبادیاتی استحصال مزید تیز کر دیا گیا جو کہ انگریزوں کے لئے خام مالوں کا وسیع تر ذریعہ تھا اور ان کے مالوں کے لئے وسیع تر بازار تھا۔ سادہ مال کی پیداوار کی توسیع ہوئی جس نے کھیتی کی پیداوار اور دستکاری کے سیکٹروں میں تجارتی اور سود خوری کے سرمائے کی گھس پیٹھ میں امداد کی۔ اب غریب کسان پس منظر پر آنے لگے۔ اس طرح رفتہ رفتہ سرمایہ دارانہ نظام پیداوار کی توسیع کی شرطوں کی تکمیل ہو رہی تھی۔

<u>بیسویں صدی کی ابتداء</u>:- بیسویں صدی کی ابتدا کے ساتھ کسانوں کی جدوجہد نے مزید شدت پکڑ لی۔ بنگال کی تقسیم ایسا فوری معاملہ بن گیا جس پر ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۱ء تک طویل جنگ چلائی گئی۔ جس نے حب الوطنی کے جذبات میں مزید نئی گرمی پیدا کر دی۔ بنگال کی تقسیم کے خلاف اٹھی عوام کی عام اشتعال کی لہر نے غیر ملکی حکومت کے خلاف تحریک کو نئی رفتار دی۔ ۷ اگست ۱۹۰۵ء کو غیر ملکی مالوں کے بائیکاٹ کی جو پکار دی گئی۔ وہ اس تحریک کا عنوان بن گئی۔

پنجاب میں لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ کی قیادت میں لوکونائزیشن قانون کے خلاف طاقتور تحریک شروع کی گئی تھی۔ زبردست دباؤ کے باوجود یہ تحریک اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے میں کامیاب رہی تھی۔

اس درمیان برٹش حکومت امیر طبقوں کے مفادات کا تحفظ کرنے اور قومی تحریک کے نرم موقف کی قیادت کو اپنی طرف بلانے کے لئے، طرح طرح کے سیاسی اقدام کر رہی تھی۔ دوسری طرف، برٹش سامراج واد کے مخالفین کو ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۴ء کے درمیان پاس کردہ مختلف قوانین کے تحت بے جا مظالم کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

<u>سوراج کا نظریہ</u>:- سودیشی تحریک کو ہندوستانی سرمایہ دار طبقہ کے فائدانہ حصوں کی بھی ہمدردی حاصل تھی۔ جنہوں نے غیر ملکی مالوں کے بائیکاٹ کا خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ مثال کے طور پر، ہندوستانی کپڑوں کی قیمتیں ۸ فیصد اوپر چڑھ گئی تھیں جبکہ برٹش کپڑے کی ۲۵ فیصد گھٹ گئی تھیں۔ سودیشی کے جذبات طویل عرصے تک برقرار رہے تھے۔ اسی درمیان، ۱۹۰۷ء کے بعد و خاص

طور سے ۱۹۰۵ء کے پہلے سرمایہ دارانہ انقلاب کے لئے، سوراج کا نظریہ ابھر کر سامنے آگیا۔

جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی قوم پرستوں کے دلوں میں اس کی امیدیں پیدا ہوئیں کہ ہمارے ملک کو بھی آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ متعدد ہندوستانی انقلابی دیگر ممالک میں جاکر مختلف ذرائع سے ہندوستان کی آزادی کے مقصد کیلئے کام کر رہے تھے۔ لالہ ہردیال نے امریکہ میں غدر پارٹی کے قیام میں اہم رول ادا کیا تھا۔ غدر پارٹی نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے مسلح افواج میں بغاوت کرانے کے ارادے سے دیگر ممالک میں رہ رہے ۸ ہزار افراد کو سودیش روانہ کیا تھا ملک کو آزاد کرانے کے لئے نکلے ان لوگوں میں سے بیسیوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ سیکڑوں کو عمر قید سمیت طویل سزائیں دیکر جیلوں میں ڈال دیا گیا اور ۱۵ ہزار سے زائد مواضعات میں ہی سر بند کر دیا گیا تھا۔

اسی طرح راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ نے کابل میں آزاد ہندوستان کی حکومت کا اعلان کیا تھا اور وہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے دیگر ممالک کی حکومتوں سے امداد حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

انقلابیوں کے ایسے ہی گروپ جرمنی میں اور ہندوستان سے باہر کچھ دیگر ممالک سے بھی اپنی سرگرمیاں چلا رہے تھے، وہ جنگ سے پیدا شدہ موافق حالات کا استعمال ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے کرنا چاہتے تھے۔

<u>جنگ کے دور کی ہلچل</u>:۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس وقت جنگ کے دور کے دوران ایسے تمام کنونشنوں میں ہندوستانی نیشنل کانگریس نے سامراج وادی جنگ کے تئیں اپنی حمایت کا اظہار کیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۸ء میں دہلی میں ہوئے کانگریس کنونشن میں پارٹی نے سمراٹ کے تئیں اپنی وفاداری سے متعلق ایک قرارداد بھی پاس کی تھی جس میں جنگ کے کامیاب اختتام پر انہیں مبارکباد پیش کی گئی تھی۔ اس دور میں مزدور طبقہ کی تحریک میں تیزی کے ساتھ شدت پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجہ میں ۱۹۲۰ء میں ایٹک کا قیام عمل میں آیا۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس سے قبل بال گنگادھر تلک کی گرفتاری کی مخالفت میں بمبئی میں کپڑا مزدوروں نے سیاسی ہڑتال کی تھی۔ بعد کی دہائیوں میں عوامی تحریکوں میں گراوٹ کی وجہ سے نوجوانوں کا ایک طبقہ جو حب الوطنی کے جذبات سے سرشار ہو رہا تھا لیکن جس میں طبقاتی بیداری نہیں تھی ذاتی طور پر تشدد کی راہ پر چلا گیا۔ برٹش حکمرانوں نے ان پر غیر انسانی ظلم و ستم ڈھائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آزادی کے حصول کے بارے میں ان کے خیالات کتنے فرضی تھے حقیقت یہ ہے کہ غیر ملکی حکومت کو ختم کرنے کا خواب لیکر پیٹی بورژوا کی صفوں سے نوجوانوں کی بے غرضانہ قربانی سامنے آرہی تھی اور شہروں و مواضعات دونوں کے ہی عام لوگوں میں ان کے تئیں ہمدردی کے جذبات پیدا کئے ان کا حوصلہ اور ان کی قربانی ہماری آزادی کی تحریک، تاریخ کا انمول حصہ ہے۔

جنگ ختم ہونے کے ساتھ زیادہ تر ہندوستانی عوام میں بے اطمینانی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی اور اکتوبر انقلاب کی کامیابی نے اسے ایک نئی رفتار عطا کی۔ سامراج واد کے خلاف نوآبادیات ممالک کی آزادی کی جدوجہد زبردست حمایت کرتے ہوئے لینن کے اعلان نے آزادی کے لئے جنگ کر رہے عوام میں نیا حوصلہ اور جوش و خروش پیدا کیا۔ متعدد انقلابی گروپ جو ملک کے باہر رہ کر کام کر رہے تھے روس گئے اور انھوں نے لینن و دیگر لیڈران کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا۔ یہ گروپ ان کے عزم اور سامراج واد کے خلاف جدوجہد اور ساتھ ہی ساتھ کامیابی سے بے حد متاثر ہوئے جو اکتوبر انقلاب نے حاصل کیا تھا۔ ملک کے باہر رہنے والے انقلابی روس کی طرف کھینچنے لگے تھے اور اس وقت امداد و حمایت کے لئے روس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

دوسری طرف برٹش سامراج وادیوں نے تحریک کو دبانے کیلئے سخت جابرانہ اقدام کرنے شروع کر دیئے تھے۔ جالیان والا باغ کا واقعہ اس کی مثال ہے۔ جالیان والا باغ میں جنرل ڈائر نے مخالفت کے اظہار کیلئے وہاں جمع ہوئے بے قصور افراد پر بغیر پیشگی اطلاع کے ہی گولی چلا دی تھی اس گولی باری میں سینکڑوں افراد مارے گئے تھے، جن میں ہندو، سکھ اور مسلمان تینوں ہی مذاہب کے ماننے والے افراد تھے اس واقعہ نے پورے ملک کے عوام کے دل و دماغ میں کھلبلی مچا دی اور اس نے سامراج وادی حکومت کو ختم کرنے کی لڑائی شروع کر دی۔ کانگریس کے پرچم تلے مہاتما گاندھی کی قیادت میں چلی عدم تعاون کی تحریک کے لئے اس نے بنیاد فراہم کی تھی۔ بہرحال چوری چورا کے واقعہ کے بعد گاندھی جی نے یہ تحریک واپس لے لی۔

<u>عوامی بے چینی کی مختلف شکلیں</u>:۔ یہی ہے وہ دور جس میں عوامی بے چینی مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے لگی۔ خلافت تحریک ترکی میں خلیفہ کی بحالی کے لئے شروع ہوئی تھی۔ جو بعد میں قومی تحریک کا حصہ بن گئی۔ بڑی تعداد میں مسلمان اور خاص طور سے پنجاب و اترپردیش کے مسلمان ترکی جانے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور ان کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے لڑے۔ ان میں سے کچھ تاشقند پہنچے اور اکتوبر انقلاب سے بیحد متاثر ہوئے۔ یونیورسٹی آف ٹائیلرس آف دی ایسٹ (مشرق کے محنت کشوں کی یونیورسٹی) میں مطالعہ کے بعد وہ واپس آئے اور ہندوستان کی آزادی کے مقصد کے لئے انھوں نے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔

پنجاب میں یہ بے اطمینانی طاقتور اکالی تحریک کی شکل میں ظاہر ہوئی جس گردواروں کو بدنام مہنتوں، جنہیں برٹش کے سامراج وادیوں کا تحفظ حاصل تھا اور جو ان کے دلالوں کے طور پر کام کرتے تھے، کے قبضے سے آزاد کرانے کے لئے پنجاب کا پورا سکھ فرقہ شامل تھا۔ جلد ہی یہ تحریک قومی جدوجہد آزادی کا حصہ بن گئی اور گردواروں کو آزاد کرانے کے بعد انھوں نے سب سے بڑے گردوارا سے ہندستان کو آزاد کرانے کا نعرہ دیدیا۔ یہ وہ دور ہے جس میں نوجوان بھارت سبھا اور ہندستان سوشلسٹ ری پبلکن آرمی کا قیام عمل میں آیا۔ بنگال میں انوشیلن اور جگانتر کی طرح ہی اتر پردیش، بمبئی اور مدراس میں متعدد انقلابی گروپ قائم ہوئے جنہوں نے آزادی کے حصول کے لئے ذاتی طور سے تشدد کی راہ اختیار کی۔

اس مدت میں ورکرس اینڈ پیزنٹس پارٹی قائم ہوئی جس کا پروگرام ایکدم واضح تھا اور یہ پروگرام تھا جدوجہد آزادی کو زرعی انقلاب کے ساتھ وابستہ کرنا لیکن برٹش سامراج وادی فوراً ہی اس تحریک کو کچل دینا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے ورکرس اینڈ پیزنٹس پارٹی کے لیڈران کو گرفتار کرنا شروع کر دیا اور ان پر ایک جعلی مقدمہ دائر کر دیا۔ میرٹھ سازش کیس ان پر دائر کیا گیا جو ساڑھے چار سال تک چلا۔ اس مقدمہ میں ماخوذ افراد نے قومی آزادی کے اپنے عزم صمیم اور ساتھ ہی ساتھ سماج واد پر مشتمل ایک نئے سماج کے قیام کے اپنے مقصد کی وکالت کے لئے عدالت کا پورا استعمال کیا۔

مکمل سوراج کے دور میں:- یہ وہ دور تھا جب سرمایہ دار دنیا کا اقتصادی بحران بہت گہرا ہو گیا تھا۔ اس کا اثر ہندستان پر بھی پڑا۔ کانگریس نے ۱۹۲۹ء میں ہوئے اپنے لاہور اجلاس میں مکمل سوراج کا قرارداد منظور کر لی۔ اس سے قبل تک کمیونسٹ ہی تھے جو ۲۰ کی دہائیوں کے اوائل سے ہی مکمل آزادی کی وکالت کرتے آ رہے تھے۔ بہرحال کانگریس کے یہ قرارداد منظور کرنے سے ہندوستانی عوام کے دلوں میں ایک نیا اعتماد پیدا ہوا اور کانگریس نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔

یہی وہ دور تھا جب بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی دی گئی تھی انھوں نے ہنستے ہنستے پھانسی کے پھندے کو چوما تھا۔ ان کے اس زبردست تیاگ نے پورے ملک میں نوجوانوں کو متاثر کیا۔ بھگت سنگھ نے اپنے آخری بیان میں یہ اعلان کیا کہ آزادی اور سماجی تبدیلی کی راہ یہی ہے کہ مزدور طبقہ اور کسان عوام کو شامل کر کے طبقاتی جدوجہد کو تیز کیا جائے۔ اس دور میں عوام کے درمیان سماج واد کے نظریات بھی جڑیں پکڑتے جا رہے تھے۔

زبردست عوامی جوش و خروش کو دیکھ کر سامراج وادیوں نے گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا۔ جس میں گاندھی جی نے حصہ لیا۔ لیکن وہ کوئی سمجھوتہ نہیں کرا سکے۔ برٹش حکومت نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ذریعہ نیا دستور مسلط کر دیا اور ہندستانی عوام پر الگ الگ انتخابی نظام تھوپ دیا تاکہ مختلف فرقوں کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فرقہ وارانہ تفریق پیدا کی جا سکے۔

کانگریس سوشلسٹ پارٹی:- ایک بار پھر سول نافرمانی کی تحریک کی جڑیں جمانے کی اور کسانوں کی زمینداروں کے خلاف کارروائیاں شروع کرنے کی دیر تھی کہ گاندھی نے تحریک واپس لے لی۔ اس سے بیشتر بائیں بازو کے دانشوروں اور نوجوان طبقہ کو بڑی مایوسی ہوئی اور انھوں نے کانگریس سوشلسٹ پارٹی کا قیام عمل میں لایا تاکہ جنگ آزادی کی کانگریس کی جدوجہد کو سماج واد کے نظریات کے ساتھ وابستہ کیا جا سکے۔

اس پارٹی نے کانگریس کو ترقی پسند بنانے میں ایک اہم رول ادا کیا اور کمیونسٹوں کو، جنہیں قانونی طور پر کام کرنے کی اجازت ہی نہیں تھی۔ اپنی سرگرمیوں کے لئے ایک پلیٹ فارم بھی مہیا کرایا۔ اس دور میں کمیونسٹوں نے کانگریس کی قیادت والی قومی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آزادانہ طور سے مزدور طبقہ، کسان عوام اور دیگر محنت کش طبقوں کو منظم کرنے کی راہ اختیار کی تھی۔

کانگریس میں موجود ترقی پسند خیالات کے لوگوں، کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے لوگوں اور کمیونسٹوں نے ہی پیش قدمی کر کے ۱۹۳۹ء میں کل ہند کسان سبھا کا قیام عمل میں لایا تھا اور آئندہ چل کر آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن، پروگریسیو رائٹرس ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لایا تھا۔

۱۹۳۶ء کے بعد جب نہرو کانگریس کے صدر بنے انھوں نے سماج واد کی تشہیر کر کے لوگوں کے دلوں میں امید کی کرنیں جگائیں۔ اس دور میں کانگریس کو ترقی پسند بنایا گیا اور متعدد ریاستوں میں کانگریس کی تنظیم میں کمیونسٹ اور سوشلسٹ اہم عہدوں پر تھے۔ نہرو کے بعد سبھاش چندر بوس نے کانگریس صدر کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ۱۹۳۹ء میں بایاں محاذ کی امداد سے گاندھی کے امیدوار پی سیتا رمیا کو شکست دے کر وہ کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ لیکن یہ کانگریس پر حاوی قیادت کو پسند نہیں آیا۔ انھوں نے کانگریس پر ایسی ورکنگ کمیٹی مسلط کر دی جس نے سبھاش چندر بوس کے ہاتھ باندھ دیئے اور آخر کار وہ کانگریس سے علیحدہ ہو گئے اور انھوں نے فارورڈ بلاک کا قیام عمل میں لایا۔

دوسری جنگ عظیم اور اسکے بعد :-

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ کانگریس حالات کا فائدہ اٹھانے میں ناکام رہی اور اس نے انگریزی حکومت کو جنگ میں اپنی حمایت پیش کرنے کیلئے شرطیں پیش کرنی شروع کر دیں۔

ہر حال، سوویت یونین پر جرمنی کے حملے کے بعد ایک نئی ہی عالمی صورتحال پیدا ہو گئی اور پوری دنیا کے عوام فاشسٹ حملہ آوروں کو پسپا کرنے کے لئے متحد ہو گئے۔

فاشزم پر فتح نے جس میں سوویت یونین نے اہم کردار ادا کیا تھا پوری دنیا کے ہی حالات کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس پورے واقعہ سے ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی قوتوں کو پوری دنیا میں نئی توانائی حاصل ہوئی اور نئی رفتار ملی

فاشزم پر فتح کے ساتھ ہی پوری دنیا میں زبردست عوامی جوش و خروش کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا اور ملک کی جدوجہد آزادی ایک نئی بلندی پر پہنچ گئی۔ خود ہندوستان میں ۱۹۴۵ء میں آزاد ہند فوج کے قیدی سپاہیوں کی رہائی کے لئے زبردست عوامی اتحاد پیدا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی بے شمار شکلوں میں مزدوروں کی لڑائیاں آگے بڑھنے لگیں۔ کسانوں کی بے چینی نے ملک کے مختلف علاقوں میں مسلح جدوجہد کی شکل اختیار کر لی جس کا عروج تلنگانہ کی عظیم جدوجہد میں دیکھنے کو ملا۔ ۱۹۴۶ء کے ماہ فروری میں ہوئی بحری افواج کی بغاوت نے برٹش سامراج وادیوں کو اس کا اشارہ دیدیا کہ اب انجام قریب ہے۔ سامراج وادیوں نے ہندوستان کو آزادی دینے پر کانگریس سے سودے بازی کی تھی

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جنگ آزادی پورے دور میں عام مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں وغیرہ نے بہت ہی اہم رول ادا کیا تھا۔ اس جدوجہد کے دوران کانگریس سمیت مختلف قوتوں نے اور پارٹی نے عوام کی امیدوں کو جگایا تھا کہ ان کے خوابوں کی تکمیل ہوگی۔ ان تمام قوتوں نے عوام سے وعدہ کیا تھا کہ غریبوں کی حالت درست ہوگی، غریبی اور بھوک کو مٹایا جائیگا۔ بیروزگاری کو ختم کیا جائیگا تعلیم و حفظان صحت جیسے حقوق کی ضمانت دی جائیگی اور ملک و سماج کی ترقی ہوگی۔

آج، جب ہم آزادی کی پچاسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ یہ ہمارے لئے ان قسموں کو یاد کرنے کا موقع ہے جو آزادی کی جنگ میں حصہ لیتے ہوئے ہماری پچھلی نسلوں نے کھائی تھیں۔ بے شک، آزادی کے بعد ان تمام برسوں میں کئی سیکٹروں میں ترقی ہوئی ہے لیکن یہ ترقی ہندوستانی عوام کے وسیع تر حصوں کی حالت میں کوئی خاص اصلاح لانے کے لئے بہت ہی ناکافی ہے۔ آج بھی کروڑوں ہندوستانیوں کی قسمت میں غریبی، بھوک، بیکاری، بیماری اور جہالت جیسی چیزیں ہی ہیں۔ ان کی امیدیں ٹوٹ چکی ہیں۔ ایک آزاد ہندوستان کا ان کا خواب تو کہیں سے پورا ہوتا نظر نہیں آرہا ہے۔ آج وقت آگیا ہے کہ ہم ایک بار پھر ان مقاصد کے لئے خود کو وقف کر دیں جنہیں حاصل کرنے کا مقصد قومی تحریک لے کر چلی تھی۔

کمیونسٹ اس پورے عرصے میں اپنے کارناموں پر فخر کر سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی لڑائی کے دور میں ملک کی جنگ آزادی کا اٹوٹ حصہ تھے۔ اس دوران کمیونسٹوں نے زبردست قربانیاں پیش کرتے ہوئے ظالم برٹش نظام کے خلاف جنگ کی تھی، جو کمیونسٹوں کو قانونی طور پر کام کرنے تک کی اجازت نہیں دیتا تھا اور آزادی کے بعد کے دور میں کمیونسٹوں نے اور خاص طور پر سی پی آئی (ایم) نے ایسی تحریکوں کے قیام کیلئے کام کرنا جاری رکھا ہے جو ملک کی آزادی کے مقاصد کی راہ پر آگے لے جا سکیں۔ کمیونسٹ پارٹی موجودہ اقتصادی پالیسیوں کے خلاف، جمہوریت پر حملوں کے خلاف، ہمارے سماج کے سیکولر تانے بانے کا تحفظ کرنے کے لئے اور پوری دنیا پر حاوی ہونے کے سامراج وادیوں کے منصوبوں کے خلاف، مستقل طور سے جدوجہد کرتی رہی ہے۔

اپنی آزادی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر ہم، اُن بہادر شہیدوں کو سلام کرتے ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی کیلئے جنگ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دی تھیں۔ ہم ایک بہتر کل کیلئے انکی جنگ کو آگے لیجانے کی، انکے تصور کے اس آزاد ہندوستان کیلئے جدوجہد کو آگے لیجانے کی قسم کھاتے ہیں جہاں غریبی، بھوک، بیکاری اور بیماری کا نام و نشان نہ ہوگا جہاں مساوات ہوگا اور ایک انسان دوسرے انسان کا استحصال نہ کر سکے گا۔ آج ہم آزادی کے اس ادھورے وعدے کو پورا کرنے کی جدوجہد کیلئے خود کو دوبارہ وقف کرتے ہیں۔ (بشکریہ آبشار کلکتہ)

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت گولڈن جبلی سال میں داخل

از:- مہیشور راؤ

آدھی رات کے وقت جب آج سے ۵۰ سال پہلے آزادی ملی تھی تو کروڑوں افراد نے خوشیاں منائی تھیں اور اس کا والہانہ استقبال کیا تھا۔ اس کے بعد ملک ترقی کرتا چلا گیا اور قوم مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ آزادی کے بعد کے دہائیوں سے ملک تیسری دنیا کی ایک بڑی طاقت بن گیا۔ ناوابستہ تحریک کے ایک بانی ممبر کی حیثیت سے اور دولت مشترکہ کے ایک سرگرم ممبر کی حیثیت سے ہندوستان نے حقوق انسانی کی بحالی کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ ہندوستان نے دیگر سبھی ان ملکوں کے حقوق کیلئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جنہیں پیسنے کی کوشش کی جارہی تھی اور وہاں کے عوام پر زیادتیاں کی جارہی تھیں۔

جدوجہد آزادی کا چمپئن: جن اقوام پر ظلم و ستم ڈھائے جا رہے تھے ان اقوام میں سے نو آباد حکمرانوں سے سب سے پہلے آزادی حاصل کرنے والا ہندوستان تھا۔ نو آباد حکمرانوں اور نسلی جبر کے خلاف پوری دنیا میں سب سے زیادہ جدوجہد آزادی کے لئے ہندوستان نے کی۔ اس کی تازہ مثال اس سے دی جا سکتی ہے کہ اپریل ۱۹۹۴ء میں جنوبی افریقہ سے نسلی حکومت کو ختم کر دیا گیا اور جمہوری حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس سے پہلے اپریل ۱۹۸۰ء میں آئن اسمتھ کی سفید فام اقلیتی حکومت کو گرایا گیا تھا اور اس طرح زمبابوے میں جمہوری حکومت قائم ہوئی تھی اور نسلی مساوات کا دور دورہ شروع ہوا تھا۔

ہندوستان کی جدوجہد کی ستائش ہر جگہ کی گئی جن میں اقوام متحدہ بھی شامل ہے۔ انصاف دلانے کے لئے جنگ کی گئی اور جنوبی افریقہ اور زمبابوے میں مساوات دیکھنے کو ملا۔

چھٹی دہائی اور ساتویں دہائی کے اوائل میں ہندوستان نے ویتنام کی جدوجہد آزادی کی حمایت کی کیونکہ امریکی مقبوضہ فوجوں کے خلاف ویتنامی باشندے آزادی کے لئے جدوجہد کرنے میں مصروف تھے۔ اسی طرح ۱۹۷۱ء میں پاکستانی مقبوضہ افواج کے ہاتھوں سے بنگلہ دیش کو آزاد کرانے میں ہندوستان نے ڈرامائی کردار ادا کیا۔

حقوق انسانی کی بحالی:- یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عالمی سطح پر حقوق انسانی اور انسانی قدروں کی بحالی میں ہندوستان نے اہم کردار ادا کیا اور اپنے ملک میں بھی حقوق انسانی اور انسانی قدروں کی بحالی کو مقدم سمجھا۔ سبھی شہریوں کو شہری اور سیاسی حقوق دیئے گئے۔ ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے اور وہ ترقی کرتے ہوئے اپنے گولڈن جبلی سال میں داخل ہو چکا ہے۔

جہاں تک ہماری جمہوریت کا معاملہ ہے تو یکے بعد دیگرے بحران آتے رہے لیکن ان پر قابو پایا جاتا رہا اور سبھی چیلنجوں کا مقابلہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کیا گیا۔ آدمی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، پارٹیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں لیکن ہماری خود مختار جمہوریت ہمیشہ برقرار رہی۔ جب سے ملک آزاد ہوا ہے سیاسی استحکام کے ادوار دیکھنے کو ملے اور عدم سیاسی استحکام بھی دیکھنے کو ملا اور ایسا مرکز اور کئی ریاستوں دونوں ہی جگہ ہوا۔ جو پالیسی اپنائی گئی تھی وہی پالیسی جاری ہے۔ لیجسلیچروں، ایگزیکیوٹیو اور عدلیہ کے درمیان اقتدار کی علیحدگی کے اصول پر عمل کیا جا رہا ہے۔

جمہوریت کی مضبوطی:- جہاں تک ہمارے جمہوری نظام کا تعلق ہے تو ایک شخص ایک ووٹ کی بنیاد پر قائم ہے اور اسی اصول پر عملدرآمد کیا جا رہا ہے۔ بہت سارے ملکوں میں عدم استحکام کی وجہ سے حکومتوں کو لوٹتے ہوئے دیکھا گیا۔ ملکوں میں بغاوتوں کی وجہ سے ایک کا اقتدار ختم ہوا اور دوسرے کا اقتدار آیا۔ فوجی بغاوتوں کی وجہ سے بھی کئی ملکوں کی حکومتوں کو لوٹتے ہوئے دیکھا گیا۔ آخر ہماری جمہوریت کی مضبوطی کی کیا وجہ ہے۔ اس کا جواب بالکل آسان ہے۔ ہمارے دستور میں سبھی شہریوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ بلا خوف و خطر رہتے ہیں۔ ایک شخص ایک ووٹ کے اصول پر عمل کیا جا رہا ہے اور وہ اصول ایک آفاقی اصول ہے۔

پارلیمنٹ میں الیکٹوریٹ کے مقامی اور علاقائی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے آبادی کو مدنظر رکھتے ہوئے حلقے بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح سبھی ریاستی اور مرکز کے تحت اسمبلی میں متوازن مقامی نمائندگی پر پوری توجہ دی

جاتی ہے۔ اس جمہوری نظام کو ہمارے سیکولر دستور کے تحت چلایا جارہا ہے۔ اور اس کے لئے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نظام میں کسی قسم کی خرابی نہیں پیدا ہوتی اور استحکام اور مضبوطی قائم رہتی ہے۔

یہ بات بھی بڑی دلچسپ اور قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ رائے دہندگان کی تعداد اور ووٹ ڈالنے والوں کی شرح کے لحاظ سے بھی۔ اس لحاظ سے ہندوستان بہت سارے مغربی ترقی یافتہ ملکوں سے بہت آگے ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے رائے دہندگان خواہ وہ دور دراز کے علاقوں میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں وہ مضبوطی کا ایک ستون ہیں اور اس نظام پر عملدرآمد کیا جارہا ہے۔

ہماری پارلیمانی جمہوریت کو اور زیادہ مضبوطی اس وجہ سے بھی حاصل ہے کہ الیکشن کمیشن کی طرف سے موثر اور سخت اقدامات کئے جارہے ہیں۔ پولنگ بوتھوں پر زبردستی قبضہ کرنے اور بدعنوانیوں پر قابو پانے کے سلسلے میں الیکشن کمیشن نے حال ہی میں موثر اور سخت اقدامات کئے ہیں۔ ووٹروں کے لئے فوٹو شناختی کارڈ کا نظام شروع کیا گیا ہے اور مرحلہ وار اس پر عملدرآمد ہورہا ہے یہ ایک بہت بڑا قدم الیکشن کمیشن نے اٹھایا ہے۔ الیکشن کیلئے جو ضابطۂ اخلاق بنایا گیا ہے اس پر بڑی سختی سے عملدرآمد کیا جارہا ہے۔ وہ ایک دوسرا سنگ میل ثابت ہوا ہے۔ عوامی ایکٹ کی نمائندگی کے سلسلے میں حال ہی میں ایک ترمیم کی گئی ہے اس کی وجہ سے الیکشن کے دوران امیدواروں کو زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑے گا اور زیادہ اخراجات کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ ایک حد مقرر کی گئی ہے۔

بنیادی سطح پر جمہوریت:۔ ہماری جمہوریت وفاقی ڈھانچہ کی بنیاد پر قائم ہے۔ لوکل سیلف گورنمنٹ اور گرام پنچایت ایک سیلف گورننگ یونٹ ہے۔ ہندوستان ابھی بھی اپنے دیہاتوں پر زندہ ہے۔ بنیادی سطح پر جمہوریت کے لئے ضروری ہے کہ لوکل سلف گورنمنٹ ہو جو خود انحصار ہو۔ اسکو مدنظر رکھتے ہوئے آزادی کے بعد ہی سے پنچایتی راج کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کی کوشش کی گئی اور اس طرح گرام پنچایتیں اور ضلع پریشدوں کا قیام عمل میں لایا گیا

اس سلسلے میں بلونت رائے مہتہ کمیٹی نے ۱۹۵۷ء میں اس کیلئے پوری طرح جائزہ منظم طور سے لیا تھا۔ اسکے بعد ۱۹۷۸ء میں اشوک مہتہ کمیٹی نے اور ۱۹۸۵ء میں جی وی کے راؤ کمیٹی نے جائزہ لیا ـــــ اس معاملے پر قومی سطح پر ایک کل پارٹی اتفاق رائے ہوا۔ اسکو مدنظر رکھتے ہوئے ایک پارلیمانی پارٹی کی تشکیل کی گئی اور ۱۹۹۲ء میں آخر کار اس پر قومی اتفاق رائے ہوا۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں پارلیمنٹ میں دستوری ۷۳ ویں ترمیم بل منظور کیا گیا۔ بعد میں ریاستی اسمبلیوں کی طرف سے اس کو منظور کیا گیا۔ ۲۴ اپریل ۹۳ء کو پنچایتی راج پر دستوری ۷۳ ویں ترمیمی ایکٹ کو منظور کیا گیا۔ لوکل سلف گورنمنٹ کو زیادہ موثر بنانے کیلئے یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا کیونکہ اس ایکٹ کی وجہ سے دیہی ترقیات میں زیادہ اضافہ ہوتا اور بنیادی سطح پر جمہوریت بھی مضبوط ہوگی۔

دستوری ۷۳ ویں ترمیمی ایکٹ ۱۹۹۲ء کے تحت ریاستوں اور مرکز کے ماتحت علاقوں میں تین سطحی پنچایتی نظام فراہم کیا گیا جس میں ایک گرام پنچایت، انٹرمیڈیٹ پنچایت اور ضلع پریشد ہیں۔ انٹرمیڈیٹ[1] پنچایت کو مختلف ریاستوں میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اس ایکٹ[2] کے قوانین کے تحت ہر پانچ سال کے بعد پنچایتی انتخابات کرائے جاسکتے ہیں۔ اگر پنچایت توڑی گئی تو چھ ماہ کے اندر ہی پنچایتی انتخابات کرانا ضروری ہوگا۔

خواتین کی فلاح و بہبود اور خواتین کے اختیارات بھی زیادہ ہوگئے ہیں۔ ہر سطح پر پنچایتی اداروں میں مجموعی نشستوں کی ایک تہائی نشستیں خواتین کے لئے مخصوص کی جائیں گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ کسی بھی پنچایت باڈی میں کسی بھی سطح پر پسماندہ ذاتوں اور پسماندہ قبائل کو متعلقہ پنچایتی شعبہ میں آبادی کی شرح کے تحت ایس سی اور ایس ٹی کے لئے بھی ریزرویشن دیا گیا ہے۔ جو ریزرویشن دیئے گئے ہیں چیئرپرسن کے عہدوں تک کیلئے ہیں۔

پورے ملک میں پنچایتی راج انسٹی ٹیوشن (پی آر آئی) کی مضبوطی سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ بنیادی سطح پر ترقی ہورہی ہے اور خواتین اور کمزور طبقوں کو زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں۔ متعلقہ ریاستوں/مرکز کے ماتحت علاقوں میں پی آر آئی کو ترقیاتی فنڈ براہ راست پیش کئے جاتے ہیں۔ پی آر آئی کو اتنا

۱؎ مغربی بنگال میں پنچایت سمیتی ہے۔ ۲؎ مغربی بنگال میں ۱۹۷۸ء سے پنچایتی راج کے بنیادی اصولوں کو موثر طور پر برتنے کا رالیا جارہا ہے۔ یہاں پنچایتی راج نظام کے سہ درجاتی اداروں گرام پنچایت، پنچایت سمیتی اور ضلع پریشد کیلئے ۱۹۷۸ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۳ء میں بروقت انتخابات کرائے گئے اور اس نظام کے تحت اقتدار کو لامرکوز بنایا جاسکا۔ ۱۹۹۲ء میں مغربی بنگال پنچایت ایکٹ ۷۳ ویں وفاقی ترمیم کے ذریعہ تینوں درجوں میں آبادی کے لحاظ سے شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب طبقوں کے لئے نشستیں اور خواتین کے لئے کل نشستوں کے کم از کم ایک تہائی نشستیں مخصوص کی گئیں۔ مغربی بنگال میں پنچایتی نظام کے ذریعہ دیہی ترقیات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور دیہی عوام کے معیار زندگی میں بہتری آئی ہے۔ (ادارہ)

(باقی صفحہ پر)

تحریکِ آزادی کے انجان جانبازوں کو سلام

جہاں تک موجودہ نسل کا تعلق ہے تو ان کے لئے آزادی کی جدوجہد ایک شاندار باب کی حیثیت رکھتی ہے اور قوم کی تاریخ میں اسے اہم مقام حاصل ہے۔ ایسی جدوجہد جو عدم تشدد پر مبنی تھی۔ ایک نوآبادیاتی طاقت کے خلاف جنگ تھی اور اسی جدوجہد کی وجہ سے ملک آزاد ہوا اور ہم اسی آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ منانے جا رہے ہیں۔ اسی آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے درمیان ایسے چند مجاہدین آزادی موجود ہیں جنہوں نے آزاد ہندوستان کا خواب دیکھا تھا اور وہ خواب پورا ہوا اور آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ وہ لوگ جو زندہ ہیں ان سے ہم ان کے دور کی باتیں سن سکتے ہیں ان سے دریافت کر سکتے ہیں۔

ایسے بھی مجاہدین اور مجاہدات آزادی موجود ہیں جو انجان بنے رہنا چاہتے ہیں۔ ان جانبازوں نے جنہوں نے اپنی جوانی ختم کر دی زندگی کا قیمتی حصہ قربان کر دیا تاکہ آزادی حاصل کر سکیں۔ انھیں جانبازوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہم آزاد اور کھلی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ان جانبازوں کو یاد کریں گے جنہوں نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن خود کو گمنامی میں رکھا۔

جب آزادی کی جدوجہد ماہ عروج پر پہنچی ہوئی تھی تو ایک نوجوان شخص برطانوی راج کے خلاف سخت جدوجہد کر رہا تھا۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں پر گھونسے برسائے جا رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ تقریباً ۱۲۰ گھونسے پڑ چکے تھے۔ وہ نوجوان کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا، اپنے احتجاج کو جاری رکھے ہوئے تھا۔

دوسرے دن وہی نوجوان پھر حاضر ہو گیا تاکہ مزید گھونسے کھا سکے۔ اس شخص کے بارے میں جو تفصیل بتائی گئی اس سے پتہ چلا کہ مدورائی کے قریب کے گاؤں کا رہنے والا تھا اور جدوجہد آزادی کے انجان جانباز ہیرو کی حیثیت سے تاریخ کے صفحات سے اس شخص کا نام غائب ہو گیا۔

اسی طرح ۱۹۲۸ء میں ضلع تھنجاور پٹیلا دو تھورائی کے قریب پدماسینی اماّ جو کہ ایک کٹر پسند مجاہدہ آزادی سری نواس وردن کی اہلیہ تھیں۔ پدیاترا پر پدیاترا کرتی رہیں اور برٹش راج کے خلاف احتجاج کرتی رہیں۔ کوئی خاص بات یوں تو نہیں معلوم ہوتی اس کے علاوہ کہ وہ حاملہ تھیں۔ اسی مدت کے دوران انھیں دو بار جیل میں ڈالا گیا۔ گرچہ انھوں نے ایک خوبصورت بچی کو جنم دیا تھا لیکن اس بچی کی دیکھ بھال نہیں ہو سکی اور وہ مر گئی۔ پدماسینی اماّ بھی ایک دوسرا پھول ہیں جنہوں نے ہمارے ملک کو برٹش راج سے آزاد کرایا لیکن ان کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور انجان جانبازوں میں شامل ہیں۔

مہاتما گاندھی سے بہت سارے لوگ متاثر ہوئے تھے اور ان میں بے غرض مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ پدیاترا کے لئے آگے بڑھ گئے تھے۔ ایسے ہی لوگوں میں کومبٹور کی سوبری سلیم کے بھوانی سنگھ اور تھیرونیلویلی کے سومائیا جو لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر پدیاترا میں حصہ لیا۔ جن لوگوں کے دلوں میں آزادی کی آگ بھڑک رہی تھی انھیں میں وی۔ او۔ چید مبرانر، صبرامنیا سیوا اور سبرامنیا بھارتی بھی شامل ہیں۔

مہاتما گاندھی کے ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر یہ لوگ آگے بڑھ رہے تھے اور برطانوی حکومت کو چیلنج کر رہے تھے۔ عدم تشدد کی ستیہ گرہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان ہیروز اور ہیروئنوں کے درمیان کسی قسم کا بھید بھاؤ نہیں تھا۔ کون امیر ہے اور کون غریب ہے غرضیکہ ہندو، مسلم، عیسائی، سکھ، جین، بدھسٹ اور پارسی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ لوگ صرف ایک لیڈر کے تحت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

ان مجاہدین آزادی کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ ننگے پیر ہیں، ان کے ہاتھوں کچھ بھی نہیں ہے۔ انھیں تو بس ایک ہی دھن تھی اور وہ یہ تھی کہ کسی بھی طرح انھیں آزادی حاصل ہو جائے۔ معمر تیاگی کرشنا سوامی بھارتی کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں صرف سوراج سمایا ہوا تھا۔

نقیب کی تبدیلی :- مہاتما گاندھی جب قومی منظر پر آگئے تو جدوجہد آزادی ایک اجتماعی تحریک میں تبدیل ہوگئی۔ دیہی نوجوان اور غیر تعلیم یافتہ بھی اس میں شامل ہوگئے۔ یہ گاندھی جی کا کمال تھا کہ عام لوگوں کے درمیان بیداری کی لہر چلادی اور آزادی حاصل کرنے والے متوالوں کی بس یہی ایک مانگ تھی یعنی سوراج۔ ان دنوں گاندھی جی کا ایک ایک لفظ قانون ہوا کرتا تھا۔ ہندوستانیوں کے لئے کانگریس کا نشان تھے۔ گاندھی جی کے اصول اہنسا اور سچائی پر لوگ عمل کرنے لگے۔ دھرنا دینے کے لئے رضاکاروں نے حصہ لینا شروع کر دیا لیکن وہ بہت ہی منظم اور اصولی طور پر کیا جاتا تھا۔ مدورائی میں ان دکانوں کے سامنے جن میں غیر ملکی سامان فروخت ہوتے تھے، ان کے سامنے دھرنا دیا جانے لگا۔ یہ روز کا معمول ہوگیا تھا۔ پولس کا لاٹھی چارج ہوا اور فائرنگ ہوئی لیکن اس کے باوجود رضاکار دھرنا میں حصہ لیتے تھے کبھی نہیں بھاگے۔ جب پولس ان لوگوں کو زدوکوب کرتی تو اس وقت بھی خاموشی اختیار کئے رہتے۔ اس کے علاوہ رضاکاروں کی طرف سے بندے ماترم کے نعرے لگائے جاتے۔ ان رضاکاروں میں مسلم اور عیسائی موقل بھی شامل تھے۔ پولس والے ان لوگوں پر گھونسے برساتے لیکن وہ لوگ خاموش رہتے اور اف بھی نہیں کرتے تھے۔

قومی جدوجہد میں طلبہ :- مہاتما گاندھی کے مقناطیسی یادو سے طلبہ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ہزاروں طلبہ نے اپنی تعلیم کو خیرباد کر دیا اور جدوجہد آزادی میں شریک ہوگئے۔ اے ایس سیوارمن جو بعد میں "دینامانی" کے ایڈیٹر ہوئے وہ بھی اس وقت تحریک میں کود پڑے جب گاندھی جی نے عدم تعاون تحریک شروع کی۔ وہ ان کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے تھے۔ دن کے وقت وہ ایک منیجر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ترونیلویلی ضلع میں کلی دائی کرو چی میں ایک سوادیشی اسکول میں وہ بچوں کو پڑھاتے تھے اور شام کے وقت وہ اہم میٹنگوں میں شامل ہوتے تھے۔

ایک مشہور مجاہد آزادی ٹی۔ چینگل و رائن ۱۹۲۵ء میں اس وقت ایک طالب علم تھے جب گاندھی جی چنائی میں مرینا بیچ پر ایک میٹنگ کو خطاب کرنے والے تھے۔ ان کا اسکول فائنل امتحان عنقریب ہونیوالا

تھا لیکن ان کی یہی خواہش تھی کہ گاندھی جی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ بڑی کوشش کے بعد انھیں اپنی والدہ سے اس کے لئے اجازت ملی۔ ان کے والد برطانوی حکومت میں ایک افسر تھے۔ نوجوان ٹی۔ چینگل ورائن نے اپنے والدین سے ۱۰ روپئے لئے تاکہ کھادی کرتا اور دھوتی اپنے لئے خرید سکیں اور جو کپڑا اس دن پہنا تھا وہ پھر کبھی نہیں اتر سکا۔ ان خیالات کا اظہار مشہور مجاہد آزادی نے خود ہی کیا۔

"تھیاگا چیمل" کرشنا سوامی بھارتی نے بتایا کہ وہ کس طرح مہاتما گاندھی کی شخصیت سے متاثر ہوئے تھے۔ جب ۱۹۲۰ء میں انھوں نے گاندھی جی سے پہلی بار ملاقات کی تھی تو اس کے بعد ہی انھوں نے اپنی زندگی ملک کی آزادی کے لئے وقف کر دی تھی۔ جب انھوں نے اپنے سسر آنجہانی سوما سندرا بھارتی کے گھر پر مہاتما گاندھی سے ملاقات کی تھی اس وقت کرشنا سوامی بھارتی کی عمر صرف ۱۷ سال کی تھی۔ وہ اور ان کی اہلیہ گاندھی جی کے سامنے آئے تھے اور اسی ڈرامائی شروعات سے وہ جدوجہد آزادی میں شامل ہوگئے تھے۔ اسی دوران لوہ اور ان کے خاندان کے متعدد ممبران جیل گئے۔

بعد میں ان کے صاحبزادے لکشمی کانتھن بھارتی جو چیپاک کے ایک طالب علم تھے پولس نے اس لئے گرفتار کر لیا کہ وہ عدالتوں میں دھرنا دیتے تھے۔ انکے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا کر سماعت کیلئے لایا گیا۔ جب ان کی والدہ نے انھیں دیکھا تو وہ زور زور سے رونے لگیں لیکن نوجوان بھارتی نے بے خوف ہوکر کہا تھا "ماں" یہ ہتھکڑی صرف میرے ہاتھ میں ہی نہیں ہے۔ میں جیل جارہا ہوں تاکہ بھارت ماتا کو آزاد کرا سکوں۔ میرے الفاظ کو یاد رکھیں میں ایکدن ضلع کلکٹر بنوں گا جیسی آپکی خواہش تھی اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ انھوں نے بعد میں تعلیم مکمل کی اور مدورائی کے ضلع کلکٹر ہوئے تھے۔

حب الوطنی کے خیالات :- والدین کی طرف سے بڑھاوا دیا جاتا تھا اسکی وجہ سے بھی بہت سارے بچے جدوجہد آزادی میں شریک ہوگئے تھے۔ نوجوان چیلیا کو یہ جذبہ انھیں اپنے والد سے ملا۔ شری سبرامنیم اپنے لڑکے کو حب الوطنی کی میٹنگوں میں لے جاتے تھے حالانکہ اس وقت چیلیا کی عمر سات آٹھ سال کی تھی۔ چیلیا کے والد برٹش حکومت کے ملازم تھے لیکن حکمرانوں کی پرواہ نہیں کی تھی انھوں نے کھادی کے کپڑے خریدے اور انھیں پہننا شروع کر دیا۔

اس زمانے میں رضاکار حب الوطنی کے گیت گاتے تھے اور کوشش

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء | **از:- ایس۔ اے۔ آئیر**

جنگ آزادی کی تاریخ میں ایک اہم دن



● نیتاجی ۲۱ اکتوبر ۴۳ء کو سنگاپور میں آزاد ہند کی عارضی حکومت کا اعلان کرتے ہوئے

ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں ۲۱ اکتوبر ۴۳ء کا دن سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ اس یادگار دن مشرقی ایشیا سے انڈین انڈی پنڈنس لیگ کے نمائندے سنگاپور کے کیتھے سینما ہال میں نیتاجی کا وہ اعلان سننے کیلئے جمع ہوئے جس میں آزاد ہندوستان کی عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ بہت سنجیدہ اور پروقار تقریب تھی۔ سارا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کھڑے ہونے کی ایک ایک انچ جگہ بھی پُر تھی۔ انتظار اور امید کی ہیجانی کیفیت تھی۔ گھڑیال نے ساڑھے چار بجائے۔ نیتاجی ڈائس پر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آہستہ آواز اور نپے تلے لفظوں میں انھوں نے اعلان پڑھا۔ مکمل سکوت اور ہیجانی کیفیت سے معمور ہال میں حاضرین نے نیتاجی کا ایک ایک لفظ سُنا۔ یہ اعلان ڈیڑھ ہزار الفاظ پر مشتمل تھا۔ جس کا مسودہ نیتاجی نے دو دن قبل صرف ایک نشست میں ساری رات بیٹھ کر تیار کیا تھا۔ اس میں بڑی ذہانت سے ۱۸۵۷ کے بعد سے ہندوستان کی تحریک آزادی کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ "عبوری حکومت کا کام یہ ہوگا کہ وہ اس جدوجہد کا آغاز کرے اور اسے چلائے جس کا مقصد ہندوستان کی سرزمین سے انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کو نکالنا ہوگا۔ اس عبوری حکومت کا نصب العین آزاد ہندوستان میں ایسی مستقل قومی حکومت کا قیام ہوگا۔ جو عوام کی خواہشات کے مطابق بنے اور جسے ان کا اعتماد حاصل ہو" اعلان کے آخر میں یہ حوصلہ خیز اپیل تھی۔ "خدا کے نام پر ان پچھلی نسلوں کے نام پر جنہوں نے ہندوستانی عوام کو ایک متحدہ قوم بنایا اور ان شہیدوں کے نام پر جنہوں نے ہمیں جواں مردی اور جاں نثاری کی روایت بخشی۔ ہم ہندوستانی عوام سے اپنے پرچم کے گرد جمع ہونے اور ہندوستان کی آزادی کے لئے جم کر حملہ کرنے کی اپیل کرتے ہیں۔ اعلان پر 'آزاد ہند' کی عبوری حکومت کی طرف سے مندرجہ ذیل لوگوں نے دستخط کئے۔

۱۔ سبھاش چندر بوس (سربراہِ حکومت، وزیر اعظم، وزیر جنگ و امور خارجہ)
۲۔ کیپٹن مسز لکشمی بائی (خواتین کی تنظیم) ۳۔ ایس اے ایئر (پبلسٹی اور پرچار

11

۴۔ لفٹیننٹ کرنل اے سی چیڑجی (مالیات) ۵۔ لفٹیننٹ کرنل عزیز احمد
۶۔ لفٹیننٹ کرنل این۔ ایس بھگت، ۷۔ لفٹیننٹ جے کے بھونسلے
۸۔ لفٹیننٹ کرنل گلزار سنگھ ۹۔ لفٹیننٹ کرنل ایم زیڈ کیانی
۱۰۔ لفٹیننٹ کرنل اے ڈی لوگاناادن ۱۱۔ لفٹیننٹ کرنل احسان قادر اور
۱۲۔ لفٹیننٹ کرنل شاہ نواز (مسلح افواج کے نمائندے)
۱۳۔ اے ایم سہائے (سکریٹری، وزارتی منصب کے ساتھ)
۱۴۔ راس بہاری بوس (مشیر اعلیٰ)، ۱۵۔ کریم غنی ۔ ۱۶، دیب ناتھ داس
۱۷۔ ڈی ایم۔ خان، ۱۸۔ اے۔ یلپا، ۱۹۔ جے تھیوی، ۲۰۔ اے این سرکار
(مشیران قانون)

آزاد ہند کی عبوری حکومت کے قیام کے اعلان کے بعد نیتا جی نے ہندوستان سے وفاداری کا حلف لیا۔ اس وقت کیتھے ہال نے ایک ایسا شاندار منظر دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ جب نیتا جی نے حلف نامہ پڑھنا شروع کیا تو فضا ایک ہیجانی کیفیت سے معمور تھی۔

"خدا کے نام پر میں یہ مقدس حلف اٹھاتا ہوں کہ ہندوستان اور اپنے اڑتیس کروڑ ہم وطنوں کو ...."

نیتا جی پڑھتے پڑھتے ٹھہر گئے۔ وہ آگے نہیں پڑھ سکے۔ وفور جذبات سے ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ ان کے رخساروں پر آنسو بہہ نکلے۔ انھوں نے اپنا رومال نکالا اور آنسو پونچھے۔ سارے ہال میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ حاضرین میں سے بہت سے لوگ ان کے کرب اور طوفانِ جذبات میں شریک تھے۔ ان کے بھی آنسو بہہ نکلے۔ اس لمحہ نیتا جی اپنے سامنے بیٹھے ہوئے حاضرین کو بھول گئے۔ ان کی آنکھیں ماضی کے شہیدوں اور انقلابیوں کی ایک لمبی قطار دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنے سامنے ہندوستان میں آزادی کے لئے لڑنے والے لاکھوں بھتے انسانوں کو دیکھ رہے تھے جو اس وقت بھاری اسلحہ سے لیس غیر ملکی حاکموں سے لوہا لے رہے تھے۔ نیتا جی کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ حلف نامہ آگے نہ پڑھ سکے لیکن پھر انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پڑھنا شروع کیا۔

"میں سبھاش چندر بوس اپنی زندگی کی آخری سانس تک آزادی کی مقدس لڑائی لڑوں گا۔

"میں ہمیشہ ہندوستان کا خدمت گزار رہوں گا اور اڑتیس کروڑ ہندوستانی بھائیوں اور بہنوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا میرا اعلیٰ ترین فریضہ ہوگا۔

"یہاں تک کہ آزادی کے حصول کے بعد ہندوستان کی آزادی کی حفاظت کیلئے اپنے لہو کا آخری قطرہ بہانے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔"

جب نیتا جی حلف لے چکے تو ہیجانی تناؤ کی فضا ختم ہوئی اور حاضرین مجنونانہ نعرے لگاتے رہے۔ "انقلاب زندہ باد" "آزاد ہند زندہ باد" اور ان نعروں سے دیر تک فضا گونجتی رہی۔ (اقتباس از آزاد ہند فوج کی کہانی مطبوعہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا) ■■

آزادی کے متلاشی

وہ لوگ مجھے خواب بیں کہتے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں خواب بیں ہوں۔ میں ہمیشہ سے خواب بیں رہا ہوں حتیٰ کہ جب میں ایک بچہ تھا، دنیا کی ترقی کا دارومدار خواب بینوں اور ان کے خوابوں پر ہوتا ہے ــــ جو استحصال اور بربریت اور دائمی نا انصافی کے خواب نہیں بلکہ ترقی کثیر التعداد عوام کی خوشی، تمام اقوام کی حریت اور آزادی کے خواب ہیں۔

میں ہمیشہ خواب بیں رہا ہوں لیکن میرے تمام خوابوں میں میری زندگی کا سب سے عزیز خواب ہے ہندوستان کی آزادی کا خواب۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خواب بیں کیلئے باعث نیک نامی نہیں ہے۔ میں اس پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ وہ لوگ میرے خوابوں کو پسند نہیں کرتے لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اگر میں نے ہندوستان کی آزادی کا خواب نہیں دیکھا ہوتا تو ابتک دائمی غلامی کی زنجیر کو قبول کر لیا ہوتا۔

اصل میں سوالیہ نشان یہ ہے کہ کیا میرے خواب شرمندۂ تعبیر ہوں گے؟ میں تسلیم کرتا ہوں وہ سب اب زینہ بزینہ شرمندۂ تعبیر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ فوج ایسا ایک خواب ہے، جو حقیقت میں بدل گیا ہے۔

نہیں میں خواب بیں ہونے میں شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔

۲۷ ستمبر ۱۹۴۴ء سبھاش چندر بوس

انگریزی سے ترجمہ

تحریکِ آزادی میں اردو شاعری کا کردار

از: جاں نثار اختر

یہ حقیقت ہے کہ اردو شاعری نے ہندستان کی سیاسی تاریخ کو پوری طور پر اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اردو شاعری نے صرف سیاسی واقعات اور حالات کی تصویریں ہی ہمارے سامنے پیش نہیں کیں بلکہ ہر عہد کی سماجی اور سیاسی تحریکات کو بڑھاوا دینے میں اس کا زبردست ہاتھ رہا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ادیب اور شاعر وقتی سیاست میں بہہ سکتا ہے مگر وہ سیاسی تحریکات کے طوفان میں تنکے کی طرح نہیں بہہ جاتا، وہ دریاؤں کا رُخ موڑتا اور موجوں کو اپنے قابو میں لاتا ہے ـــــ وہ طوفان و انقلاب کے لئے فضا تیار کرتا ہے وہ ماضی کا امین، حال کا اشاریہ اور مستقبل کا پیمبر ہوتا ہے۔ وہ دلوں کی گہرائی میں اترتا ہے، جہاں آرزوئیں مچلتی اور کروٹ لیتی ہیں اور ان تاریک وادیوں میں ایک بڑے نصب العین کی شمع جلاتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے جیسے زمانے کے ساتھ سماجی اور سیاسی شعور بڑھتا گیا اردو شاعری اس سے مزید قوت حاصل کرتی گئی۔ اس پورے سرمائے میں ہم کو مختلف ذہنی سطحوں پر نظمیں ملیں گی۔ وہ نظمیں جو برطانوی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کی حیثیت رکھتی ہیں ان معنوں میں بھی اہم ہیں کہ ان کے کہنے والوں نے جس جرأت مندی اور باغیانہ عمل کا اظہار کیا ہے وہ برائے بیعت نہ تھا بلکہ ان میں کچھ ایسی ہی لگن تھی کہ وہ ہر خطرہ مول لینے کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔ آزادی کا وہ جذبہ جو دار و رسن کو ہیچ سمجھتا ہے ان میں بیدار تھا۔ ہمارے ایک نقاد نے بہت خوبصورت بات کہی ہے کہ "سیاسی شاعری اور عبادت میں کوئی خاص فرق نہیں"۔ اپنی جان پر کھیل کر شعر کہنا اصلی سیاسی شاعر کا کام ہے۔

بعض اوقات یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ وہ ادیب اور شاعر جو براہ راست عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے وہ سیاسی شاعری کیسے کر سکتے ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں۔ یہ بات شاعر کے شعور اور ادراک سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک نقاد نے کہا ہے کہ سیاسی موضوعات اور سیاسی شخصیات کے ساتھ شاعر کا وہ رشتہ اکثر اوقات قائم نہیں ہوتا جو شاعری کی بنیاد ہوتا ہے۔ غالباً اس کے کہنے کا یہی مطلب ہے کہ ایسے شاعروں کو جو عملی سیاست میں نہیں، سیاسی موضوع پر طبع آزمائی نہ کرنی چاہیئے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے مضمون "ہندستان کی جنگِ آزادی میں اردو شعراء کا حصہ" میں اسی بات کا جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیاسی شاعری کے اچھے یا بُرے ہونے کا انحصار شاعر کے ذاتی کردار یا اس کی سیاسی سرگرمیوں پر نہیں ہے بلکہ اس کی قوت پر ہے جو اس کی شاعرانہ شخصیت کو متحرک کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ سیاسی اور عوامی تحریکات و شخصیات کے ساتھ ذاتی رابطہ قائم کرنے کے باوجود کوئی شاعر انھیں اپنی شاعری کا موضوع بنانے میں کامیاب نہ ہو اور ممکن ہے کہ کوئی شاعر طوفان کے قلب سے دور رہ کر بھی اپنے تخیلی تجربے کی قوت و فرحت کے بل پر طوفان کے تلاطم کو شعر کا قالب عطا کر دے"۔ ایک اور سوال بھی اس ضمن میں ہمارے سامنے آتا ہے کہ کیا اس طرح کی شاعری محض سیاسی پروپگنڈہ ہو کر نہیں رہ جاتی؟ یہ سوال بنیادی طور پر اس حقیقت نگاری کے تحت آتا ہے جو عوام کو سیاسی اور جمالیاتی تعلیم دینے کی مدعی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عوام ہر اس ادب کو رد کرتے ہیں جو سیاسی سوجھ بوجھ تو دے لیکن جمالیاتی جذبے کو تسلّی نہ بخشے۔ ساتھ ہی اُس جمالیاتی یا خاص فنی معیار کو بھی اہمیت نہیں دیتے جو ادب یا شاعری کو ان کی زندگی سے دور لے جانے والا ہے۔ شاعری چاہے وہ سیاسی موضوعات ہی پر مشتمل کیوں نہ ہو زندگی کے شعور اور زندگی کے حسن کو اجالنے والی ہونی چاہیئے۔ ہم یہ دعویٰ تو نہیں کرتے کہ اردو کی ساری سیاسی شاعری اس معیار پر پوری اترتی ہے لیکن ایک معتدبہ حصہ ایسا ضرور ہے جو کسی طور سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ اردو کے ابتدائی دور کی شاعری میں ہم قومیت یا حب وطن کا وہ تصور تو نہیں پا سکتے جو حقیقت میں یورپ کی دین اور اٹھارہویں صدی کی پیداوار ہے۔ اس دور میں جو کچھ کہا گیا۔ قدیم شعراء نے جو شہر آشوب لکھے ہیں ان میں اپنے عہد کی تصویر کشی ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کہیں کہیں تنقیدی نظر بھی ڈالی ہے۔ جیسے جیسے اردو شاعری آگے

قدم بڑھاتی رہی اس میں وہ قدریں پیدا ہوتی گئیں جو خیال اور فن دونوں اعتبار سے معیاری شاعری کو جنم دیتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بقول سردار جعفری "اردو والوں نے آزادی کی جد و جہد کو قومی دائرے تک محدود نہیں رکھا۔ اس کے دائرے بین القومیت سے ملائے اور اس طرح ایک زیادہ جاندار اور بہتر شعور کو عام کیا۔"

ہم اردو شاعری پر یقیناً فخر کر سکتے ہیں جو صحیح معنوں میں ہندوستانی سیاسی تحریکات کا ایک معتبر تاریخی ذخیرہ ہے اور فنی اعتبار سے بھی وقیع ہے۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۵ء تک کا زمانہ بھی ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس شورش انگیز زمانے میں بہت سے اشخاص کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ مالیگاؤں ضلع ناسک کے سلیمان شاہ، مدھو قریدن، محمد شعبان اور اسرائیل احمد رکھا وغیرہ و اصیل میں پھانسی دی گئی۔ اس سے پورے ہندوستان کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں کاکوری کیس چلا۔ ۸ اگست ۱۹۲۵ء کو شاہجہاں پور میں انقلاب پسندوں کا ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت رام پرشاد بسمل نے کی جس میں انقلاب کے لئے دربار سرمایہ حاصل کرنے کی غرض سے خزانہ لے جانے والی ٹرین کو لوٹنے کا تہیہ کیا گیا۔ یہ کام اشفاق اللہ خاں کے سپرد ہوا اور کاکوری میں لوٹ لیا گیا۔ اشفاق اللہ خاں شہید اور رام پرشاد بسمل دونوں کو گرفتار کر لیا گیا اور پھانسی دے دی گئی۔ اشفاق اللہ خاں جو فیض آباد جیل میں ۱۸ دسمبر کو پھانسی پر جھول گئے اردو کے اچھے غزل گو تھے۔ ان کے چند شعر دیکھئے۔

سبھی سامانِ عشرت تھے مزے سے اپنی کٹتی تھی
وطن کے عشق نے ہمکو ہوا کھلوائی زنداں کی
وہ گلشن جو کبھی آباد تھا گزرے زمانے میں
میں شاخ خشک ہوں ہاں ہاں اسی اجڑے گلستاں کی
یہ جھگڑے اور بکھیڑے میٹ کر آپس میں مل جاؤ
یہ تفریق عبث ہے تم میں ہندو اور مسلماں کی

اسی طرح رام پرشاد بسمل اردو کے وہ شاعر تھے جن کی غزلوں میں وطنی جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ ان کی وہ غزل جو ایک وقت ہندوستان کے بچے بچے کی زبان پر تھی آج بھی اس عہد کی یادگار بن کر ہمارے ذہنوں میں زندہ ہے

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

بعض محققین ادب اس غزل کو کسی اور بسمل کی بتاتے ہیں لیکن ابھی تک ہماری نظر سے کوئی ایسا ثبوت نہیں گزرا۔

بلگام کے کانگریس کے اجلاس (۱۹۲۴ء) میں مہاتما گاندھی کے یہ الفاظ کہ "میں سلطنت کے اندر رہ کر سوراج کے لئے جد و جہد کروں گا۔ لیکن اگر برطانیہ کی غلطی سے ضرورت آ پڑی تو میں سلطنت برطانیہ سے تمام تعلقات توڑ لوں گا۔" بہت معنی خیز تھے اور ایک معنوں میں مکمل آزادی کے مطالبے کی بنیاد بننے والے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن کی آمد پر اور بھی ہنگامہ اٹھا، ظفر علی خاں کی نظم "سائمن کمیشن کا مقاطعہ" اور جوش ملیح آبادی کی نظم سائمن کمیشن وغیرہ اس دور کی یادگار نظمیں ہیں۔ اسی سال کانگریس کے کلکتہ اجلاس میں جواہر لال نہرو اور سبھاش چندر بوس نے مکمل آزادی کے لئے آواز اٹھائی۔ آخر کار ۱۹۳۰ء میں کانگریس کے انقلاب پسندوں کی اعتدال پسندوں پر جیت ہوئی اور مکمل آزادی کانگریس کا آدرش قرار پایا۔ چنانچہ اسی سال مارچ میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ ہزاروں کو جیل بھیج دیا گیا۔ ہزاروں گولی سے مارے گئے لیکن تحریک جاری رہی۔

اسی سال برطانوی حکومت نے پہلی گول میز کانفرنس کی لیکن کانگریس نے شرکت سے انکار کر دیا۔ دوسری کانفرنس سے قبل مہاتما گاندھی اور دوسرے لیڈروں کو رہا کر دیا گیا، کانگریس نے اس میں شرکت کی لیکن فرقہ وارانہ مسئلہ مسلم لیگ نے کھڑا کر رکھا تھا اس کی بناء پر کوئی حل نہ نکل سکا۔ تیسری کانفرنس کے نتیجے میں "وہائٹ پیپر" شائع ہوا لیکن گاندھی جی اس سے مطمئن نہ تھے۔ انھوں نے دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کی جو ۳۴ء تک جاری رہی۔ آخر کار ۱۹۳۵ء میں نیا قانون مرتب ہوا اور ملک میں کانگریس اور مسلم لیگ کی وزارتیں وجود میں آئیں۔ اس دور میں اردو شاعری برابر اپنا رول ادا کرتی رہی۔ تلوک چند محروم، ظفر علی خاں، جوش ملیح آبادی، روش صدیقی، حفیظ جالندھری، جمیل مظہری، آنند نرائن ملا، آزاد انصاری، جعفر علی خاں اثر، احسان دانش، علی جواد زیدی، جن کی مختلف نظمیں اس کا بین ثبوت ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو ادب نے جنگ آزادی کی مکمل طور پر ترجمانی کی ہے۔ ہم اس وقت

اردو کے صرف شعری ادب سے بحث کر رہے ہیں ورنہ اردو کی افسانہ نگاری بھی آزادی کی تحریک کا ساتھ دینے میں برابر کی شریک ہے۔

وزارتوں کے قیام کے بعد بہت کچھ پابندیاں اٹھنے لگی تھیں اور دوسری طرف زرعی اصلاحات پر بھی توجہ دی جانے لگی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران روس میں اشتراکی نظریہ عملی صورت اختیار کرنے لگا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں بالآخر زار کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور مارکسی نظریات نے عالمی مقبولیت حاصل کرلی شروع کی۔ ہندوستان میں ۱۹۱۹ء ہی میں مزدوروں کا طبقہ اپنی تنظیم کر چکا تھا اور رفتہ رفتہ اس کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ اس تحریک پر اگر ایک طرف انقلاب روس کے اثرات پڑے تو دوسری طرف مختلف سوشلسٹ اور ترقی پسند جماعتیں خود ہندوستان میں وجود پذیر ہو رہی تھیں۔ ان مختلف جماعتوں کو پنڈت جواہر لال نہرو، اشوک مہتا، سوبھاش چندر بوس، پی سی جوشی، اجے گھوش، سوہن سنگھ جوش، ایم این رائے وغیرہ کی سرپرستی حاصل تھی۔

۱۹۳۵ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد ہندوستان میں پڑی جس کی پہلی کانفرنس اپریل ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں منشی پریم چند کے زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس انجمن کو پنڈت نہرو، سے پرکاش نارائن، اچاریہ نریندر دیو، یوسف مہر علی، سجاد ظہیر، ڈاکٹر علیم جیسے مارکسسٹ دوستوں نے بڑھاوا دیا، ٹیگور اور پریم چند اور ڈاکٹر عبدالحق کی اعانت حاصل تھی۔ ٹیگور نے ترقی پسندوں کے نام جو پیغام دیا تھا اس میں کہا تھا:

" ملک کا ذرہ ذرہ دکھ کی تصویر بنا ہوا ہے، ہمیں اس غم واندوہ کو مٹانا ہے اور از سر نو زندگی کے چمن کی آبیاری کرنا ہے۔"

جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے ایک بہت بڑا گروہ شاعروں کا ابھرا جو اردو ادب پر چھا کر رہ گیا۔ اس میں مجاز، جذبی، جاں نثار اختر، فیض احمد فیض، مخدوم، سردار جعفری، علی جواد زیدی، شمیم کرہانی، سلام مچھلی شہری وغیرہ خاص اہم نام ہیں، آزادی کی خواہش اور غلامی کے خلاف نفرت کے ساتھ اس وقت اردو شاعری میں اقتصادی اور معاشرتی مسائل بھی ابھر کر سامنے آنے لگے۔ ملوکیت اور سرمایہ داری کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ ہوا۔ اگرچہ ابتدا میں ادب میں نعرے بازی زیادہ ہوئی لیکن رفتہ رفتہ طبقاتی محرکات اور اقتصادی حالات کے تجزیے پر توجہ دی جانے لگی۔ ہم نے اس باب کے دوسرے حصے میں ان نظموں کا ایک مختصر انتخاب دیا ہے جو اشتراکی اثرات کے تحت کہی گئیں۔ یہ بات کم اہم نہیں ہے کہ مارکسزم کے اثرات انقلاب روس سے بھی پہلے اردو شاعری میں در آئے تھے۔ اقبال کی نظم "خضر راہ" جس کا ایک اقتباس ہم نے "سرمایہ و محنت" کے نام سے دیا ہے۔ ۱۹۱۲ء کی کہی ہوئی ہے۔ اس نظم میں جو دردمندی اور جو مجاہدانہ لہجہ ہے اور جس انداز میں بیداری اور عمل کا پیغام دیا گیا ہے وہ اردو کی کم نظموں میں نظر آتا ہے۔ آل احمد سرور نے ٹھیک کہا ہے کہ " یہ نظم " *New Testament* " کی حیثیت رکھتی ہے"۔

حسرت موہانی انقلاب روس کے بعد ہی مارکسزم سے متاثر ہوئے انھوں نے ۱۹۲۶ء میں جو خطبہ استقبالیہ پہلی آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کانپور میں دیا تھا اس کی ایک تاریخی حیثیت ہے۔ اقبال کی "خضر راہ"، "لینن خدا کے حضور میں"، "الارض للہ"، "فرمان خدا" ان کی اسی سلسلے کی نظمیں ہیں۔ (اقتباس از دیباچہ "ہندوستان ہمارا" مرتبہ جاں نثار اختر)

جشن زمیں پر

علقمہ شبلی

(۱)

طوفانِ طرب ساتھ لئے آیا ہے
خوشیوں کا سبب ساتھ لئے آیا ہے
آزادی کا یہ جشنِ طلائی شبلی
احساس عجب ساتھ لئے آیا ہے

(۲)

گر وقت کا رُخ موڑ سکو تو جانیں
ٹوٹے ہوئے دل جوڑ سکو تو جانیں
آزادی کا یہ جشن مبارک لیکن
مغرور کا سر توڑ سکو تو جانیں

چلو کہ عہدِ وفا پھر سے استوار کریں

اثر:- جاں نثار اختر

افقِ وقت سے پھوٹی ہیں شعاعیں کیا کیا
روشنی ہے کہ سرِ حدِ نظر آ پہنچی
ہم نے جس موجِ گُلِ تر کی قسم کھائی تھی
آج نزدیک وہ موجِ گُلِ تر آ پہنچی
کہکشاں جن کے جو خوابوں میں جھلکتی تھی کبھی
زیرِ پا آج وہی راہ گزر آ پہنچی
ایسا لگتا ہے کہ بن باس کے دن بیت گئے
رام کے لوٹ کے آنے کی خبر آ پہنچی
آؤ ماتھے کے پسینے سے تراشیں موتی
زلفِ لیلائے وطن تا بہ کمر آ پہنچی
اور کچھ دیر کی ہے بات کہ اعلان کریں
اپنے خوابوں کی جواں سال سحر آ پہنچی
روحِ فن جاگ ذرا روحِ سخن جاگ ذرا
فکرِ نو لے کے کوئی مصرعۂ تر آ پہنچی

نظر نظر کو جو ہے تیرا انتظار تو ہو
عروسِ صبح، مکمل ترا سنگھار تو ہو
کوئی کسر نہ رہے تیرے زیب و زینت میں
بہارِ خلد ذرا جی میں شرمسار تو ہو
حرم ہو دیر ہو تیرے اسیر ٹھہریں گے
یہ تیری زلف ذرا اور تابدار تو ہو
ابھی تو گوشۂ طرفِ نقاب اٹھا ہے
جہاں فروز ترا حسنِ تازہ کار تو ہو
بہت ہیں تجھ کو سیاست سے چاہنے والے
ہماری طرح کوئی تیرا جاں نثار تو ہو

اے وطن! تیرے لئے عرصۂ پُرخار میں بھی
اپنی پلکوں پہ چنے خواب بہاریں ہم نے
تیری تاریخ لکھی اپنے لہو سے برسوں
بازیاں تیرے لئے جان کی ہاریں ہم نے
دے کے ماتھے پہ ترے اپنے لہو کا ٹیکا
تیری زلفیں ترے شانے پہ سنواریں ہم نے
آج بھی تجھ سے وہی عہدِ وفا ہے اپنا
تھام رکھا ہے ترا دستِ نگاریں ہم نے

چلو کہ حرفِ وفا آج پھر سے دُہرائیں
چلو کہ عہدِ وفا پھر سے استوار کریں
ہمیں نے موسمِ برق و بلا کو بدلا تھا
چمن کی آب و ہوا اور سازگار کریں
نہیں کہ چارۂ غم ہائے روزگار نہیں
اٹھو کہ چارۂ غم ہائے روزگار کریں
چمن کے پھول نہ ہوں چند دامنوں کے لئے
نئے طریق سے گلشن کا کاروبار کریں
کہاں وہ دور کہ فرصت کے رات دن ڈھونڈیں
ہر ایک لمحہ کو وقفِ نشاط کار کریں
یقیں ہے وقت کا پہیا ہمیں سے گھومے گا
کچھ اور قوتِ بازو پہ اعتبار کریں
چھلک اٹھیں گے فضا میں ہزار مے خانے
ذرا سی دیر تو مے خوار انتظار کریں

●

(نظم "جشنِ سیمیں پر" سے اقتباس)

جمیل مظہری کی قومی شاعری

آتما : منظر اعجاز

اردو شاعری کے احساس جمال اور ذوق تفکر کی اصلاح و تربیت کا دور آزاد اور حالی کی نظم نگاری سے شروع ہوا اور یہی اردو شاعری کے جدید دور کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا۔ جذبۂ حب وطن اور قومی شعور کی بیداری اس دور کا طرۂ امتیاز ہے۔ حب الوطنی کے جذبے کو فروغ دینے کے لئے مناظر قدرت کے نظارے سے لطف اندوزی کا ذوق پروان چڑھا۔ اس دور میں قومیت اور وطنیت کی فلسفانہ تاویلات بھی سامنے آنے لگیں۔ حالانکہ قومیت کا شعور جتنا فطری ہے اتنا ہی فطری جذبۂ حب وطن ہے۔ جذبہ کی سطح پر وطن سے قلبی وابستگی اور والہانہ شیفتگی اردو شاعری کے اولین دور سے ہی پائی جاتی ہے۔ ہندستانی رسم و رواج، مختلف تہوار، روایات و رسوم، فکر و اعتقاد، پہاڑ اور دھادے، میلے ٹھیلے، ندی نالے اور فطری حسن کی جلوہ سامانیاں اردو شاعری کے محبوب و مرغوب موضوعات میں شامل رہی ہیں۔ ولی، سراج، فائز اور نظیر تک اس سلسلے کی ارتقائی سمت و رفتار دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر آزاد، حالی، اقبال، اسمٰعیل، چکبست، سرور، محروم اور جمیل وغیرہ اسی روایت کی کڑی ہیں۔ آزاد اور حالی کی حیثیت بانیان مدرسہ کی سی ہے لیکن حالی اور اقبال ایسے شاعر ہیں جنہوں نے اپنے معاشرے، متاخرین اور شعرائے مابعد کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ چنانچہ سرور کے قومی وطنی ترانے پر اگر حالی کے اثرات نمایاں ہیں تو چکبست پر اقبال طاری ہیں۔ جمیل کا اسلوب مختلف قومی عناصر سے مرکب ہو کر بالکل اچھوتا اور نادر ہو گیا ہے۔ چنانچہ انکی عشقیہ شاعری کے بعض حصے بھی قومی وطنی شاعری کے حدود میں داخل ہو گئے ہیں۔

جمیل مظہری کی عشقیہ نظموں میں رومانی افسردگی کی جھلک بالعموم پائی جاتی ہے لیکن بعض نظمیں ایسی ہیں جن کے پس منظر میں ہندستانی رنگ گہرا معلوم ہوتا ہے۔ "ستارہ" صرف شاعر کے سینوں کی راجکماری ہی نہیں وہ ایک آدرش ہندستانی استری ہے جو پریت کی ریت نبھاتے ہوئے اپنا سب کچھ نچھاور کر سکتی ہے۔ ستارہ کی یاد شاعر کے دل سے "ترانۂ سحر" بنکر ابھرتی ہے اور ذرے ذرے میں روح بنکر سما جاتی ہے۔

اٹھو عمر شب مختصر ہو رہی ہے　　دعا کامیاب اثر ہو رہی ہے
بکھرتے ہیں جلوے بکھرتی ہیں ظلمت　　سحر ہو رہی ہے سحر ہو رہی ہے

سرکتی ہیں چہرے سے زلفیں کسی کی　　ہوئی جاتی ہے چاندنی پھیکی پھیکی
کہیں دل نے چھیڑا ہے ساز محبت　　سنو آ رہی ہے صدا بانسری کی
پریشاں ہے نکہت صبا جھومتی ہے　　شجر جھومتے ہیں، فضا جھومتی ہے
ترنم سے لبریز ہے قلب شاعر　　لب آرزو پر دعا جھومتی ہے
بھجن گانے مندر میں اٹھے پجاری　　زبان سخنور پہ ہے حمد باری
یہ پہلا پہر اور جلووں کی بارش　　فرشتوں کی آنکھوں سے آنسو ہیں جاری
یہ پچھلا پہر اور یہ تنہائی میری　　تخیل کی دنیا اندھیری اندھیری
کدھر ہے ارے او جواں مرگ شاما　　جگہ بزم فطرت میں خالی ہے تیری
ہے پھولوں کی خوشبو پریشان ابتک　　چمن کی فضائیں ہیں حیران ابتک
ترے سوگ میں ہیں تری سیرگاہیں　　ندی کا کنارہ ہے سنسان ابتک
بہار آ کے گلشن میں گاتی ہے اب بھی　　گھٹا بال بکھرائے آتی ہے اب بھی
وہ شاخ آم کی جس پہ جھولا تھا تیرا　　ہوا آ کے اس کو جھلاتی ہے اب بھی
ترے جلوے مہماں ہیں ابتک نظر میں　　پریشاں ہیں آہیں تلاش اثر میں
اس اجڑے ہوئے دل میں تیرا تصور　　کہ چھٹکی ہوئی چاندنی ہے کھنڈر میں
قسم تجھ کو افسردگیٔ قمر کی　　قسم تجھ کو تقدیر شمع سحر کی
ادھر آ تجھے ڈھونڈتی پھر رہی ہے　　نسیم جنوں خیز پچھلے پہر کی
ادھر آ تجھے لے کے صحرا کو جائیں　　چنیں پھول اور رچ کے مالا بنائیں
چلیں چل کے بیٹھیں گھنی جھاڑیوں میں　　بہم عقدم صبح کے گیت گائیں

ہندوستانی رنگ کے پس منظر میں اس آدرش استری کی معصوم زندگی جمیل مظہری کی پوری نظم میں دیکھی جا سکتی ہے جو انھوں نے ۱۹۲۸ء میں اپنے ایک عزیز دوست کی لڑکی کے لئے لکھی تھی۔ سانولی سلونی اور موہنی مورت، رادھا کا روپ دھار لیتی ہے جس کا تقدس بیک وقت محبت و عقیدت دونوں کا متقاضی ہے۔ جمیل مظہری کی ایک لوری میں بھی یہی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔

سانولی صورت روپ سلونا　　نرمل چاندی نرمل سونا
چاند سا مکھڑا کامنی رنگت　　رادھا کی من موہنی صورت
میری پیاری سو جا سو جا　　راج دلاری سو جا سو جا

جھونکے رک رک کر چلتے ہیں　　ندی تھم تھم کر بہتی ہے
جھوم رہی ہے ڈالی ڈالی　　شام سے فطرت اونگھ رہی ہے

میری پیاری سوجا سوجا
راج دلاری سوجا سوجا

آنچل میں پھولیں جو کلیاں　　اس سے مہکیں دیس کی گلیاں
سر پہ ہو عظمت کی چادر　　گودی میں پرتاپ اور اکبر

میری پیاری سوجا سوجا
راج دلاری سوجا سوجا

گھر کی لچھمی بن کر رہنا　　ساس کی بیٹی بنکر رہنا
نور جہاں کی ثانی ہونا　　بھارت کی مہارانی ہونا

میری پیاری سوجا سوجا
راج دلاری سوجا سوجا

پھیلی ہے مہتاب کی چادر　　چھٹکے ہیں آکاش پہ تارے
سوتی جیسی والا جوگی　　سوئے من میں طائر سارے

میری پیاری سوجا سوجا
راج دلاری سوجا سوجا

ان دونوں نظموں میں ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا جو بانکپن نظر آتا ہے وہ قومی وطنی شاعری کی مایہ داری کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے لیکن اس سے قطع نظر اردو کی شعری شاعری کا یہ نادر اسلوب ہے جو جمیل مظہری کے متقدمین، معاصرین اور متاخرین کے ہاں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ جمیل مظہری کا عاشق اپنے پہلو میں چوٹ کھایا ہوا دل سنبھالے رکھتا ہے۔ وہ اختر کے کامیاب و بامراد عاشق سے مختلف ہے۔ اسی طرح جمیل کی عذرا بھی اختر شیرانی کی سلمیٰ سے مختلف انداز رکھتی ہے۔ وہ ہندوستانی معاشرے کی ایک بے بس اور بے سہارا گھریلو لڑکی ہے جو فرض اور محبت کی کشمکش میں مبتلا رہتی ہے اور آخر کار فرض کی بلی بیدی پر بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح علامہ جمیل مظہری ہندوستانی تہذیب، معاشرت اور روایات و رسوم کے رسیا دکھائی دیتے ہیں۔ یہ وہ فکری تہذیبی عناصر ہیں جن سے جمیل مظہری کے جذبے کی تہذیب اور شعور کی تربیت ہوئی ہے۔ ہندوستانیت ان کی روح میں رچی بسی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک داخلی کیفیت کے طور پر ان کی شاعری میں ابھرتی ہے ان کی غزلوں میں بھی بکثرت ایسے اشعار موجود ہیں جن پر ہندوستانیت کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ آگے چل کر اس میں ترقی پسند رجحان کی سرکاری بھی دکھائی دینے لگتی ہے۔

جمیل مظہری شباب کی منزل سے آگے قدم بڑھاتے ہیں تو بیسویں صدی کے سیاسی اور سماجی مسائل ـــــ وطن کی محبت، آزادی کی جدوجہد، سرمایہ دارانہ استحصال پسندی اور حالات حاضرہ کی دوسری کشمکشوں کو اپنی فنی تجربات کے موضوعات میں شامل کر لیتے ہیں لیکن وہ اپنی مخصوص افتاد طبع کی وجہ سے افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتے چنانچہ ان کی نظموں میں تازگی اور دلکشی اور تغیرات زمانہ اور تحویلات ارضی و سماوی کے باوجود برقرار رہتی ہے۔ ان کی انقلابی و سیاسی نظموں میں ترقی پسند نقطۂ نظر کی کارفرمائی ضرور دکھائی دیتی ہے لیکن ہر جگہ ایک تعمیری زاویۂ نگاہ بھی ملتا ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی کا یہ خیال درست ہے کہ "ان کی نظموں میں مادر وطن کا احترام بھی ہے اور غلامی کا کرب بھی اس لئے ان کی آواز میں رس اور نغموں کا ایسا گداز ہے جو پڑھنے والے پر ایک خوشگوار اور دیرپا اثر چھوڑتا ہے[1]"

جمیل مظہری اپنی مادر وطن، اپنی بھارت ماتا کے چرنوں میں کومل بھاؤنائیں سمرپت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

او ماتا او بھارت ماتا　　تجھ پہ خدا کی رحمت ماتا
سندر تو ہریالی تو ہے　　دھانی آنچل والی تو ہے
پھول کھلائیں تیری ہوائیں　　من برسائیں تیری گھٹائیں
شہد کی نہریں دودھ کی دھاریں　　گودی میں جنت کی بہاریں
میٹھے میٹھے پھل دیتی ہے　　اَن دیتی ہے جل دیتی ہے
کنگن اور چوڑی کی جھنا جھن　　شاعر کے دل کی ہر دھڑکن
نام ترا جپتی ہے ماتا　　تو کتنی پیاری ہے ماتا
چاندنی راتوں کے جلوے میں　　بندرابن کے سناٹے میں
جب تاروں کی سبھا سجتی ہے　　ہر دے کی بنسی بجتی ہے
آدھی رات کو کالی کوئل　　موسم کی متوالی کوئل
پھیلتی ہے جب آم کی خوشبو　　گیت ترا گاتی ہے کوکو
جگ دیتا ہے تجھکو دعائیں　　ہم ترا گُن کس طرح نہ گائیں

اس سلسلے میں آگے موڑ پر غلامی کی داستان بھی چھیڑتے ہیں جس کا انداز دردانگیز اور پیرایہ موثر ترین ہے ؎

آنچل میں ترے من برسیں　　اور ترے بچے ان کو ترسیں
من کے روگی پیٹ کے مارے　　جیتے ہیں غیروں کے سہارے
ذلت، رسوائی، بدنامی　　سودھن کاریں ایک غلامی

---

[1] مجلہ جشن جمیل مظہری ص ۴۳

کیسی ہوا پچھم سے آئی   جل گئی تیری کھیتی مائی
کیا ہوئیں وہ معمور فضائیں   دولت کی بہتی گنگائیں
نو رتنی دربار کہاں ہے   پرتاپی تلوار کہاں ہے
ماں تیری تقدیر ہے کیسی   ہاتھوں میں زنجیر ہے کیسی
ہاتھ بندھے ہیں بال کھلا ہے   مانگ اجڑی ہے سر ننگا ہے
وہ تیموری تاج کہاں ہے   چندر بنسی راج کہاں ہے
مکھڑا کیوں میلا میلا ہے   کاجل کیوں پھیلا پھیلا ہے
آنسو کیوں جاری ہے ماتا   پیاری ماتا پیاری ماتا

جمیل مظہری بھارت ماتا کے دکھیا دل کا درد ہی نہیں دکھاتے بلکہ اس کے سارے سپوتوں کے ساتھ مل کر اس پر مرہم بھی رکھتے ہیں ؎

آ ہم تیرے بال سنواریں   تجھ پر اپنی جانیں واریں
سیس ترے چرنوں پہ نوائیں   پیت کے میٹھے منتر گائیں
قومیت کی کڑیاں جوڑیں   لعنت کی زنجیریں توڑیں
نام ترا لے کے پکاریں   سوتی غیرت کو للکاریں
پیاری ماں من کیوں میلا کر   سر اونچا کر سر اونچا کر
دیکھ اپنے بچوں کا لشکر   ٹھاٹھیں مارے جیسے سمندر
دیکھ کھڑے ہیں تیرے سپاہی   رخ پہ جلالِ شاہنشاہی

ہندوستان کے یہ غلام روسیاہ نہیں ہیں۔ دلیر سپاہی ہیں۔ یہ اپنی ماں سے آشیرواد لے کر آزادی جنگ پر جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ماں کی ممتا نے ہمت اور حوصلہ اور دیر تا کے چراغ روشن کر دیئے ہیں ؎

او ماتا گوتم کی ماتا   ارجن اور بھیشم کی ماتا
ٹیپو کی ماں اکبر کی ماں   ستونتی ماں بلونتی ماں
شکتی تجھ سے، ست تجھ سے ہے   مت تجھ سے، ہمت تجھ سے ہے
شورش دے، سودا دے، سر دے   دل کا دیا پھر روشن کر دے
دار و رسن کا کھیل سکھا دے   نام پہ اپنے بھینٹ چڑھا دے
ٹیپو اور پورس پیدا کر   ایک اٹھے تو دس پیدا کر

یہاں حالی کی سی شرافت و دردمندی اور اقبال کا سارچاؤ صاف جھلکتا ہے۔ سادگی کے باوجود جو شیرینی اور روانی کی کیفیت ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سّاد کا انداز بھی صاف ظاہر ہے۔ یہاں نام نہاد انقلابی شاعروں کا جلال ہے نہ بھیکر ملین، نہ گھن گرج۔ یہاں قوت بھی حسن و جمال سے منور نظر آتی ہے۔ چنانچہ قومیت کی شیرازہ بندی میں بھی حب الوطنی کا وہی نرم و نازک جذبہ موجزن دکھائی دیتا ہے جو فکر و نظر کی بصیرت اور قلب و روح کی حرارت سے مرتب ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جمیل مظہری کی نظموں میں بلند آہنگی نہیں ہے لیکن ان میں انقلابی شاعروں کے برعکس اقبال کی روایت کا اثر دکھائی دیتا ہے اس لئے انھیں پڑھ کر ایک خاص ضبط و توازن کے ساتھ ہمت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمیل مظہری بھارت ماتا کی آزادی کے ساتھ ساتھ اس کے فرزندوں کو بھی آزاد اور خوش دیکھنے کے متمنی ہوئے۔ ان کی قومی وطنی شاعری میں ترقی پسند تحریک کے اثرات کی کارفرمائی بھی دکھائی دیتی ہے۔ فکری اعتبار سے بھی ان کا نقطۂ نظر ارتقاء پسندانہ ہے۔ چنانچہ وہ اہل وطن کی اوہام پرستی اور بے عملی پر تنقید کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی نظم "بعد المشرقین" پیش کی جا سکتی ہے جس کا سال تخلیق ۱۹۳۹ء ہے اور نظم اس طرح ہے ؎

بجا سہی یہ طریقہ کہ "با زمانہ بساز"   مگر سنو تو "غلامانِ گردشِ ایام"
عبث جنوں ہے تقلیدِ اہلِ مغرب کا   کہ تم میں ان میں ہے تفریقِ بادشاہ و غلام
وہ ایک وہ ہیں کہ فطرت سے بھی نہیں مرعوب   وہ ایک تم کہ خود اپنی طبیعتوں کے غلام
وہ ایک وہ کہ ہواؤں سے لے رہے ہیں چراغ   وہ ایک تم کہ مزاروں پر کر رہے ہو سلام
وہ ایک وہ کہ امامِ امم، امامِ عمل   وہ ایک تم کہ فقط مسجدوں میں اپنے امام
وہ ایک تم ہو کہ موجوں کا ڈر ہے ساحل پر   وہ ایک وہ ہیں کہ طوفاں سے کھیلتے ہیں مدام
وہ ایک تم کہ دیئے توڑ رشتہ ہائے عمل   وہ ایک وہ کہ سجائے ہیں محفلِ اقوام
وہ ایک تم کہ صدائے ضمیر سے غافل   وہ ایک وہ ہیں کہ "مینا بدوش و دست بجام"
وہ ایک تم کہ "عزادارِ احتیاج و طلب"   وہ ایک وہ کہ خداوند نعمت و انعام

اسی سے مشرق و مغرب کا فرق ظاہر ہے
کہ "یہ گدائے سرِ رہ" ہے وہ مسافر ہے

یہاں سر سید اسکول کا ارتقا پسندانہ میلان ظاہر ہے جو علامہ جمیل مظہری کے شاعرانہ وجدان پر فطری انداز میں مرتب ہوا تھا۔ کسی بھی قوم کی برتری اور عظمت اس کے مکرو عمل پر منحصر ہوتی ہے۔ دنیا میں سرخروئی اور سربلندی جہد مسلسل اور عمل پیہم کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔ اہل مشرق اس سبق کو بھول گئے تھے جس کے نتیجے میں انھیں غلامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بالخصوص بھارت ماتا کی عزت و عظمت اور اقبال کا آفتاب اسی وجہ سے گہنایا تھا۔ جاگیردارانہ نظام کی راحت طلبی اور عیش پرستی نے انفرادیت پسندی کے زعم میں اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیا تھا۔ محنت کش مزدوروں

19

کے پیسے کی قوت و اہمیت کو فراموش کر دیا تھا جس کے نتیجے میں ہندستان کی عظیم سلطنت کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ اقتدار کی اس منتقلی کے باوجود بھی عوامی حلقہ محروم ہی رہا۔ ٹوڈی کلاس (کاسہ لیس طبقہ) تو اس کے فائدے سے ضرور ہوئے۔ اسطرح اقتدار اور سرمائے پر مٹھی بھر لوگوں کا قبضہ رہا۔ اور عوام الناس کو شدائد و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ جس قوم اور معاشرے میں اکثریت مفلس اور بدحال ہو، چند افراد کی خوش حالی کی وجہ سے اسکو خوش حال تصور نہیں کیا جاسکتا لیکن اس بحران سے پیدا ہونیوالی صورت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جس نے سرمایہ و محنت کی جنگ کو ہوا دی۔ بہرحال اس صورتحال کو جمیل مظہری نے پوری شدت کے ساتھ اس وقت محسوس کیا جب ہندستان میں ترقی پسند تحریک کی بنیاد بھی نہیں پڑی تھی۔ علامہ نے مزدور کی قوت اور بھارت ماتا کی عظمت کے پیش نظر ۱۹۲۷ء میں "مزدور کی آواز" کے عنوان سے نظم لکھی۔ انھوں نے اس میں خاص طور سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے توجہ دلائی کہ بھارت کی کھوئی عظمت و عزت اس کی آزادی کے بغیر واپس نہیں آسکتی اور مزدوروں کی عام بیداری کے بغیر آزادی حاصل نہیں ہوسکتی چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

اے ملک کے غمخوارو اے قوم کے فریادی — مزدور کی بیداری ہے، ملک کی آزادی
محنت کی ضرورت ہے، بیکار ہیں تقریریں — دو مجھکو توانائی میں توڑ دوں زنجیریں
روٹھی ہوئی عظمت کو بھارت کی منالوں گا — تم مجھ کو جگادو، میں قسمت کو جگالوں گا

جمیل صاحب نے اس انداز کی کافی نظمیں لکھی ہیں جو بیسویں صدی کے سیاسی مسائل اور عہد متعلقہ کی قومی و ملی حسیت کی ترجمانی کرتی ہیں۔ علامہ نے ایسی نظموں کو وہ تاثر عطا کیا ہے جو وقتی اور ہنگامی حالات کا نتیجہ ہوتے ہوئے بھی وقتی اور ہنگامی حالات تک محدود نہیں ہیں اس کے علاوہ ان کے لب و لہجے میں استقلال کے جذبے کے ساتھ ایک خاص اعتدال و توازن ہے اس وجہ سے حسن و دلکشی بھی برقرار ہے۔ اسی قبیل کی نظم "موسم کے اشارے" بھی ہے۔ یہ بھی جمیل مظہری کی مخصوص افتاد طبع کی مظہر ہے۔ اس نظم میں وہ انگریز حکمرانوں سے مخاطب ہیں۔ اسے ملاح کے نام سے پکارتے ہیں ؎

ملاح اگر بنے ہو پیارے — سمجھو موسم کے بھی اشارے
پتوار نا توڑ دیں تمہاری — حالات کے تند و تیز دھارے

کیونکہ تم اختیارات کے راگ الاپتے رہے ہو جس کو سن سن کر مجبور اور محکوم عوام میں ہمت و حوصلے نے کروٹ لی ہے۔ تم ان کے حوصلوں کو سرد کرنے کے لئے نئے نئے قانون بھی بنالو پھر بھی تمہیں گوہر مقصود نہیں مل سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ عوامی جذبات نے بھی کوئی قابل ذکر عملی رویہ اختیار نہیں کیا ہے لیکن طوفان اندر ہمک رہا ہے۔ وہ سیلاب برپا ہونیوالا ہے جو تمہاری ناؤ کو ڈبو کر رکھ دیگا۔ فطرت بھی اب تم سے بیزار و برہم ہو چکی ہے چنانچہ خیریت اسی میں ہے کہ اپنی کشتی کو خود ہی ڈبو کر بھاگ جاؤ۔

موجیں کف در دہاں ہیں تم پر — فطرت جبیں بہ جبیں ہے تم سے
کشتی والے مچاتے ہیں غل — کشتی چلتی نہیں ہے تم سے
اب خیر اسی میں ہے کہ آؤ
کشتی کو ڈبو کر بھاگ جاؤ

یہاں ایک رجائی انداز نظر واضح ہے۔ بہرحال جمیل صاحب کا سیاسی شعور پختہ اور بالیدہ تو قبل ہی سے تھا لیکن جب ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۱ء میں انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے فارسی اور تاریخ میں ایم اے کیا اور پھر صحافت سے منسلک ہوگئے تو بتدریج ان کا سیاسی شعور پختہ تر ہوتا چلا گیا اور حب الوطنی کے جذبے میں حدت کے ساتھ ساتھ شدت بھی پیدا ہونے لگی۔ اس وقت ہندستان کی سیاسی سماجی اور معاشی صورتحال نازک مرحلے میں تھی غلامی کی زنجیریں توڑ پھینکنے کے لئے عملی جدوجہد تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی چنانچہ اسکے اثرات سے علامہ کا تخلیقی شعور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ آزادی کا ترانہ چھیڑتے رہے اور انقلاب کے نعرے بلند کرتے رہے۔

۱۹۳۷ء میں بہار کے محکمۂ نشر و اشاعت کے لئے ایک پبلسٹی افیسر کی ضرورت ہوئی تو پروفیسر عبدالباری صاحب نے انھیں کلکتے سے بلوایا۔ مولانا آزاد بھی ان دنوں بہار آئے ہوئے تھے۔ باری صاحب نے وزیروں کے سامنے جمیل صاحب کو پیش کیا اس موقع پر مولانا آزاد نے بھی انکی سفارش کی جس کے نتیجے میں ۲ر دسمبر ۱۹۳۷ء میں سرکاری ملازم کی حیثیت سے وہ پبلسٹی کا کام کرنے لگے۔ ۱۹۳۹ء میں جب وزارت نے استعفا دیا تو انھوں نے راجندر بابو (ڈاکٹر راجندر پرساد) سے ملاقات کی۔ وہ دراصل اپنی ملازمت سے مستعفی ہو جانا چاہتے تھے لیکن راجندر بابو کے سمجھانے بجھانے پر اپنے ارادے کو ترک کرکے اپنے عہدے پر برقرار رہے لیکن ۱۲ر اگست ۱۹۴۲ء کو گاندھی جی گرفتار کرلئے گئے۔ تو انھوں نے اپنا استعفا داخل کر دیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ "شہیدوں کے خون کی روشنائی میں اپنا قلم ڈبو کر میں حکومت برطانیہ کی پبلسٹی نہیں کرنا چاہتا۔" کچھ دنوں کے بعد حکومت کو یہ شبہ ہوگیا کہ وہ کانگریس کا کچھ کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ انھیں گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وطن کی آزادی انھیں جان سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ اس کے لئے ہر طرح کی قربانی دے سکتے تھے۔ وطن سے انکی محبت صرف جذباتی ہی نہیں بلکہ عملی بھی تھی۔ انھوں نے اپنی فکری اور وجدانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آزادی کی تحریک میں حدت و شدت پیدا کرنے کے لئے انقلاب

زیں اور موثر نظمیں لکھیں۔ اس سلسلے میں "دعوتِ عزم" اور "صدائے جرس" کو بطور اس پیش کیا جاسکتا ہے جبکہ اس سے قبل وہ ۱۹۳۳ء میں "کاروانِ انقلاب" ملئے "نوائے جرس" بھی لکھ چکے تھے۔ یہ نظم "نقشِ جمیل" کے صفحہ ۹۵ سے صفحہ ۹۹ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے چند بند ملاحظہ ہوں ؎

بڑھے چلو بڑھے چلو، بڑھے چلو بڑھے چلو

ادرانِ نوجواں، غرورِ کارواں ہو تم　　جہانِ پیر کے لئے شباب جاوداں ہو تم

تمہارے حوصلے جواں بڑھے چلو بڑھے چلو

سلام موجِ گنگ لو مجاہدانِ حریت　　ہیں گلفشاں بہشت سے پیمبرانِ حریت

کھلا ہے عرصۂ جہاں بڑھے چلو بڑھے چلو

لبِ بادۂ خودی، مئے عمل پئے ہوئے　　علم بدوش صف بہ صف کلاہ کج کئے ہوئے

مثالِ بحر بیکراں بڑھے چلو بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

ڑھے ہوئے ہوں حوصلے چڑھی ہوئی ہوں آستیں　　بدل دو صورتِ جہاں الٹ دو صفحۂ زمیں

پلٹ دو دورِ آسماں بڑھے چلو بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

یہاں حرفِ عزم و عمل کی دعوت ہی دکھائی نہیں دیتی بلکہ رزمیہ شاعری کا خوش ہنگ سلیقہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ آگے چل کر جمیل صاحب فرماتے ہیں ؎

قسم تمہاری عزم کی بلند ہے تمہاری شان کے　　بڑھا کے ہاتھ توڑ لو ستارے آسمان کے

جھکا دو شاخِ کہکشاں بڑھے چلو بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

کھلے ہیں پھول زخم کے اجل گلے کا ہار ہے　　لہو سے سرخ ہے کفن یہ مژدۂ بہار ہے

نثارِ تیغ خوں فشاں بڑھے چلو بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

اس نظم میں ترقی پسند میلان کی کارفرمائی بھی دکھائی دیتی ہے۔ سرفروشی کے جذبے کے ساتھ ساتھ غریبوں کی بھوک اور ماحتا کی بھوک بھی ہے جس نے مادی محرکات کے ساتھ ساتھ وجدانی کیفیات کی ہمکاری کی ہے اور اس وجہ سے نظم کی تاثیر اور معنوی آہنگ میں پائیداری پیدا ہوگئی ہے ؎

غریب لال قوم کے بلک رہے ہیں بھوک سے　　خدا کا عرش ہل رہا ہے ماحتا کی ہوک سے

گرے نہ سر پہ آسماں بڑھے چلو بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

سر دل سے باندھ کر کفن بڑھے چلو بڑھے چلو　　امیدِ مادرِ وطن بڑھے چلو بڑھے چلو

دعائیں دے رہی ہے ماں بڑھے چلو بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

شاعر اپنی فغاں سے نالۂ جرس چھیڑتا ہے اور آزادی کے قافلے کو تحریکِ سفر دیتا ہے ؎

جو راہبر ٹھہر گئے نہیں مقام پیش و پس　　جو ہم سفر بچھڑ گئے تو چھیڑ نالۂ جرس

سنو جمیل کی فغاں بڑھے چلو بڑھے چلو

برادرانِ نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

علامہ جمیل مظہری نے ۱۹۳۷ء میں "بھارت ماتا" کے عنوان سے ایک معرکۃ الآرا نظم لکھی اور ۱۹۴۱ء میں "دعوتِ عزم" لکھی جس کے تمہیدی اشعار میں انسانیت کی پگھلتی ہوئی روح کا نوحہ پیش کیا گیا ہے۔ حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں ؎

صد چاک ہوس کے ہاتھوں سے انسانیت کا جامہ ہے
اک شورش ہے اک ہلچل ہے اک لوٹ ہے اک ہنگامہ ہے
پھنکتا ہے صورِ قیامت کا، اچٹی ہے نیند زمانے کی
مغرب سے صدائیں آتی ہیں جنگی باجوں کے ترانے کی
بادل کی گرج بجلی کی کڑک تلواروں کی جھنکاریں بھی
مجروحوں کی فریادیں بھی، رن بیروں کی للکاریں بھی
دکھیا ماؤں کے نالے بھی، بھوکے بچوں کا شیون بھی
ان ہنگاموں میں تیز ہے کچھ تہذیب کے دل کی دھڑکن بھی
اک آگ لگی ہے دنیا میں گرد اڑتی ہے لو چلتی ہے
مغرب سے لے کر مشرق تک آدم کی کھیتی جلتی ہے

اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر دعوتِ عزم دی گئی وہ بھارت ماتا کے فرزندوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتے ہیں کیونکہ مغربی سامراجیت کی آگ نے ہندوستانی تہذیب و تمدن کے دامن کو پکڑ لیا ہے۔ اخلاق کے خرمن کو پھونک ڈالا ہے فطرت کے کلیجے کو جھلسا دیا ہے۔ یہی نہیں اس آگ نے بھارت ماتا کے آنچل کو بھی تھام لیا ہے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اب وقت نہیں سونے کا اے غفلت کے پالو جاگو
اے ہند کے فرزندو جاگو، اے نیند کے متوالو جاگو

جس کے لپٹوں نے بڑھ کر تہذیب کا دامن پکڑا ہے
اخلاق کے خرمن پھونکے ہیں فطرت کا کلیجہ جھلسا ہے

اس آگ کے شعلے تھام چکے بھارت ماتا کے آنچل کو
امید کی نظریں ڈھونڈتی ہیں رحمت کے برستے بادل کو

جمیل صاحب جس عزم و عمل کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں اسمیں صنعت خیر کا تمول ہے۔

اس آگ کو گل کرنے کیلئے رحمت کی گھٹا بن جاؤ تم
رحمت کی گھٹا بن جاؤ تم، شاعر کی دعا بن جاؤ تم
اک ایسا عزم دکھانا ہے تہذیب کے اس گہوارے کو
جو موڑ دے اپنی طاقت سے سیلاب کے سرکش دھارے کو
وہ عزم مزاج آہن خود جس کے سانچے میں ڈھلتا ہے
وہ عزم کہ جس کی گرمی سے تلوار کا لوہا گلتا ہے

علامہ جمیل مظہری نے ۱۹۴۴ء میں "صدائے جرس" بطور خاص کاروان ارتقاء کے لئے لکھی۔ اس کا پیرایہ بھی وہی ہے جو "لوائے جرس" کا ہے۔ ساختیاتی ترکیب میں خفیف سا فرق ضرور ہے لیکن مجموعی آہنگ وہی ہے۔ موضوع عنوان ہی سے ظاہر ہے۔ یہ نظم بھی شعریت اور نغمگی سے مالا مال ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

نظام مہر و ماہ کے مزاج داں بڑھے چلو   ہیں اڑ باد و برق تم سے سرگراں بڑھے چلو
بدل رہی ہے کائنات تیوریاں بڑھے چلو
پکارتی ہیں منزلیں نہ وہم ہے نہ خواب ہے   یہ دیکھو آفتاب ہے وہ دیکھو ماہتاب ہے
ملا رہی ہیں دور سے بلندیاں بڑھے چلو
بڑھائے جاؤ زندگی کی وسعتیں بڑھے چلو   گرائے جاؤ ممکنات کی حدیں بڑھے چلو
بنائے جاؤ آسماں پہ آسماں بڑھے چلو
جلاؤ چاند کا دیا عمل کی بارگاہ میں   بچھاؤ بادلوں کا فرش زندگی کی راہ میں
اڑاؤ دامن ہوا کی دھجیاں بڑھے چلو
اٹھاں ہو دباؤ میں، وقار ہو جھکاؤ میں   گھٹاؤ میں، چڑھاؤ میں ندی کے اس بہاؤ میں
اٹھائے اپنی کشتیوں کا بادباں بڑھے چلو
حقیقتیں زمین کی ہیں گرد آستین کی   ابھر رہی ہیں نقش پا سے منزلیں یقین کی
اتر رہی ہیں طور سے تجلیاں بڑھے چلو

آزادی تحریک میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے جمیل صاحب نے ۱۹۴۴ء میں بھی نظم لکھی جو ان کی قومی حریت پسندی اور وطن دوستی کی دلیل ہے۔ فکری طور پر اس کی چند اہم خصوصیات ہیں اولاً یہ کہ اس میں جگہ جگہ وحدت الوجودی تصور کی جھلک دکھائی دیتی ہے ثانیاً یہ کہ وحدت الوجودی تصور جسے بالعموم بے عملی کا فلسفہ سمجھا جاتا رہا ہے اس کے باوجود عمل کی تحریک و تلقین موجود ہے اور ثالثاً یہ کہ انگریزی حکومت

کے نئے سیاسی فارمولے "جمہوریت" کو وہ فکر گمراہ سے عبارت کرتے ہیں۔ اس نظم میں شعریت اور غنائیت کی قدرے کمی ضرور دکھائی دیتی ہے۔ پھر بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے، ان کی دوسری نظموں کی طرح یہ بھی ایک کامیاب نظم ہے۔ اس کا عنوان ہے "وقت کا دھارا پھیرنے والے وقت کا دھارا پھیر" اس کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

طوفانوں سے کھیل رہا ہے طوفانوں سے کھیل
اپنی ہوا میں کشتی لے چل گردابوں کو جھیل
جن موجوں سے جنگ ہے تیری ان موجوں سے میل
یہ کیسا اندھیر ہے مانجھی، یہ کیسا اندھیر
وقت کا دھارا پھیرنے والے وقت کا دھارا پھیر

بحر بھی فانی، لہر بھی فانی، فانی ہر انسان
موجوں کے اس اوج پہ مت جا تو ہے خود طوفان
فطرت کا بحران ہے آندھی، فطرت کا بحران
اصلیت منجدھار کی کیا، لہروں کا اک گھیر
وقت کا دھارا پھیرنے والے وقت کا دھارا پھیر

کرتے ہیں لفظوں کی غلامی یہ آزادی خواہ
جمہوریت نام ہے جس کا وہ فکر گمراہ
کرسی ایک تخت ہے جس میں ہر حاکم اک شاہ
جس کو تو ساحل سمجھا ہے مٹی کا ہے ڈھیر
وقت کا دھارا پھیرنے والے وقت کا دھارا پھیر

علامہ جمیل مظہری کو وطن کی آزادی اور قوم کی غیرت و حمیت پیاری تھی۔ چنانچہ انھوں نے ایسی شخصیتوں پر بھی نظمیں لکھی جنہیں وہ افتخار قوم و وطن تصور کرتے تھے۔ اپنے ایک دوست پروفیسر طاہر جمیل، پرنسپل چاٹگام کالج کے سفر لندن کے موقع پر "وداعیہ" کے عنوان سے ایک نظم کہی جس کے مطالعے سے یہ تاثر واضح ہوتا ہے کہ علامہ ایسے عزیزان وطن کو فخر وطن اور فخر قوم تصور کرتے تھے جن سے دنیا میں وطن عزیز سرخرو و سرفراز ہو۔ اس نظم کے دو بند ملاحظہ ہوں۔

مرحبا فخرِ وطن فخرِ عزیزانِ وطن   جا کے یورپ میں کرو نام بڑھے شانِ وطن
ساتھ جاتی ہے نسیم چمنستان وطن   پیچھے پیچھے نگہ حسرتِ یارانِ وطن
دلِ مہجور کی خاموش دعائیں ہیں ساتھ
تم اکیلے نہیں لوگوں کی دعائیں ہیں ساتھ

علامہ جمیل مظہری گاندھی جی کی ذاتی شخصیت سے جذباتی طور پر وابستہ

تھے۔ ان کے عدم تشدد کے فلسفے پر ایمان و الیقان رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب گاندھی جی ۱۹۴۲ء میں گرفتار کیے گئے تو علامہ نے ملازمت سے قطع تعلق کر لیا اور یہی بات ان کے جیل جانے کا سبب بنی۔ ۱۹۴۸ء میں جب گاندھی جی کو قتل کر دیا گیا تو ملک بھر میں کہرام مچ گیا ہو گیا اور صف ماتم بچھ گئی۔ جمیل صاحب کے دل و دماغ پر بھی یہ عظیم سانحہ صدمۂ جانکاہ کی طرح گزرا۔ انھوں نے مسدس کی شکل میں غم انگیز مرثیہ لکھا ان کے رثائی تاثر کا اندازہ ملاحظہ ہو ؎

یہ کیا ہوا کہ اندھیرا سا چھا گیا اک بار　　اداس ہو گئیں سڑکیں اجڑ گئے بازار
بڑھا رہی ہیں عروسانِ ہند اپنا سنگار　　ٹھہر گئی ہے سرِ راہ وقت کی رفتار
سکوتِ شام میں اک رنگ بیکسی کیوں ہے
یہ آج نبضِ تمدن رکی رکی کیوں ہے

مآل دیکھو سیاست کے انقلابوں کا　　کہ اٹھ رہا ہے جنازہ ہمارے خوابوں کا
ہوائے تند سے بادل گھرا عذابوں کا　　سیاہ ہو گیا دن خانماں خرابوں کا
سروں سے اٹھ گیا ظلِ ہمائے گاندھی جی
صدائیں آتی ہیں پیہم کہ ہائے گاندھی جی

ہے گمرہی کی خوشی یہ کہ رہنما نہ رہا　　بھنور میں آئی جو کشتی تو ناخدا نہ رہا
سفر تمام ہوا خضرِ ارتقا نہ رہا　　وطن کا کون ٹھکانہ ہے اب رہا نہ رہا
غروب ہو گیا سورج ہی جب سویرے سے
چلے گا زور چراغوں کا کیا اندھیرے سے

مئے محبت انسانیت کا متوالا　　کہ جس نے عقل کو سانچے میں عشق کے ڈھالا
بنا کے جس نے "اہنسا" کو جنگ کا آلا　　ملوکیت کا مزاجِ کہن بدل ڈالا
جھکا دی گردنِ مغرور کج کلاہوں کی
جھپک رہی تھی پلک جس سے بادشاہوں کی

ہندوستان کو آزاد ہونا تھا، ہوا لیکن حقیقی آزادی نصیب نہ ہو سکی۔ حکمراں بدل گیا، دستورِ حکمرانی نہیں بدلا، وہ آزادی نہیں ملی جو عوام الناس کی خوشحالی کا سبب بنتی۔ وہ انقلاب نہ برپا ہو سکا جو غریبوں، مفلسوں اور ناداروں کے مقدر کی سیاہی دھو ڈالتا۔ غلاموں کو ضمیر کی آزادی بھی نہ نصیب ہو سکی۔ شاعروں، ادیبوں، مفکروں، دانشوروں اور حریت پسندوں نے جو خواب دیکھے تھے، وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ جمیل مظہری کا دل بھی اس صورت حال سے ملول ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ انھوں نے "جشن آزادی" کے عنوان سے جو نظم لکھی اس کے اقتباسات مبنی بر حقیقت بھی ہیں۔ اور غور و فکر کی دعوت بھی دیتے ہیں بند ملاحظہ ہوں ؎

جشن ماتم کدۂ ہند میں آزادی کا　　کچھ ٹھکانہ ہے تمہاری کم ایجادی کا
آج دنیا میں نہ تم سا کوئی احمق ہوگا　　اس اندھیرے میں چراغوں سے اجالا ہوگا؟
کیا اندھیرے کو دکھاتے ہو تماشائے سحر　　نورِ شمعوں کا ہے یا خونِ تمنائے سحر
تم نے مفلس کے شبستاں کی بھی دیکھی ہے بہار　　اس کے سینے میں بھی دیکھی ہے چراغوں کی بہار
یہ بلکتے ہوئے بچے انھیں دیکھو ادھر آؤ　　بشریت کے کلیجے کے یہ رستے ہوئے گھاؤ
جن کی للچائی نظر فاقہ کشی کی ماری　　جن کو روٹی ہے کھلونے سے زیادہ پیاری
نوحہ خواں آج نہ کس طرح ہوں آزادی کے
کھیلیں کیا خود ہی کھلونے ہیں یہ بربادی کے

واضح ہو کہ علامہ جمیل مظہری کا آزادی کا تصور ارتقاء پسندانہ ہے لیکن ان کے لہجے میں سنجیدگی، متانت اور اعتدال کی کیفیت بھرپور ہے، پھر بھی کہیں کہیں لہجہ تیکھا ہو گیا ہے اور داخلی کرب ابھر کر سامنے آ گیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہوں ؎

جشن آزادیٔ جمہور مبارک ہو تمہیں　　رونقِ خانۂ مزدور مبارک ہو تمہیں
ہانڈیاں شام کی اوندھی ہوئی قسمت کی طرح　　چپ ہے دل ماں کا چراغ سرِ تربت کی طرح
آگ چولہے پہ اک امید میں کجلائی ہوئی　　جیسے سینے میں تمنا کوئی مرجھائی ہوئی
اہلِ بینش کو مبارک ہو یہ سامانِ نجات　　خونِ مفلس سے یہ گلکاریٔ دامانِ حیات
گردِ افلاس سے دھوئے ہوئے چہروں کی قسم　　جن کو کاجل نہیں ملتا ہے ان آنکھوں کی قسم
قسم اس جسم کی عریانی ہی چادر ہو جسے　　قسم اس مانگ کی سیندور نہ میسر ہو جسے
رنگِ محفل کی قسم رونقِ منظر کی قسم　　جس میں مٹی کا دیا بھی نہیں اس گھر کی قسم
قسم اس شہر کی جس میں کہ دیوالی ہے آج　　قسم اس رات کی جو اور بھی کالی ہے آج
کہ یہ مرگھٹ کا اجالا ہے، چتا ہے یہ جشن
ایک ٹوٹے ہوئے ڈھولک کی صدا ہے یہ جشن

اور اسی شدت جذبات میں وہ ماتم کی مجلس آراستہ کرنے کے لئے "دل زار وطن" اور "لب فریادیٔ قوم" کو آواز دیتے ہیں ؎

اے دلِ زارِ وطن اے لبِ فریادیٔ قوم　　آ کہ ہم آج کریں ماتمِ آزادیٔ قوم
خوابِ آزادی کی صد حیف یہ تعبیر اے دوست　　بن گئی سانپ یہ ٹوٹی ہوئی زنجیر اے دوست
ٹوٹ کے رینگنے، بچھرنے لگی، لہرانے لگی　　ڈس گئی روح کو اس طرح کہ نیند آنے لگی
ہوئے آزاد تو کیا گردشِ دوراں ہے آج
حسرتِ اے صبحِ وطن شامِ غریباں ہے آج

جشن آزادی کو شام غریباں سے تعبیر کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ترانہ نہیں بلکہ مرثیہ لکھ رہے ہیں۔ حسرت صبح وطن چونکہ سینے میں گھٹ کر رہ گئی اس لئے

روشن صبح کی رات کا منظر پیش کررہی ہے۔ اسی قبیل کی نظم "یوم آزادی" بھی ہے جو ۱۹۵۱ء میں لکھی گئی۔ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

خردہ لے ذوقِ تماشا کہ بہار آئی ہے
وہ کلی بھی متبسم ہے جو مرجھائی ہے
یوم آزادیٔ بھارت ہے چراغاں ہے آج
بزم کھلتے ہوئے چہروں کا گلستاں ہے آج
مگر احساسِ مسرت کی یہ بربادی کیا
روح آزاد نہیں ہے تو پھر آزادی کیا

آزادی تو مل گئی ہے لیکن روح اب بھی غلام ہے، ضمیر اب بھی آزاد نہیں، اور غلامی ایسی کہ

وہ غلامی جو نہ حالات کے تیور سمجھے — وہ غلامی کہ جو زنجیر کو زیور سمجھے
وہ غلامی کہ قناعت سے ہے جس کا مزاج — سر پہ آقاؤں کی پاپوش ہو جس کیلئے تاج

اور یہی حال آزادی کے بعد بھی ہندوستانی قوم کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

روح فیضانِ غلامی سے ہے پامال ابتک — شوقِ پرواز ہے محروم پر و بال ابتک
یہ رسومات کے بندے یہ عقائد کے غلام — مندروں کے یہ پجاری یہ مساجد کے امام
قدرِ آزادی انکو بھلا کیا جانیں — کس طرح آدمی بنتا ہے خدا کیا جانیں

اس مطالعے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ علامہ جمیل مظہری صرف رومانی شاعر ہی نہیں تھے وہ حریت پسند شاعر بھی تھے اور سیاسی شاعری کے میدان میں جم کر دادِ شجاعت دی انھوں نے وقت کو حالات کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے آزادی کے ترانے چھیڑے۔ وطن کا نغمہ گایا اور اپنے سدا بہار نغموں سے حریت پسندوں اور دیش بھگتوں کا حوصلہ بڑھایا۔ انھوں نے آزادی کے مفہوم میں وسعت و تنوع بھی پیدا کیا۔ مزدوروں کے دکھ درد اور عوام کے مسائل کو نئے زاویے سے دیکھا، پرکھا اور جانچا، ان مسائل کے حل کی تحریک دی اور اسے آزادی کا لازمی جز قرار دیا۔ کل اس بات کی جتنی اہمیت تھی آج بھی اتنی ہی ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی۔ اس سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آزادی کے وسیع ترین معہوم میں ان کی چشمِ تخیل نے انسانی اقدار و اخلاق کے جمال و جلال کا بھی مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان کی وطن دوستی اور قوم پروری میں ہیومنزم کا وہ جذبہ شامل دکھائی دیتا ہے جس کی ضرورت آج شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس اعتبار سے ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ جمیل مظہری نے ملک اور قوم کے ساتھ ساتھ انسانیت کی خدمت کا بھی ایک فریضہ انجام دیا ہے جسے کوئی صاحبِ ذوق و نظر کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

(بشکریہ روح ادب، سہ ماہی رسالہ، کلکتہ) ■■

بقیہ: تحریکِ آزادی کے ان جان جانبازوں کو سلام

صفحہ کا

کرتے تھے کہ کھادی کے کپڑے فروخت کریں لیکن زیادہ تر ایسے تھے جو برٹش حکمرانوں سے خوف کھاتے تھے اور کھادی کے کپڑے نہیں خریدتے تھے۔ قوم کے بارے میں جو بھی شخص بولتا تھا وہ قانونی مجرم گردانا جاتا تھا اور تین برسوں کے لئے جیل میں ڈال دیا تھا۔ مشنگوں اور جلوسوں پر پابندی لگادی گئی تھی۔

بہرحال پوری فضا حب الوطنی میں رچ بس گئی تھی اور قومی تحریک میں لیڈران اور رضا کار شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک بار چینائی میں آندھرا کیرتی شری پرکاسم کی لیڈرشپ میں ایک جلوس نکالا گیا تاکہ سائمن کمشن کا بائیکاٹ کیا جائے۔ جب جلوس لاء کالج کے قریب پہونچا تو پولس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر جلوس آگے بڑھا تو گولیاں چلادی جائیں گی۔ پرکاسم نے ایسا کرتا پھاڑ ڈالا اور سینہ کھول کر چیلنج کیا کہ پولس افسران پر گولیاں چلادے۔ بعد میں وہ لوگ واپس آگئے۔

جیل میں زندگی:- جدوجہد آزادی کے دنوں میں جیل کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔ قیدیوں کو ٹارچر کیا جاتا تھا۔ کھانا بہت خراب دیا جاتا تھا لیکن اسی جیل سے ان لوگوں کو یہ فائدہ ہوتا تھا کہ لیڈروں سے ملاقات اور بات چیت کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان غریب، بہادر مردوں اور عورتوں کو جیل جانا پڑتا تھا لیکن اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا تھا۔ اب جبکہ ہم آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ منا رہے ہیں تو ہم ان انجان جانبازوں کو جن میں مرد اور عورت دونوں ہیں کو سلام کرتے ہیں۔ (بشکریہ پی آئی بی) ■■

صبحِ تمنا

از: وحید عرشی (مرحوم)

(الف)

لہکتی دھوپ یہ جلتے ہوئے دیوار و در
نہیں یہ دن تو نہیں گورِ سود خوار کی ہے
ردائے یاس میں لپٹی ہوئی اداس سی شام
نہیں یہ شام نہیں ہے ہنسی یتیم کی ہے
یہ رات اُف یہ سیاہی سلگتی خاموشی
نہیں یہ رات نہیں ہے ضمیرِ قاتل ہے
!
مگر تصورِ صبحِ امید میرے لئے
سدا رہا ہے تمنا کا میری گہوارہ
!

(ب)

وہ صبح ہاں وہ تمنا کا برگزیدہ سحر
کہ جس سے پھوٹے گی ہر پل اذان امن کے ساتھ
جہاں کہ لوگ نہ جانیں گے کوئی جنگ کی بات
وہ دن کہ جس میں تراشیں گے بت محبت کے
وہ دن کہ جس کو کہیں گے نہ لاشِ مفلس کی
شفق سجائے گی خود ہر عروسِ شام کی مانگ
جہاں کی شام میں ہوگی نہ خونِ حسرت کی
جہاں کی رات جلائے گی کہکشاں کے چراغ
جہاں تہہر کے اجالے نہ ہوں گے برص کے داغ
وہ میری صبحِ تمنا ضرور آئے گی!!

مجاہد آزادی مولانا محمد باقر

از: جی ڈی چندن

مولانا محمد باقر صرف شمالی ہندوستان کے اولین اردو اخبار اور لیتھو کی طباعت کے سب سے پہلے نمونے ہی کے بانی نہیں تھے بلکہ ایک پیش رو آزاد قلمی صحافت کے امین اور اس کے مطبوعہ دور کے اولین کردار بھی تھے۔ یہ صحافت تقریباً ۱۵۰ سال تک اس عظیم بغاوت کی زمین تیار کرتی رہی جو ۱۸۵۷ء میں رونما ہوئی لیکن بدقسمتی ہے کہ آج تک اس کی کوئی تاریخ مرتب نہیں ہوئی۔ مولانا محمد باقر اس تاریخ کی ایک اہم کلید ہیں۔

انیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں ایک نیا معاشرہ جنم لے رہا تھا۔ مغلیہ سلطنت مغلوب ہو چکی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے حاصل شدہ اقتدار کو ہر سمت میں توسیع دے رہی تھی۔ اس کیلئے وہ یہاں کی مقبول زبانوں سے بھی قربت حاصل کر رہی تھی۔ ۱۸۳۰ء میں فارسی کی عدالتی زبان کی سابقہ حیثیت ختم کر دی گئی اور اس کی جگہ شکل و صورت میں اس سے ملتی جلتی اردو کو عدالتی زبان بنا دیا گیا۔ عوام کی بول چال میں اردو پہلے ہی رائج تھی اب اس کی ترقی اور مقبولیت کی نئی راہیں کھل گئیں۔ ۱۸۲۵ء میں یہاں لیتھو گرافی شروع ہو گئی تھی اور ۱۸۳۵ء میں نئے اخبار نکالنے کی آزادی دے دی گئی۔ ایسے ماحول میں دلی کے تقریباً ۵۵ سال کی عمر کے ایک شخص نے جو ایک اعلیٰ علمی خاندان کا چشم و چراغ تھا اور جس نے اپنے والد کی رہنمائی میں علوم دین اور مشرقی تمدن میں بدرجہ غایت تربیت پائی تھی، ۱۸۳۷ء میں "دہلی اخبار" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا۔ اس نام میں دو تین بار تبدیلی ہوئی لیکن زیادہ عرصہ اس کا نام "دہلی اردو اخبار" رہا۔ یہ لیتھو میں چھپنے والا ہندوستان کا اولین اردو اخبار تھا اور دہلی کے قدیم معاشرے میں نئے موضوعات اور نئے خیالات، بالخصوص سیاسی نکات کو مشتہر کرنے والا بھی یہ اولین تھا۔

اس شخص کا نام محمد باقر تھا جن کے والد مولانا محمد اکبر دہلی کے نامی گرامی عالم دین اور مجتہد تھے۔ مولانا محمد باقر ان کے اکلوتے بیٹے تھے اور وہ اپنے فرزند کو اسی طرح علوم مذہبی کی ترویج میں لگانا چاہتے تھے لیکن مولانا باقر کی طبیعت تنوع پسند تھی۔ مزاج ادبی تھا اور شوق وافر۔ اخبار شروع کرنے سے قبل وہ دہلی کالج میں مدرس رہے اور پھر کلکٹری کے محکمے میں تحصیلدار اور سپرنٹنڈنٹ متعین رہے۔ ۱۸۳۲ء میں انھوں نے ایک لیتھو پریس خریدا اور اس سے اپنی تصنیف و تالیف کی طباعت کا سلسلہ شروع کیا۔ تین سال بعد اپنا ہفت روزہ اخبار بھی جاری کر دیا۔ پریس کا نام، جو ابتدا میں جعفریہ تھا، اب اردو اخبار پریس کر دیا گیا۔

اس اخبار کا ادبی پہلو بھی دلچسپ اور دلفریب تھا۔ اس میں ذوق، بہادر شاہ ظفر، غالب، حافظ غلام رسول، مرزا محمد علی بخت، مرزا حیدر شکوہ، مرزا حیون بخت اور مرزا نورالدین کے کلام کے علاوہ دہلی کے ادبی گروہوں بالخصوص استاد ذوق اور مرزا غالب کے حلقوں کی نوک جھونک کی خبریں چھپتی رہتی تھیں۔ لیکن اس کا سیاسی پہلو خاص طور پر جاندار اور توانا تھا۔ مولانا محمد باقر انگریز کی غلامی کو بہت ناپسند کرتے تھے اور ملک کی آزادی کے بڑی مدت سے آرزومند تھے۔ اس رویے کی جھلک ان کے اخبار میں نمایاں تھی۔

ان دنوں خبر رساں ایجنسیوں کا وجود نہیں تھا لیکن مغل بادشاہوں کے زمانے میں وقائع نگاروں کے جو سلسلے قائم ہوئے تھے ان کے حالات میں بدستور تھے۔ مولانا محمد باقر نے اپنے اثر و رسوخ سے ایسے ذرائع سے رابطہ قائم کیا اور اپنے اخبار میں مختلف درباروں، ریاستوں اور شہروں کی خبریں شائع کیں۔

ان وقائع نگاروں کی بدولت سلطنت کی بالائی سطح پر فارسی زبان میں خبر رسانی کا ایک جامع نظام رائج تھا جو حکمران اور اس کے مقررہ عملے میں بڑی دقیقہ سنجی سے کام کرتا تھا۔ یہ نظام اس قدر مستعد اور شاندار تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام نے موقع پاتے ہی بڑی توجہ اور تدبیر سے اس سے اپنا کام لینے کا راستہ بنا لیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد یہ وقائع نگار سرکاری سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ کمپنی کے کئی حکام اور ریزیڈنٹوں نے دیسی ریاستوں کے درباروں تک رسائی حاصل کرنے اور دیگر تجارتی اغراض کے لئے ان وقائع نگاروں کی خدمات حاصل کر لیں۔

اسی دور میں یعنی "دہلی اردو اخبار" کے اجراء سے قریب سوا سو سال

قبل وقائع نگاروں کی، جو اب تک سراسر مغل حکومت کے ملازم تھے، نجی خدمات اور نجی معروفیات کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ سلسلہ انیسویں صدی عیسوی میں قلمی مطبوعہ صحافت اور بالخصوص اردو کی مطبوعہ صحافت کے آغاز کا بڑا اہم پس منظر ہے جس نے چھاپے کی اردو صحافت کو نہ صرف باخبرانہ مزاج دیا بلکہ روزِ اول ہی سے رپورٹنگ کے شعبے میں اسے ایک درجۂ امتیاز عطا کیا۔ فارسی اردو کی بزرگ زبان تھی لہٰذا چھاپے کے نفوذ سے اس میں جلد ہی پیشہ ورانہ روانی پیدا ہوگئی۔

بہرحال اس زمانے میں وقائع نگاروں کا لشکر دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ کچھ وقائع نگار اہل کمپنی کی تلاش اور بیتکش کے جواب میں کمپنی اور ان کے حلیفوں کے ملازم یا وظیفہ خوار ہوگئے۔ ان وقائع نگاروں کے سامنے رشوت اور ناجائز نذرانوں کی ترغیب بھی رقصاں رہی لیکن کچھ وقائع نگاروں اور نسبتاً بڑی تعداد میں وقائع نگاروں نے خود اپنے قلمی اخبار نکالے۔ یہ اخبار بیشتر آزاد تھے اور فرنگی حکام اور تاجروں کی سرگرمیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ اگرچہ صحافت پیشہ اہل فرنگ کی معاونت کرنے والے وقائع نگاروں کو بہتر پیشہ ورانہ سہولتیں میسر آئیں لیکن ان کے مقابلے میں آزاد وقائع نگاروں کے دیہاتی اور ملکی اخبار اپنی آزادانہ تحریروں کی بدولت زیادہ مقبول ہوئے۔ وظیفہ خوار وقائع نگاروں کے قارئین کی تعداد محدود تھی لیکن وقائع نگاروں کا حلقۂ زبان اور ذہن کے آہنگ کی وجہ سے وسعت پذیر تھا۔

ماضی میں یہ وقائع نگار بادشاہ کے مخبر تھے۔ بادشاہ نے انھیں اطلاعات فراہم کرنے کی پوری آزادی اور اختیار دیا ہوا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک بادشاہ کی خدمت وطن اور عوام کی سلامتی کی خدمت تھی۔

برطانوی سیاست کے ہاتھوں بادشاہت کے تنزل کے بعد یہ وقائع نگار اپنی رضا و رغبت سے عوام کے مخبر ہوگئے۔ انھیں برطانوی سیاست میں قدم قدم پر رشوت خوری اور عوام کی بےبسی نظر آئی۔ ملکی مفاد کو زک پہنچانے والوں سے انھیں کوفت ہوتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی عظیم بغاوت سے کئی برس پہلے بعض سے قلمی اخباروں نے فرنگی راج کے اخراج کا بھی مطالبہ کیا۔ اس کا ثبوت برطانوی افسروں اور مورخوں کی دستاویزوں سے ملتا ہے۔ ان میں سے قدیم ترین دستاویز اس زمانے کے ایک نامور برطانوی مورخ سرجان مالکم کی ملتی ہے جس کا حوالہ معاملات کمپنی کے نامور مبصر ایس سی سانیال نے انگریزی رسالہ کلکتہ ریویو ۱۹۰۹ء میں اپنے ایک مضمون میں دیا۔ سرجان مالکم نے ۱۲ اپریل ۱۸۳۲ء کے اپنے ایک نوٹ میں لکھا کہ "۔۔۔ یہاں اشتعال انگیز اخبار نکل رہے ہیں۔

جن کے ذریعے بےچینی اور بغاوت کے جذبات کو اکسایا جا رہا ہے۔"

بعد میں ۱۸۳۶ء میں گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ اور ان کی کونسل کے لیجس لیٹو ممبر لارڈ ٹی بی میکالے نے بھی وقائع نگاروں کی "کثرت، مقبولیت، سنسنی خیزی اور اشتعال انگیزی" کا ذکر خاص کیا۔ میکالے نے تو یہاں تک لکھا کہ: "دہلی سے ہر روز جو قلمی اخبار باہر بھیجے جاتے ہیں ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکتی لیکن جانکار لوگوں کا اندازہ ہے کہ یہ ۱۲۰ ہے۔"

یہ اخبار صرف دہلی ہی نہیں بلکہ ملک کے دوسرے حصوں سے بھی نکل رہے تھے۔ کلکتہ ریویو ہی میں ایس سانیال کے ایک اور مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ جنوبی ہند میں مناد ا پیریدا نام کے ایک دلاور نے ۱۸۰۰ء میں اپنے علاقے کے تقریباً ہر گاؤں میں اپنا قلمی اخبار بانٹا جس میں علاقے کے باشندوں سے یہ اپیل کی گئی کہ "وہ یورپ کے ان نیچ لوگوں کے خلاف متحد ہوجائیں جنہوں نے ہمارے ملک کی آزادی پر چھاپہ مارا ہے۔"

اس اپیل میں تمام فرقوں، برہمنوں، کشتریوں، مسلمانوں اور دیگر فرقوں اور پیشوں کے لوگوں کو مخاطب کیا گیا تھا۔ سب سے کہا گیا کہ "وہ دلیری سے کام لیتے ہوئے ان ذلیل اور بےشرم لوگوں (فرنگیوں) کا خاتمہ کردیں اور جب تک یہ ختم نہ ہوں اپنا عمل (جہاد) جاری رکھیں۔"

یہ قلمی اپیل ۱۸۰۰ء میں جنوبی ہند میں جاری ہوئی، ۵۷ سال بعد ہزاروں میل دور پر مقیم شمالی ہند کے مولانا محمد باقر نے جون ۱۸۵۷ء میں اپنے مطبوعہ "دہلی اردو اخبار" میں قریب قریب ایسی ہی اپیل شائع کی اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں سے کہا کہ وہ بہادری کے اپنی قدیم روایات سے کام لیتے ہوئے اب اس "جنگ میں انگریزوں کا خاتمہ کردیں۔"

ہماری قلمی اور مطبوعہ صحافت کی اس مطابقت پر ابھی تک کوئی جامع تاریخ مرتب نہیں ہوئی لیکن "دہلی اردو اخبار" کی بیس سال کی عمر کے بہت سارے شمارے اس مطابقت کے خوشہ چیں ہیں۔ اس کے باقی ایڈیٹر نے گمنام طور پر اس کے کالم رقم کئے لیکن وہ فطری صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد حریت بھی تھے۔ اپنے پیش رو آزاد وقائع نگاروں کی طرح انھوں نے بلاخوف و خطر اور حب الوطنی کے روحانی جذبے سے ملک کی حرمت اور حریت کی پاسبانی کی۔ اس پاسبانی کے لیے انھوں نے مختلف فرقوں کے اتحاد کو حصول آزادی کا جزو لاینفک تصور کیا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت جس کی آبیاری میں ان کے اخبار نے ہراول دستے کا کام کیا، جب ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کرچکی تھی تو جون ۱۸۵۷ء میں انھوں نے

لکھا "اے سپاہ دلیر اے تلنگان بغیر تاریخوں میں جس طرح سے سلطنت ہائے سابقہ میں کارنامہ ہائے شجاعان زمان گزشتہ یادگار ہیں کہ تاریخ فی الہند میں خاندان ہیدو بسنتی میں ضیم دارحن وغیرہ بہادری میں یادگار ہیں اور علی ہذالقیاس تواریخ فارس میں شجاعت رستم وسام اور سلطنت اہل اسلام میں فتوحات حضرت صاحب قرآں امیر تیمور گاں اور دلیران فوج چنگیز خانی و بہادران ہلاکو خانی و افواج نادریہ تواریخوں میں لکھے چلے آتے ہیں اور آخر زمانے کے لوگوں کی ہمت کو بڑھاتے ہیں اور جرات کو ترقی دیتے ہیں، اسی طرح یہ معرکہ تمہارا بھی تواریخوں میں لکھا جائے گا اور صفحہ عالم پر یہ کارستانہ تمہارا یاد رہے گا کہ اس بہادری اور جواں مردی سے تم نے ایسے اولوالعزم اور متکبر سلطنت کے غرور کو توڑا ہے اور ان کی نخوت و فرعونیت اور غرور و تعلی کو یکسر خاک میں ملا دیا ہے ...."

جب یہ بغاوت ۱۰ مئی کو کھلم کھلا شروع ہو گئی تو مولانا محمد باقر نے اپنی ذات اور اپنے اخبار دونوں کو اس کیلئے وقف کر دیا۔ اخبار کا ۱۷ مئی کا پورا شمارہ انھوں نے بغاوت نمبر کی شکل میں شائع کیا۔ اس میں دہلی شہر، دہلی چھاؤنی، انبالہ، میرٹھ، سہارن پور، اور رڑکی کے حالات غدر بیان کئے گئے۔ اس شمارہ میں مولانا محمد باقر نے "راقم آثم" کے پردے میں ایک طویل رپورٹ شائع کی جو اس عظیم جنگ آزادی کے چشم دید حالات کی ایک بے نظیر روئیداد ہے۔

پھر ۲۴ مئی کے شمارے میں شمالی ہندوستان کے کئی اور مقامات اور دہلی کے حالات غدر پیش کئے گئے۔ بغاوت کے واقعات رقم کرنے کے علاوہ وہ باغیوں کو باہمت بنانے کے لئے تجویزیں اور نصیحتیں بھی شائع کرتے رہے۔ اسی شمارے میں مولانا محمد باقر کے فرزند مولوی محمد حسین آزاد کی مشہور نظم "تاریخ انقلاب عبرت افزا" بھی شائع ہوئی۔

اس جنگ کی تخصص رپورٹنگ کرنے کے علاوہ مولانا محمد باقر بہادر شاہ ظفر کے ایک معاون کی حیثیت سے بھی سرگرم رہے۔ بادشاہ نے ان کے مجاہدانہ کارناموں کے صلے میں اپنے نام کی مناسبت سے ان کے اخبار کا نام "اخبار الظفر" کر دیا۔ چنانچہ اس اخبار کے آخری دس شمارے اسی نام سے شائع ہوئے۔

تقریباً پانچ ماہ کی تمازت اور تمکنت کے بعد یہ بغاوت بالادست فرنگی کی تدبیر و عیاری اور دیسی ریاستوں کی حربی کمزوری اور اندرونی نزاع کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ اس کے فوراً بعد انگریزوں نے بغاوت کے مجاہدوں، حامیوں اور دیگر مشتبہ لوگوں کی اندھا دھند گرفتاری اور گولیوں سے ہلاکت شروع کر دی۔

مولانا محمد باقر کی شہادت کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ باغیوں کو دلی کالج کے انگریز پرنسپل ٹیلر کے، جو عیسائیت کا زبردست مبلغ تھا قتل کی ترغیب دینے کے شبہ میں فرنگی حکام نے مولانا باقر کو گولی مار دی۔

ایک اور خاندانی روایت، جو آغا محمد باقر اور محمد حسین آزاد نے بیان کی، یہ ہے کہ وسیع و عریض گرفتاریوں کے ایام میں انگریز حاکموں نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو مولانا محمد باقر کو بھی گرفتار کر لیا اور ۱۶ ستمبر کو انھیں کیپٹن ہڈسن کے سامنے پیش کیا۔ ان کے حکم سے انھیں اسی دن دہلی دروازے کے باہر میدان میں گولی سے شہید کر دیا گیا۔ جس دن مولانا محمد باقر کو دیگر عمائدین شہر کے ساتھ گولی ماری جانے والی تھی ان کے فرزند مولوی محمد حسین آزاد اپنے والد کے ایک دوست کرنل سردار سکندر سنگھ کی مدد سے بھیس بدل کر اور ان کا سائیس بن کر دہلی دروازے کے باہر خونی دروازے کے سامنے میدان میں ان کے آخری دیدار کے لئے گئے وہاں چاروں طرف فوجی پہرا تھا۔ مولانا باقر نماز پڑھ رہے تھے۔ آزاد گھوڑے کی باگ تھامے فاصلے پر کھڑے تھے اور منتظر تھے کہ کب آنکھیں چار ہوں۔ مولانا صاحب نے نماز ختم کر کے نظر اٹھائی تو سامنے اپنے پیارے بیٹے کو دیکھا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ادھر یہی حالت بیٹے پر گزری۔ مولانا محمد باقر نے فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور ساتھ ہی اشارہ کیا کہ بس آخری ملاقات ہو چکی۔ اب رخصت۔ مولوی محمد حسین آزاد خود بھی اخبار کے سرگرم قلم کار ہونے کی وجہ سے مشتبہ افراد کی فہرست میں تھے ان کے والد کا اشارہ پاتے ہی کرنل سکندر سنگھ نے اپنا گھوڑا موڑ لیا اور دونوں وہاں سے واپس چلے آئے۔

تقریباً ۷۷ سال مولانا محمد باقر بے رحم سامراجیوں کی توپ کا لقمہ ہو گئے، لیکن انھوں نے رضا بہ قضا جام شہادت نوش کیا۔

ان کی شہادت کے فوراً بعد انگریز حکام نے دہلی اردو اخبار کا ایک ایک شمارہ، جو تلاش کرنے کے بعد ان کے ہاتھ آ گیا جلوا دیا۔ بہر حال اس کے کافی شمارے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی میں آج بھی محفوظ ہیں جن میں ۱۸۵۷ء کی عظیم جنگ آزادی میں اردو صحافت کا نادر حصہ مندرج ہے جو اس جنگ کی کئی اہم کڑیوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ (بشکریہ: پی آئی بی) ■

تلک ۔ ہندوستان کے عوام کی بیداری کے نقیب

لوک مانیہ تلک کا شمار ان رہنماؤں میں ہوتا ہے، جنہوں نے جدوجہد آزادی کی شروعات سے ہی سوراج کے سلسلے میں ہندوستان کے حق پر زور دیا تھا۔ انھوں نے برطانوی سامراجیت کے مفاد اور ہندوستان کے عوام کی آرزوؤں اور توقعات کے درمیان بنیادی تنازعہ کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ تنازعہ اس وقت تک حل نہیں کیا جاسکتا جب تک ہندوستانیوں کو خود اپنی تقدیر بنانے اور ملک کا انتظام چلانے کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اس قسم کے مقاصد حب الوطنی کے شدید جذبات کو فروغ دیکر رائے عامہ تیار کر کے، لوگوں میں ایک دوسرے کا احترام کرنے کا جذبہ پیدا کرکے سیاسی حقوق دینے کے لئے برطانوی حکام پر دباؤ ڈال کر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

تلک نے ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی پوری زندگی میں زبردست کوششیں کیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کے بانیوں میں سے، تلک ان اولین رہنماؤں میں سے تھے، جنہوں نے قوم پرستی کے فلسفے اور نظریے کی تشہیر کی۔ اور انھیں مقبول عام بنایا۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس کے پہلے رہنما تھے، جنہیں ان کی سیاسی تحریروں کے لئے جیل بھیج دیا گیا تھا۔

قلم کی طاقت :- تلک نے ۱۸۸۱ء میں ہفتہ وار "کیسری" شروع کیا تاکہ اس طریقے کے بارے میں بلا خوف قلم اٹھایا جائے جس کے تحت سرکاری افسران اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کی تنقید اور انداز بیان اتنا زبردست ہوتا تھا کہ جس کی وجہ سے حکومت نے انھیں ۱۸۹۷ء میں ۱۹ مہینوں کے لئے جیل بھیج دیا۔ انھوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ انتظامی خامیاں، سیاسی ناانصافی اور معاشی استحصال کی روک تھام صرف ہندوستانی رائے عامہ کے تئیں ہندوستانی انتظامیہ کو زیادہ ذمہ دار بنا کر کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ہم وطنوں کے سامنے سوراج کا نظریہ پیش کیا۔ اپنی بھلائی کے لئے اور اپنی مرضی کے مطابق ملک کا انتظام چلانے کے سلسلے میں لوگوں کے حق کے طور پر سوراج کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے سوراج کے نظریے کا تین مختلف پہلوؤں میں ذکر کیا۔

سوراج کی وضاحت :- تلک کے مطابق، لفظ سوراج کا مطلب لازمی طور سے ایک آئینی حکومت ہے وہ ایک ایسی حکومت، جو عوام کی خواہشات کے مطابق کام کرے۔" اس نظریے کی توثیق ۱۹۰۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے کھلے اجلاس میں اپنی صدارتی تقریر میں دادا بھائی نوروجی نے کی تھی۔ تلک نے اس بات پر مسلسل زور دیا کہ لوگ اپنے سیاسی حقوق اپنی زبردست کوششوں سے ہی حاصل کرسکتے ہیں۔

سوراج میرا پیدائشی حق ہے :- تلک نے بنگال کی تقسیم کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے ۱۹۰۶ء میں پورے ملک کا دورہ کیا۔ ان کا نعرہ "سوراج میرا پیدائشی حق ہے اور میں اسے لے کر رہوں گا" ملک کے کونے کونے میں گونجنے لگا۔ ان کا یقین تھا کہ ہندوستان میں قوم پرستی کے جذبے کو ہندوستان کے ماضی کے ثقافتی ورثے کے ذریعے فروغ دیا جاسکتا ہے۔

قومی تعلیم :- لوگوں میں ثقافتی قوم پرستی کو فروغ دینے کے سلسلے میں قومی تعلیم انتہا پسندوں کا ایک اور اہم ذریعہ تھی تلک نیو انگلش اسکول اور بعد میں فرگوسن کالج قائم کر کے اس سمت میں پہلے ہی ایک اہم قدم اٹھا چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے، اس سے طلباء میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں مغربیت کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ قومی تعلیم نوجوانوں میں سخت محنت، خود اپنی ثقافت پر فخر کرنے جیسی خوبیاں پیدا کرنے کی ایک کوشش تھی۔

سودیشی :- ہندوستانی صنعت کو حکومت کی طرف سے مکمل طور پر نظرانداز کئے جانے کے سبب تلک یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ ہندوستانی عوام کو اپنے آپ کو جمود سے نکالنے کے لئے خود اپنے وسائل پیدا کرنے چاہئیں۔ چنانچہ انھوں نے سودیشی کی تشہیر کی، یعنی اپنے ملک میں تیار کی گئی چیزوں کا استعمال تقسیم کی وجہ سے سودیشی کے منفی پہلو یعنی برطانوی سامان کا بائیکاٹ کرنے پر ایک مؤثر سیاسی ہتھیار کے طور پر زور دیا گیا تاکہ حکومت پر دباؤ ڈالا جائے اور اسے

رائے عامہ کے تئیں زیادہ ذمہ دار بنایا جائے

بنگال کے انقلابیوں کی تشدد پسند کارروائیوں کا اثر تلک پر پڑا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور انھیں سزا دی گئی۔ ملک کی آزادی کے کاز میں تلک کی قربانی کا یہ بہترین لمحہ تھا۔ برما میں منڈالے کی دور دراز جیل میں چھ سال کے لئے تلک کی قید کی وجہ سے ملک میں سیاسی مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ ۱۷ جون ۱۹۱۴ء کو ملک میں ان کی واپسی سے عوام کے دل باغ باغ ہو گئے۔ انھوں نے اپنی خراب صحت کے باوجود ملک کی آزادی اور عوام کی بہبود کے کاز کے لئے اپنے آپ کو پھر سے وقف کرنے کی اپنی خواہش کا اعلان کیا۔ لیکن ۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمنی پر جنگ کے سلسلے میں برطانوی اعلان کی وجہ سے ملک میں سیاسی صورتحال مکمل طور سے بدل گئی۔

اہم کامیابی:- جنگ کے زمانے میں تلک کی سب سے اہم کامیابی کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان لکھنؤ معاہدے کے سلسلے میں ان کا تعاون تھی۔ لکھنؤ معاہدہ ملک میں متحدہ سیاسی عزم کا اظہار تھا۔ تلک نے سوراج کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مختلف عناصر کو متحد کرنے کے سلسلے میں رہنمائی کی۔ ہوم رول کے لحاظ سے، برطانیہ کے ساتھ ان کے جھگڑے کا براہ راست تعلق سوراج حاصل کرنے کے ان کے پروگرام سے تھا ۔۔۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس مہم کے سلسلے میں تلک پورے ملک میں مقبول ہو گئے۔ ان کا نظریہ بالکل واضح اور دور رس تھا۔ ہوم رول کے مظاہرے کے پہلے مرحلے نے انھیں قومی سطح پر پہنچا دیا تھا۔

تلک کی وفات سے ہندوستان کی جد وجہد آزادی کی تاریخ میں ایک دور کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک عظیم اسکالر، ہندوستان کی تحریک آزادی کے ایک بانی اور ایک عظیم رہنما تلک کو آج بھی ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں انکے بے لوث کارنامے نمایاں کیلئے یاد کیا جاتا ہے (بشکریہ...)

صفحہ کا

بقیہ :- دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت گولڈن جبلی سال میں داخل

اختیار دیا گیا ہے کہ اقتصادی ترقیات اور سماجی انصاف کے لئے اسکیمیں بنائے اور ان اسکیموں پر عملدرآمد کرے۔ اس ایکٹ کے تحت ریاستوں / مرکز کے تحت علاقوں کو اب اس کی بھی اجازت مل گئی ہے کہ وہ اپنے ریاستی الیکشن کمیشن قائم کرنے کیلئے قانون بنائیں اور ہر پانچ برسوں کے بعد ریاستی مالیاتی کمیشن بنائیں۔

بنیادی سطح پر ترقی ہو سکے اس کے لئے ضروری ہے کہ اقتدار کی بنیاد کو مضبوط کیا جائے۔ ہمارے عوام اب اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ اپنے جشن زریں کے موقع پر قوم کی قیادت کر سکیں کیونکہ ہم ۲۱ویں صدی میں داخل ہونیوالے ہیں اور ہمارا مستقبل شاندار ہے۔ ■■

ہندوستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ کا نشان

ہندوستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ کا نشان (لوگو) تین اجزاء پر مشتمل ہے، جو تاریخ کے اس عظیم لمحے سے بہت مطابقت رکھتے ہیں۔ یہ تین اجزاء ہیں چکر، پرچم اور پچاس کا ہندسہ۔ اس نشان میں سب سے نیچے ہیں سمندر کی موجزن لہریں۔ اس کے اوپر پچاس کا ہندسہ افق کی علامت ہے اور اس سے اوپر آسمان کی بلندیاں طے کرتے ہوئے تابناک سورج کی مانند "چکر" بنا ہوا ہے۔ یہ نشان قومی پرچم کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا ہے۔ یہ ان روایتی اقدار کے ورثے کا اظہار کرتا ہے، جو ایک جدید بعصر دنیا میں ضم ہوتی ہیں ۔۔۔ "چکر" سارناتھ میں اشوک کے ستون کا ایک لازمی حصہ ہے، جو ہندوستان کی تہذیب، آدرشوں اور بنیادی اصولوں کی علامت ہے۔ چکر کی چوبیس اسپوکس یا تیلیاں کثرت میں وحدت کی نمائندگی کرتی ہیں جو اس مختلف النوع قوم کو ایک رشتے میں باندھتا ہے۔ "چکر" موزوں اور رواں انداز میں حرکت کا اظہار کرتا ہے نیز کائنات اور انسانی زندگی کے سب سے بڑے قانون کی بھی علامت ہے یہ تسلسل کو ظاہر کرتا ہے ۔۔۔ پرچم کے زعفرانی، سفید اور سبز رنگ ہندوستان کی بہادری و شجاعت اور پاکیزگی کی روایات کو اجاگر کرتے ہیں جو ملک کی حقیقی اقدار کی بنیاد ہیں۔ کبھی ختم نہ ہونے والی لہروں کے سلسلے میں، یہ ہر ہندوستانی کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ایک نئے عہد کے تئیں از سر نو وقف کرنے کی دعوت دیتا ہے، تعمیر کے کام میں شریک ہونے کا عہد۔ اس کوشش میں روزانہ تعمیری کردار ادا کرنے کا عہد ۔۔۔ یہ نشان ایک پُرمعنی انداز میں گذشتہ پچاس برسوں میں ہندوستانی جمہوریت کی مسلسل پیش قدمی کو ظاہر کرتا ہے۔ "چکر" ہندوستانی جوہر و قابلیت، ملک کی جمہوریت کے مستقبل میں اعتماد نیز ہندوستانی عوام اور دنیا کے لئے اس کی معنویت اور مطابقت کا بھی مظہر ہے۔ ■■

مولانا محمد علی جوہر ـــــ عظیم مجاہد آزادی

رئیس مرزا

انقلاب فرانس کے ایک مفکر نے لکھا ہے کہ آزادی پہلے ذہن میں قائم ہوتی ہے، پھر اس کا ظہور اعمال کے ذریعہ بیرونی دنیا میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں دہنی آزادی کا اعلان محمد علی نے کیا۔ ان کے جذبہ سرفروشی نے مردہ دلوں کو گرما دیا اور آزادی کے مقصد سے ان کی زندگیوں میں ہیجان برپا کر دیا۔ انہوں نے آزادی کی جنگ کے مفہوم کو عوام تک پہنچانے کے لئے نہ دلفریب استعارات استعمال کئے، نہ مصلحت کو قریب آنے دیا بلکہ قوم کی روح کے پوشیدہ سراب کو چھیڑ کر عوام کو محنت و قربانی کا سبق پڑھایا۔ علاوہ ازیں زندگی کے مقابلے میں موت کو گلے لگانا سکھایا اور کہا ۔

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی
ہوس زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی
نقد جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر
کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا ہے یہی

مولانا محمد علی کا دل و دماغ آئینہ کی طرح صاف و شفاف تھا اس کا اندازہ ۹ نومبر ۱۹۲۴ء کو "ہمدرد اخبار" میں چھپی ان کی اس تحریر سے کیا جا سکتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوتے ہوئے قلم زد کی تھی۔ "پروردگار جو فدویت اور جاں فروشی کی روح حسین ابن علی کو اپنے اجداد ابراہیم و اسمٰعیل و محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین سے ملی تھی اسی عزم و استقلال اور اسی صبر و استقامت کی عاجزانہ درخواست میں بھی کرتا ہوں۔ یقیناً ان کی اس عاجزانہ درخواست نے قبولیت کا شرف حاصل کیا۔

مولانا محمد علی نے جس بے جگری اور بے خوفی سے برطانوی سامراج کے خلاف آواز اٹھائی اور ہر قدم اور ہر راہ میں آنے والی مشکلات کو خوش آمدید کہا، اس کی دوسری مثال مشکل سے ملے گی۔ حق گوئی و بے باکی اور سرفروشی میں کوئی بھی شخص محمد علی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ یہ مولانا محمد علی ہی تھے جنہوں نے کہا تھا۔

پیغام جو ملا تھا حسین ابن علی کو　　خوش ہوں وہی پیغام قضا میرے لئے ہے

۱۴ اپریل ۱۹۱۹ء کو رولٹ ایکٹ کے خلاف تقریر میں مولانا محمد علی نے مہاتما گاندھی کی سیاسی رہبری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے طوق غلامی کو اتار پھینکنے کا اعلان کیا۔ جب ترک موالات اور سودیشی کی تحریک کا آغاز ہوا تو محمد علی کی گرجدار آواز فضاؤں میں گونج اٹھی۔

"صلوٰۃ عشق کا وضو خون سے ہوتا ہے۔" آپ سوراج کے سچے عاشق ہیں تو اس نماز کا وضو کرنے کے لئے اپنی آرام طلبی و تن آسانی کا خون کریں۔ آپ کے بدن پر جو تن زیب اور ڈوریاں ہیں اسے اتار پھینکیں، یہی چیز ہے جس کی قیمت سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس نے امرت سر میں آپ کے بھائیوں کو پیٹ کے بل چلوایا۔ آپ کہتے ہیں کھدر میں گرمی لگتی ہے۔ قرآن کریم میں دوزخ کا ذکر یاد کرو اور دوزخ کی آگ سے ڈرو جو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔" مولانا محمد علی نے مہاتما گاندھی کی سودیشی تحریک کو ایک حرکت اور ایک گرمی عطا کی اور چھوٹے بڑے ہر ایک کے دل میں ایک نیا جذبۂ آزادی پیدا کر دیا۔ مولانا محمد علی ہی کے اصرار پر سی۔ آر۔ داس نے اپنی پریکٹس ترک کی۔

مولانا ہندو اور مسلمانوں کو ساتھ لیکر چلنا چاہتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کی اکتوبر ۱۹۲۰ء کی تقریر سے لگایا جا سکتا ہے "اگر تمہیں آریہ ورت اور بھارت ماتا سے محبت ہے تو آس پاس کے ملکوں کی آزادی کو بچانے کی کوشش کرو جنہوں نے اپنی آزادی برقرار رکھی ہے ورنہ یاد رکھو تمہارے پاؤں کی بیڑی اور بوجھل ہو جائے گی۔"

بدکردار سیاست والوں کے بارے میں مولانا ایک جگہ لکھتے ہیں "ایک فریبی، ریاکار، مفاد پرست اور بدکردار سیاست داں ملک کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ اپنے کو خالص ہونے کا ڈھنڈورہ کیوں نہ پیٹتا رہے۔ جو شخص اپنے نفس کی حفاظت اور تربیت سے غافل ہے وہ اپنے خاندان کو کیا نفع پہنچا سکتا ہے اور جو اپنے خاندان والوں کے سود و بہبود سے غافل ہے وہ ملت کے سود و بہبود کے لئے کیا کر سکے گا اور جو ملت کے لئے کچھ نہیں کر سکتا ہے

وہ بھلا قوم و ملک کے لئے کیا کر سکے گا۔

مولانا محمد علی کا عقیدہ تھا کہ برطانوی استبداد کے خلاف متحدہ جد و جہد ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ایسے رشتے میں پروئے گی جو ناقابلِ شکست ہوگا۔ انھوں نے کہا تھا کہ "میں کہتا ہوں میرا سب سے اعلیٰ بادشاہ خدا ہے اور خدا نے مجھ کو ویسا ہی آزاد پیدا کیا ہے جیسا کہ جارج پنجم کو۔ پھر آزادی کی آواز اور بلند ہوتی ہے اور کہتے ہیں "مجھکو جیل جانے دو۔ مسٹر تلک اگر ضرورت ہو تیسری بار جیل بھیج دیئے جائیں۔ مسز اینی بیسنٹ دو بارہ نظر بند کر دی جائیں بلکہ اس بڑھاپے میں سے اگر ضرورت ہو تو اپنے ہی بالوں سے پکڑ کر انھیں پھانسی دے دی جائے، لیکن ہندوستان کو آزاد ہونے دیجئے تاکہ آئندہ کوئی شخص کسی ہندوستانی مرد و عورت کو یہ نہ کہہ سکے کہ تو پیدائشی غلام ہے"۔

مولانا کی ۵۳ سالہ زندگی ہندوستان کی تاریخ کا زریں باب ہے جو بھلایا نہیں جا سکتا۔ عوام میں سیاسی شعور کی بیداری، برطانوی سامراج کے خلاف عوامی جد و جہد کا آغاز اور دستوری اصلاحات سے متعلق مطالبات کی گوناگوں پیچیدگیوں کا احساس۔ تینوں کی ابتدا اسی دور میں ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا محمد علی کی جرأت، عزیمت، حق گوئی اور مجاہدانہ سرفروشی نے ہماری تحریک آزادی میں مقصد کی وہ تپش اور قربانی کا وہ جذبہ پیدا کر دیا جس کے بغیر سامراجی قوتوں کا مقابلہ ممکن نہ تھا۔ جو شخص اس حسرت کے ساتھ میدانِ سیاست میں داخل ہوا ہو۔

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی
ایک لاش پڑی ہوئی گورِ دکن سے دور

اس کے اثرات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے محمد علی لندن گئے اور وہاں اپنی تقریر میں فرمایا "میں جس مقصد سے یہاں آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں واپس جا سکتا ہوں جب کہ میرے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ ہوگا ورنہ میں ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں ایک غیر ملک میں جو کہ آزاد ہے مرنے کو ترجیح دوں گا اور اگر آپ نے ہندوستان کو آزادی نہیں دی تو پھر آپ کو یہاں مجھے قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی"۔

لندن ہی میں ۴، جنوری ۱۹۳۱ء کو مولانا نے داعئ اجل کو لبیک کہا اور سرزمین بیت المقدس (یروشلم) میں دفن ہوئے۔ رسول اللہ کی معراج بھی بیت المقدس کے راستے سے ہوئی تھی۔ اس لئے علامہ اقبال نے اپنی فارسی نظم میں مولانا محمد علی کو خراجِ عقیدت ان الفاظ میں پیش کیا "سوئے گردوں رفت ازاں راہے کہ پیغمبر گزشت" یعنی وہ آسمان پہ اس راستے سے گئے جو پیغمبر اسلام کا معراج کا راستہ تھا۔

پروفیسر نظامی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا کہ مولانا محمد علی نے ایک سوتی ہوئی قوم کو ابھار کر ایک قوت بنا دیا تھا۔ انھوں نے ٹوٹی ہوئی کشتی کے ملاح کی طرح طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دی۔ بقول مولانا سلیمان ندوی "وہ شکست خوردہ فوج کا آخری سپاہی تھا جو اعداء کے نرغے میں تنہا لڑ رہا تھا۔ آخر کار زخموں سے چور ہو کر ایسا گرا کہ پھر کھڑا نہ ہو سکا" مولانا محمد علی کے وصال کو نصف صدی سے زیادہ گزر چکی ہے لیکن فضاؤں میں آج بھی ان کی یہ آواز گونج رہی ہے۔

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے "محمد علی کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ بڑے تھے لیکن ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ یہ تنگ دلوں اور تنگ نظروں کا فیصلہ ہے۔ مردِ غازی کے کارنامے کا اندازہ مقبولیت کی وسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی، جشن و جلوس کی ہماہمی و طرب انگیزی، تمغہ و اسلحہ کی جھنگ اور جھنکار سے نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ ٹوٹی ہوئی تلوار، بکھری ہوئی زرہ، بہتے ہوئے لہو، دہکتی ہوئی روح، دمکتے ہوئے چہرے اور ڈوبتے ہوئے سورج کے وقت اس نے جنگ کیسے کی"۔

آگے لکھتے ہیں "کس بلا کے بولنے والے اور لکھنے والے تھے کہ بولتے تو معلوم ہوتا ابوالہول کی آواز اہرامِ مصر سے ٹکرا رہی ہے، لکھتے تو معلوم ہوتا کہ کیمپ کے کارخانے میں توپیں ڈھلنے والی ہیں یا پھر شاہ جہاں کے ذہن میں تاج کا نقشہ مرتب ہو رہا ہے۔ ملک و ملت کی جنگ اب بھی جاری ہے، لیکن نعرہ جنگ خاموش ہے۔ فتح و شکست تو اس کے لئے بنائی گئی ہیں کہ فتح و شکست تو ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن جنگ جو کہلاہے شہادت کس کو نصیب ہوگی، ایسا حسین کہاں جس کو خود یزید کی تلاش ہے"۔ (بشکریہ پی آئی بی) ■



ریاستی گورنر شری آر کے رگھو ناتھ ریڈی یومِ آزادی کے موقع پر گاندھی بھون
میں حب الوطنی پر مبنی قومی و وطنی گیتوں کے ایک کیسٹ کا افتتاح
کرتے ہوئے۔ نیچے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ایک خاتون مجاہدِ آزادی
کو گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے۔



MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
September 1, 1997

Special Issue

REGD No WB / CC-596
Vol No 44, Issue No 16 & 17
Price Rs 2/-



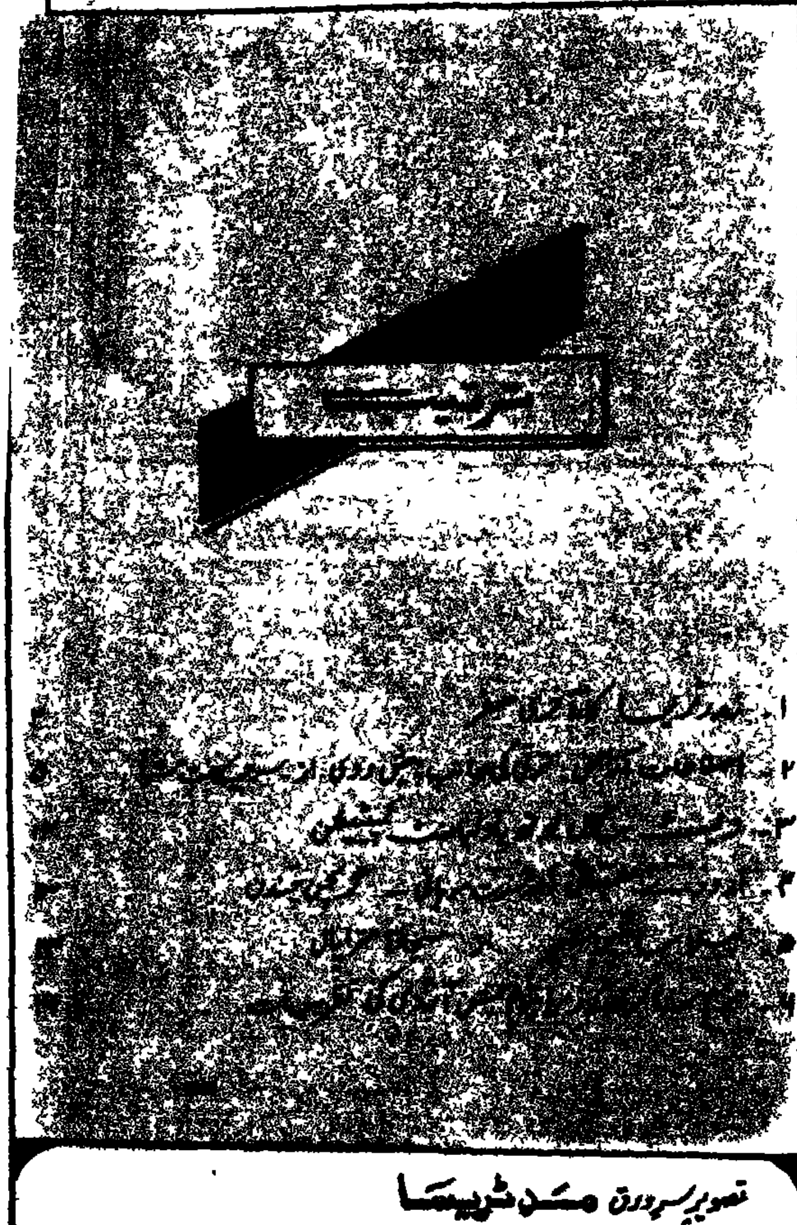
l Editor Tarun Bhattacharya Asst Editor Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt of
ernment of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166 Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta 700 012

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۴ ■ ۱۵ ستمبر اور یکم اکتوبر ۱۹۹۷ء ■ شمارہ نمبر ۱۸ اور ۱۹



تصویر برسرورق مدر ٹریسا

ولادت: یوگوسلاویہ ۲۷ اگست ۱۹۱۰ء

وفات: کلکتہ ۱۳ ستمبر ۱۹۹۷ء

مدیراعلیٰ :- ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ: دس روپئے • نصف سالانہ: پانچ روپئے

• فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

مدر ٹریسا کا آخری سفر!



لاش بردار فوجی جوانوں کے کاندھوں پر مدر ٹریسا کی میت انڈور اسٹیڈیم میں ملکی و غیر ملکی سوگواروں کے سامنے سے گزرتی ہوئی

قومی سربراہوں کے تاثرات



گزشتہ ۱۳ ستمبر کو کلکتہ ایک بار پھر ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ دنیا بھر سے پُر وقار شخصیتوں نے مدر ٹریسا کے آخری دیدار کے لئے شہر کی طرف پرواز کیا۔ مدر ٹریسا جن کا انتقال ۵ ستمبر کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ہوا تھا، کو ریاستی تجہیز کے بعد ہاؤس کی ایک نجی قبر میں لٹا دیا گیا۔ موت کے وقت ان کی عمر ۸۷ سال تھی۔ ان کی تجہیز و تکفین سے قبل چھ دنوں تک ان کے جسد خاکی کو عام دیدار کے لئے مڈلٹن رو میں واقع سینٹ تھامس چرچ میں رکھا گیا تھا جہاں لاکھوں عقیدتمندوں اور پرستاروں نے تعزیت کی اور ان کی روح کے امان کے لئے دعائیں مانگیں۔ سرکاری تجہیز کے پیش نظر ۱۲ ستمبر کو ان کی جسد خاکی کو فوج نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ مدر ٹریسا کی لاش کو قومی جھنڈے سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ رسم تجہیز کی ادائیگی کے لئے اس تاریخی توپ گاڑی کو جو گاندھی جی اور نہرو جی کے جنازوں کے لئے استعمال کیا گیا تھا کلکتہ لایا گیا۔

تجہیز و تکفین کے دن آخری سفر کی تیاری صبح ۶ بجے شروع ہوئی۔ ۱۵ ویں راجپوت رجیمنٹ اور نواں گورکھا رجیمنٹ کے منتخب سپاہیوں نے اپنا پوزیشن سنبھال لیا۔ مذہبی رسومات کے بعد چار میجر جنرل اور دو بریگیڈیر سمیت چھ فوجی آفیسروں نے چرچ سے لاش بردار صندوق کو باہر نکالا لایا۔ جنازے کے آگے دائیں میں جی او سی (بنگال ایریا) کے میجر جنرل جتندرا سنگھ تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے تین خاص ماتم دار گامزن تھے۔ ایک کے ہاتھ میں صلیب کا نشان تھا باقی دو اپنے ہاتھوں میں قندیل لئے چل رہے تھے۔ آگے آگے فوجی افسران لاش بردار صندوق کو لئے گامزن تھے۔ ان سب کے پیچھے سسٹر نرملا، سسٹر فریڈرک، سسٹر جیہ

تھے۔ جلوس پارک اسٹریٹ سے ہوتا ہوا چورنگی کی طرف مڑ گیا اور ڈلہوزی سے گزر کر کیشور سینا ایونیو اور ریڈ روڈ چھوکر نیتاجی انڈور اسٹیڈیم پہنچا۔ جلوس کی ہر رہگزر کے دونوں کنارے منتظر ماتم دار مجمع مادر کے آخری دیدار کے لئے صبر و تحمل سے کھڑا تھا۔ ان میں بیشتر لوگ صبح صادق سے قبل گھر سے نکل پڑے تھے۔ لاش بردار گاڑی جیسے ہی ان کے نزدیک پہنچی یہ لوگ بیتاب ہو اٹھے۔ ان سے کچھ باندھے گئے بیرئر کے پیچھے پیچھے جلوس کے ساتھ چلنے لگے۔ کچھ لوگوں نے بینر اور اشتہارات کے



• وزیر اعظم شری آئی کے گجرال خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے

ذریعہ اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ کچھ لوگوں نے مدر ٹریسا کی لاش پر پھول برسائے اور سفید فاختوں کو ہواؤں میں آزاد پرواز کیا۔ اہم سڑکوں کے ہر موڑ پر قریبی سرکٹ کے ٹی وی سیٹ لگائے گئے۔ جلوس کے آگے اخباری رپورٹروں اور فوٹو گرافروں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ دوردرشن سے براہ راست واقعات کو ٹیلی کاسٹ کرنے کے لئے فوجی ہیلی کوپٹر متعین کئے گئے تھے

مدر ٹریسا کے جسد خاکی کے ساتھ توپ گاڑی تقریباً دس بجے اسٹیڈیم گیٹ



• وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے

اور کالے لباس میں ملبوس مدر ٹریسا کی بھتیجی ایگی بوجیشو تھیں۔

لاش بردار صندوق کو توپ گاڑی میں لا کر رکھ دیا گیا۔ گاڑی اور اسکو کھینچنے والی ٹریکٹر کو سفید پھولوں کے مالا سے سجایا گیا تھا۔ گاڑی کی دونوں جانب متعین دو فوجی جوان اور ٹریکٹر کے ڈرائیور کے پیچھے تینوں خاص ماتم دار کھڑے تھے۔ خیراتی مشنریز کے تین سسٹرس اور تین پادری گاڑی کی بائیں طرف نشست تھے۔ توپ گاڑی کی نگرانی کے لئے دائیں طرف آٹھ فوجی افسران بیٹھے ہوئے تھے۔

صبح نو بجے کلکتہ پولس کے دو سرجنٹ کی قیادت میں تجہیزی جلوس شروع ہوا۔ فوجی عملہ کے علاوہ اس جلوس میں گاڑیوں کی رہنمائی مدر ٹریسا کے خاندان کے قریبی افراد، خیراتی مشنریز کے مختلف مراکز کے لوگ اور پادری حضرات کر رہے

پر پہنچی۔ فوج کا لاش بردار علم بردار گور کا نعزہ "آ گفتیر پراسس مونی" کے سروں کے ساتھ داخل ہوا اور لاش بردار صندوق کو ترچھی میز پر رکھ دیا۔ اسٹیڈیم کے بیچ میں رکھی میز نیلی بارڈر کی سفید چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ڈائس پر رکھی سفید نٹ پلیں جن نیلی بارڈر کے گھیرے میت روشن تھیں۔ اس مقدس اور اداس ماحول میں خیراتی مشینریز کے مغاں نے بنگلہ اور ہندی میں حمد اور مذہبی نوعیت کے گیت گائے تھے اس کے بعد مشہور گائکہ اوشا اتھپ نے ایک گیت مدر کی نذر کرتے ہوئے گایا۔

کلکتہ کے بیشپ پادری فدر ہنری ڈی، سوزا نے اپنی تقریر میں کہا کہ مدر دل کو چھو لینے اور بیماروں کی تکالیف کو دور کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھیں: ان کے مطابق ناپسندیدہ اور محروم محبت ہونے کا احساس ایک شخص کیلئے سب سے بڑی مفلسی ہے۔

ریاست کے سکریٹری برائے ویٹیکن کارڈنیل انجیلو سوڈانو نے رومن کیتھولک عوام کی قیادت کی۔ انھوں نے پوپ جان پال دوئم کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ اس پیغام میں مادر ٹریسا کی زندگی کو "بائیبلی اعتقاد کا ترجمان" بتایا۔ انھوں نے مزید کہا کہ "کلکتہ کی مدر ٹریسا نے اپنے وجود کی گہرائی سے محبت کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ انھوں نے مذہبی سرحد کو پار کرکے اپنی پوری توانائی کے ساتھ اس حقیقت پر عمل کیا" پوپ نے اپنے پیغام میں کہا کہ غریبوں کے لئے اپنی محبت کے پیغام کے ساتھ مدر ٹریسا نے ان پر ہونے والی ہر تنقید کو جھٹک دیا تھا۔

مسٹر نرملا نے اپنی مختصر تعزیتی تقریر میں مدر ٹریسا کے کام کو جاری رکھنے کے لئے عہد کیا۔ انھوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ وہ غریب، بیمار، ادھ مرے، جذام زدہ اور بھوکے لوگوں کی خدمت کے لئے اپنے موقف پر قائم رہیں گی۔ انھوں نے غریبوں کے لئے مادر کی خدمات کی سراہنا کرنے اور سرکاری تجہیز کا اہتمام کرنے کے لئے حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

مسٹر نرملا کی تقریر کے بعد مختلف مذاہب و اعتقاد کے پیشواؤں نے مدر کی روح کے اماں کیلئے اپنی مذہبی کتابوں کے حوالے سے دعائیں مانگیں۔ مذہبی رسومات کے بعد مدر ٹریسا کے جسد خاکی پر دنیا کی اہم شخصیتوں نے پھول چڑھائے۔ ان اہم شخصیتوں میں البانیہ، گھانا اور اٹلی کے صدور، بنگلہ دیش اور انڈیا کے وزیر اعظم، بلجیم، اردن اور اسپین کی ملکاؤں، فرانس، پولینڈ اور اقوام متحدہ کی اولین خواتین نے گلہائے عقیدت پیش کئے۔ اس کے بعد وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو اور سب سے آخر میں صدر ہند کے آر نرائنن نے گلہائے عقیدت پیش کئے۔

بیشپ پادری ڈی، سوزا نے اپنی اختتامی تقریر میں سرکاری تجہیز کے انتظامات میں بھرپور تعاون کرنے کے سلسلے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کا بطور خاص ذکر کیا۔ انھوں نے ایسے عظیم جلوس کی انتظام کاری کے لئے کلکتہ کی پولس اور فوجی حکام کی سراہنا کی۔

تعزیتی جلسہ کے اختتام کے بعد فوجی لاش برداروں نے میت کو ایکبار پھر توپ گاڑی پر لا رکھا۔ اب لاش بردار گاڑی اپنا آخری اور حتمی سفر طے کرنے کے لئے میوُر روڈ، پارک اسٹریٹ، اچاریہ جگدیش چندر بوس روڈ سے گزرتے ہوئے مدر ہاؤس سے ۵۰ میٹر دوری پر رُک گئی۔

لاش بردار گاڑی کی واپسی سفر کے دوران بھی ہزاروں لوگوں کو سڑکوں کی دونوں طرف منتظر پایا گیا۔ وہ لوگ مدر کی جدائی میں زار و قطار رو رہے تھے اور بے تابی کے عالم میں جلوس کے ساتھ آگے بڑھنے کیلئے کوشاں تھے۔

ریاستی جلوس اس وقت ختم ہوگیا جب معلّٰکر میت برداروں نے ملٹری بینڈ کے ساتھ توپ گاڑی سے لاش کو اٹھا کر لاش بردار صندوق کو مدر ہاؤس کے اندر لے گئے۔ مذہبی رسومات ادا کرنے کے بعد فوج نے بگل پر آخری سلامی ادا کی۔ مدر ہاؤس کے سامنے ۱۲ فوجی جوانوں نے باری باری سے گولیوں کی سلامی دی۔ دو منٹ کی خاموشی کے بعد ایک بار پھر ملٹری بگل بجا۔ اس بار بگل کی آواز آخری خیر باد کہنے کا اعلانیہ تھا

[illegible]

۱۔ ریاست مغربی بنگال میں اصلاحات آراضی کی نمایاں خصوصیات

مغربی بنگال کے اندر اصلاحات آراضی (۱) حد بندی سے فاضل قطعات آراضی کی سرکاری تحویل (۲) تحویل شدہ آراضی کی تقسیم (۳) برگہ داروں کے اندراج (۴) بے زمین اور بے گھر زرعی مزدوروں، ماہی گیروں اور دیہی دستکاروں کو رہائشی قطعات آراضی کی سند عطا کرنے (۵) اصلاحات آراضی سے مستفیض ہونیوالوں اور دیگر چھوٹے اور حاشیائی کاشتکاروں کو غیر آراضی ضروریات کی ترتیب تقسیم اور (۶) دیہی حقوق ریکارڈ کی تشکیل پر مشتمل ہیں۔

۲۔ اصلاحات آراضی کی ابتک کی کارگزاری۔

۲۔۱۔ اصلاحات آراضی کی ابتک کی کارگزاریوں کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ حد بندی سے فاضل قطعات آراضی کی تحویل۔ ۱۳٫۰۲ لاکھ ایکڑ (کُل زرعی آراضی)

۲۔ تحویل شدہ قطعات آراضی کی تقسیم۔ ۱۰٫۱۳

۳۔ تحویل شدہ قطعات آراضی پانیوالوں کی تعداد۔ ۲۳٫۸۶ لاکھ

۴۔ اندراج شدہ برگہ داروں کی تعداد ۔ ۱۴٫۷۶ لاکھ

۵۔ رہائشی قطعات آراضی سے مستفیض ہونیوالوں کی تعداد ۔ ۲٫۷۷ لاکھ

۳۔ حد بندی سے فاضل قطعات آراضی کی تحویل

۳۔۱۔ جولائی ۱۹۶۷ء کی صورت حال

ڈبلیو۔بی۔ای۔اے ایکٹ کے تحت سرکاری تحویل میں لیے گئے کا عمل

۱۔ زرعی قطعات آراضی	۶۰۰۵۷۶٫۲۲ ایکڑ
۲۔ غیر زرعی قطعات آراضی	۱۳۴۶۲٫۱۴
۳۔ جنگل اور دیگر	۸۶۹۸۹۵٫۴۸
کُل	۱۸۸۳۹۰۳٫۸۴

۳۔۲۔ ۱۹۶۷ء سے قبل کی تحویل میں لینے کا عمل فطری طور پر تکنیکی ہوا کرتا تھا۔ بیشتر طور پر تحویل میں لیے کا عمل کاغذ پر رہا کرتا تھا ان پر قبضہ حاصل کرنا بڑا ہی مشکل ہوا کرتا تھا اور تحویل میں لینے کے بعد بھی سابق سالشان یا بڑی رعیتیں قطعات آراضی ہذا کو مصرف میں لاتی تھیں۔ تحویل میں لینے کے عمل کے سلسلہ میں لی گئی بیشتر کارروائیوں کے خلاف مالکان قطعات آراضی نے عدالتوں میں معاملے دائر کیے۔ ان معاملوں کی شاید ہی پیروی ہو پائی۔

۳۔۳۔ تحویل شدہ قطعات آراضی کی تقسیم کے سلسلہ میں حکومت نے کوئی پالیسی وضع نہیں کی تھی اور بورڈ آف ریونیو نے بھی تقسیم ہذا سے متعلق کوئی حساب نہیں رکھا تھا اور نہ ہی اس نے اس کام کی نگرانی کی تھی۔

۳۔۴۔ ۷۷۔۱۹۶۷ء کے دوران تحویل میں لینے کا عمل

	ڈبلیو۔بی۔ای۔اے۔ایکٹ	ڈبلیو۔بی۔ایل۔آر ایکٹ
۱۔ زرعی قطعات آراضی۔	۳۰۹۴۰۲۶۲۸	(۱) ۱۰۰۶۴۱٫۸۸ ایکڑ (صرف زرعی)
۲۔ غیر زرعی قطعات آراضی۔	۱۱۵۷۸۱٫۲۱	
۳۔ جنگل و دیگر ۔	۹۰۱۶۴٫۸۸	
کُل ۔	۵۱۵۳۴۸٫۳۷ ایکڑ	

کُل زرعی قطعات آراضی = ۱۶٫۴۴۰۰۴۱ ایکڑ

۳۔۵۔ بیشتر تحویل میں لئے جانے کا عمل ۷۱۔۱۹۶۷ء کے دوران میں ہوا۔ سوائے ۱۰۰۶۴۱٫۸۸ ایکڑ قطعات آراضی کے جو ڈبلیو۔بی۔ایل۔آر ایکٹ کے خاندانی حد بندی کے قوانین کے تحت تحویل میں لئے گئے تھے۔ ۷۱۔۱۹۶۷ء کے دوران اتنی بڑی مقدار میں حد بندی سے فاضل قطعات آراضی کی نشاندہی کرنے کے لئے محض ایک خصوصی مہم کی ہی تشکیل نہیں کی گئی تھی بلکہ ۱۹۶۷ء

سے قبل کی تحویل میں لینے کے لئے بھرپور تر فتح عمل لیا گیا تھا۔ حکومت نے اصلاحات آراضی کے مایہ ناز وزیر سبھے کرشنا کونار کی قیادت میں ایک واضح اصلاحات آراضی پالیسی اپنائی تھی اور اس میں (۱) حد بندی سے فاضل ایسے قطعات آراضی کو کھوج نکالنے اور ان کو تحویل میں لینے، جنہیں مالکان زمین نے متعدد غیر قانونی اور غیر اخلاقی ذرائع کو استعمال کر کے چھپا کر رکھا تھا اور (۲) مستحق مستفیض ہونے والوں کو منتخب کرے اور انہیں عرصہ دراز سے جاری نہ کئے گئے پٹے دلوانے پر ترجیح دی تھی۔ حکومت نے ہائی کورٹ میں ایسے معاملوں کی پیروی کے سلسلہ میں مؤثر اقدامات بھی اٹھایا اور اس مدت کے دوران عدالتوں نے بیشتر فیصلے ان کے حق میں دیئے۔

۳-۶ ۱۹۷۷ء اور ۱۹۹۷ء کے دوران تحویل میں لینے کا عمل:

ڈبلیو۔بی۔ای لے۔ایکٹ	ڈبلیو۔بی۔ایل۔آر ایکٹ
۱۔ زرعی قطعات آراضی - ۹۴۴۳۵۰٫۴۶ ایکڑ	(۱) ۱۴۷۷۳۰٫۲۸ ایکڑ (زرعی)
۲۔ غیر زرعی قطعات آراضی - ۷۵۳۰۳٫۸۲ "	
۳۔ جنگل اور دیگر - ۷۳۹۶۸٫۷۸	
کل = ۲۴۱۵۰۸٫۰۶ ایکڑ	

کل زرعی قطعات آراضی = ۲۳۹۹۶۵٫۷۴ ایکڑ

۳-۷۔ مذکورہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہوگی کہ مدت مذا کے دوران اس ریاست میں ۲۴ لاکھ ایکڑ پر مشتمل زرعی قطعات آراضی عطا کی گئی تھیں۔ اس حقیقت کے باوجود ڈبلیو بی ایل آر ایکٹ کی پیش کردہ زوردار نکتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بے شمار مقدمہ بازیاں کرنی پڑیں۔ متعدد رعیتی انجمنوں نے ہائی کورٹ میں خاندانی حد بندی کی گنجائشوں کو للکارا اور بالآخر سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ ڈبلیو۔ بی ایل آر ایکٹ کے تحت حد بندی مکمل طور پر بدستور جائز ہے۔ لیکن سپریم کورٹ نے یہ فیصلے ۱۹۸۰ء کی دہائیوں کے اوائل میں دیئے تھے۔ آخرکار ان گنجائشوں کو روبہ عمل لانے میں کافی وقت بیت گیا اور اس دوران بہت ساری بڑی بڑی رعیتوں نے اپنی زمین فروخت کر ڈالی۔ ان گنجائشوں کے نفاذ میں گہری پیچیدگیاں پیش آئیں۔

۳-۸۔ مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ کی دوسری اور تیسری ترمیمات

۳-۸-۱۔ گزشتہ دہائی کے دوران ایک بڑی ترقی یہ عمل میں آئی ہے کہ مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ کے اندر دوسری اور تیسری دو اہم ترمیمات عمل میں آئی ہیں۔ دوسری ترمیم کی اہم خصوصیات ذیل میں درج

کی جاتی ہیں۔

(i) حد بندی کے تعین کے مقصد کی وضاحت کے تحت اقسام کی قطعات آراضی میں آراضی کی تعریف کو شامل کیا گیا۔

(ii) ریونیو افسروں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ بے نامی زمین کی جانچ پڑتال کریں۔

(iii) نجی مذہبی اور خیراتی وقف (چیریٹیبل ٹرسٹ) کی زمینوں کو وقف کے حاکم کی زمین کے تحت رکھا گیا۔

(iv) غیر زرعی قطعات آراضی کے ثالثی کے حق کا خاتمہ کر دیا گیا۔

۳-۸-۲۔ ۱۹۸۱ء کے دوران دوسری ترمیم کو مغربی بنگال اسمبلی نے پاس کیا تھا اور بعدازیں اسے صدر کی منظوری کے لئے حکومت ہند کے پاس روانہ کیا گیا تھا۔ اسے صدر ہند کی منظوری ۱۹۸۶ء میں ملی۔ دریں اثناء کچھ چھوٹی چھوٹی بے راہ رویوں کو دور کر کے دوسری ترمیم کی گنجائشوں کو تقویت بخشنے کے لئے تیسری ترمیم کو وضع کیا گیا۔ صدر کی منظوری پانے کے بعد ریاستی حکومت نے دوسری ترمیم کی گنجائشوں پر عملدرآمد کے شروع ہونے کے فوراً بعد ہی متعدد رعیتی انجمنوں نے دوسری ترمیم کی گنجائشوں کے امور کو چنوتی دیتے ہوئے ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔ سنگل بنچ میں بے نامی سے متعلق دفعہ زائد قطعات آراضی وغیرہ کے قبضہ سے بے دخلی سے متعلق دفعہ جیسے اہم ترین دفعات کو دائرہ عمل سے خارج کر دیا گیا تھا۔ سنگل بنچ نے فیصلہ کے خلاف حکومت مذا نے ڈویژن بنچ میں ایک اپیل دائر کی۔ رعیتی انجمنوں نے بھی ڈویژن بنچ میں سنگل بنچ کے پیش کردہ فیصلوں کو چنوتی دیتے ہوئے ایک اپیل داخل کی۔ مزید برآں ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ سنگل بنچ کے فیصلہ نے ان تمام مانگوں کو پورا نہیں کیا۔ فی الحال دونوں کی اپیلیں ڈویژن بنچ میں فیصلہ کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ ان قانونی دشواریوں کے پیش نظر ریاستی حکومت کے لئے ڈبلیو۔بی۔ایل۔آر ایکٹ کی دوسری / تیسری ترمیمات کو روبہ عمل لانا ناممکن بن گیا۔ ان دشواریوں کے باوجود افسران نے اس میدان میں جہاں کہیں ممکن ہو پایا ہے زائد زمین کی تحویل کے سلسلہ میں اقدامات اٹھا رہے ہیں اور مذکورہ تحویل کی سالانہ کارگزاری ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:-

	۱۹۹۴-۹۵ء	۱۹۹۵-۹۶ء	۱۹۹۶-۹۷ء
ایل۔آر۔ ایکٹ کے تحت تحویل	۱۹۸۹۳٫۲۵	۱۷۷۹۰٫۸۰	۱۴۱۸۴٫۷۳
ای لے ایکٹ کے تحت تحویل	۴۴۱۶٫۴۴	۱۱۷۰۶٫۰۷	۸۵۹٫۴۹
	۲۴۳۰۹٫۶۹	۱۸۹۶۰٫۸۷	۱۵۰۴۴٫۱۹

۳-۸-۳۔ فروری ۱۹۹۷ء سے تحویل کو زور دار بنانے کے لئے ایک خصوصی مہم چالو کی گئی اور اس طرح گذشتہ تین برسوں کے دوران تحویل ۲۰۰۰ ایکڑ ملازنہ کے وسط تک پہنچ چکی ہے۔ بہرکیف ڈویژن بنچ، کلکتہ ہائی کورٹ نے ڈبلیو، بی، ایل آر ایکٹ کی ایک اہم دفعہ کو دائرۂ عمل سے خارج کر دیا ہے اور اس فیصلہ نے حالیہ مہینوں کے دوران اس کی تیز رفتار فروغ کو زبردست دھچکا پہنچایا ہے۔ ڈویژن بنچ آرڈر کے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل داخل کی گئی ہے۔

۳-۸-۴۔ مزید اس بات کو برقرار رکھنا ہے کہ برسوں سے اجارہ داروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق کاشتکاروں اور غیر کاشتکار مالکان کی مجموعی تعداد ۴۸ء۱۰ لاکھ تھی یا دوسرے لفظوں میں۔ ۱۹۵۰ء کے دوران اجارہ داروں کی مجموعی تعداد تقریباً ۱۱ لاکھ تھی اور ۱۹۸۱ء کے دوران بڑھ کر ۵۵ء۵۴ لاکھ ہوگئی۔ یہ لازماً اس امر کو تقویت بخشتا ہے کہ قطعات آراضی کا ارتکاز ستایدہی ہو پایا ہے اور نتیجہ کے طور پر بڑے پیمانہ کی تحویل کی گنجائشوں میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ علاوہ ازیں مغربی بنگال جائداد حصولی ایکٹ کے تحت قطعات آراضی بڑے ٹکڑوں میں مہرثالثی اور بڑی رعیت سے مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ کے تحت دستیاب ہے۔ تضاد صرف ای لے ایکٹ کی اجازت سے ملنے والی زمین اور ڈبلیو بی ایل آر ایکٹ کی جانب سے ملنے والی ہدایت پر حد بندی کے درمیان ہے اور ان کو ریاست کے اندر مذکورہ بالا حالات کے تحت ہی تحویل میں لیا جائے گا۔

۴۔ تحویل شدہ زرعی قطعات آراضی کی تقسیم

۴-۱۔ سابقہ بیان کے مطابق ۱۹۶۷ء سے قبل تک تقسیم ہذا کے سلسلہ میں ہماری کوئی سرکاری پالیسی کا وجود نہیں تھا۔ ۷۱-۱۹۶۷ء کی مدت کے دوران خاطر خواہ تعداد میں لائق اشخاص کا انتخاب عمل میں آیا اور مذکورہ عہدوں پر ان کی تقرری عمل میں آئی۔ سرکاری پٹہ جاری کر کے انھیں باضابطگی عطا کرنے کے سلسلہ میں نہ تو وقت ہی رہ پایا تھا اور نہ ہی اس کی کوئی گنجائش بچی تھی۔ ان برسوں کے دوران دستیاب تقسیمی اعداد و شمار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

۱۔ فروری ۱۹۷۶ء تک ۳۰۱ ۳۶۹۹ ایکڑ

۲۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران ۸۴۴۳۳ء۴۴ ایکڑ

۴-۲۔ اگرچہ سرکاری رپورٹ یہ کہتی ہے کہ فروری ۱۹۷۸ء تک ۹۱۵۵۰۵۰۷۶ ایکڑ قطعات آراضی کی تقسیم ہوئی لیکن بعض تحقیقات صورت حال کی کچھ اور ہی تصویر پیش کرتی ہیں۔ ۱۹۷۸ء کے پنچایت انتخابات کے بعد یہ بات طے پائی تھی کہ پنچایت کو یہ ذمہ داری سونپی جائے گی کہ وہ قطعات آراضی کی تقسیم کے لئے لائق اور موزوں اشخاص کا انتخاب اور ان کی سفارش کریں۔ پنچایت راج اداروں کے اراکین کی خاطر دستیاب تحویل شدہ قطعات آراضی کے اعداد و شمار کی اشاعت کے وقت یہ حقیقت سامنے آئی۔ حکومت مغربی بنگال کی ۱۹۷۹ء کے دوران شائع شدہ شماریاتی رپورٹ — II میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ مخصوص دفعات کے تحت ایک مخصوص وقت کے اندر ضلع حکام تقسیم کے لئے دستیاب تمام قطعات آراضی تقسیم شدہ قرار دے دیا۔ وہ اچھی طرح اس حقیقت سے واقف تھے۔ مذکورہ بالا بات غلط تھی۔ وہ مستفیض ہونے والے بھی جنہیں قطعات آراضی نہیں ملیں اچھی طرح جانتے تھے کہ بیان ہذا غلط تھا۔ وہ حکام جنہوں نے ایک بے موزوں میعاد وقت کے اندر یہ اعلانیہ جاری کیا تھا۔ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بالکل غلط تھا۔

تحقیقاتی رپورٹ جو نمونہ کے طور پر تیار کی گئی ہے، اس کے نتائج یہ بتاتے ہیں کہ مارچ ۱۹۷۷ء تک دراصل ۳۶۹۳۰۱ ایکڑ زرعی قطعات آراضی کی تقسیم ہوئی تھی۔ ۱۹۷۶ء تک تقسیم شدہ قطعات آراضی کی حقیقی مقدار پر تفصیلی تحقیق کا کام جاری ہے اور اس کا مقصد مقدار ہذا کے ایک مخصوص اعداد و شمار تک پہنچنا ہے۔ مارچ ۱۹۹۷ء تک ۱۰۱۲۶۴۹ ایکڑ زرعی قطعات آراضی بے زمین، قریب قریب بے زمین اور حاشیائی کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کی جا چکی ہیں۔ لہٰذا ۱۹۷۷ء تا ۱۹۹۷ء کی مدت کے دوران قطعات آراضی کی حقیقی تقسیم کا حساب (۳۶۹۳۰۱-۱۰۱۲۶۴۹) = ۶۴۳۳۴۸ ایکڑ تک پہنچتا ہے۔

۴-۳۔ قطعات آراضی کی مذکورہ بالا مقدار کو ۲۳۸۶ لاکھ مستفید ہونے والوں کے درمیان تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں ۴۶ء۴ لاکھ شیڈولڈ ٹرائب ہیں اور ۸۶۹ء۸ لاکھ شیڈولڈ کاسٹ ہیں۔ الغرض ان کی کل آبادی کے ۲۷ فیصد کے مقابلہ میں ۵۶ فیصد اشخاص تقسیم ہذا سے مستفیض ہوئے ہیں۔

۴-۴۔ گرچہ یہ بڑی اہمیت کا حامل نہیں ہے تاہم تحویل شدہ قطعات آراضی کی ایک مخصوص فیصد کو متعدد عدالتوں کے احکامات کے تحت تقسیم

ہونے سے محروم رکھا گیا تھا۔ بہرکیف ڈبلیو بی ایل آر ایکٹ کے موزوں دفعات کے تحت تقسیم سے محروم کچھ قطعات آراضی کو از سرنو تقسیم کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔ اب بھی ۱،۸۸ لاکھ ایکڑ زرعی قطعات آراضی پر حکم امتناعی لگے ہوئے ہیں۔ فی الحال تقریباً ایک لاکھ ایکڑ زرعی قطعات آراضی کو متعدد شعبوں میں منتقل کردیا گیا ہے۔

۴۔۵۔ غیر زرعی قطعات آراضی۔ ابتک ۵،۱۸۶ ایکڑ کل غیر زرعی قطعات آراضی کو اس ریاست کے اندر تحویل میں لیا گیا ہے۔ حکومت نے ریونیو انتظامیہ کو یہ احکامات جاری کیا ہے کہ وہ پنچایت کے اراکین سے اشتراک کے ساتھ غیر زرعی قطعات آراضی کا محاسبہ کرے اور آراضی ہذا کی کتنی مقدار ابتک زرعی آراضی میں منتقل ہوچکی ہیں اس کا بھی جائزہ پیش کرے۔

مذکورہ بالا قسم کی قطعات آراضی کو بھی بے زمین، قریب قریب بے زمین اور حاشیائی کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کی جارہی ہے۔

۴۔۶۔ حال میں جاری ہوئے ایک سرکاری حکمنامہ کے ذریعہ پنچایت کی متعلقہ پائیدار سمیتی اور ریونیو حکام سے کہا گیا ہے کہ وہ بیوی اور شوہر کے مشترکہ نام پر پٹہ جاری کریں۔ ابتک تقریباً ۴ لاکھ پٹہ مشترکہ ناموں پر جاری کیا جاچکا ہے۔

۴۔۷۔ اس میدان میں کل ہند موازنہ کرنے پر مغربی بنگال کی کارگزاریاں قابل ستائش رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں اس ریاست کی کارگزاری کی تفصیل اختتامی صفحہ پر پیش کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۴۹،۹۷ لاکھ ایکڑ زرعی قطعات آراضی کی قومی تحویل کے مقابلہ میں مغربی بنگال نے تنہا ۱۱،۷۲ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی کو تحویل میں لیا ہے اور یہ تحویل قومی تحویل کی ۱۷ فیصد کے قریب ہوتی ہے گرچہ ملک میں مغربی بنگال ۲،۵ فیصد کل زرعی قطعات آراضی کا مالک ہے۔ تقسیم کی وجہ سے مغربی بنگال کی صورت حال مزید بہتر ہے۔ قومی سطح پر ۵۲،۱۳ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی کی تقسیم عمل میں آئی ہے۔ مغربی بنگال میں ۹،۹۵ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی تقسیم ہوئے ہیں اور تقسیم شدہ کل قومی تقسیم کا ۱۸،۵۱ فیصد ہوتی ہے۔

۵۔ برگہ داروں کا اندراج

۵۔۱۔ ابتک اندراج ہونے والے برگہ داروں کی مجموعی تعداد ۱۴،۹۷ لاکھ کو پہنچتی ہے۔ ذات پات کی بنیاد پر برگہ داروں کی تقسیم درج ذیل ہے:

شیڈولڈ ٹرائب	۱،۹۴ لاکھ
شیڈولڈ کاسٹ	۴،۴۸ لاکھ
دیگر	۸،۹۴ لاکھ

۵۔۲۔ سنہ ۱۹۷۷ء اور سنہ ۱۹۹۷ء کے درمیان اندراج ہونے والے برگہ داروں کی کل تعداد ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

شیڈولڈ ٹرائب	۱۰۸۷۲۵
شیڈولڈ کاسٹ	۲۹۸۳۲۱
دیگر	۵۷۹۳۶۹
کُل	۹۸۶۳۶۵

۵۔۳۔ برگہ دار عام طور پر قطعات آراضی کے مالکان سے خوف کھاتے تھے۔ ان کے دل و دماغ سے اس خوف کو دور کرنے کے لئے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کے سلسلہ میں افسران کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کے لئے ری اورینٹیشن تربیتی کیمپوں کا انعقاد بھی کیا گیا تھا۔ افسران، پنچایت کے رہنما اور منتخب برگہ دار حضرات ۲/۳ دنوں تک ایک چھت کے نیچے ایک ساتھ رہے۔ ان لوگوں نے آزادانہ طور پر آپس میں تبادلۂ خیال کیا اور مشترکہ طور پر اصلاحات آراضی کے کام کاج کے سلسلے میں نئے طریقۂ کار تشکیل کرنے کی تجویز پیش کی۔ ری اورینٹیشن تربیتی کیمپ میں بحث و مباحثہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ پنچایتوں اور کاشتکاروں کی تنظیم پر مشتمل آپریشن برگہ کے قسم کا ایک پروگرام برگہ داروں کے اندراج کے پروگرام پر کامیاب عملدرآمد کے سلسلہ میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ۱۹۷۸ء کے دوران آپریشن برگہ پروگرام چالو کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کے تحت کسی گاؤں میں آپریشن برگہ شروع کرنے کے لئے تعین شدہ تاریخ سے قبل شام کی نشست کے انعقاد کو تقریباً لازمی قرار دیا گیا تھا۔ آپریشن برگہ کے سرگرم سالوں کے دوران ۸۰۰۰ سے زائد نشستوں کا انعقاد کیا گیا تھا۔ آپریشن برگہ پروگرام اور انفرادی شکایات کو دور کرنے کے پروگرام بھی ابتک چل رہے ہیں۔ گذشتہ تین برسوں کے دوران ہونے والی کارگزاریوں کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:-

۱۹۹۴-۹۵ء	۱۰۸۹۱
۱۹۹۵-۹۶ء	۹۷۰۲
۱۹۹۶-۹۷ء	۶۴۴۳

(وسائل، نقاست، لیبٹ ڈس، ریکارڈس اور سروے)

۶۔ رہائشی قطعات آراضی سے مستفیض ہونیوالوں کا اندراج

۶۔۱۔ مغربی بنگال رہائشی قطعات آراضی حصولی آراضی (برائے زرعی مزدور، ماہی گیر، دیہی دستکار) ایکٹ کے تحت ریاستی حکومت نے اب تک رہائشی قطعات آراضی کے سلسلہ میں مذکورہ نوعیت کے ۲۷۷۶۵۰ بے زمین اور بے گھر لوگوں کا اندراج کیا ہے اور انھیں پٹہ عطا کیا ہے۔ ذات پات کے اعتبار سے تقسیم ہذا کی تفصیل یہ پیش کی جاتی ہے:-

شیڈولڈ ٹرائب	شیڈولڈ کاسٹ	دیگر	کل
۵۲۵۱۶	۱۱۵۴۲۹	۱۰۹۷۰۵	۲۷۷۶۵۰

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ایکٹ کے تحت تقریباً ۶۰ فیصد مستفیض ہونیوالوں کا تعلق بیشتر طور پر سماجی اعتبار سے محروم افراد سے ہے۔

اس کی شمولیت کے بعد ان مستفیض ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۶۰۰۰۰۰ ہو جاتی ہے جنہیں دیہی ترقیاتی شعبے نے رہائشی قطعات آراضی کے لئے عطا کئے تھے اور یہ کام قطعات آراضی اور اصلاحات آراضی کے شعبہ کے کام کاج سنبھالنے سے قبل ہی تکمیل کو پہنچ چکے تھے۔

۶۔۲۔ رہائشی قطعات آراضی سے مستفیض ہونیوالوں کو اندراج کرنے کا پروگرام اندرا آواس یوجنا، جواہر روزگار یوجنا سے جڑے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے گھر بنانے کے لئے یوجنا کے تحت مستفیضوں کو مالی تعاون فراہم کیا جا رہا ہے۔

۷۔ ریاست کے اندر زمین رکھنے کے طریقۂ کار میں تبدیلی

۷۔۱۔ دستور ہند کے اندر رہتے ہوئے متعلقہ اصلاحات آراضی کو روبہ عمل لایا گیا اور اس کے نتیجہ کے طور پر دیہی علاقوں کے مفاد پرستوں کی سرگرمی کو خاطر خواہ طور پر کچل دیا گیا اور دیہی سماج میں عرصہ دراز سے چلے آنے ان کے غلبہ کو بہت حد تک کم کر دیا گیا۔

۷۔۲۔ اس ریاست کے اندر اصلاحات آراضی پروگرام کی کامیاب عمل درآمد کی وجہ سے زمین رکھنے کے ڈھنگ اور طریقہ میں زبردست تبدیلی آئی ہے۔ حکومت ہند کی شائع کردہ قومی نمونہ سروے کے اعداد و شمار کے مطابق چھوٹے اور حاشیائی کاشتکار قومی سطح پر ۲۹ فیصد آراضی کے مالک بن گئے ہیں اور چھوٹے اور حاشیائی کاشتکار مغربی بنگال میں تقریباً ۶۰ فیصد کل آراضی کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ساتھ اندراج شدہ برگہ داروں کے تحت قطعات آراضی کا اس میں اضافہ کیا جائے تو قطعات آراضی جن پر غریب کام کرنے والے کاشتکاروں کا ٹھیک ٹھیک عملی قبضہ ہے ۷۰ سے تجاوز کر جا سکتے ہیں اور یہ قومی سطح پر ایک مجموعی ریکارڈ ہے۔

۸۔ مجموعی زرعی پروگرام۔

۸۔۱۔ مغربی بنگال میں اصلاحات آراضی کا کام ایک جامع پروگرام ہے۔ حکومت نے ۱۹۷۷ء سے اس مجموعی زرعی پروگرام کو چالو کیا ہے۔ اس کی جانکاری اختصار کے ساتھ ذیل میں دی جاتی ہے:-

(۱) بہت کم عملی قبضہ، بے زمین اور قریب قریب بے زمین کاشتکاروں کے ساتھ برگہ داروں کے درمیان دستیاب زائد قطعات آراضی کی تقسیم۔

(۲) کاشتکاروں کی انجمنوں اور پنچایت اداروں کی مدد سے نیم عدالتی تحقیقی مشنری کے ذریعہ غلطی پکڑنے اور مزید حد بندی سے فاضل قطعات آراضی کو تحویل میں لے لینے کی خصوصی مہم۔

(۳) آپریشن برگہ کے ذریعہ برگہ داروں کے نام کا جلد اندراج اور اس طرح انھیں ان قانونی حقوق کا دلوانا جن کے وہ لوگ تحریری قانون کے تحت حقدار بنتے ہیں۔

(۴) برگہ داروں اور تحویل شدہ قطعات آراضی کے متولیوں کو ادارہ جاتی کریڈٹ کو یعنی ادارہ جاتی حفاظتی ساکھ کی فراہمی۔

(۵) کام کے عوض غذا اور دیہی لوازمات کے دیگر فروغی پروگرام کا بندوبست۔ اس سے بنیادی طور پر تحویل شدہ قطعات آراضی کے متولی اور برگہ دار حضرات مستفیض ہوں گے۔ یہی نہیں یہ مصیبت کے دنوں میں انھیں غذا فراہم کریگا۔ اس طرح انھیں قطعات آراضی کے امیر مالکان کے سامنے اپنے حاصل شدہ حق سے دستبردار نہیں ہونا ہوگا۔

(۶) برگہ داروں، دستکاروں اور دوسرے کی (۸ دسمل تک) زمین پر قانونی اعتبار سے جائز قبضہ رکھنے والے ماہی گیروں پر مشتمل بے زمین زرعی مزدوروں کو رہائشی مقصد کے تحت مستقل پٹہ کی سپردگی۔

(۷) جہاں زیر زمین آبی کیفیات مذکورہ ٹکنالوجی کو استعمال میں لانے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہاں کنوئیں / نلکیوں کے ذریعہ برگہ داروں اور تحویل شدہ قطعات آراضی کے متولیوں کو آبپاشی کے رسمی اور غیر رسمی چھوٹے



• ایک برگہم

وسائل کی فراہمی۔

(۸) اپنی معاشی حیثیت کو بہتر بنانے کی غرض سے گراں قدر کثیرالفصل کاشتکاری کے میدان میں انھیں بڑھاوا دینے کے لئے مِنی کٹوں کی تقسیم

(۹) برگہ داروں اور حاشیائی کاشتکاروں نے اپنی بدحالی کے دوران اپنی زمینوں کو ان ہاتھوں فروخت کردیا تھا جو انھیں خرید کر بڑے زمیندار بن گئے تھے کیونکہ غریب کاشتکاروں کے پاس ۱۶۰۰ ایکڑ سے کم زمین ہوتی ہے، ان کی کھوئی ہوئی آراضی کی بحالی کرنا۔

(۱۰) قبائلی ذیلی منصوبہ پر عمل درآمد کے ذریعہ قبائلی برگہ داروں، حاشیائی کاشتکاروں اور زرعی مزدوروں کی معاشی ترقی کے جامع قبائلی ترقیاتی پروجکٹ کی مضبوطی۔

(۱۱) کاشتکاروں کے پیشہ سے منسلک افراد کے درمیان تعلیم کی توسیع اور سماجی بیداری پیدا کرنے کے لئے زوردار خواندگی پروگرام پر عمل درآمد۔

۹۔ حقوق کے اندراج کی تیاری

۹-۱۔ ڈبلیو بی ایل آر ایکٹ کے تحت حقوق کے اندراج کی حالیہ نظرثانی کے دوران ایک موضع کے ایک رعیت کے لئے ایک کھتیان سے تیار کیا جاتا ہے اختصار کے ساتھ (اوموک) "OMOK" (یعنی ایک آدمی ایک کھتیان) کہتے ہیں۔ آر۔او۔آر کی تیاری کے سلسلہ میں فوری تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

(تفصیلے)

کل موضع	۴۲۰۶۷
کھاناپوری بوجھارت پائے تکمیل کو پہنچا	۳۹۹۳۴
توثیق پائے تکمیل کو پہنچی	۳۸۴۴۳
ڈی۔پی پائے تکمیل کو پہنچا	۳۸۰۱۰
حتمی اشاعت	۳۶۲۸۶

۹-۲۔ اس امر کا تذکرہ یہاں لازمی ہے کہ مغربی بنگال میں تیار ہونیوالا "اوموک" ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا سائنسی ریکارڈ ہے اور یہ کسی بھی انفرادی رعیت کے مالکانہ قبضہ کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر آئی آر ڈی پی سے مستفیض ہونیوالوں کی غلط شناخت کے واقعات اس ریاست میں نہایت ہی کم ملتے ہیں جبکہ یہ پورے طور پر قبضۂ زمین پر مبنی ہے۔

۱۰۔ جامع ڈھانچہ

۱۰-۱۔ ایک مقام سے دستیاب اصلاحات آراضی سے وابستہ خدمات کی تشکیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۹۸۹ء کے دوران اصلاحات آراضی کے دو رسمی بازو ــ (۱) مجوزہ بازو اور (۲) انتظامیہ بازو ــ کو ایک میں ضم کیا گیا ہے جامع ڈھانچہ کی اسکیم کے ایک جزو کے طور پر رعیتوں کے دروازوں تک خدمات پہنچانے کیلئے گرام پنچایت سطح پر ریونیو انسپکٹر کا ایک دفتر قائم کیا گیا ہے۔ موجودہ آراضی ریکارڈ انتظامیہ کا ڈھانچہ حسب ذیل ہے:

گرام پنچایت سطح ــ ریونیو انسپکٹر کا دفتر۔ پنچایت سمیتی/بلاک سطح ــ بلاک آراضی اور اصلاحات آراضی کا دفتر۔ سب ڈویژنل سطح ــ سب ڈویژنل آراضی اور اصلاحات آراضی کا دفتر

ضلع سطح ــ ضلع آراضی اور اصلاحات آراضی کا دفتر

نمبر شمار	ریاستیں یا یو ٹی ایس	داخل کردہ ریٹرنوں کی تعداد	ترتیب شدہ ریٹرنوں کی تعداد	زیر غور ریٹرنوں کی تعداد	اعلان شدہ زائد علاقہ	مقبوضہ علاقہ	انفرادی مستفیضوں کو تقسیم کردہ علاقہ	رپورٹ کرنے کی میعاد
۱	آندھرا پردیش	۴۴۴۹۰۰	۴۴۴۸۳۳	۶۷	۷۹۵۶۶۵	۶۳۴۴۲۶۲	۵۹۴۳۵۲	۵۲۱۵۶۳
۲	آسام	۲۱۸۹۴	۲۱۳۱۰	۵۸۴	۶۱۲۳۸۰	۵۷۵۸۳۷	۴۷۹۸۷۸	۴۴۱۸۰۴
۳	بہار	۵۴۴۱۳	۵۴۰۴۲	۳۷۱	۴۸۸۲۵۷	۳۴۲۱۳۴	۳۰۳۳۱۷	۳۷۲۵۲۹
۴	گجرات	۵۸۱۷۱	۲۸۹۰۲	۲۶۹	۲۳۱۱۷۲	۱۵۸۹۵۳	۱۳۳۹۹۹	۳۱۳۷۶
۵	ہریانہ	۲۹۰۲۹	۲۸۹۰۸	۱۲۱	۹۳۵۱۱	۸۵۳۴۸	۸۷۲۵۹	۲۷۳۹۲
۶	ہماچل پردیش	۲۷۱۴	۲۷۱۴	۰	۲۸۲۵۸۱	۲۸۱۶۵۲	۳۳۴۰	۴۴۰۰
۷	جمو وکشمیر	۰	۰	۰	۴۵۵۵۷۵	۴۵۰۰۰۰	۴۵۰۰۰۰	۴۵۰۰۰۰
۸	کرناٹک	۱۴۳۶۰۵	۱۴۳۳۲۷	۲۷۸	۳۶۷۷۵۸	۱۵۵۰۲۶	۱۱۷۱۴۷	۳۱۴۱۵
۹	کیرالا	۷۱۵۸۰	۷۰۷۰۵	۸۸۳	۱۳۷۸۳۳	۹۴۸۵۶	۶۴۲۸۳	۱۴۵۱۰۶
۱۰	مدھیہ پردیش	۲۴۱۳۵۱	۲۳۹۹۵۸	۱۳۹۳	۳۵۵۸۲۸	۲۹۹۲۱۸	۱۸۵۳۱۳	۷۲۱۳۱
۱۱	مہاراشٹر	۱۰۶۸۴۵	۱۰۶۵۶۰	۲۸۵	۷۲۹۵۴۸	۶۶۳۴۴۵	۵۵۴۸۷۰	۱۴۰۵۸۰
۱۲	منی پور	۲۳۸	۲۰۰	۳۸	۱۸۳۰	۱۶۸۵	۰۱۶۸۲	۱۲۵۸
۱۳	اڑیسہ	۵۸۱۲۷	۵۷۶۱۴	۵۱۳	۱۷۶۴۵۹	۱۶۵۶۱۸	۱۵۴۲۹۸	۱۳۵۲۱۹
۱۴	پنجاب	۵۳۵۷۰	۵۳۵۶۸	۲	۲۲۲۵۹۴	۱۰۵۱۴۶	۱۰۳۴۸۷	۲۸۲۸۷
۱۵	راجستھان	۸۷۸۰۷	۸۶۶۸۰	۱۱۲۷	۶۰۱۹۲۲	۵۵۸۱۷۹	۴۵۲۱۷۴	۷۷۸۹۹
۱۶	تامل ناڈو	۲۴۱۶۲	۲۱۶۴۲	۲۵۲۰	۱۹۳۶۵۷	۱۷۱۱۱۴	۱۶۲۳۶۹	۱۳۵۲۶۹
۱۷	تریپورہ	۱۶۷۹	۱۶۵۶	۲۳	۱۹۹۵	۱۹۴۴	۱۵۹۹	۱۴۲۴
۱۸	اتر پردیش	۷۲۵۹۶	۷۲۳۶۶	۲۳۰	۵۶۱۲۷۷	۵۲۷۰۳۶	۳۹۰۵۶	۳۴۶۲۰۹
۱۹	مغربی بنگال	۹۲۴۹۲	۸۵۶۰۶	۶۸۸۶	۱۲۷۰۹۹۵	۱۲۰۲۰۰۹	۹۶۵۲۹۳	۲۱۵۱۶۳۲
۲۰	دی اینڈ این نگر حویلی	۱۱۳۶۹	۱۱۳۶۹	۰	۹۴۰۶	۹۳۰۵	۶۸۵۱	۳۳۵۳
۲۱	دہلی	۱۷۰۱	۱۶۹۲	۹	۱۱۳۲	۳۹۴	۳۹۴	۶۵۴
۲۲	پانڈیچری	۳۱۱	۲۵۶	۵۵	۲۳۲۶	۱۱۶۰	۱۰۲۲	۱۳۵۹
	میزان	۱۵۷۸۵۵۴	۱۵۶۳۹۰۸	۱۵۶۵۴	۷۴۹۳۷۷۱	۶۴۸۴۳۲۱	۵۲۱۳۳۲۸	۵۱۲۰۸۵۹



ہندوستان نے اپنے عوام پر حکمرانی کرنے کے لئے پارلیمانی طرز کی حکومت کو منظور کیا ہے۔ ہمارے پارلیمانی نظام سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں اقدار کی تنزلی کے تکلیف دہ رجحان کا مقابلہ کرتے ہوئے جمہوریت کے متعلق ہمارے عوام کی اعلیٰ خیالی کے پیش نظر شعبۂ پارلیمانی امور ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران اسکولوں کی سطح پر ویسٹ بنگال یوتھ پارلیامنٹ کمپیٹیشن (ڈبلیو بی وائی پی سی) کے نہج پر ایک اسکیم کو چالو کرنے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہا ہے۔ یہ اسکیم آپسی اتحاد، نچلی سطح پر جمہوریت کے استحکام کا حامل کرتی ہے۔ اس کا مقصد مختلف زبان، مختلف مذہب و عقائد اور ذات پات اور ثقافت کے لوگوں کے درمیان بہتر سوجھ بوجھ اور ہم آہنگ تعلقات کو فروغ دینا نیز پارلیامنٹ / ریاستی مجلس قانون ساز کے کام کاج سے متعلق ہماری ریاست کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اندر بیداری لانا ہے تاکہ مستقبل میں ایک صحت مند پارلیمانی ماحول میں انکی پرورش اچھے اور مکمل شہریوں کے درمیان ہو اس سے مستقل مشق کے ذریعہ ہمارے عوام کے اندر بڑھتی ہوئی جمہوری امنگوں میں نئی جان پیدا ہو جائے گی۔

اس سے متعلقہ تمام لوگوں کی طرف سے بڑھتی ہوئی مثبت اہمیت کے پیش نظر اس اسکیم کو تعلیمی اداروں کیلئے ویسٹ بنگال یوتھ پارلیامنٹ کمپیٹیشن کی حیثیت سے حسب ضرورت ترمیمات کے بعد پیش کیا گیا ہے اس اسکیم کو ہر سال اس ریاست کے تمام اضلاع کی شمولیت سے تقریباً ۶۰۰ منتخب سکنڈری اسکولوں کے ساتھ ۹۶-۱۹۹۵ء میں اس ریاست کے تقریباً ۳۰۰ عام ڈگری کالجوں میں بھی چالو کیا گیا ہے۔

ویسٹ بنگال یوتھ پارلیامنٹ کمپیٹیشن اسکیم نے اسکولوں اور کالجوں کے بچوں نیز ٹیچروں کے درمیان زبردست جوش و خروش اور دلچسپی پیدا کی ہے اور اس اسکیم کو نویں پانچ سالہ منصوبہ کے دوران پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔

یہ فخر کی بات ہے کہ مغربی بنگال پہلی ریاست ہے جس نے اس اسکیم کو عام طور پر اس ریاست کے تمام ڈگری کالجوں میں بھی سرکاری پہل سے چالو کیا ہے۔

ویسٹ بنگال یوتھ پارلیامنٹ کمپیٹیشن اسکیم کے تحت یونٹ سطح پر یوتھ پارلیامنٹ نشستوں کا انعقاد ریاست کے منتخب اسکولوں میں کیا گیا ہے۔ ریاستی سطح پر یوتھ پارلیامنٹ کمپیٹیشن اور ضلع وار اول آنے والے اسکولوں کے ساتھ تقسیم انعامات کی تقریبات اور اسی طرح کالجوں کے لئے کمپیٹیشن اور علاقائی طور پر اول آنے والے بچوں کے ساتھ تقسیم انعامات کی تقریبات کا اہتمام اور انعقاد ہر سال ہوا ہے۔

ویسٹ بنگال یوتھ پارلیمنٹ کمپیٹیشن اسکیم کے تحت سالانہ کارنامے حسب ذیل ہیں:

۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران ڈبلیو بی وائی پی سی میں ۱۲۸ اسکولوں نے حصہ لیا اور ایک کلکتہ اور دوسرا سلی گوڑی میں منعقد ہونے والے دو ورک شاپس میں ٹیچرس انچارج کو تربیت دی گئی۔ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران پہلا ریاستی سطح پر اسکولوں کیلئے وائی پی سی ضلع وار اول آنے والے ۲۰ اسکولوں کے ساتھ ۳ جنوری ۱۹۹۵ء کو سالٹ لیک اسٹیڈیم کمپلکس میں منعقد ہوا اور ۲ جون ۱۹۹۵ء کو مغربی بنگال مجلس قانون ساز اسمبلی ہاؤس کے مخبلے ہال میں جلسۂ تقسیم انعامات کا انعقاد ہوا۔ اسی سال ڈبلیو بی وائی پی سی میں ۳۴۵ ثانوی اسکولوں نے حصہ لیا اور بردوان، مدناپور، پرولیا، مالدہ اور جلپائی گوڑی میں ہر ایک ورک شاپ اور کلکتہ کے ۳ ورک شاپ سمیت ۸ ورک شاپس میں ٹیچرس انچارج کو تربیت دی گئی۔ ڈبلیو بی وائی پی سی میں شامل ہونیوالے ۵۸ کالجوں کے ٹیچرس انچارج کو اسی سال کے دوران ہونیوالے ۳ ورک شاپ۔ دو کلکتہ میں اور ایک سلی گوڑی میں۔ تربیت دی گئی۔ ۹۷-۱۹۹۶ء کے دوران ضلع وار ۲۰ اول آنیوالے اسکولوں کی شمولیت سے ریاستی سطح کے دوسرے وائی پی سی اور تقسیم انعامات کی تقریب کا انعقاد ۱۱ ستمبر ۱۹۹۶ء کو سالٹ لیک اسٹیڈیم کمپلکس میں کیا گیا اسی سال ڈبلیو بی وائی پی سی میں ۵۵۴ سکنڈری اسکولوں نے حصہ لیا اور ۵ کلکتہ میں اور ایک سلی گوڑی میں ہونیوالے کل ورک شاپ میں ۱۴۴ ٹیچرس انچارج کو تربیت دی گئی۔ اسکے علاوہ ۸ علاقائی طور پر اول آنے والے کالجوں کی شمولیت سے ریاستی سطح کے پہلے وائی پی سی اور ۲۸ مارچ ۹۷ء کو ایک جلسۂ تقسیم انعامات کا انعقاد کیا گیا۔ اسی سال ڈبلیو بی وائی پی سی میں حصہ لینے والے ۱۰۱ ٹیچرس انچارج کو ۲ کلکتہ اور ایک سلی گوڑی میں ہونیوالے کل ۳ ورک شاپ میں تربیت دی گئی۔ مغربی بنگال کے اسکولوں اور کالجوں میں وائی پی سی ایک نمایاں اسکیم ہے اور اسے کامیاب کہا گیا اس پر عمل کرنے کی وجہ سے شعبۂ پارلیمانی امور ہماری ریاست میں مزید ترقی یافتہ اور صحتمند پارلیمانی ثقافت کا ماحول پیدا کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہوا ہے۔



بیسویں صدی کے عین آغاز ہی میں مکمل آزادی کا برملا مطالبہ کرنے والی اردو مجلات کی سیاسی صحافت کا آغاز سید فضل الحسن حسرت موہانی نے کیا۔ انھوں نے اپنا مجلہ "اردوئے معلّٰی" یکم جولائی ۱۹۰۳ء کو علی گڑھ سے شروع کیا۔ اور پہلے ہی شمارے میں ہندوستان کیلئے کامل آزادی کا مجاہدانہ نعرہ لگایا۔ وہ دبستان علی گڑھ کے پہلے باغی تھے۔ انھوں نے صرف نعرہ ہی نہیں لگایا بلکہ اس کے لئے جہاد کیا۔ یہ جہاد بھی ایک ایسے زمانے میں کیا جب فرنگی حکومت کسی لب سے آزادی کا لفظ تک سننے کے لئے تیار نہیں تھی۔

بقول عبدالسلام خورشید برِ اعظم میں Passive Resistance کا نعرہ اور تصور سب سے پہلے مولانا حسرت موہانی نے دیا۔ اسی کیلئے انھوں نے "مزاحمت دفاعی" کی اصطلاح ایجاد کی۔ اسی تصور نے بعد میں "ستیہ گرہ" کا نام پایا۔

جہاد حریت سے سرشار "اردوئے معلّٰی" ایک شعلہ بار مجلہ تھا جس کی تحریروں سے فرنگی حکمراں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ یہ اپنے آغاز سے قریباً دس سال تک حکومت کے جبر و استبداد کا شکار رہا جس سے اس کی اشاعت کئی بار بند ہوئی۔ نامساعد حالات کے باوجود مولانا حسرت موہانی کسی نہ کسی حالت میں اسے ۱۹۴۲ء تک نکالتے رہے۔

"اردوئے معلّٰی" سے قبل قریباً ۴۰ سال تک طنز و ظرافت کے رسائل کا دور دورہ تھا۔ ان میں سے کئی رسائل پھکڑ پن کا مظاہرہ کرنے لگے تھے چنانچہ مولانا حسرت موہانی نے "درستیِ مذاق" کو اپنے "اردوئے معلّٰی" کا ایک خاص مقصد بیان کیا۔ انھوں نے اپنے رسالے میں اساتذہ کے دواوین کا انتخاب بھی شائع کیا لیکن یہ درستی صرف ادبی مذاق تک محدود نہیں تھی۔ اس کی وسعت عوامی مزاج کے دوسرے پہلوؤں تک بھی تھی۔

مولانا کو سرسید کے سیاسی نظریات سے اختلاف تھا۔ سرسید نے اپنے زمانے میں سیاست کو مسلمانوں کے لئے شجرِ ممنوعہ قرار دیا تھا اور انیسویں صدی کے آخری ارباع میں انھیں علیحدگی پسندی کی طرف مائل کر دیا تھا۔ مولانا حسرت اس کی حمایت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے رسالے کے اولین شمارے میں لکھا:

"ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ سرسید اپنے زمانے میں قوم کے مسلم رہنما تھے اور اس وقت انھوں نے مسلمانوں کے حق میں جو کچھ کیا بہتر کیا۔۔۔۔ لیکن ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا زمانے کی اب بھی وہی حالت ہے جو سرسید کے وقت میں تھی؟"

بقول عتیق صدیقی "اصلاحِ مذاق" کا ان کا اعلانیہ مقصد سیاست کے مذاق کی اصلاح تھی۔

مولانا ایک مضبوط سیاسی ذہن کے مالک تھے۔ وہ تحریک آزادی کے اس دور کے انتہا پسندوں کے حامی اور ہم نوا تھے۔ اپنے مجلے سے پیسہ کمانے کی کوئی آرزو نہ تھی۔ یہ اپنی سرفروشی کی تمنا کے لئے ایک ذریعہ اظہار تھا! اور ان کی اس قلندرانہ روش نے بازوئے قاتل کو بار بار شرمندہ کیا۔ گو ان کے رسالے کی ایک ادبی حیثیت تھی لیکن اس میں اس دور کی اس ساری سیاست کی عکاسی ہوئی جس کا تعلق تحریکِ آزادی اور اس میں مسلمانوں کی شرکت سے تھا۔

ان کے رسالے کے سیاسی مواد نے بیسویں صدی کے اولین روزناموں اور ہفت ناموں کی صحافت میں بھی جہادِ حریت کا صور پھونکا۔ "الہلال" اور "زمیندار" اسی روایت کی بہار اور شباب تھے۔

مولانا حسرت موہانی کا ایک اور ممتاز کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس دور کے عظیم سیاسی مفکروں اور دانشوروں کے خیالات اور کارہائے نمایاں کی اپنے کالموں میں زوردار نمائندگی اور تبلیغ کی۔ ان اہلِ دانش میں کیسے کیسے اکابر تھے۔ بال گنگا دھر تلک، آربندو گھوش، لالہ لاجپت رائے، بپن چندر پال، سر فیروز شاہ مہتہ، مسز اینی بیسنٹ۔

کیسا ذہانت، خرد اور فطانت نواز زمانہ تھا۔

اس قافلے کی دوسری صف میں مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، سبھاش چندر بوس، جے پرکاش نارائن اور دیگر اکابر آئے۔

(بشکریہ ماخوذ مقالہ "اردو کے نامور صحافی" از کرشن چندر مشمولہ اردو صحافت، مرتبہ انور علی دہلوی) ■■

پہلا سائنسی شہر

سجاتا مترا پال

ایچ جی ویلز نے ایک ٹائم مشین کے ذریعے انوکھی دنیا کا چکر لگانے کا خواب دیکھا تھا۔ انکے اس خواب نے ہم میں بہت سے لوگوں کو بھی زندگی کے مختلف مرحلوں میں بار بار مسحور کیا ہے۔ یہ خواب اب حقیقت میں بدل گیا ہے۔ ہندوستان کا اولین سائنسی شہر کلکتہ میں بنایا گیا ہے۔ جس کا افتتاح وزیر اعظم شری آئی کے گجرال نے یکم جولائی ۱۹۹۷ء کو کیا ہے۔

اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کا کام نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیم کے سائنسدانوں کی ایک ٹیم نے سرانجام دیا ہے۔ اس نے کلکتہ میں ایک وسیع سائنسی اور تفریح کمپلکس قائم کیا ہے جو باغات اور درختوں کے وسیع ڈھانچوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں بہت سے دلچسپ اور حیرت انگیز سائنسی اشیاء ہیں۔ یہ کمپلکس کلکتہ کے مشرقی کنارے پر دھاپا کے مقام پر بہت تیزی سے تعمیر کیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ جگہ شہر کا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ تھی۔

ایک خواب حقیقت بن گیا:- خواب و خیال کی دنیا کو ۴۰ کروڑ روپے کی لاگت سے حقیقت کا روپ دیا گیا ہے۔ اس کے لئے زمین حکومت مغربی بنگال نے تقریباً مفت فراہم کی ہے۔ یہ سائنسی شہر لوگوں کو سائنس اور ٹکنالوجی کی طرف مائل کرنا نہیں بلکہ ہلکے پھلکے انداز میں روزمرہ کی زندگی میں سائنس کے رول سے آگاہ کرنے کی غرض سے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بھی ہے۔ ملکی اور غیر ملکی سیاح اسے دیکھنے اور یہاں پکنک منانے کے لئے آتے ہیں۔ کلکتہ کے باشندوں کے لئے اس سائنسی شہر کے بننے سے بہت آرام ہو گیا ہے کیونکہ یہاں دوسرے میٹروپالیٹن شہروں کی طرح پکنک کا کوئی مقام نہیں تھا۔

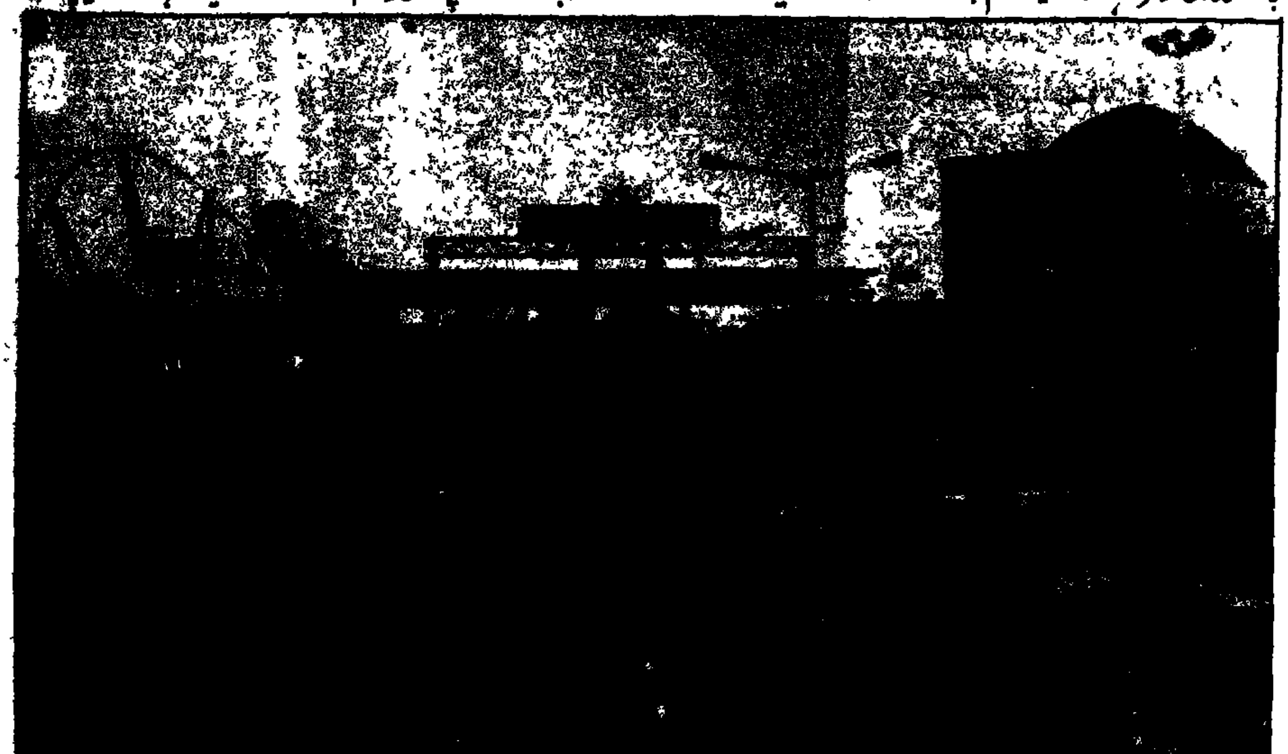
آتش فشاں پہاڑ اور ڈائناسور:- سائنسی شہر میں آپ مصنوعی اسپیس شپ میں بیٹھ سکتے ہیں۔ آتش فشاں پہاڑوں اور اہرام کا نظارہ کر سکتے ہیں جنہیں دیکھنے سے بدن میں سنسنی سی دوڑ جاتی ہے یہاں کی دوسری چیزیں بھی دیکھنے والوں کا من موہ لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر آسٹروویژن کے ساتھ اسپیس تھیٹر، ڈائنو موشن، ایویری، کیڑے مکوڑوں کی دنیا، رینگنے والے جانور، سی بیڈ گیلری، جس میں سمندری جانوروں کی خوبصورت دنیا دکھائی دیتی ہے۔ ان جانوروں کا شاندار رنگ اور طرز زندگی دیکھتے ہی بنتے ہیں۔

امریکہ کے جنگلی جانوروں کے بارے میں ایک مختصر فلم (Serengeti) اور کرۂ ارض سے آگے کی دنیا کی ایک جھلک سائنس شہر کے اسپیس تھیٹر میں دکھائی جاتی ہے۔ کمپلکس کے ایک اور حصے میں دھات سے بنا ہوا ایک عظیم ڈھانچہ ہے جس میں کنونشن سنٹر ہے جس میں ۲۲۵۰ افراد بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹے اور درمیانہ سائز کے کئی کانفرنس روم بھی ہیں۔ کنونشن سنٹر میں کوئی بھی بڑا بین الاقوامی اجتماع منعقد کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک چھوٹا آڈیٹوریم مقامی لوگوں کے کام آتا ہے۔ کنونشن سنٹر کے بیسمنٹ میں زمانہ قبل از تاریخ کے دیوقامت جانوروں کی نمائش لگائی گئی ہے۔ یہاں ڈائناسور اور دیگر نسلوں کے جانور دیکھے جا سکتے ہیں، جن کے بارے میں انسان کو ابتک کچھ معلومات نہیں تھی۔ یہ ڈائناسور وغیرہ اتنی مہارت سے بنائے گئے ہیں کہ ان پر اصل کا شبہہ ہوتا ہے۔ انھیں بلاشبہ دنیا کے سب سے بڑے کھلونے کہا جا سکتا ہے۔ یہ ڈائناسور جو گزشتہ سال ملک بھر میں نمائشوں میں دکھائے جا چکے ہیں، اب مستقل طور پر یہاں رکھے گئے ہیں۔ ان کھلونوں اور دیگر دلچسپ سائنسی اشیا کی نمائش سے لوگ یقیناً محظوظ ہوں گے اور ان میں سائنسی مزاج پیدا ہوگا۔

معیشت حیوانات کے توازن کی مثال:- حیوانات و نباتات کے شروع میں کلکتہ جیسے گنجان آبادی والے شہر میں ایک سائنسی شہر قائم کرنے کے خواب کو حقیقت کی شکل دینا بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔ کوڑے کرکٹ کے اس ڈلاؤ کو ایک سائنسی شہر میں بدلنے کی تجویز نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیم کے سائنسدانوں نے پیش کی تھی اس وقت کلکتہ شہر کی منصوبہ بندی کرنے والوں کے ذہن میں یہ

گئی نئے خیالات تھے۔ لیکن حکومت مغربی بنگال نے نیشنل کاؤنسل آف سائنس میوزیم کی تجویز سے متاثر ہو کر سائنس شہر بنانے کے لئے ۵۰ ایکڑ کا پلاٹ برائے نام قیمت پر الاٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی مرکزی وزارت اور منصوبہ بندی کمیشن نے بھی مطلوبہ رقوم فراہم کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ نتیجتاً آج سائنس شہر کلکتہ میں ایک شاندار اضافہ بن گیا ہے۔ کلکتہ کے باشندوں کو فخر ہے کہ وزیراعظم ہندوستان کی ۵۰ ویں سالگرہ کی تقریبات کے ایک حصہ کے طور پر اس کمپلکس کا افتتاح کرنے کے لئے بذات خود کلکتہ آئے۔

سائنس شہر سائنس اور ٹکنالوجی کے شعبے میں ملک کی گزشتہ پچاس برسوں کی کامیابیوں کی ایک چھوٹی سی جھلک پیش کرتا ہے۔ آپ جب کبھی ملک کی ثقافتی راجدھانی کلکتہ جائیں تو سائنس کا کرشموں اور قدرت کی یہ چھوٹی دنیا ضرور دیکھنے جائیں۔ یہ سائنس شہر سال کے ۳۶۵ دنوں میں روزانہ بارہ گھنٹے آپ کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہے (بشکریہ پی آئی بی)



• سائنس سیٹی کی ایک اندرونی جھلک







آزادی کے جشن زریں کے موقع پر اراکین بزم شاکری کی جانب سے گزشتہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۹۷ء کو دفتر بزم شاکری سے متصل ایک خوبصورت شامیانے میں مختلف ادبی و ثقافتی تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ ترانۂ ہندی سے یک روزہ تقریبات کا آغاز ہوا جسے جناب سلیم شیون کی قیادت میں پارک سرکس پرائمری اسکول کے بچوں نے اپنے مترنم آواز میں پیش کیا۔ صبح ۱۰ بجے غزل خوانی کے مقابلے کا آغاز حضرت شاکر کلکتوی مرحوم کی غزل سے ہوا۔ جس میں علاقے کے مختلف اسکول سے کافی تعداد میں طلباء و طالبات نے حصہ لیا۔ اس مقابلے میں جج کی حیثیت سے جناب سیف الدین کمال، محترمہ زرینہ زریں اور جناب عرشی تقوی نے شرکت فرمائی۔ اس سے قبل آزادی۔ کل اور آج کے عنوان سے مطلوبہ مضامین موصول ہوئے جس کی جانچ بدر الحسن نے کی۔ اسی روز دن کے ۳ بجے تقریباً ۵۰ اسکولی بچوں کی شمولیت سے "سٹ اینڈ ڈرا" مقابلے کا انعقاد ہوا۔ بچوں کے بنائے ہوئے نقش و نگار کی جانچ مشہور آرٹسٹ شری اسرتا سین نے کی۔

اس یک روزہ تقریبات کی اہم کڑی کے طور پر شام کے ۶ بجے ایک پرشکوہ تقریب کا انعقاد ہوا جس میں مختلف مقابلوں میں کامیاب ہونے والے طلباء و طالبات کے درمیان تقسیم انعامات و اسناد کے ساتھ مشہور پیراک اور انگلش چینل پار کرنے والے جناب مسعود الرحمٰن بیدیا اور جانشین وحشت مولانا ظاہر علی شاکر مرحوم کی بیوہ محترمہ نور بی بی کو اعزازیہ دیا گیا۔ اس جلسہ کا آغاز بزم شاکری کے جائنٹ سکریٹری نے خطبۂ استقبالیہ سے کیا۔

اس تقریب میں مہمان اعلیٰ کی حیثیت سے ڈاکٹر پی این رائے پرو وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی، صدر جلسہ کی حیثیت سے جناب سالک لکھنوی چیئرمین مغربی بنگال اردو، مدیر آبشار کلکتہ، مہمانان خصوصی کی حیثیت سے جناب آر کے ہانڈا، آئی جی پی، شری نیل رتن سنہا ڈپٹی میئر کلکتہ کارپوریشن اور جاوید خان کاؤنسلر نے شرکت فرمائی۔ ان سبھوں نے اپنی تقریر میں جناب مسعود الرحمٰن بیدیا کے کارنامے، حضرت شاکر کلکتوی کی ادبی خدمات اور ان کی بیوہ محترمہ نور بی بی کے پرخلوص تعاون کی سراہنا کی۔ اس موقع پر جناب مسعود الرحمٰن بیدیا اور شاکر کلکتوی کی بیوہ کو تحائف اور اعزازات سے نوازا گیا۔

اس تقریب کی نظامت کی ذمہ داری جناب مصطفیٰ اکبر نے انجام دی اور بزم شاکری کے صدر جناب نور کلکتوی نے مہمانان خصوصی کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر جناب مسعود الرحمٰن بیدیا اور نور بی بی نے بھی اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ اسی دن رات کے ۹ بجے ایک عظیم الشان مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت کلکتہ یونیورسٹی کے اقبال پروفیسر ڈاکٹر مظفر حنفی نے کی اور نقابت کے فرائض جناب مصطفیٰ اکبر نے انجام دیئے۔ واہ واہ کی گونج میں یہ مشاعرہ اپنی کامیابی کے منازل طے کرتے ہوئے رات کے ۱۲ بجے اختتام پذیر ہوا۔ مشاعرے میں جن شعراء کرام نے شرکت فرمائی ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر مظفر حنفی، جناب نسیم سلطانپوری، نور کلکتوی، اشرف یعقوبی، ناظم سلطانپوری،

باقی صفحہ 16

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۴ ■ یکم نومبر ۱۹۹۷ء ■ شمارہ نمبر ۲۰

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹا چاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

ترتیب

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ■ نصف سالانہ : پانچ روپئے

• فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر ،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۱۵ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۱...۷

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۱...۷

فون : 25-5601/3371 Ext :710

بائیں محاذ حکومت کے بیس سال

بائیں محاذ حکومت کے کارہائے نمایاں اور انکی اہمیت

جیوتی باسو



مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے بیس سال کی تکمیل جمہوری نظام کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک متحدہ حکومت کے اس متواتر تسلط نے بہت حد تک سیاسی اشتراک کے اس اندرونی استحکام اور مضبوط لنگر کا مظاہرہ کیا جس نے مرکز میں سابق کانگریس (١) حکومت کے مخالفانہ رویہ اور واقعات کی خبروں کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے ریاستی حکومت کو بدنام کرنے کے لئے مغربی بنگال میں پریس کے ایک سیکشن کے منفی کردار کے باوجود اتنے لمبے عرصے تک ریاستی انتظامیہ کی باگ ڈور کو سنبھالے رکھا۔ مغربی بنگال کے عوام نے بڑے پیمانے پر اس حکومت کو اپنی حمایت و تعاون پیش کیا۔ پیچھے کی طرف جائیے تو یہ حکومت جمہوری حقوق، شہری آزادی، سماجی انصاف، زرعی اصلاحات، صنعتی احیائے نو اور تعلیمی و ثقافتی تناظر میں تبدیلیوں کی حمایت میں ایک طویل جدوجہد اور تحریکوں کے نتیجے میں ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آئی۔ ان جمہوری تحریکوں کے دوران جو بائیں محاذ حکومت کے قیام کی باعث ہوئیں، کافی متاثرین روپوش ہوئے اور غریب عوام اور متوسط طبقہ کے لوگوں نے کافی قربانیاں دیں۔

ساتویں دہائی کی شروعات میں نیم فاشسٹ حکومت کے تاریک اور اندوہناک دور جب اسوقت کی حکمراں جماعت اور حکومت نے تمام جمہوری حقوق اور اقدار کو سلب کر لیا تھا کے بعد مغربی بنگال میں ۱۹۶۷ اور ۱۹۶۹ میں دوبار متحدہ محاذ حکومت قائم ہوئے بعد میں اس سے بائیں محاذ کے قیام کیلئے راہ ہموار ہوئی اور جو پے متواتر پانچ بار منتخب ہوئی۔

۱۹۷۷ء میں عہدے کا حلف لینے کے بعد میں نے کہا تھا کہ بائیں محاذ حکومت اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے پوری طرح آگاہ ہے، جو مغربی بنگال کے عوام کی تاریخی رائے کی بنا پر فروغ پائے۔ میں نے اعلان کیا تھا کہ ہماری حکومت صرف رائٹرس بلڈنگس سے نہیں چلائی جائے گی بلکہ عوام کی موثر طور پر خدمات کے لئے ان کے نمائندہ تنظیموں کے ساتھ قریبی تعلقات برقرار رکھے گی۔

گزشتہ ۲۰ برسوں سے بایاں محاذ حکومت عوام کی حمایت اور سرگرم شرکت سے کئی عوامی فلاحی اسکیموں اور پروگراموں کو روبہ عمل لاکر عام لوگوں کو راحت پہنچانے اور ان کے دکھوں اور تکلیفوں کو کم کرنے کے لئے مسلسل کوششیں کرتی چلی آرہی ہے۔ ہر دستیاب موقع پر ہم لوگوں نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ریاستی حکومت کوئی بھی ایسی بنیادی تبدیلی لانے کا سبب نہیں بنی ہے جس کی رو سے موجودہ دستوری کام کاجی ڈھانچہ کے دباؤ اور پابندیوں کے تحت کام کرنے پڑے ہوں۔ بہرکیف ہماری یہ ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جاسکیں اور ان کی زیادہ سے زیادہ ضرورتیں پوری کی جاسکیں۔ بایاں محاذ حکومت نے تمام لوگوں کے لئے جمہوری حقوق اور شہری آزادی کو پُر یقین بنایا ہے۔ یہ عوامل زور ڈالتے ہیں خصوصاً نادار، محتاجوں، مشقت کرنے والے لوگوں اور متوسط طبقہ پر۔ اصلاحات آراضی، زرعی ترقی اور جمہوری لامرکزیت کے ذریعہ پنچایت راج نظام کے استحکام پر خصوصی توجہ ڈالنے والی ہماری پالیسی کے ساتھ ہم لوگوں نے

زراعت کے میدان اور متعلقہ سکٹروں میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ غذائی اجناس کی پیداوار کے میدان میں ہماری کارگزاریوں کو ستائش و تحسین کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ریاستی حکومت کے اصلاحات آراضی پروگرام نے دیہاتوں کی تصویر کو یکسر بدل ڈالا ہے اور اصلاحات ہذا سے دیہی عوام کو بلاشک و شبہ بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ پنچایتیں گوناگوں دیہی ترقیاتی پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لا رہی ہیں یعنی دیہی غریب لوگوں کے لئے منافع بخش روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور عام فوائد کے لئے پائیدار اثاثوں کی تخلیق کرنے وغیرہ جیسے کام انجام دینا پنچایتوں کا نصب العین بن گیا ہے۔ منصوبہ بند اسکیموں کی تشکیل اور ان پر عمل درآمد کے سلسلہ میں لوگوں کی شمولیت کے ذریعہ منصوبہ بندی کی لامرکزیت فلاح عام کے لئے ہماری حکمت عملی کا جزو بنتی ہے۔ ریاست نے ماہی پروری، سماجی جنگل کاری، گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعت، تعلیم اور ثقافت جیسے میدانوں میں زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔

زرعی پیداوار کے فائدے کے لئے ہم لوگوں نے لاتعداد آبپاشی اسکیمیں چالو کی ہیں۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران آبپاشی اسکیموں کے ذریعہ مجموعی فصل علاقہ (یعنی گروس کروپڈ ایریا) کے ۳۰ فیصد کو ہی بروئے کار لایا گیا تھا۔ ۱۹۹۶-۹۷ء کے دوران آبپاشی کے ذریعہ مذکورہ بالا بروئے کار آنے والے علاقہ کی شرح بڑھ کر ۵۰.۶۷ فیصد ہو گئی۔

ریاستی حکومت پینے کے پانی کی توسیع کو ترجیح دیتی چلی آرہی ہے۔ ۱۹۷۷ء کے دوران ہمارے گاؤں کی ۱۴ فیصد آبادی کو ان اسکیموں کے زیر عمل لایا گیا تھا اور ۱۹۹۶-۹۷ء کے دوران ہماری ۷۹.۲۰ فیصد دیہی آبادی کو اسکیم ہذا کے تحت لایا گیا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے دوران شہری سکٹر کے ۴۳ فیصد کو مذکورہ اسکیموں کے زیر عمل لایا گیا تھا اور ۱۹۹۶-۹۷ء کے دوران اضافہ کے ساتھ ہماری ۶۴.۷۶ فیصد شہری آبادی کو اسکیم ہذا کے تحت لایا گیا ہے۔

حالیہ برسوں کے دوران توانائی سکٹر کے بجلی پیدا کرنے کے عمل میں قابل ذکر بہتری آئی ہے اور آنے والے برسوں میں صنعتی اور گھریلو دونوں ہی صارفین کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اور زیادہ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں اضافہ کی خاطر مزید پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن (یعنی تقسیم) نظام کو استحکام بخشنے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ دیہی بجلی کاری پروگرام پر مزید توجہ دی جا رہی ہے۔ اس پروگرام کے تحت اب تک ۷۷ فیصد گاؤں کو لایا گیا ہے۔ بقیہ ۲۳ فیصد گاؤں تک بجلی پہنچانے کا کام جاری ہے۔

تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے نظریہ کے تحت تعلیمی سکٹر کی مختلف شاخوں میں بے شمار اسکیموں اور پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت اپنی تمام تر توجہ دے رہی ہے اور طلبا کو زیادہ سے زیادہ علم و مہارت سے آراستہ کر رہی ہے تاکہ وہ وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کر پائیں۔ تعلیم کو درجہ دوازدہم تک مفت قرار دیا گیا ہے اور خواندگی تحریک سرکاری اور غیر سرکاری ایجنسیوں کی مشترکہ کوششوں سے ریاست میں بتدریج فروغ پا رہی ہے۔

شہری آبادی کو مزید سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے تمام میونسپلٹیوں اور کارپوریشنوں کو اعلیٰ اختیارات اور ذمہ داریوں سے نوازا گیا ہے۔ ہماری شہری فضا کو بہتر بنانے کے لئے حال ہی میں چند اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔

ریاستی حکومت ان مشکلات اور دقتوں سے اچھی طرح واقف ہے جو چند شعبوں کو طاعون کی طرح تباہ کر رہی ہیں۔ صحت عامہ سکٹر کو بہتر بنانے پر خصوصی زور ڈالا جا رہا ہے۔ ریاستی حکومت کی جانب سے اٹھائے گئے لاتعداد اقدامات کے باعث نقل و حمل، ماحولیات، رہائش اور عوامی فائدے کے دیگر سکٹروں میں معینہ نتائج حاصل ہوئے ہیں۔

زراعت کے میدان اور متعلقہ سکٹروں کی اس تیز گامی نے صنعتی ترقی کے لئے لازمی بنیاد رکھی ہے۔ ستمبر ۱۹۹۴ء کے دوران میں نے مغربی بنگال مجلس قانون ساز میں بحث کے دوران صنعتی ترقی پر ایک پالیسی بیان دیا تھا۔ بیان ہذا کو اس وقت کی مرکزی حکومت کو اہم پالیسی ہدایات کے پس منظر میں بایاں محاذ حکومت کے پروگراموں اور ارادوں کے اعادہ و توسیع کے طور پر لینا چاہئے۔ حکومت ہند کی نئی معاشی پالیسی کی بہت ساری باتوں سے اختلاف کرتے ہوئے ہم نے پالیسی ہذا کے پہلوؤں کا خیر مقدم کیا۔ ان فرائٹ مساوی اسکیم کو دیئے جانے والے لائسنس اور دیئے گئے لائسنس کا خاتمہ اور ۱۹۷۷ء کے دوران اپنے اقتدار سنبھالنے کے بعد ہی سے مذکورہ بالا امور پر ہم لوگ چیخ پکار کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے محض انصاف چاہا تھا اور کوئی خاص کرم فرمائی نہیں چاہی تھی۔

ان دو مسائل پر حکومت ہند کی پیش کردہ پالیسی میں تبدیلیاں دراصل خارجی اور داخلی دونوں ہی دباؤ کے باعث عمل میں آئی تھیں۔ ہمارے خیال کے مطابق لائسنس کے خاتمہ کا فیصلہ اس ریاست کے بڑے اور متوسط پیمانہ کی صنعتوں کی نشوونما کے لئے سودمند رہا۔ مرحلہ وار طریقہ پر فرائٹ مساوی اسکیم کے خاتمہ نے مغربی بنگال کے صنعتی فروغ کیلئے منافع بخش صورت حال پیدا کی ہے۔ یہ پالیسی آئرن (لوہا) اور اسٹیل کے لئے مخصوص تھی مگر اس نے ۴۰ سال تک کے لئے مغربی بنگال اور دیگر مشرقی علاقے کی ریاستوں کے مقامی فوائد پر قبضہ حاصل کرلیا تھا۔

مجھے یہ بات دہرانے دیں کہ ہماری حکومت کو منتخب علاقوں میں اور باہمی فلاحی شرائط پر غیر ملکی ٹکنالوجی اور سرمایہ کاری میں کسی طرح کی کوئی ہچکچاہٹ یا کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہر کیف خود اعتمادی کے مقصد کو اول ترین اہمیت کا حامل سمجھنا چاہیئے۔ ہماری صنعتی ترقی کی پالیسی کا مفہوم روزگار کے مواقع کو بڑھانا، پیداواری عمل کو بہتر بنانا، از سرنو تعمیری، تجدیدی اور ترمیمی عوامل کے ذریعہ بیمار صنعتوں کو جلا بخشنا اور صنعت ہذا کی تمام تر صحتمندی اور زرخیزی کو مدنظر رکھتے ہوئے مزدوروں کے جائز مفاد کا تحفظ نکلتا ہے۔ ہماری حکومت تمام آجروں پر دباؤ ڈالتی ہے کہ وہ مزدوروں کو اپنے اعتماد میں لیں اور ان کی جائز مانگوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں اور اس دوران ہم لوگ مزدوروں کو ہر ایک صنعتی اکائی کی صورت حال کا باریکی کے ساتھ جائزہ لینے پر راغب کریں گے اور ان کی مانگوں کو حسب حال سامنے رکھیں گے اور پیداوار اور پیداواری عمل میں سرگرم طور پر دلچسپی لیں گے۔

صنعتی صورت حال زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاریوں کی آمد کی وجہ سے بلاشبہ امید افزا نظر آتی ہے۔ ہلدیہ پیٹرو کیمیکل کمپلکس کا کام تشفی بخش طور پر چل رہا ہے۔ دیگر بڑی بڑی صنعتی اکائیاں عمل درآمد کے مختلف دور سے گزر رہی ہیں یا زیر غور و فکر ہیں۔

مغربی بنگال کے پاس اس ریاست میں کاروباریوں کو سرمایہ لگانے کی جانب راغب کرنے کے لئے بہت ساری ٹھوس اور مضبوط خصوصیات ہیں۔ یہ ہر جگہ اپنے سیاسی استحکام کو تسلیم کرا چکی ہے کلکتہ کو جنوبی مشرقی ایشیا اور ایشیا پیسیفک علاقہ کے لئے ایک گزرگاہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس ریاست کے پاس کلکتہ اور ہلدیہ میں واقع بندرگاہیں، ریل گاڑیوں

کا ایک وسیع نیٹ ورک، کشادہ اور اچھی سڑکیں، بجلی کی مستحکم اور متوازن صورت حال، بہتر ٹیلی مواصلاتی نظام، قدرتی اور انسانی وسائل کی دستیابی، جدید ٹکنالوجی کو قبول کرنے والے ماہر اور تجربہ کار مزدور، ایک مناسب اجرت کی ساخت، اس ریاست میں رہنے والے گوناگوں مقامی، لسانی، ثقافتی اور مذہبی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان نشوونما پائے جانے والے صنعتی اور سماجی انفرا اسٹرکچر (یعنی لوازمات) اور ہم آہنگ تعلقات بدرجہ اتم موجود ہیں۔

بہت ساری دوسری ریاستوں کے برخلاف مغربی بنگال کے جمہوری اداروں، شہری مقامی اداروں اور پنچایتوں میں انتخابات ہر پانچ سال کے وقفہ پر کرائے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کے حقوق و مراعات کو تحفظ بخشا جاسکے۔ شیڈولڈ کاسٹ، شیڈولڈ ٹرائب، پچھڑے طبقات، پہاڑی لوگوں اور دیگر مفلوک الحال جماعتوں اور خواتین پر مشتمل آبادی کے ہر طبقہ کو جہاں تک ممکن ہے ایسی سہولتیں اور ایسے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں کہ وہ اپنا کردار صحیح طور پر نبھا پائیں۔

آج مغربی بنگال ایک ایسی ریاست بن کر سامنے آئی ہے جہاں امن و سکون، نظم و نسق، فرقہ وارانہ ہم آہنگی و ثقافتی سرگرمیاں، استحکام، نشوونما روبہ فروغ ہیں۔ لیکن ہم لوگوں کو ان حالتوں سے بالکل مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ اب بھی ہم لوگوں کو بہت سارے نامساعد حالات پر غالب آنا، بہتیرے منفی نقوش کو مٹا ڈالنا اور بہت سارے وعدوں کو پورا کرنا ہے۔

ان تمام برسوں کے دوران اس ریاست میں نظم و نسق کی صورت حال پائیدار اور پرامن رہی ہے۔ ہر کیف گاہے گاہے کچھ سماجی و معاشی اسباب کے نتائج و اثرات کے بنا پر امن و امان میں ارتعاش پیدا کرنے والے چند واقعات پیش آئے۔ اگرچہ بہت ساری دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں اس ریاست کے اندر جرائم کی شرح کم ہے تاہم مغربی بنگال میں جرائم کی شرح میں حالیہ اضافہ تشویش کا باعث بنا ہوا ہے۔ ہماری حکومت صورت حال پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہے تاکہ عوام کے تعاون سے انتظامیہ نظم و نسق کو بگاڑنے والے تمام حرکات و سکنات کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکے۔

جتنا زیادہ ہم لوگ اپنے مقاصد کی برآری کی کوشش کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ ہمیں قومی منظرنامہ میں ذمہ داریاں نبھانی پڑتی ہیں۔ مرکز اور ریاست دونوں ہی سطح پر ہندوستان کی حکومت وفاقی رہی ہے۔ مرکز و ریاست تعلقات

کی ازسرنو تشکیل متواتر مانگوں میں سے ایک رہا ہے۔ تعلقات ہذا کا جائزہ لینے کے لئے مرکزی حکومت کی قائم کردہ سرکاریہ کمیشن کی سفارشات صورت حال کی ضروریات کو پورا کرنے میں ابتک ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ ہر حال مرکز میں قائم سابقہ کانگریس (آئی) حکومت نے ریاستوں کیلئے منافع بخش چند سفارشات کی عمل درآمد میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی تھی۔

دریں اثنا ۱۹۹۶ء کے دوران لوک سبھا کے انتخابات میں لوگوں کے فیصلہ کن نوعیت سے ملک کے اندر رونما ہونے والی سیاسی ترقیاں بلاشبہ یہ بتاتی ہیں کہ ملک کے کچھ حصوں میں چند کل ہند سیاسی پارٹیوں اور کچھ ریاستی پارٹیوں کی جڑیں اتنی گہری اور محکم ہوئی ہیں کہ ان لوگوں نے بڑے پیمانہ پر قومی سطح پر خود کو منوالیا ہے۔ یہی وہ عہدیدار لوگ ہیں جنہوں نے بجا طور پر ہمارے وفاقی ڈھانچہ کی موجودہ ترتیب میں اپنے بڑھتے ہوئے کردار کو تسلیم کروالیا ہے۔

یہ باتیں آپ کے ذہن میں ہوں گی کہ بائیں جماعتوں سے تعلق رکھنے والوں نے گزشتہ عام انتخابات سے قبل عوام کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک پر حکمرانی کرنے اور "عام کم از کم پروگرام" پر عمل درآمد کے لئے ایک تیسرے محاذ کی ضرورت پر زور ڈالا تھا۔ فی الحال مرکز میں تجربہ کے طور پر ایک متحدہ محاذ حکومت اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ ہماری بائیں محاذ حکومت کی پیش کردہ متبادل طریقہ کار کے چند پہلوؤں پر مشتمل "عام کم از کم پروگرام" کو متحدہ بائیں محاذ حکومت نے دیگر کاموں پر ترجیح دی ہے۔ بائیں جماعتوں کی ایماء پر "عام کم از کم پروگرام" میں شامل چند امور کو ابتک روبہ عمل نہیں لایا جاسکا ہے۔ فلاح عام کے چند دیگر امور کے سلسلہ میں مرکز کی جانب سے اقدام اٹھائے جارہے ہیں۔ متبادل طریقہ کار کے شعار اور ملک کی ترقی پسند طاقتیں مرکز میں متحدہ محاذ کے تجربہ کو کامیاب بنانے کے لئے مخلصانہ طور پر کوشاں ہیں۔ بایاں اور ترقی پسند طاقتوں نے آج اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ آج سے بہت پہلے ہی انہیں پورے ملک میں اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی کوشش کرنی چاہئے تھی۔ انہیں تمام سیکولر جماعتوں اور جمہوریت پسند لوگوں کے تمام طبقوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد قائم کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہئے تھی۔

جمہوری اکثریت جسے بنگالیوں نے مغربی بنگال میں حاصل کرلیا ہے، ہمارے قومی تانے بانے کو استحکام بخشنے کے لئے ایک ممکنہ محرک کی حیثیت سے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ ملک بھر کی پنچایتوں، میونسپلٹیوں اور دیگر مقامی اداروں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات اور ذمہ داریاں عطا کرنی چاہئیں تاکہ یہ ادارے لوگوں کی ضرورتوں کو زیادہ موثر طور پر پورا کرسکیں۔ ترقی کی رفتار کو تیز کرنے، ریاستوں ریاستوں اور علاقوں علاقوں کے درمیان نابرابریوں کو دور کرنے کے لئے ہندوستان کی معاشی منصوبہ بندی پر ایک تازہ ترین نگاہ ڈالنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس امر کی وضاحت کی جاسکتی ہے کہ ابتک ملک کی ۱۰ تا ۱۵ فیصد آبادی معاشی ترقی سے مستفیض ہوئی ہے۔ کثیر التعداد عوام تک ترقی کے ثمر کو پہنچانے کے لئے نظریہ خیال اور زور دار اقدامات میں تبدیلی لانا نہایت ہی ضروری ہے۔

ملک کے مختلف علاقوں میں ملک کو توڑنے اور ملک کے اندر انتشار پیدا کرنے والی طاقتوں کو جو اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں صحیح سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں کی مشترکہ طاقتوں سے شکست دینا چاہئے۔ ایسے مقاصد اور ترجیحات کو بڑی مضبوطی کے ساتھ ترتیب دینا چاہئے تاکہ نشوونما اور ترقی کی واضح منزل کی جانب ملک کو لے جایا جاسکے۔ ان فرقہ پرستوں اور مذہبی بنیاد پرستوں جو ہمارے عوام کو مذہبی اور فرقہ پرستی کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کے حملوں کا دفاع کرنے اور انہیں شکست فاش دینے کی کوششوں میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑنا چاہئے۔

آج کی اہم ضرورت ان طاقتوں اور اسی قسم کے دیگر نقصان پہنچانے والے عناصر کو کوئی شر و فساد پیدا کرنے سے پہلے ہی ختم کر ڈالنا چاہئے۔ صورت حال پر مسلسل نگرانی رکھنا جتنا ضروری ہے بگڑتے ہوئے حالات کو قابو میں رکھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔

شر انگیز رجحانات جو ہمارے ملک کے مختلف حصوں میں جڑ پکڑ رہے ہیں کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہمارے عوام کے اندر پُرجوش بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ بدعنوانی نے ہندوستانی زندگی میں خطرناک حد تک جگہ بنالی ہے اور انسانی زندگی میں اخلاق کی اہمیت کافی گھٹ گئی ہے۔ ہماری یہ برابر کوشش رہی ہے کہ عوام بدعنوانی کے خلاف سختی سے مہم چلائیں اور ان لوگوں کے خلاف جو بدعنوانی اور بداخلاقی کو ہوا دے رہے ہیں۔ ایک بار عزم مسلسل [illegible] کریں۔ یہ بڑے

افسوس کی بات ہے کہ آزادی کے پچاس سال گزر جانے کے بعد بھی انتخابی کمیشن کو چند سیاسی جماعتوں کے داخلی انتخابات میں مداخلت کرنے پر بڑی تکلیف محسوس ہوئی ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ جماعتوں کے یہاں جمہوریت کی عظمت و اس کے احترام میں کمی پائی جاتی ہے۔ ایک سیاسی جماعت کے ایک اہم رہنما نے حال ہی میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ برسوں سے تنظیمی انتخابات بدعنوانی اور بے راہ روی سے مبرّا نہیں رہے ہیں۔ یہ بیان ان سیاسی جماعتوں میں اخلاقیات کے فقدان کا مظہر ہے۔ تمام اعلیٰ مقاصد اور بلند معیاری طاقتوں کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو یہ ذہن نشین کروائیں کہ نظریاتی جد و جہد کے جاری و ساری طریقہ عمل کے ذریعہ قوم کے اخلاقی تانے بانے کو مضبوط بنانے کے کام کو انتھک طور پر آگے بڑھانا چاہیئے۔

دو دہائیوں سے زیادہ عوام کی خدمت میں بائیں محاذ حکومت کو برقرار رکھنے کی ہماری کوششوں اور کاوشوں نے دونوں یعنی قومی اور بین الاقوامی توجہ کو اپنی جانب مبذول کروایا ہے۔ یہ ریاست عام طور پر فرقہ وارانہ تنازعہ اور شر و فساد سے بالکل مبرّا ہے۔ سیاسی عزم اور انتظامی کارروائی کے امتزاج نے کچھ اس طرح فروغ پایا ہے کہ اس سے سماج کے ہر فرقہ کو فائدہ پہنچا ہے۔ ہماری حکومت ہمیشہ اپنے حرکات و سکنات کا تنقیدی جائزہ لیتی ہے، واقعات اور مسائل کو غیر جانبدارانہ طور پر جانچتی ہے، اپنی غلطیوں کی اصلاح کی کوشش کرتی ہے اور اپنے کام کاج میں بہتری لانے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ اپنی ان تمام کوششوں کے دوران پہلوؤں کو داخلی اور خارجی طور پر اس ریاست کے عوام کی حمایت و تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔

جمہوریت میں عوام کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر صحیح و غلط پر اپنا فیصلہ صادر کریں لیکن بارہا یہ لوگ بھی کئی وجوہات کی بنا پر غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیداری میں مسلسل اضافہ کرتے ہوئے ہر بدعنوانی اور غلط کام سے خود کو محفوظ رکھیں۔ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر اچھے اور برے کی پہچان پیدا کریں اور دوست و دشمن کے فرق کو جانیں۔ انھیں خود کو گمراہ ہونے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

بایاں محاذ حکومت اپنی تمام تر صلاحیت کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرنے کا عہد کرتی ہے اور عوام کے لئے ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کے سلسلہ میں خلوص کے ساتھ کام کرنے کے لئے انھیں متحرک کرنے کا عزم کرتی ہے۔ اس حکومت کا کمال و حسن عوام کے ہر فرقہ کے لئے اس کی انتھک کوششوں میں مضمر ہے۔

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کی جانب سے شائع شدہ انگریزی کتابچہ:
The Left Front Government: 'Its performance & Significance' سے ترجمہ۔

سندربن کے دور افتادہ علاقوں میں بجلی کاری کا پروجکٹ

اعلیٰ ترقیاتی پروگرام برائے سندربن کے تحت شعبۂ سندربن ترقیاتی امور نے دیہی بجلی کاری پروجکٹ کو اپنایا ہے جس کے تحت فی کس ۳۳/۱۱ کیلو وولٹ کے ۴ پاور سب اسٹیشن بالترتیب کیننگ II، ہنگل گنج، پاردا اور مینا کھا کے چار مختلف بلاکوں میں نصب کیا جائے گا۔ ۱۰۸۰ء۵۹۱ لاکھ روپئے کی لاگت سے اس پروجکٹ کو شعبۂ سندربن ترقیاتی امور ریاستی شعبۂ توانائی اور مغربی بنگال ریاستی الیکٹریسٹی بورڈ کے اشتراک سے عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ دسویں مالیاتی کمیشن فنڈ کے سنٹرل اسسٹنس سے پوری رقم دی جائے گی [illegible] ذیلی الیس ای بی ۷۵ء۳ لاکھ روپئے کی مجموعی رقم [illegible] کی ترقی کے لئے صرف کرے گا۔ اسکیم جزیوں کو چھوڑ کر کافی غیر زرعی موضعات حلقۂ فیض میں آجائیں گے۔ اس پروجکٹ کو سنہ ۹۹ء تک مکمل ہو جانے کی توقع کی جاتی ہے۔

حج سے متعلق ضروری اطلاع

حج برائے ۱۹۹۸ء کے عازمین سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ حج میں صرف ۲۸ انچ لمبائی اور ۱۸ انچ چوڑائی اور ۸ انچ اونچائی کے سوٹ کیس کو لے جا سکتے ہیں۔ انھیں اس بات کی اطلاع دی جاتی ہے کہ حج میں جاتے وقت دیگر دوسرے سامان لے جانے کی اجازت انہیں دی جائے گی۔

عظیم مجاہد آزادی اور محب وطن مولانا برکت اللہ بھوپالی

عادل صدیقی

ہندوستان کی سرزمین نے ایک دو نہیں بلکہ نہ جانے کتنے مولانا برکت اللہ پیدا کئے ہیں، جو وطن کے لئے زندہ رہے اور وطن کے لئے قربان ہو گئے، لیکن آج ہمارا وطن آزاد ہے تاہم ہمارے نوجوانوں نے ان شہیدان وطن کی داستانیں بھلا دیں جبکہ یہ قربانیوں کی داستانیں مٹنے والی نہیں۔

ہماری قومی تحریک آزادی کئی مرحلوں سے گزری۔ اس تحریک کا پہلا مرحلہ وہ تھا جب ہندوستان میں انگریزوں کی آمد شروع ہوئی تھی اور جب کہ ہمارے محبان وطن نے اس طوفان کی شدت کا اندازہ کر لیا تھا اور انگریزوں کو اس ملک میں قدم جمانے کا موقع نہ دینے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ قومی تحریک کے دوسرے مرحلے میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی گئی جس کا مقصد ملک سے انگریزوں کی اس حکومت کو ختم کر دینا تھا جو انھوں نے یہاں قائم کر لی تھی۔ تیسرا مرحلہ وہ تھا جس میں گاندھی جی نے ملک کی رہنمائی کی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان تمام مرحلوں اور ان کی درمیانی مدت میں اقلیتی عوام نہ صرف قومی تحریک میں شریک ہی رہے بلکہ بہت سے موقعوں پر پیش پیش بھی رہے۔

۱۸۵۷ء سے قبل کے پچاس سال میں برطانیہ نے علاقوں کے الحاق اور ان کے استحصال کی پالیسی اپنائی۔ اس لئے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سیاسی، سماجی اور اقتصادی وجوہات کی بنیاد پر لڑی گئی۔ غیر ملکی حکمرانوں کی موجودگی نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ انھوں نے اپنے علاقوں میں برطانوی سامراجیت کے خلاف عوام کو تیار کیا۔ جنرل برگس کے مطابق ۱۸۵۷ء کی لڑائی غیر مطمئن مسلمانوں کی طرف سے پہلی کوشش تھی جس میں جنوبی ہندوستان سے انگریزوں کے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس لئے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے نتیجے میں انگریزوں نے ہندوستانیوں پر جو مظالم کئے ان میں مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا مگر وہ ہندوستان کی روح آزادی کو کچلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مسلمانوں نے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں کی سوچ اب یہ تھی کہ ہندوستان کی جنگ آزادی اب میدان جنگ کے بجائے مدارس قائم کر کے اور عوام کی ذہن سازی کر کے لڑی جائے گی۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی ان ابتدائی پیش رو مسلم محبان وطن میں سے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو ملک کی آزادی کی جدوجہد کیلئے وقف کر دیا تھا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کا عہد ۱۸۹۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۲۸ء تک رہا۔

مولانا برکت اللہ ایک نظر میں: محمد برکت اللہ بھوپال میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۵ء میں انگلستان گئے۔ وہاں ہندوستانی محبان وطن کے ساتھ ان کے روابط بڑھے۔ وہ ہندوستان واپس آئے اور سودیشی تحریک کے دوران وہ بنگالی قوم پرستوں سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۰۹ء میں وہ جاپان گئے اور کچھ عرصے تک ایک جریدہ اسلامک فریٹرنیٹی یعنی "اسلامی برادری" شائع کرتے رہے جس کو جاپان سرکار نے انگریزوں کے کہنے پر بند کرا دیا۔ ۱۹۱۴ء میں برکت اللہ امریکہ پہنچ گئے اور غدر پارٹی میں شامل ہو گئے۔ پہلی عالمی جنگ شروع ہونے پر وہ یورپ چلے گئے اور یہ سوچ کر انڈو-جرمن مشن کے ساتھ استنبول آئے کہ جرمن کے ذریعہ ہندوستان برطانوی راج سے آزاد ہو جائیگا۔ مشن افغانستان کی طرف بڑھا اور وہاں ایک عارضی آزاد ہند حکومت راجہ مہندر پرتاپ کے زیر قیادت قائم کی۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی اس کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

سابق گورنر اڑیسہ جناب بشمبر ناتھ پانڈے نے اس کا پس منظر یوں بیان کیا:

" یہ مسلح بغاوت کا منصوبہ خالص مسلمانوں کیلئے نہیں بنایا گیا تھا۔ پنجاب کے سکھوں اور بنگال کی انقلابی پارٹی کے ممبروں کو تعاون کرنے کی دعوت دی گئی۔ ان کی رہائش کیلئے مولانا محمد حسن کی رہائش گاہ کے قریب ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔ یہ ساری تیاریاں خفیہ طور پر کی گئی تھیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی دیوبند میں کام کر رہے تھے۔ انھوں نے جمعیۃ الانصار منظم کی۔ بعد میں انھیں دہلی بھیجا گیا جہاں مدرسہ نظارۃ المعارف قائم کیا گیا۔ حکیم اجمل خان اور علی گڑھ کے وقار الملک اس کے سرپرست تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ۱۹۱۱ء بہت اہم سال تھا۔ تقسیم بنگال کی تجویز پر نظرثانی کی گئی اور ملک کا دارالحکومت کلکتہ سے دلی کو منتقل کیا گیا۔ جنگ بلقان، خلافت عثمانیہ کے خلاف مسیحی یورپ کی بغاوت تھی۔ اس کے کچھ عرصے بعد پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ چین کے سرحدی صوبہ سنکیانگ نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ان واقعات سے مولانا محمود حسن بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ برطانوی سامراج کے خلاف مسلح بغاوت کا وقت آ گیا ہے۔ مسلح بغاوت کا ایک منصوبہ تیار کیا گیا اور ریشمی رومالوں پر خط لکھ کر منصوبے میں شریک تمام لوگوں کو بھیجے گئے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان بھیجا گیا تاکہ وہ خود سرحد کی طرف مراجعت کر سکیں۔ اس منصوبے کی بدنصیبی یہ تھی کہ امیر حبیب اللہ منصوبے کی حمایت کیلئے آمادہ نہیں کیا جا سکا چنانچہ وہ انگریزوں کو ہندوستانی انقلابیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں مطلع کرتا رہا۔ بعد میں امیر حبیب اللہ نے ہند جرمن مشن کی نقل و حرکت کے بارے میں برطانوی سامراج کو باخبر کیا جس کی کابل میں آمد کا مقصد یہ تھا کہ افغانستان کو مرکزی طاقتوں ترکی، جرمنی وغیرہ کی جنگ میں مداخلت کیلئے آمادہ کیا جا سکے۔ ہند جرمن مشن کی واپسی کے بعد راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ جو اس مشن کے اراکین تھے، کابل میں رہے اور انھوں نے ہندوستان کی آزادی کیلئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ افغانستان کی حکومت کا رویہ برطانوی دباؤ کے زیر اثر آ گیا تھا اور اس صورتحال کو بھانپ کر برکت اللہ جرمنی کیلئے روانہ ہو گئے تاکہ وہاں لالہ ہردیال، ڈاکٹر چمپک رمن پلے وغیرہ کے ساتھ مل کر انڈین انڈیپنڈنس کمیٹی میں کام کر سکیں۔ جرمنی میں انھوں نے ایک رسالے "نیا اسلام" کی ادارت اور اشاعت کا کام کچھ دنوں تک کیا اور ہندوستانی جنگی قیدیوں کے ذہن کو برطانیہ دشمن خیالات سے رنگنے کی کوشش کی۔ لکھنؤ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ [illegible] کے ۲۹ جنوری تا ۵ فروری ۱۹۲۹ء کے شمارے میں اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک خصوصی نوٹ کے ساتھ مولانا برکت اللہ بھوپالی کا ایک مضمون شائع کیا تھا۔ مولانا عبدالماجد لکھتے ہیں۔ "مولانا برکت اللہ بھوپالی کے نام سے (جو حب وطن کے جرم میں سالہا سال سے جلاوطن ہیں) اب تک ناظرین اچھی طرح سے واقف ہو گئے ہونگے۔ اخبار "الصلاح" جرمنی کے تازہ ترین نمبر میں انھوں نے ایک مضمون اردو میں تحریر فرمایا ہے جو درج ذیل پیش کیا جاتا ہے۔" ایڈیٹر سچ

مولانا برکت اللہ بھوپالی نے اس مضمون کا عنوان "ہندو، مسلم، سکھ اتحاد" دیا۔ یہ ایک طویل مضمون ہے اس کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

"ہندوستان بذات خود ایک مختصر جہان ہے، جہاں ہر نسل کے لوگ اور ہر مذہب کے پیرو بستے ہیں۔ علم و ہنر [illegible] ہندوستانیوں میں دنیا کی کسی قوم سے کم نہیں ہے بہت [illegible] [illegible] جب برٹش حکومت نے وہاں اپنی دونوں ہاتھ [illegible] کہ اس ملک کی معیشت کو تہس نہس کیا ہے اور اب جہاں کروڑوں لوگ [illegible] بالکل کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں انھیں [illegible] خود کر دی گئی ہے۔۔۔ ہندوستان کے قومی اخبار ہندو، مسلمان، سکھ [illegible] کہنے کے اصل مسئلے سے جو ملک ان تمام لوگوں کی حیات و ممات کا مسئلہ ہے انکو دلچسپی نہیں ہے۔ [illegible] میں وہ کہتے ہیں کہ ملک کو لالہ اور محنت کش طبقہ آگے بڑھ کر با صلاحیت قیادت پیدا کرے سرکاری [illegible] صنعت و زراعت کو ترقی دیا جائے، محنت کش عالمی برادری سے اپنے رشتے استوار کر کے منظم اقدام کریں۔ مذہبی دنگے فساد کر کے اہل وطن کے سر پھوڑنے سے بھوکوں کو روٹی، ننگوں کو کپڑے اور بے گھر لوگوں کو مکان نہیں مل سکتے ہیں۔ یہ دنگا فساد ملک کی غلامی کو مضبوط کرتے ہیں۔" مولانا عبدالماجد نے لکھا کہ "سچ" کے قارئین اس شخصیت سے اچھی طرح واقف ہیں مولانا برکت اللہ بھوپالی کی زندگی اور انکے کارنامے ہماری تحریک آزادی کا بیحد اہم اور سنہرا باب ہیں۔ کچھ عرصے بعد امیر حبیب اللہ قتل کر دیئے گئے اور ان کی جگہ امیر امان اللہ صدر مملکت بنے تو انھوں نے برکت اللہ کو واپس بلا لیا اور کابل ہی میں ایک وفد جس میں جلاوطن حکومت کے صدر راجہ مہندر پرتاپ، مولانا برکت اللہ بھوپالی (وزیر اعظم) مولوی عبدالرب، شری دلیپ سنگھ گل، مسٹر آچاریہ اور مولانا کے سکریٹری ایم صاحب شامل تھے لینن سے ملاقات کی غرض سے ماسکو پہنچا۔ اس وفد نے لینن سے یہ وعدہ لیا کہ وہ افغانستان اور ہندوستان کے عوام کی جدوجہد میں برطانیہ کے خلاف مدد دے گا۔ مولانا برکت اللہ اس وفد سے پہلے بھی ایک مرتبہ لینن سے ملکر ہندوستان کی جانب سے انھیں صندل کی ایک چھڑی تحفے کے طور پر پیش کر چکے تھے۔ یہ چھڑی ماسکو میں لینن کے یادگار میوزیم میں آج بھی موجود ہے۔

مولانا بیماری کے سبب ۱۹۲۲ء میں برلن چلے گئے۔ وہاں بیماری کے باوجود انھوں نے تحریک آزادی کا کام جاری رکھا۔ وہیں سے اردو اخبار "الصلاح" بھی جاری کیا۔ ۱۹۲۷ء میں سان فرانسسکو چلے گئے اور وہیں انھوں نے اپنی آخری خواہش کا اظہار ان لفظوں میں کیا:

"میں تمام زندگی پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ یہ میری زبردست خوش قسمتی تھی کہ میری یہ ناچیز زندگی میرے پیارے وطن کے کام آئی۔ آج اس زندگی سے رخصت ہوتے ہوئے جہاں مجھے یہ افسوس ہے کہ میری زندگی میں میری کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں وہاں مجھے اس بات کا بھی اطمینان ہے کہ میرے بعد میرے ملک کو آزاد کرانے کے لئے لاکھوں آدمی آج آگے بڑھ آئے ہیں جو سچے ہیں، بہادر ہیں، جانباز ہیں۔ میں اطمینان کے ساتھ اپنے پیارے وطن کی قسمت ان کے ہاتھوں میں سونپ کر جا رہا ہوں۔"

۲۷ ستمبر ۱۹۲۷ء کو برد و زمشال ہندوستان کا یہ مجاہد آزادی دار فانی کیلئے کوچ کر گیا۔ مولانا کے انتقال کے وقت راجہ مہندر پرتاپ وہاں موجود تھے انکو میرزد ٹیل کے مقام پر یہ کہکر دفنا دیا گیا۔ "جب ہندوستان آزاد ہو جائے گا تب تمہاری خاک اس سرزمین پر پہنچا دی جائیگی۔"

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں (بشکریہ پی آئی بی) ■■

حرمت الاکرام : حیات و خدمات

پروفیسر مشتاق احمد



حرمت الاکرام کا شمار اردو کے صف اول کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کا شاید ہی کوئی ایسا معیاری رسالہ ہو جس میں آپ کی غزل یا نظم شائع نہ ہوئی ہو۔ آپ نہ صرف ایک بڑے شاعر بلکہ بلند پایہ نقاد بھی تھے۔ نظم و نثر پر آپ کو یکساں دسترس حاصل تھی۔ آپ کے دسوں مقالات برصغیر کے مؤقر جرائد کی زینت بنکر اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔

مشہور نقاد ڈاکٹر محمد حسن نے اپنے طویل مقالہ "نئی غزل کی آہنگ شناسی" میں ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۰ء تک کی غزلیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے حرمت الاکرام کو اس دور کے تین سر فہرست غزل گو شاعروں میں شمار کیا ہے۔ جدید نقاد شمس الرحمٰن فاروقی نے ماہنامہ "شب خون" الٰہ آباد نمبر ۱۹۷۰ء میں انھیں غیر مشروط ذہن کے بانیوں میں (جن کی تعداد فاروقی صاحب نے تین بتائی ہے) جگہ دی ہے۔

حرمت الاکرام مرنجاں مرنج اور شریف النفس تھے۔ آپ زندگی بھر شاعری کرتے رہے اور اس پر ہمیشہ نازاں رہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

تاجِ زر عظمتِ فن نے مجھے پہنایا ہے
ناز مجھ کو ہے کہ شاعر کا قلم پایا ہے

لیکن حرمت صاحب کو اردو ادب میں جو جگہ ملنی چاہئے تھی وہ نہیں ملی اس لئے کہ نہ تو وہ صاحب اقتدار تھے اور نہ صاحب دول وہ حسرت

شاعر تھے۔ ایک ایسا شاعر جو خلوص و محبت کا پیکر تھا۔ حرمت صاحب جوڑ توڑ کے آدمی نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وہ قدر نہیں ہوئی جو انکے مرتبے سے بہت کم شاعروں کی ہوئی۔ حرمت صاحب کو اس کا احساس تھا آپ فرماتے ہیں ؎

داستاں میری بھی کرنی ہے زمانے کو رقم
چاہئے مجھ کو بھی لمحوں کے مورخ کا قلم

آپ کا اصل نام انصار حسین اور قلمی نام حرمت الاکرام تھا۔ حرمت تخلص کرتے تھے۔ آپ کے والد کا نام اکرام حسین اور تخلص شیدا تھا۔ ان کا آبائی وطن اعظم گڑھ اور مولد مرزا پور تھا۔ جہاں ان کے وجود نے ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء کو خاکدان ارضی سے رشتۂ حیات استوار کیا۔ بچپن کا دور اچھا گذرا۔ ۱۹۴۰ء میں ورنا کیولر فائنل کا امتحان سکنڈ ڈویژن میں اور ۱۹۴۳ء میں ہائی اسکول فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور اردو فارسی میں امتیاز حاصل کیا۔ سرکاری وظیفہ نے دست تعاون بڑھایا اور انھوں نے انٹر میں داخلہ لے لیا۔ مخالف دھاروں کی ہلاخیزی اپنا کام کرتی رہی۔ والد ماجد کا سایہ دو سال قبل ہی سر سے اٹھ چکا تھا۔ نیا سال ۱۹۴۵ء شروع ہو چکا تھا جس نے انھیں کالج سے راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں پہنچا دیا۔

راشننگ کی ملازمت اپنے آزادانہ ماحول کی بنا پر ان کے لئے ایک طرح سے تفریح سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی اور ملازمت کا یہ اولین تجربہ ان کے خام ذہن کے لئے جو فکر بیش و کم اور اندیشۂ سود و زیاں سے مطلقاً بیگانہ تھا ناخوشگوار ثابت نہیں ہوا۔ دوسرے اور سے قطع نظر انھوں نے یہ ضرور دیکھا کہ راشن کی کمیابی اور راشن بندی صرف ان افراد کے لئے جن کی جیبیں خالی ہیں اور وسائل برائے نام محدود ہیں۔ جنہیں جعلی راشن کارڈ حاصل کرنے کا سلیقہ نہیں آتا ورنہ بہ صفائی اجناس کی کوئی قلت اس انداز و معیار پر نہیں ہوتی جس کا تصور ذہنوں میں ہوتا ہے۔ البتہ اتنا ہے کہ اس شعبے نے بہتوں کو روزی

سے لگادیا

دو سوا دو سو سال بعد ایک دن ایسا ئی آیا کہ یہ محکمہ انھیں دوامی پارٹی دے رہا تھا۔ راشننگ نے چند تجربات کے علاوہ انھیں کچھ نہیں دیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ منفعت اندوزی کے طبعاً اہل نہیں تھے۔ اخلاق قدروں کے اثبات پر ان کا اعتماد بڑا عمیق اور راسخ تھا۔ پیسے کی سماجی اہمیت رکھنے کے باوجود انھوں نے اس کو اپنی زندگی کا محور نہیں بننے دیا۔ راشننگ کے شعبے سے علیحدہ ہونے کے بعد انھیں زیادہ دنوں تک بے کار نہیں رہنا پڑا اور تقریباً ڈیڑھ دو ماہ بعد ضلع سپلائی آفس میں بغیر کسی جد و جہد کے جگہ مل گئی۔ راشننگ اور سپلائی دونوں محکموں کا ربط بڑا گہرا ہوتا ہے لیکن دراصل یہ ایک اور ہی دنیا تھی۔ راشننگ آفس صرف ننگی بھوکی جنتا کی سجدہ گاہ ہوتا ہے لیکن سپلائی آفس میں عوام سے زیادہ خواص آتے اور نذرانے چڑھاتے تھے۔ ضلع سپلائی کی نوکری ان کے مزاج کے خلاف تھی کیونکہ وہ رشوت لینے کے فن سے ناواقف تھے اور وہ اپنے آپ کو اس ماحول سے ہم آہنگ نہ کرسکے۔ لہٰذا وہ چھٹیوں پر چھٹیاں لیتے رہے بالآخر یہ نوکری بھی ہاتھ سے نکل گئی۔ اس کے کچھ دن بعد ایک سال بعد وہی ضلع بنارس میں گزارا اور کاشی راج ٹریڈنگ ایجنسی جو پٹرولیم کا کاروبار کرتی تھی، اسسٹنٹ منیجر کے طور پر کام کیا۔ یہاں بھی ان کی نہ نبھ سکی اور اس ملازمت کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔ اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں ؎

گذر رہے ہیں عجب طرح دن بھدوہی میں
یہ سوچنے کی بھی مہلت نہیں کہ کیا ہوں میں

بھدوہی سے واپسی کے بعد ان کے چند سال جمود میں گزرے پھر انھوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا اور آرہ و پٹنہ ہوتے ہوئے ۱۹۵۴ء میں کلکتے پہنچے اور "روزنامہ ہند" سے وابستہ ہوگئے۔ اس طرح انھوں نے باضابطہ صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ ایک سال بعد روزنامہ "آزاد ہند" سے منسلک ہوگئے۔ اس میں خبروں کے ترجمے کے علاوہ فکاہیہ کالم لکھنے لگے پھر ان کو سیاسی و سماجی موضوعات پر قطعہ نگاری کا فریضہ سنبھالنا پڑا۔ اس قطعہ نگاری نے انھیں مشرقی ہندوستان اور مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں کافی شہرت دی۔ کلکتہ میں ان کا قیام ۱۷ر فروری ۱۹۷۰ء تک رہا۔ کلکتہ نے اگرچہ ان کی صحت

لے لی لیکن ان کو تجربات و مشاہدات کی ایک دنیا دیدی اور ان کے فکر و تخیل کو ایک نئی فضا ملی۔ حرمت الاکرام کلکتے سے چلے گئے لیکن کلکتے کی یاد ان کو ہمیشہ ستاتی رہی اور غالب حزیں کی طرح ہمیشہ ہائے ہائے کرتے رہے۔ وہ اپنے وطن میں رہ کر بھی کلکتے کی ہنگامہ پرور اور خوش رنگ فضا کو بھول نہ سکے اور ذہنی طور پر ہمیشہ کلکتے سے وابستہ رہے۔ لہٰذا آپ فرماتے ہیں ؎

"کلکتے نے میری صحت لے لی لیکن مشاہدوں اور تجربوں کے خزینے میں بیش بہا اضافہ کیا ـــــ"

کلکتے کے قیام نے ان کو معدے کا مریض بنا دیا اور کسی کام کے نہ رہے۔ وہ مرزا پور چلے گئے اور رام باغ میں پوری زندگی عسرت میں گزار دی لیکن کسی کے آگے دست طلب نہیں پھیلایا۔ پوری عمر خوددار رہے۔ اگر کوئی ان کے پیشے سے متعلق پوچھتا تو ان کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ ایک جگہ آپ بڑے کرب سے کہتے ہیں ؎

عرق آلود کر دیتا ہے ماتھا ناز غربت کا
تلاطم آشنا جذبات کو للکار دیتا ہے
کوئی جب پوچھتا ہے مجھ سے میرا مشغلہ حرمت
یہ لگتا ہے کہ میرے منہ پر طمانچہ مار دیتا ہے

مرزا پور جانے کے بعد کئی سال تک آزاد ہند میں قطعے لکھتے رہے جس کا آپکو معاوضہ بھی ملتا تھا۔ جنوری ۱۹۸۳ء میں یہ پیارا انسان اور خود آگاہ فنکار اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

حرمت الاکرام کی ادارتی وابستگی مندرجہ ذیل رسائل و اخبارات سے رہی ہے۔

ماہنامہ "سفینہ" مرزا پور (جو انھوں نے خود جاری کیا تھا) "گرداب" راولپنڈی، ماہنامہ "جگنو" بمبئی، "روزنامہ ہند" کلکتہ، "آزاد ہند" کلکتہ، ماہنامہ "معاون" کلکتہ، ماہنامہ "ساز" کلکتہ، روزنامہ "نقاش" کلکتہ اور دو ماہی "سنگ خسار" کٹک۔

آپ کی تصنیفات و تالیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اجالوں کے گیت سال طبع ۱۹۵۷ء (منتخب نظموں کا مجموعہ)
۲۔ کلکتہ: اک رباب۔ سال طبع ۱۹۶۶ء اور ۱۹۸۰ء (ایک طویل نظم جو مسدس کی صورت میں لکھی گئی ہے (اس نظم کا موضوع نام سے ظاہر ہے)۔

۳۔ ہمارے شاعر۔ شعری انتخاب۔ بخط دیوناگری۔ ۱۹۶۹ء
۴۔ کھیل کھلونے۔ بچوں کا شعری ادب۔ ۱۹۷۲ء
۵۔ شبیر۔ مختلف نظریں اور غزلوں کا مجموعہ۔ ۱۹۷۳ء
۶۔ جلوہ نمو۔ غزلوں، نظموں اور رباعیوں کا مجموعہ۔ ۱۹۷۷ء

انعام و اعزازات ۱۔ کلکتہ کی رباب پرساہتیہ اکاڈمی اترپردیش کا انعام۔ پانچ سو روپے ۱۹۶۷ء ۲۔ نمایاں ادبی خدمات کے اعتراف میں آل انڈیا میر اکاڈمی کا سالانہ وظیفہ، ساڑھے تین سو روپے ۱۹۶۷ء ۳۔ چیمبر آف کامرس مرزا پور کا سپاس نامہ۔ ۱۹۶۹ء ۴۔ شبیر پر اترپردیش اردو اکاڈمی کا انعام دو ہزار روپے ۱۹۷۴ء ۵۔ "جلوہ نمو" پر اترپردیش اردو اکاڈمی کا انعام دو ہزار روپے ۱۹۸۰ء

اردو کے دیگر شاعروں کی طرح حرمت الاکرام کی شاعری کا آغاز بھی غزل گوئی سے ہوا۔ شعر کہنے کی تحریک کیسے ہوئی اس کا احساس حرمت صاحب کو بھی نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"شعر کہنے کی تحریک مجھے اپنے ماحول یا اپنی زندگی کے کس گوشے سے ملی اس کا تجزیہ مشکل ہے اور غالباً میں نے اس کی شعوری کوشش بھی نہیں کی۔ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ شاعری مجھے ترکہ میں ملی ہے۔" جبکہ والد شاعر تھے۔ شاعری میں انھوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ اپنی شاعری کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"اردو کی غزلیہ شاعری کے عام بے روح اور سطحی پہلو مجھے ابتدا ہی سے کھٹکتے تھے اور میری نظر شعر کے متین عمیق اور شائستہ گوشوں پر زیادہ تھی۔ شعر و ادب کا تھوڑا فاصلہ طے کر لینے کے بعد جو بظاہر غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا میرا شعور اتنا بیدار ضرور ہو گیا تھا کہ میں ادب کے قدیم و جدید سرمایے میں ایک حد تک خوب و زشت کا امتیاز کر سکوں۔"

حرمت الاکرام کی شاعری کے بارے میں مظہر امام لکھتے ہیں۔

"حرمت الاکرام کے اسلوب میں ایک جچا تلا توازن اور لہجے میں ایک ایسی قطعیت ہے۔ ان کی شاعری داخلی اور خارجی تصادم کا آئینہ خانہ ہے۔"

کرامت علی کرامت کا خیال ہے۔

"[illegible] کتاب کے اعتبار سے اور مخزن کے سلسلوں سے حرمت الاکرام کی شاعری عبارت ہے۔"

انور سدید کی رائے ہے۔

"حرمت الاکرام کی شاعری میں زندگی موسموں کی طرح رنگ بدلتی ہے۔ انھوں نے اچھی پابند نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ان کا جوہر تخلیق آزاد نظموں میں زیادہ خوب کھلا اور ان کے شبیر غزل نے بھی خوب اونچی پرواز کی۔"

حرمت الاکرام نے تقریباً ہر صنف ادب پر طبع آزمائی کی ہے۔ انھوں نے نظمیں بھی کہی ہیں اور غزلیں بھی اور رباعی جیسی جامد صنف میں اپنی قوت تخیل سے جان ڈالی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ غزل کے شاعر ہیں یا نظم کے۔ دراصل انھوں نے غزل اور نظم دونوں میدانوں میں اپنی جولانی طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ حرمت الاکرام نے نثر بھی لکھی ہے۔ آج جب اچھی نثر لکھنے والوں کا قحط ہے۔ اور سہل نگاری کو راہ دی جا رہی ہے حرمت الاکرام نے معیاری نثر لکھ کر اپنے ذہن و مزاج کی آئینہ داری کی ہے ان کی تنقید ان کی نظم نگاری کی طرح سنجیدہ ہے انھوں نے اپنی تنقید میں بے جا تعریف اور چاپلوسی کو راہ نہیں دی ہے اور نہ تو کیلی اور نہ کٹیلی تنقید لکھ کر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں بلکہ ان کی تنقید جچی تلی اور متوازن ہے۔

حرمت الاکرام کی غزلیں اور نظمیں اپنی سنجیدگی تازہ اسلوب اور احساس و فکر کی شادابی کی وجہ سے ہر مکتبۂ فکر میں استحسان کی نظروں سے دیکھی جاتی رہی ہیں۔ میرے نزدیک یہ خط کھینچنا دشوار ہے کہ وہ اچھے نظم گو ہیں یا غزل گو یا نثار۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ حرمت الاکرام میں غضب کی تنقیدی صلاحیتیں تھیں۔ ان کو زبان و بیان پر دسترس حاصل تھی۔ نثر نگاری میں ان کا ایک اسلوب تھا۔ اگر انھوں نے نظم نگاری کے بجائے نثر کو اپنے فن کا موضوع بنایا ہوتا تو شاعری سے زیادہ نثر میں کامیاب ہوتے لیکن افسوس نثر کی جان سوز محنت نے کتنے ہی عظیم نثر نگاروں کو شاعری کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔

حرمت الاکرام کا دور سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی لحاظ سے انقلاب بداماں تھا اور ہر لمحہ انسانی زندگی کی شکل تبدیل کر رہا تھا۔ وہ قومیں جو معاشی استحصال کا شکار تھیں۔ انگڑائی لے کر ایک نئی آواز و لولہ اور توانائی کے ساتھ ابھر رہی تھیں۔ جمہوریت استبداد کی جگہ استحصال [illegible] بپا ہو رہا تھا ہندوستان میں جنگ آزادی کا صور [illegible] عظیم جنگیں ہو چکی تھیں۔ ہندوستان [illegible] ہو رہا تھا۔ جس کی

تقسیم ہوگیا یقینا ان کی تغیرات سے حرمت الاکرام متاثر ہوئے اور ان کی شاعری میں یہ احساسات پائے جاتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ حرمت الاکرام کی شاعری میں اجتماعی شعور اور طبقاتی کشمکش کا فقدان ہے۔ دراصل حرمت الاکرام نے اپنے کو کسی نظریۂ حیات کا پابند نہیں بنایا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں کہ کسی نظریے کو اپنانے سے اچھی شاعری نہیں ہوتی لیکن حرمت الاکرام غیر شعوری طور پر ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوئے ہیں مثلاً

آدمیت ہے سیاست کے فسوں سے لرزاں
رنگ اور نسل کے شعلوں میں جھلستا ہے جہاں
پرفشاں ایک کشاکش ہے کراں تا بہ کراں
حال کا سینہ ہے اندیشۂ فرداں سے تپاں
روح پر لمحوں کی شمشیر چلی جاتی ہے
آگہی اپنی ہی کرنوں سے چلی جاتی ہے

حرمت الاکرام کی شاعری داخلی شاعری کی بہترین مثال ہے۔

ان پر جو واردات اور سانحات گزرے ان کو جن کربناک لمحوں سے گزرنا پڑا ان پر جو کلفتیں گزریں اور زمانے نے جو زخم ان کو دیئے۔ ان سب مشاہدات اور تجربات کو حرمت صاحب نے اپنی شاعری میں بے کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ ان کی نظمیں اور غزلیں ان کی زندگی کا آئینہ ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے

نہ کچھ اور میں نے چاہا نہ کچھ اور میں نے پایا
یہ انا بھی چھن گئی تو مرے پاس کیا رہے گا

سکوں کا بازار ہے دنیا ملتی کیا احساس کی قیمت
عجیب ہے مری تشنگیٔ طلب کا مزاج
میں ان کو پا کے بھی اکثر اداس رہتا ہوں
فراز دار بھی حرمت ہے ایک منزل اوج
کوئی مقام ہو میں سر بلند رہتا ہوں
روشنی ہے میری منزل بھی وا احد فن بھی
فکر کی دھوپ میں تپتا ہوں بیاباں کی طرح

کسی مسلک پر پختگی سے قائم نہ ہونے کی وجہ سے ہی وہ جدیدیت کی طرف بھی گئے مگر اس رہگذر میں ان کا چشمۂ شاعری کم ہو کر رہ گیا تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خوش فکر اور خوش گو اور کامیاب شاعر تھے۔ اگر انھیں شاعری کو بذریعہ معاش بنانے پر مجبور ہونا نہ پڑتا تو موجودہ عہد کے شاعروں میں سر فہرست بھی آ سکتے تھے۔

پروفیسر کرامت علی کرامت "کلکتہ اک رباب" کے طویل مقدمہ میں لکھتے ہیں

" ۔ حرمت الاکرام کو شاعری میں مینا کاری کا فن بھی معلوم ہے۔ اور تعمیر عبارت کا فن بھی، حالاں کہ ان دونوں صنعتوں کا یکجا ہونا آسان بات نہیں۔ چنانچہ ان کی طویل نظم "کلکتہ اک رباب" ایک ایسے تاج محل کی حیثیت رکھتی ہے جس میں دونوں طرح کے فنون عروج پر ملتے ہیں۔"

(بشکریہ: مغربی بنگال اردو اکاڈمی، کلکتہ)

کلکتہ : ایک رباب میری نظر میں

• واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اس نظم میں کلکتہ جیسے شہر کو جو شخصیت اور آواز عطا کی ہے وہ شاید ہی اس سے پہلے کسی اور نے کی ہو۔ اس میں فن کا جو اہتمام و التزام آپ نے ملحوظ رکھا ہے وہ بڑا ریاض چاہتا ہے۔ آپ کی نظمیں میں اکثر رسائل میں پڑھتا رہا ہوں۔ فن کی جو پختگی اور ٹھہراؤ آپ کی نظموں میں عموماً ملتا ہے وہ اس طویل نظم میں کسی قدر زیادہ ہی نکھار کے ساتھ نمایاں ہے۔ ایسی اچھی نظم کی تخلیق پر [illegible] قبول کریں۔

پروفیسر اسلوب احمد انصاری

• "کلکتہ : ایک رباب" کے ہر تار پر میں نے انگلیاں دوڑائیں۔ ان میں چلتی ہوئی مترنم دھڑکنیں پور پور میں سمو لیں۔ کیا خوب نظم کہی ہے۔ اسلوب کا وقار اپنی پوری دلکشی کے ساتھ شروع سے اخیر تک قائم رہتا ہے۔ آپ نے جن تاثرات کو پیش کیا ہے، وہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور اس شہر کے ساتھ آپ کی گہری جذباتی وابستگی کے نقوش ہیں۔ دراصل "کلکتہ : ایک رباب" میں آپ کی شاعرانہ عظمت عروج پر ملتی ہے۔ خدا کرے اس معیار کی کچھ اور نظمیں آپ کے قلم سے چھلک پڑیں

• پروفیسر پرویز شاہدی

حرمت الاکرام معاصرین کی نظروں میں

• حرمت الاکرام نے پختگی، بالیدگی، تنوع، قدرت بیان، حسن اظہار، قدرت ادا کی وہ بہت سی منزلیں طے کر لی ہیں جو زبردست ذہنی اور فنی ریاضت سے پیدا ہوتی ہیں۔ غزل ہو یا نظم، نظم طویل ہو یا مختصر ان کے اظہار کی روانی میں فرق نہیں آتا۔ ابہام اور دور از کار صناعی کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا، یہ بات بھی اسی ریاضت سے پیدا ہوتی ہے جس کے بغیر شعر کی دیوی رام نہیں ہوتی۔ یہی بات ان کی تازہ ترین تصنیف "کلکتہ اک رباب" پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے ——— • سید احتشام حسین

• سید حرمت الاکرام ہمارے ان چند شعراء میں سے ہیں جن کے کلام میں ایک واضح ارتقا نظر آتا ہے۔ سال بہ سال ان کے کلام کی انفرادیت پختہ تر ہوتی جاتی ہے۔ ان کی نظم "کلکتہ، اک رُباب" احساس کی شدت، مشاہدہ کی گہرائی اور اسلوب کی نفاست اور پختگی کے لحاظ سے اردو شاعری میں ایک گراں قدر اضافہ ہے ——— • ڈاکٹر سید اعجاز حسین

• "کلکتہ: اک رباب" اردو کی طویل موضوعاتی نظموں میں ایک وقیع اضافہ ہے۔ واقعات یا مناظر کو نظم کر دینا شاعر کا کمال نہیں۔ شاعر تخلیقی احساس کی سطح پر ایک نئی دنیا کی بازیافت کر کے کیف و اثر کا جادو جگاتا ہے۔ اور یہ خوبی اس نظم میں ہے۔ احساس کی تھرتھراہٹ، مشاہدے کی گہرائی اور گیرائی اور اسلوب کی تازگی و شگفتگی نے اسے ایک ایسے فن پارے کی حیثیت دے دی ہے جسے ہمیشہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا ——— • ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

• حرمت صاحب کا کلام خواہ وہ غزل ہو یا نظم دیکھنے کے بعد بڑی خوشی ہوتی ہے کہ حرمت صاحب بیان کی تازگی، اسلوب کی پاکیزگی، فنی احتیاط، تشبیہوں اور استعاروں کی دلکشی کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں کوئی ایسی غلطی نظر نہیں آتی جو بہت نمایاں ہو، زبان بہت پیاری اور سلیس استعمال کرتے ہیں۔ حرمت صاحب کا نظریۂ حیات صحت مند اور حقیقت پسندانہ ہے سماجی اور سیاسی حالات سے ان کی شاعری صرف متاثر ہی نہیں بلکہ کافی حد تک ان کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ طبیعت میں کچھ حزن ضرور ہے لیکن مایوسی نہیں۔ ان کی زندگی کی المناکیاں بھی ان کو شکست کا اعتراف کرنے پر مجبور نہیں کر سکتیں۔ یہ چیز ان کی بہ حیثیت عوام آفریں اور حوصلہ افزا ہے۔ • پرویز شاہدی

• سید حرمت الاکرام صاحب نے کلکتہ میں اپنی زندگی کا ایک خاصہ حصہ بسر کیا ہے اسی لئے وہاں کے ماحول کے اثرات نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ روح فنکار نے انگڑائی لی اور وہ تمام احساسات و جذبات اور خیالات و مشاہدات، جو شہر کلکتہ میں برسوں رہنے کی وجہ سے ذہن شاعر میں پرورش پا چکے تھے، پیکر فن میں جلوہ گر ہو گئے۔ "کلکتہ، اک رباب" ایک طویل نظم ہے جس میں شاعر کے مطالعہ و مشاہدہ کی رنگا رنگی اور وسعت بھی ہے اور باریک بین نکتہ رسی بھی ——— • ڈاکٹر اختر اورینوی

• موجودہ عہد جدیدیت کے سب سے سلجھے ہوئے شاعرانہ ذہن کا نام حرمت الاکرام ہے۔ میں ان کی غزلوں اور نظموں کے حسنِ خیال اور حسن بندش دونوں سے متاثر ہوتا آیا ہوں لیکن ان کے شہ پارۂ فن "کلکتہ: اک رباب" سے میری ملاقات اب تک نہ ہو سکی تھی، آج ہوئی ہے تو میں اس کے صفحات الٹ رہا ہوں اور اپنے خالقِ فکر و فن کا یہ شعر بے ساختہ میری زبان پر آ رہا ہے۔ گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے ——— • جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آئے۔

——————— • علامہ جمیل مظہری

• سید حرمت الاکرام کی شاعری میں زندگی موسموں کی طرح رنگ بدلتی ہے اور شاعر ان زخموں کا ناز اٹھاتا ہے جو اسے نشاطِ غم اور لذت دوام عطا کرتے ہیں۔ یہ طلائی کیفیت حرمت الاکرام کی نظم اور غزل دونوں میں جلوہ گر ہے اس لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کس صنف کے زیادہ کامیاب شاعر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حرمت الاکرام نے جس طرح اپنے آپ کو کسی نظریئے کا پابند نہیں کیا، اسی طرح انھوں نے تخلیق کے وجدانی لمحے میں کسی خاص ہیئت کی غلامی کو بھی قبول نہیں کیا، چنانچہ انھوں نے اچھی پابند نظمیں بھی لکھیں۔ ان کا جوہر تخلیق آزاد نظموں میں بھی خوب کھلا اور ان کے سمبہ پر غزل نے بھی خوب اونچی پرواز کی ——— • انور سدید

• مجھے "چو رنگی" والے شاعر حرمت الاکرام کی یہ ادا پسند ہے کہ وہ کلاسیکیت میں جدت اور جدیدیت میں کلاسیکیت کو شیر و شکر کر کے پیش کر سکتے ہیں۔ ان کی طویل نظم "کلکتہ: اک رباب" کو دیکھئے قاموس کو بلیغ شعریت میں ملفوف کر دیا ہے۔ کبھی اس نظم کو دیکھئے

لگتا ہوں، ہر بار ایک نئی دنیا کی دریافت کرتا ہوں۔" شہپر" فکر و اسلوب کی اس انفرادیت کا ایک خوشنما روپ ہے

———— • ڈاکٹر گیان چند جین

• سید حرمت الاکرام کو ورثہ میں اور کچھ ملا ہو یا نہ ملا ہو شاعری ضرور ملی تھی۔ اسی شاعری نے انھیں ہند و پاک میں شہرت آشنا کیا، انھیں ہر صنفِ شاعری سے شغف رہا لیکن بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر تھے اور شاعروں کے نقاد بھی

———— • سالک لکھنوی

• حرمت الاکرام کے اسلوب میں ایک نپا تلا توازن اور لہجے میں ایک اچھوتی قطعیت ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے ان کی شاعری انسان کے داخلی اور خارجی تصادم کا آئینہ خانہ ہے۔ یہ شاعری ایک ایسے تربیت یافتہ ذہن کی پیداوار ہے جو اس کربناک عصر کے تلخ حقائق کو شہد آگیں سانے اور افراد کے درمیان شکستہ ہوتے ہوئے رشتوں کو آمیز کرنے کا فن جانتا ہے۔ حرمت الاکرام کی شاعری فکر و احساس اور تفکر و وجدان کا خوبصورت اتصال ہے۔ فلسفیانہ آمیزش کے باوجود ان کے شعری پیکروں کا خمیر لطیف و نازک، سجل اور شستہ ہے ———— • مظہر امام

• .... غرض کہ تجربات موجوں کا ساحلِ ہستی کی طرف تڑپنا، اس سے ٹکرانا، ٹکرا کر بکھرنا اور بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی لہروں کا بڑی بڑی موجوں کی شکل میں نمودار ہو کر پھر سے ساحل کی طرف لپکنا ——— اسی طرح کے ذہنی عمل ردعمل نیز پیچ و تاب کے لامتناہی اور متحرک سلسلوں سے حرمت الاکرام کی شاعری عبارت ہے۔ تجربات کی پُرپیچ موجیں جس وقت شاعری کی تعمیری شخصیت اور تخلیقی انا میں ڈوب کر دوبارہ ابھرتی ہیں تو اپنے ساتھ تحت الشعور اور لاشعور کی عمیق ترین تہوں سے نہ جانے کتنے تابناک موتیوں کو اوپر نکال لاتی ہیں اور ساحلِ ہستی پر سجا دیتی ہیں۔ ان موجوں کا دائرۂ عمل نہایت وسیع ہے کیونکہ زندگی کے پختہ شعور نے شاعر کو فکر و نظر کی وہ وسعت و پنہائی بخشی ہے جو فنکارانہ

سطح پر زندگی ہر ہر وقتی تجربے کو دائمی بنانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ ———— • کرامت علی کرامت

• حرمت الاکرام اردو شاعری کی ایک منفرد، معتبر اور مستحکم آواز تھے۔ تقریباً تیس برسوں تک یہ آواز اردو دنیا میں گونجتی رہی۔ اس قلیل مدت میں ان کے زود گو ذہن رسا نے وہ گل بوٹے اگائے جن سے مشامِ جاں آج بھی معطر ہے۔ زود گوئی ان کے لئے خامی نہیں خوبی تھی کیونکہ ان کے اشعار میں کمیت کے ساتھ ساتھ ایک دلکش اور روح افزا کیفیت پائی جاتی ہے۔ حرمت الاکرام نے تقریباً دس سال کلکتے میں گزارے۔ یہاں ان کی شاعری نئی جہتوں سے آشنا ہوئی۔ کلکتہ اور اہل کلکتہ سے ان کے والہانہ لگاؤ کا اظہار ان کی طویل نظم " کلکتہ: اک رباب" سے ہوتا ہے۔ ———— • علقمہ شبلی

• میں حرمت الاکرام کی شعری نگارشات کو برسہا برس سے نہایت والہانہ انہماک کے ساتھ پڑھتا رہا ہوں۔ ان میں ایک عجیب سی توجہ زاد (Hypnotic) کیفیت کارفرما ہے۔ میں حرمت الاکرام کو جدید شاعری کی نہ صرف منفرد معتبر بلکہ ایک مستحکم آواز سمجھتا ہوں جو دیارِ شعر و ادب میں گونجتی ہوئی بہت ساری نئی بے ہنگم صداؤں کے درمیان شعری حسن و عظمت کی ضامن اور اپنی بھرپور شخصیت کے زندہ و توانا عناصر کو ذہنی اشرافیہ کے دل و دماغ کو مرتسم کرتی ہوئی حرزِ جاں بننے کی کیف بار منزل سے ہمکنار ہے۔ .... خصوصی طور پر حرمت الاکرام کی حالیہ شائع شدہ تازہ و نادرہ کار غزلیں جو میری نظر سے گزری ہیں، وہ ان کی غیر معمولی خود آگاہ جرأت فکر اور احتیاطِ فن کی آئینہ دار ہیں۔ ان کے سنجیدہ مطالعہ سے آشکارا ہوتا ہے کہ یہ جواں فکر شاعر نئے شعری اجتہاد کے لئے روایت کی غیر نامیاتی عناصر سے رد گردانی کی عارفانہ جرأت رکھتا ہے۔ حرمت الاکرام کی غزلیں ایک منور تراشیدگیِ فکر اور سلیقۂ اظہار کا خوشگوار امتزاج ہے۔ ان کی غزلوں کے پوشیدہ ایمائی اثر کو جو وصف سحر کار بناتا ہے، وہ ان کی روح کی نغمگی اور موسیقیت ہے۔ حرمت الاکرام کے یہاں مثبت اوقات خیال نغمہ بن جاتا ہے اور نغمہ خیال ———— • نظام صدیقی

خندۂ شبنم

وقت کی گود سے خورشید سحر کی مانند
زیست اٹھی ہے نیا جذبۂ تعمیر لئے
خلدِ آدم کو بنانے کیلئے خلدِ بریں
ابنِ آدم کے ہر اک خواب کی تعبیر لئے

بجلیاں لرزہ براندام ہیں، طوفاں خاموش
کون رکھے قدم، انساں کی تخیل کے ساتھ
پستیاں مائلِ پرواز نظر آتی ہیں
زندگی کیا ہے؟ اس اجمال کی تفصیل کے ساتھ

آج شرمندہ ہے جاگے ہوئے انساں کا ضمیر
اپنے ماضی کی سسکتی ہوئی بے نوری پر
نکتہ چیں آج ہے خوددار عزائم کا سکوت
اپنے مختار کی بخشی ہوئی "مجبوری" پر

آج صدیوں کے ستائے ہوئے دل اور دماغ
کارفرما ہیں نئے دور کی زینت بن کر
اور سرمائے کی آنکھوں میں اتر آیا ہے
آج مفلس کا لہو اشکِ ندامت بن کر

اب فقط دن ہی کا چہرہ نہ منور ہوگا
اب ضیا بارِ شبِ غم بھی نظر آئے گی
کچھ گلوں ہی کا کے لئے وقف نہیں خندہ بھی
مسکراتی ہوئی شبنم بھی نظر آئے گی

• [illegible] اگست ۱۹۶۹ء

سید حرمت الاکرام

پسِ پردہ

زباں ہلی کہ گرا سر پہ جھولتا خنجر
معاف ہو نہ سکے گی خطائے شوخ لبی
سلامتی ہے اسی میں کہ بے ادب نہ بنو
بڑے جتن سے یہ محفل سجائی جاتی ہے
اک ایک بھید کی قیمت چکائی جاتی ہے
ردائیں سرکیں تو، پگھلے گا چلمنوں کا جلال
نگاہ کے سامنے آئیں گی کتنی تصویریں
سلگتی حیرتیں چٹخیں گی آئینوں کی طرح
جو دیکھنا اُسے پلکوں میں دفن کر دینا
بڑھے حدودِ نظر سے نہ کاروانِ خیال
ہے جُرم باخبری اِک عذاب سے بھی سوا
یہ جان بھی نہ سکو گے، کدھر سے تیر آیا؟

بساطِ شاخ پہ ان کو قرار کیا آئے؟
بہار اور ہے ان کی، نمو ہے اور ان کا
یہ جسم کھلتے ہیں زرکار بازوں کے لئے
چہک کی گونج ہے رسوائے صوت و رنگ مگر
زباں ہلی کہ گرا سر پہ جھولتا خنجر

• [illegible]

غزلیں

حرمت الاکرام

نہ اتقا و کفر تک نہ زمزم و شراب تک
بڑے بڑے ہیں مرحلے گناہ سے ثواب تک

دل و نظر کی تشنگی کہاں کہاں لئے پھری
کشاں کشاں پہنچ گیا میں چشمۂ سراب تک

جو آئی شامِ بیکسی تو جانے کیسی اک کرن
نظر کو چھیڑتی رہی طلوعِ آفتاب تک

یہ طرزِ گفتگو سمجھ میں آئے بھی تو کس طرح
سکوت ہی سکوت ہے سوال سے جواب تک

یہ کھیل کون دیکھتا کہ امتحان تھا کڑا
اتر اتر گئی مری نوا، دلِ رباب تک

طویل ہو کہ مختصر یہ زندگی کی رہگذر
سکوں نہیں کسی جگہ حقیقتوں سے خواب تک

لیا ہے حرمت انتقام زندگی نے صبح و شام
میں لے سکا نہ اپنے صبح و شام کا حساب تک

• سپہرے

چشمِ خونبار کی افسانہ گری بھول گئی
فطرتِ غم، مرے دامن کی تری بھول گئی

عشقِ رسوا تو کبھی سی نہ سکا چاکِ جگر
عقل کیوں رسم و رہِ بخیہ گری بھول گئی

شہرِ نسرین و گل و لالہ تک آتے آتے
زندگی، شیوۂ آشفتہ سری بھول گئی

ہم بھی کیا کیا نہ پشیمان ہوئے ہیں کہ حیات
خودگری بھول گئی، خودنگری بھول گئی

ترے الطاف کی شامیں، ترے غم کی صبحیں
آہ! کیا کیا نہ مری بے خبری بھول گئی

وادیٔ غم کا بتاتی نہیں کوئی احوال
کیا صبا بھی روشِ نامہ بری بھول گئی

ہوسِ دیر نشینی نے بتایا حرمت
آرزو، لذتِ اصنام گری بھول گئی

• جلوۂ نمو سے

ٹیگور کا دیار یہ دہشت کی سرزمیں
یہ نذرل انور سو بھاش کی عظمت کی سرزمیں
یہ علم و فن و دانش و حکمت کی سرزمیں
یہ گیسوؤں کا شہر ملاحت کی سرزمیں

وہ شہر جس نے شاہِ اودھ کو پناہ دی
اپنا بنا کے وضعِ مروّت نباہ دی

بزمِ فسوں طراز یہ چاول کے عشق کی
یہ چائے کی سلونی اداؤں کی دلبری
پانوں کی سبز جلوؤں کی شاداب چاندنی
رس گلوں کی مٹھاس دلوں میں بسی ہوئی

مچھلی نظر کا، روح کا، دل کا سرور ہے
بجلی ہے گھر کا نور یہ ہانڈی کا نور ہے

شام آئی، چائے خانوں میں گونجی نئی کھنک
کافی کی پیالیوں سے اٹھی دل نشیں گمک
دینے لگا صدائیں ادب کا حقِ نمک
لے کر سخنوروں کو چلی گھر سے اِک للک

اہلِ شعور و فکر کے پھیرے کا وقت ہے
انجمن یہ میں یہ ان کے بسیرے کا وقت ہے

برلاؤں کا یہ شہر یہ محنت کشوں کا شہر
کاروں کا شہر، رکشوں، ٹراموں، بسوں کا شہر
یہ شاعروں، صحافیوں، دانشوروں کا شہر
یہ شہر دلربائوں کا یہ کسبیوں کا شہر

اِک یادگار حکمتِ افرنگ کی لئے
یہ شہر جلتا رہتا ہے رخ پر ہنسی لئے

کلکتہ کی وہ بزمِ دل آرا کہ ہائے ہائے
جولاں وہ رنگ و نور کا دھارا کہ ہائے ہائے
پگھلا ہوا رگوں میں وہ پارا کہ ہائے ہائے
ہر گام ایک خلدِ نظارا کہ ہائے ہائے

سینے میں جس کی یاد کو غالب نے پال کر
شہکارِ فن بنا دیا سانچے میں ڈھال کر

کلکتہ میری آرزوؤں کا نشاط راز
کلکتہ میرے خوابوں کا کنعانِ نو بہار
کلکتہ میری روح کے نغموں کا شالا مار
کلکتہ میرے پیار کی فردوسِ افتخار

بجھتے ہوئے شراروں کو جس نے جگا دیا
پھر ایک بار دل کو دھڑکنا سکھا دیا

اس نے مجھے جنوں بھی دیا آگہی بھی دی
سیرابیوں کے بھیس میں اک تشنگی بھی دی
واماندگی کو عشرتِ منزل رسی بھی دی
میرے لبوں کو ایک نئی بانسری بھی دی

خوں گشتگیٔ درد کا چارہ بھی کر دیا
تازہ غموں کو بڑھ کے اشارہ بھی کر دیا

دل کو نئے خرابوں نے آواز دی کبھی
جادو جگاتے خوابوں نے آواز دی کبھی
عشرت نوا ربابوں نے آواز دی کبھی
حسرت سے خوش نقابوں نے آواز دی کبھی

مغرور تجربے کبھی دامن بچا گئے
خوش فہمیوں کے وار کبھی دل تک آ گئے

اے جادوؤں کے شہر دلآرا تری قسم
ہمت شکن ہیں لاکھ زمانے کے پیچ و خم
لیکن سجا سجا کے تری یاد کے صنم
رکھا ہے دل نے رشتۂ اخلاص کا بھرم

مانا کہ تجھ سے دور میں اپنے وطن میں ہوں
کہتی ہیں دھڑکنیں کہ تری انجمن میں ہوں

لمحات کی بساط پہ کیا ہار، کیسی جیت
ساتھی یہ دھوپ کس کی ہے یہ چھاؤں کس کی جیت
بدلی ہے اس جہانِ حوادث کی کس نے ریت
اِک خواب اور دیکھ لوں، گا لوں اِک اور گیت

ہے تیرا ساز اور دلِ نغمہ طراز ہے
یہ میرے نازِ فن کا فروغِ نیاز ہے



شری بنوئے چودھری گذشتہ ۵ ستمبر کو یوم اساتذہ کے موقع پر کلکتہ کے
ربندر سدن میں منعقدہ ایک تقریب میں اساتذہ کرام
کو ان کی نمایاں خدمات کے لئے انعامات واسناد
سے نوازتے ہوئے۔ اس موقع پر شری ستیہ سادھن چکرورتی اور شری کانتی بسواس بھی موجود تھے



MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
November 1, 1997

REGD No. WB/CC-596
Vol No 44, Issue No. 20
Price 50 Paise



وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو گذشتہ ۲۶ ستمبر کو رائٹرس بلڈنگس کے
چیمبر میں راجا رام موہن رائے پر مطبوعہ ایک کتاب کا اجراء کرتے
ہوئے۔ نیچے وزیراعلیٰ موصوف حال ہی میں کلکتہ کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل
میں "مختلف اضلاع میں ترقیاتی کام" پر منعقدہ ایک سمینار سے خطاب کرتے ہوئے۔



Chief Editor : Tarun Bhattacharya, Asst. Editor : Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd. 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012.

پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

فلم فسٹیول پر
خصوصی شمارہ

جلد نمبر ۴۴ ■ ۱۵ رنومبر سنہ ۱۹۹۷ ■ شمارہ نمبر ۲۱

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

ترتیب

■■

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ■ نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت :- ۵۰ پیسے

• اس خصوصی شمارہ کی قیمت ایک روپیہ

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

کلکتہ کی میزبانی میں تیسرا کلکتہ فلم فسٹیول

حکومت مغربی بنگال کے شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کی فلمی شاخ کے زیر اہتمام ۱۰ نومبر تا ۱۷ نومبر ۹۷ء کو کلکتہ فلم سنٹر نندن کی میزبانی میں ۸ روزہ تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول کا انعقاد کیا گیا ہے۔ حکومت مغربی بنگال کی تنہا کوشش سے دوسری بار یہ تہوار کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس سے قبل پہلا کلکتہ فلم فسٹیول حکومت کرتی آرہی ہے۔ اس بار تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول کو زیادہ مربوط اور دلکش بنانے کے لئے مختلف اداروں سے مالی تعاون کے حصول کیلئے پہل کی گئی ہے۔

کلکتہ فلم فسٹیول کے آغاز سے قبل وزیر اطلاعات و ثقافتی امور و داخلہ (پولس) شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے گزشتہ ۲ اکتوبر



• شری بدھا دیب بھٹاچاریہ پریس نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے

مغربی بنگال اور حکومت کیرالا کے اشتراک سے منعقد ہوا تھا۔ ریاستی حکومت نے ہر سال اس ریاست کو ایسے تہواروں کی میزبانی کرنے کی ذمہ داری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ویسے حکومت ہند کی جانب سے ہر سال ملک کے مختلف ریاستوں میں باری باری بین الاقوامی فلمی تہوار کا انعقاد ہوتا ہے۔ فلمیں تیار کرنے والی بڑی ریاستوں میں مغربی بنگال کا شمار ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی باری کا انتظار طویل عرصے تک کرے اس لئے ریاستی حکومت نے اپنی ریاست کے فلمی شائقین کے مذاق کی تسکین کے لئے ہر سال اپنے فلم فسٹیول کا انعقاد کو نندن میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ ہم ۱۹۹۵ء کی طرح سالانہ تقریب کے طور پر تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول میں شرکت کے لئے سبھوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ حکومت مستقبل قریب میں ایسے تہواروں کے انعقاد کے سلسلے میں صرف بنیادی سہولتوں کی ضمانت دیتے ہوئے ثانوی کردار ادا کرنا چاہے گی۔ انھوں نے کہا کہ گزشتہ دو برسوں کے دوران حاصل شدہ تجربے کی روشنی میں موجودہ تہوار ان فلم بینوں کے لئے زیادہ منظم اور جاذب نظر ہوگا جو ہر سال ایک اچھے فلمی تہوار کے متمنی ہوتے ہیں۔ وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ اس

تہوار میں شرکت کے لئے مختلف ملکوں نے زبردست مستعدی دکھائی ہے۔ اس فسٹیول میں حصہ لینے والے بیرونی ملکوں میں جرمن، ہنگری، ایران، اسرائیل، اٹلی، روس، برطانیہ، امریکہ، ارجنٹینا، بولیویہ، کناڈا، چیکوسلاواکیہ، اکواڈور وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

وزیر موصوف کی اطلاع کے مطابق اس بار بھی فلم فسٹیول کے اصولوں کے مطابق مختلف درجات ہیں جیسے (۱) عالمی سینما (۲) فوکس آن چیکوسلاواکیہ (۳) تارکووسکی کو خراج عقیدت (۴) ٹروفاؤٹ ــــ ماضی کی روشنی میں (۵) ولیم ویںڈرس کی منتخب فلمیں (۶) خراجِ عقیدت ــ سمیتا پاٹل (۷) ہندوستانی فلمیں (۸) پلندۂ آزادی (۹) سنہری یادیں ــ بنگلہ سینما (۱۰) بچوں کی فلمیں

شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے بتایا کہ نشات سینما ہالوں میں فلموں کی نمائش کے ساتھ ساتھ متواتر سیمینار اوپن فورم، اشاعت، پریس کے ساتھ ڈائرکٹروں کی ملاقات وغیرہ کا بھی پروگرام انعقاد ہوگا۔

"عالمی سیمنار" میں بیس ملکوں سے چالیس سے زائد فلموں کی آمد متوقع ہے۔ انھوں نے بتایا کہ بیرونی فلموں کو حاصل کرنے میں درپیش مسائل کے باوجود امید کی جاتی ہے کہ لاطینی امریکہ کی آٹھ فلمیں پردۂ سیمیں پر دکھائی جائیں گی۔

فوکس آن چیکوسلاواکیہ سیکشن میں چیک فلموں میں موجودہ تکنیکی ترقی اور موضوعاتی پیشکش سے متعلق ناظرین کو اپنے خیالات کو up to date کرنے میں مدد کرے گا۔

مشہور ہندوستانی ہیروئن سمیتا پاٹل کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ان کے کردار سے مزین تین فلموں کو دکھایا جائیگا۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ "تارکووسکی کے خراج عقیدت" میں چھ فلمیں شامل ہیں جن میں تارکووسکی نے اہم کردار ادا کیا ہے علاوہ ازیں تین فلمیں ان کی فیملی سے دستیاب ہونے کی امید ہے۔

پہلی بار یہ ممکن ہوا ہے کہ فراسوآن تروفو کی درجن سے زائد فلموں کی نمائش ہونے جا رہی ہے اس سلسلے میں پُرخلوص تعاون پیش کرنے کے لئے وزیر موصوف نے فرانس کے سفارت خانہ، دہلی کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے جرمن ڈائرکٹر ولیم وینڈرس کی چھ فیچر فلموں کی فراہمی کے لئے جرمن سفارت خانہ اور گیٹے انسٹی ٹیوٹ کا بطور خاص تذکرہ کیا۔

انھوں نے بتایا کہ ہندوستانی فلمی سیکشن کے لئے کچھ نئی ہندوستانی فلمیں حاصل کرنے میں وزارت اطلاعات و نشریات نے بھرپور تعاون کیا ہے۔ پلندۂ آزادی میں آزادی کے پچاس سال کے موقع پر سات فلمیں شامل کی گئی ہیں جبکہ "بنگلہ فلموں کی سنہری یادیں" میں مدھو باسو، لیجے کار اور راجن ترفدار کے زیر ہدایت آٹھ فلمیں شامل کی گئی ہیں۔

ممتاز فلمی شخصیتیں جیسے موہن اگاسے، سورلیش چھیریا، آدور گوپال کرشنن، گوتم گھوش، بدھادیب داس گپتا، گوبند نہالنی، اُتسا نائر، دیپا مہتہ، کانن سنھیا کے ــــ "فریڈم آف فلم میکرس اینڈ دا پاور ڈیٹ ایز" کے عنوان سے منعقد ہونے والے سیمنار میں حصہ لینے کی امید ہے۔

شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے بتایا کہ اس تہوار میں بیرونی ممالک کے وفود میں کرستوف زانوسی، اندیٹی تارکووسکی، ہورہے پولاکو (ارجنٹینا) کیمیلو لوزوریاگا (ایکواڈور) شہرام اسدی (ایران) ارنابن دور (اسرائیل) ایم۔ وی لیبون (روس)، جگ مندھرا (امریکہ) بین نموتی (جنوبی افریقہ)، سندرو بلدینی (اٹلی) کے نام گرامی شامل ہیں۔

وزیر موصوف کی اطلاع کے مطابق اس فسٹیول کا افتتاح ۱۰ نومبر کی شام کو کلکتہ فلم سنٹر نندن میں ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے کیا ۔ اس تقریب میں مشہور فلم ساز شری مرنیال سین مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔

نندن I اور نندن II اور سسیر منچ میں فلمیں بیرونی ممالک، ملکی وفود اور پریس نمائندوں کے لئے دکھائی جا رہی ہیں جبکہ ربندر سدن، ناکی شوہاؤس، ابہندرا منچ، مدھوسدن منچ اور جیلین میں روزانہ ٹکٹ کی بنیاد پر عام لوگوں کے لئے فلموں کی نمائشیں ہونگی۔ جیلین میں صرف بچوں کی فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ ہر شو کے ٹکٹوں کی شرح قیمت ممکنہ حد تک کم رکھی گئی ہے۔ نندن، سسیر منچ اور ربندر سدن میں روزانہ پانچ شوؤں کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ ابہندرا منچ، مدھوسدن منچ اور جیلین میں صرف تین شوؤں میں مختلف فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ ۱۷ نومبر کو اختتامی تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بطور خاص شرکت فرمائیں گے۔ ■

گورنر کے ہاتھوں تیسرے کلکتہ فلم فیسٹیول کا افتتاح



• گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی فلم فیسٹیول کا افتتاح کرتے ہوئے

ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گزشتہ ۱۰ نومبر کی شام کو کلکتہ فلم سنٹر نندن میں مندوبین، پریس نمائندوں مدعوئین اور دیگر مہمانوں کے بیچ زبردست جوش و خروش کے ساتھ تیسرے کلکتہ فلم فیسٹیول کا افتتاح قندیل جلا کر کیا۔

اس موقع پر مہمان اعلیٰ کی حیثیت سے مشہور فلم ساز شری مرینال سین شرکت فرما تھے۔ ریاستی وزیر سیاحت و ماحولیات شری مانوس درا مکرجی، کلکتہ کے میئر شری پرشانتا چٹرجی، نندن مشاورتی کمیٹی کے چیئرمین شری وسنت چودھری نے معزز مہمانوں کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ اس کے علاوہ ڈائس پر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے پرنسپل سکریٹری شری شنکر چٹوپادھیہ اور نندن کے ایگزیکیوٹو ڈائرکٹر شری انگشو سور بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔

گورنر شری رگھوناتھ ریڈی نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ اس عظیم شہر کو ۱۹۹۴ء میں ہندوستانی ۲۵ویں بین الاقوامی فلمی تہوار کی میزبانی کا شرف حاصل ہے۔ بعد کے سال میں حکومت مغربی بنگال اور حکومت کیرالا کے اشتراک سے منعقدہ پہلے کلکتہ فلم فیسٹیول کا یہ تیسرا پڑاؤ ہے۔

اس وسیع ملک میں ایک بے مثال کوشش کا آغاز ہوا ہے۔ ماضی میں اس عظیم شہر نے بہت سی اہم تقریبات کا اہتمام کیا ہے جو ملک کی ثقافتی تاریخ میں داخل ہوئی ہیں اور اب کلکتہ فلم فیسٹیول جس کا اہتمام ریاستی حکومت کی جانب سے کیا جا رہا ہے۔ اپنی گراں قدر وراثت میں نئی روح پھونک دے گی۔

گورنر موصوف نے مزید بتایا کہ گزشتہ ۲ برسوں سے ریاستی حکومت یہاں ثقافتی ترقی کے لئے خاطر خواہ بنیادی سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔ فلم کی ترقی و ترویج کے لئے بھی حسب ضرورت اقدامات کئے

گئے ہیں۔ یہ تیسرا کلکتہ فلم فسٹیول ایسے ہی اقدامات کی ایک کڑی ہے۔ یہ فسٹول جس کا آغاز ۱۹۹۵ء میں ہوا، مغربی بنگال کی ثقافتی اثاثے کو اور بھی مالا مال کرے گا۔

شری مرینال سین نے اس فسٹول کے انعقاد کے لئے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک طرف ستیہ جیت رے فلم اینڈ ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ کے طالب علموں نے آج صبح ایک ماہ طویل مظاہرہ کو ختم کر کے لیے کلاسوں میں حاضر ہوئے ہیں تو دوسری طرف آج کی شام ہفتہ بھر کے فلمی تہوار کا آغاز کر رہی ہے۔ یہ دونوں واقعات ایک ساتھ وقوع پذیر ہوئے ہیں جو انتہائی اہم ہیں۔ شری سین نے اس قابل ستائش تہوار کے فروغ میں حکومت اور کارپوریٹ باڈی کی کوششوں کی سراہنا کی۔ انھوں نے کہا کہ ملک بھر میں اگرچہ فلمی تہواروں کی تعداد بڑھی ہے لیکن فلموں کی تیاری میں بتدریج کمی آئی ہے ـــ صرف تعداد نہیں بلکہ معیار کے معاملے میں بھی ـــ فسٹیول کی تعداد میں بڑھتا ہوا رجحان اور فلموں کی تیاری میں تنزلی ہم سب کے لئے باعث تشویش ہے۔ ملک بھر میں پہلے تھیٹر ہالوں کا ماحول اچھی فلموں کی نمائش کے لئے انتہائی ناخوشگوار ہے انھوں نے کہا کہ ناظرین جس خاص قسم کی فلموں سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہ معیار کے مطابق نہیں ہوتیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ اچھے ناظرین کے بغیر سنجیدہ و معیاری فلموں کی تیاری کا خیال ممکن نہیں۔ فلمی تہواروں کے ذریعہ ہی باذوق ناظرین کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اس تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول کے انعقاد کا مقصد بھی یہی ہے۔

پرنسپل سکریٹری سوجیت جیٹو پادھیہ نے مندوبین کا خیر مقدم کرتے ہوئے شہر کلکتہ میں ایک فلم فسٹیول کے انعقاد کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ اس بار اجتماعی اداروں کی شمولیت سے اس فسٹول کو کامیاب بنایا گیا ہے۔

فسٹیول کے ڈائرکٹر شری انکشو سور نے تمام مندوبین، مختلف ممالک کے سفارت خانوں اور تمام معاون اداروں کا شکریہ ادا کیا جن کی سرگرم تعاون سے اس تہوار کا انعقاد ممکن ہوا۔

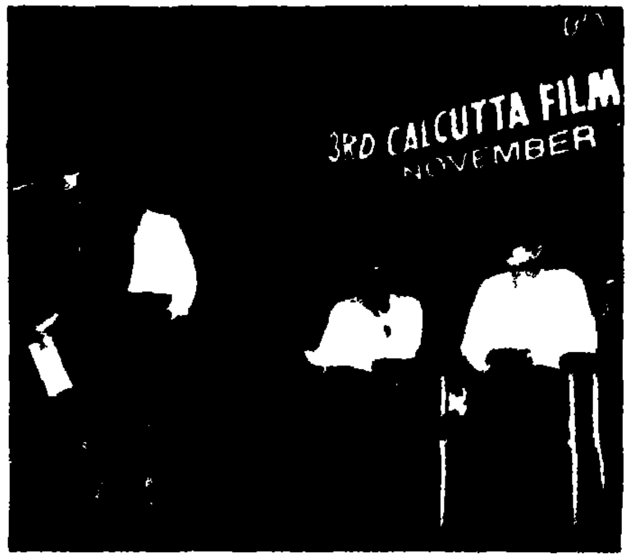
آخر میں گورنر شری کے وی رگھو ناتھ ریڈی نے فلمی اداکارہ ریتو پرنا سین گپتا کی مدد سے قندیلیں روشن کر کے اس ۷ روزہ فلمی تہوار کا افتتاح کیا۔ افتتاحی تقریب کے موقع پر اندرئی تارکووسکی کی فلم ' M:۲۲۵۴ ' دکھائی گئی



• اندرئی تارکووسکی کی فلم 'میرر' کا منظر

تیسرا کلکتہ فلم فیسٹول کے تحت

چپلین میں بچوں کے فلمی سیکشن کا افتتاح



مغربی بنگال فلم ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے چیئرمین شری ست بوس کے ساتھ گزشتہ ۱۱ نومبر ۹۰ء کو کلکتہ کے چپلین میں تیسرے کلکتہ فلم فیسٹول کے تحت، بچوں کے فلمی سیکشن کا افتتاح ہوا۔ انھوں نے اس موقع پر اس حقیقت کو دہراتے ہوئے کہا کہ شہر اور مغربی بنگال کے دیگر حصوں میں واقع سینما ہالوں کے اردگرد غیر صحت مند ماحول کی وجہ سے فلم بینوں کی تعداد میں بتدریج کمی ہو رہی ہے۔ فسٹول کے مقام کے سلسلے میں ریاستی حکومت نے صحیح تھیٹروں کے انتخاب کے لئے کافی محنت کی جا رہی ہے۔

مغربی بنگال فلم ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے مینیجنگ ڈائرکٹر شری سبرتا ٹھاکر جی نے کہا کہ تمام ریاستی محکموں اور جماعتی اداروں کی بے لوث مدد کے بغیر ایسے بڑے پیمانے پر فسٹیول کا انعقاد ممکن نہیں تھا۔

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے جوائنٹ ڈائرکٹر شری پردیپ گھوش نے کہا کہ ریاست کے فلم بینوں کے لئے اچھی فلمیں بنانے، اور ان کو بڑھاوا دینے کیلئے عرصہ دراز سے کوشش کر رہی ہے۔ کلکتہ فلم فسٹیول ایسی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے۔

اس موقع پر افتتاحی فلم کی حیثیت سے "ملائی آدے سوم" کی نمائش کی گئی۔ واضح رہے کہ چپلین میں بچوں کے لئے روزانہ تین شو دیسی اور بدیسی فلمیں دکھائی جائیں گی۔ ■■

مدھوسودن منچ میں بنگلہ سیریز سیکشن کا افتتاح

گزشتہ ۱۱ نومبر کو کلکتہ کے مدھوسودن منچ میں بنگلہ سیریز (ریٹرو اسپیکٹو) سیکشن کا افتتاح کرتے ہوئے مشہور فلم ساز شری ادور گوپال کرشنن نے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ میں کلکتہ فلم فسٹیول میں شرکت کے لائق ہوا۔ متواتر تین برسوں سے اس فلم فسٹیول کا اہتمام کیا جا رہا ہے لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی جھجک نہیں ہو رہی ہے کہ یہ فسٹیول ابھی بتدریج وسعت کے ساتھ ایک بین الاقوامی فلم فسٹیول کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ فلم فسٹیول نے اس سیکشن کا آغاز شری ہیابین شیکھیا کی نئی فلم "کال اسندھیہ" کی نمائش سے ہوا۔ اس موقع پر کلکتہ فلم فسٹول کے ڈائرکٹر شری انکشو سور بھی موجود تھے۔ ■

اہندرا منچ میں انڈین سیکشن کا افتتاح

سنگیت ناٹک اکادمی بورڈ کے چیئرمین اور ممتاز فلمی اداکار شری وسنت چودھری نے کلکتہ کے اہندرا منچ میں کلکتہ فلم فسٹیول کے انڈین سیکشن کا افتتاح کیا۔ اس سیکشن میں سنہری یادیں، خراج عقیدت، آزادی کے حصے بھی شامل ہیں۔ شری چودھری نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ گذشتہ دہائیوں کے بہ نسبت حال میں بہت ہی کم اچھی بنگلہ فلمیں بنائی گئیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں بنگلہ فلموں کی واپسی ہوگی۔ آئندہ کئی دنوں کے دوران اہندرا منچ میں مختلف قسم کی فلمیں دکھائی جائیں گی۔ انھوں نے کہا کہ ایسا فسٹیول مستقبل میں دکھائی جانے والی فلموں کی اقسام کو ٹھیک کرنے میں مدد کرے گا۔

اس مختصر تقریب کی صدارت شری اربند و لہڑی نے کی۔ اس موقع پر مغربی بنگال فلم ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے مینجنگ ڈائرکٹر اور شعبۂ اطلاعات کے جوائنٹ ڈائرکٹر شری کل مجمدار بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔ ■■

فلمی ثقافت کا وجود

مریگانکو شیکھر رائے

ہندوستانی فلموں میں ثقافت کے اضافہ سے آپکو ہندوستان میں فلم سوسائٹی تحریک ملی ہے۔ اس طریقہ سے ہندوستانی فلم سوسائٹی تحریک کے بانیوں میں سے ایک چدیدہ نندہ داس گپتا جنہوں نے ہمارے ملک میں تحریک ہذا کی تشریح کی ہے اور تشریح آپ نے اس وقت پیش کی جب آپ نے انڈین فلم کلچر یعنی ہندوستانی فلم ثقافت کے پہلے شمارہ (۱۹۶۱ء) کا اداریہ لکھا تھا۔ یہ جریدہ ہندوستان کی فلم سوسائٹیوں کی وفاق یعنی فیڈریشن کی نمائندگی کرتا ہے اور یہ ہندوستانی فلم سوسائٹیوں کی ایک مرکزی تنظیم ہے۔ یہ تنقید کچھ لوگوں کے لئے امارت پرستی کی ایک بڑی مثال ہے اور کچھ اسے اعلیٰ اور تقدس احساسات سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جو کچھ کہا اور کیا گیا ہے وہ ایک کھلی حقیقت ہے اگرچہ اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی پہلی منظم فلم سوسائٹی — کلکتہ فلم سوسائٹی — کا قیام ۱۹۴۷ء میں عمل میں آیا جب ہندوستانی سینما محض ایک چونتیس[۳۴] سالہ ننھا منا بچہ تھا۔ برسوں کے دوران حاصل ہوئی کبھی کبھار نمودار ہونے والی چمک اور تکنیکی مہارت والے اقدامات وقوع پذیر ہوتے رہے تھے لیکن آزاد خیال اور نئے نظریوں کے ماننے والے بہت سے فلم سازوں نے بھی فلم کو بحیثیت ایک فنِ اظہار کا ذریعہ پیش کرنے سے گریز کیا تھا۔ اس کی وجہ تلاش کرنا کوئی وقت طلب مسئلہ نہیں ہے۔ بیشتر افراد جو ابتدائی دور میں سینما کے میدان میں آگے تھے سینما کو عوامی تفریح کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے اور وہ بھی نہایت ہی غیر معیاری۔ اس لئے سنجیدہ سماجی مسائل کو سینما کا موضوع بنانا یا روش سے ہٹ کر نئے تجربات کی کوششوں کو بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مہاراشٹر کے ست نتارام، فاتح لال داملے، بمل رائے، جنوب کے سبرامنیم، بنگال کے نتین بوس، چارو رائے، مودھو بوس جیسے ناموں کو عام روش پر چلنے والے فلم سازوں سے الگ تصور کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے فلموں کو سماج اور اس کے مسائل سے جوڑنے اور فنی اعتبار سے بلند معیاری بنانے کی بہت کوششیں کیں (تاہم ان کی کوششوں کو بلند معیار کی حصول میں کبھی بھی کامیابی نہیں ملی) ۱۹۴۷ء سے قبل ہندوستانی فلم سازوں نے سینما کے فن کو کچھ بھی نہیں دیا تھا ستیہ جیت رائے کے قول کے مطابق — "ہندوستان نے مغرب کا ایک عظیم ترین ایجادات میں سے ایک استفادہ حاصل کیا۔ یہ ایجاد دور رس فنی امکانات پر مشتمل ہے لیکن اس نے اس کی بنیادی خصوصیت کا گلا گھونٹ دیا ہے" رائے اور ان کے دوستوں نے ۱۹۴۷ء کے دوران جب کلکتہ فلم سوسائٹی قائم کیا تھا اسی وقت ان لوگوں نے اس امر کی شناخت کر لی تھی۔ اس دور کے صرف فلم سازوں ہی نے نہیں بلکہ اس سماج کے پڑھے لکھے لوگوں نے بھی سینما کو ثقافتی اظہار کا ایک ذریعہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چدیدہ نندہ داس گپتا نے کلکتہ فلم سوسائٹی کے ابتدائی دور میں اس طرح کے بہت سارے واقعات بیان کئے ہیں۔ اس وقت جب ان لوگوں نے سینما کو نصابی/تعلیمی اور ثقافتی کے ایک موضوع کی حیثیت سے روبہ عمل کی کوشش کی تو انہیں منفی مدافعت اور سرد مہری کے تاثرات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہاں چند مستثنیات بھی تھیں اور اس کی تشکیل کے وقت کلکتہ فلم سوسائٹی کے اراکین نے چند ممتاز دانشوروں کو اس میں شامل کیا تھا (مشہور ماہر شماریات و عالم پرشانتا چندر مہالانبیس اس سوسائٹی کے اول صدر ہوئے) اور چند ایسے فلم ساز حضرات اور فلم ٹکنیشن حضرات جو رائج کمرشیل سینما کی ڈگر سے رہائی پانے کی انتھک کوشش کر رہے تھے اور ایک نئے افق کو تلاشنا چاہتے تھے، اس میں شامل ہوئے تھے لیکن استثنا نے صرف اصول کو استحکام بخشا اور عام صورت حال ہی کی طرح مایوس کن رہی۔ اس دور کے بیشتر فلم ساز حضرات ہالی ووڈ کی تنومی سحر انگیزی کے شکار تھے لیکن ان لوگوں نے ہالی ووڈ کی افضل اور تخلیق فنکارانہ صلاحیتوں پر کبھی کوئی توجہ نہیں ڈالی۔ ان لوگوں نے صرف دکھاوے کی چمک دمک پر ہی توجہ دی۔ ہالی ووڈ کے باہر بھی سینما کا ایک عظیم ذخیرہ موجود تھا۔ یہ حقیقت ان کی ادنیٰ جانکاری میں نہیں تھی۔ لہٰذا جب جین رینر ۵۰-۱۹۴۹ء کے دوران کلکتہ کے قریب فلم — "دی ریور" یعنی ندی کو فلمانے کے لئے آئے تو نالی گنج کے ایک ممتاز فلم ساز (ان کا نام لینا یہاں مناسب نہیں ہوگا اور انھوں نے فلمی تربیت کے سلسلہ میں بیس اور تیس[۲۰، ۳۰] دہائیوں کے اوائل میں ایک عرصہ یورپ میں گزارا) نے ایک پیچیدہ و گنجلک تنقید

اس سلسلہ میں یوں کی تھی — "ان لوگوں نے جس زمیر جیسے ایک دوسرے درجے کے ہدایت کار کو یہاں اس لئے بھیجا ہے کیونکہ یہ ایک چھوٹی فلم ہے۔ اگر یہ کوئی فلم ہوتی تو وہ لوگ فرینک کاپرا جیسے اعلیٰ درجہ کے ہدایت کار کو بلوایا کرتے۔" یہی وہ بے وقوفیاں تھیں جن کے خلاف مذکورہ فلم سوسائٹی نے محاذ آرائی کا عہد کیا تھا۔ سوسائٹی کا مقصد روایتی ہندوستانی سینما کے خلاف لوگوں کے دل و دماغ میں نفرت اور ناپسندیدگی کا جذبہ پیدا کرنا تھا اور ان حملوں نے، ان فلموں کے خلاف اور فلم سوسائٹی کے کارکنوں کی حمایت میں ذہن کا کام کرنا شروع کر دیا اور گویا کہ ابھرتے ہوئے وہ فلم ساز حضرات جو دراصل واقعی فلمی روش سے بغاوت کرنا چاہتے تھے کو متاثر کرتے ہوئے کلکتہ فلم سوسائٹی کی تشکیل کے ایک سال کے اندر ہی ستیہ جیت رائے کے ہندوستانی فلموں کے عیبوں کے تلخ و تیکھے والے اپنے دیرینہ اور شعلہ فشاں مقالوں جن کے چونکا دینے نے ہندوستانی سینما کے ایک مینی فیسٹو (یعنی دستاویزی) کی حیثیت لے لی ہے، کے ساتھ منظر عام پر نمودار ہوئے ان کے نظریہ کے مطابق — "سینما کا خام مسالہ بذات خود بدلی ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حقیقت ہے کہ وہ ملک جس نے تصویر سازی، موسیقی اور شاعری کو بہت زیادہ بڑھاوا دیا فلم سازوں کو متحرک کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ایسے صرف اپنی آنکھیں اور اپنے کان کھلے رکھنے ہیں۔ اسے ایسا کرتے رہنا چاہئے۔"

فطری طور پر فلمی صنعت کے رہنما حضرات ان حملوں کے جواب میں خاموش نہیں رہے بلکہ زبردست ترش و تلخ کلامی کی۔ ۱۹۴۸ء کے درمیانی دور میں ستیہ جیت رائے نے لندن میں مقیم اپنے برطانوی دوستوں کو کلکتہ میں واقع فلم سوسائٹی سے متعلق لکھا — "ہم لوگوں کو پیشہ وروں کے درمیان ایسے مغرور عامیانہ مذاق کو حقارت سے دیکھنے کے نظریہ کے حامیوں کے طور پر جو ہندوستانی سینما کو برا کہنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے ہیں، زبردست بدنامی ملی ہے۔" مین اسٹریم (یعنی دھارا) سینما اور فلم سوسائٹیوں کے درمیان اب بھی ایک خلا قائم ہے۔ اگرچہ مخالف مکتب خیال کے بیشتر فلم سازوں نے ہمیشہ خود کو فلم سوسائٹیوں سے زیادہ جوڑے رکھا ہے۔ مثلاً کچھ تو تسلیم شدہ کے سرگرم کارکن ہیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ فلم سوسائٹی کی برادری سے وابستہ فلم سازوں اور سامعینوں کا اپنا

اپنا ایک مخصوص کلاس (طبقہ) ہوتا ہے اور امتیاز اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ان کے ذوق اور ثقافت میں افتراق نہیں آتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ فلم سوسائٹیاں اچھے سینما کو فروغ دینے والی اپنی انتھک کوششوں کے ساتھ فہم و بصیرت رکھنے والے سامعین کے ذریعہ اور قومی سماجی تشویش جیتی جاگتی تصویروں کی فراوانی کے ساتھ متوازی سینما کی صنعت کی ہمت افزائی کر کے ہندوستانی فلموں میں ثقافت کو داخل کرنے کی سعی مسلسل کرتی چلی آ رہی ہیں لیکن عام طور پر یہ الزام عاید کیا جاتا ہے کہ فلم سوسائٹیاں ہندوستانی سینما کو برا کہنے پر تلی ہوئی ہیں، ٹھیک ثابت نہیں ہوتا ہے۔ دراصل ہندوستان میں صرف فلم سوسائٹیوں ہی نے بزرگ اور تجربہ کار فلم سازوں کی ابتدائی کاموں کی نظیروں کو جلا بخشنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے جبکہ فلمی صنعت ہمیشہ ایک خاموش تماشائی بنی رہی۔ ۴۹-۱۹۴۷ء کے دوران کلکتہ فلم سوسائٹی کے ابتدائی پروگرام محض جاگیردار کی رام شاستری اور اودے شنکر کی کلپنا کی نمائشوں پر مشتمل رہے۔ ساٹھ اور ستر کی دہائیوں کے دوران کلکتہ فلم سوسائٹی نے باخبر پہچان مرحلہ سے قبل کی قدیم بنگلہ فلموں کا ایک جامع پروگرام کا انعقاد کیا (اس پروگرام میں خاموش سینما کے نمونوں کو بلاشبہ شامل نہیں کیا گیا۔ ان خاموش سینماؤں کا کبھی کوئی سراغ نہیں مل پایا ہے) بمبئی میں فلم فورم نے ستارام، گرودت، بمل رائے، ماسٹر ونائک اور دیگر جیسے منفرد ہدایت کاروں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے پربھات اسٹوڈیو اور بمبئی ٹاکیز کی سنائی ماضی کی جھلکیوں پر مشتمل فلموں کی نمائش کا انعقاد کیا تھا۔ کیرالا کی چترلیکھا اور بنگلور کی سچترا جیسی جنوبی ہندوستان کی فلم سوسائٹیوں نے بھی جنوبی سینما کے چند کھوئے ہوئے نامور کو جلا بخشی۔ صرف حد تک ان لوگوں نے خود کو محصور نہیں رکھا بلکہ جب نئی ہندوستانی سینما کی لہریں ۱۹۶۹ء کے دوران بھون شوم کے بننے کے بعد سارے ملک میں امڈ پڑیں تو اس وقت فلم سوسائٹیاں ایک محدود مخصوص سامعین کے سامنے مذکورہ فلموں کی نمائش کے لئے ایک وسیلہ بن گئیں۔ بہ معنی ہندوستانی سینما کے لئے فلم سوسائٹیوں کی دلچسپی اور کوششوں کو ثابت کرنے کے سلسلہ میں یہ اعداد و شمار زوردار شہادت پیش کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں نکلتا ہے کہ ہر وہ شخص

جو ہندوستان میں فلمی پردے پر دکھائی جاتی ہے قابل قدر ہوتی ہے۔

تحریک فلم سوسائٹی اور ہندوستانی آزادی کا ظہور محض تاریخی اعتبار سے ایک ترتیب وار اتفاق نہیں رہا ہے۔ یہاں ریکارڈس کو براہِ راست کی برقراری کی خاطر اس امر کا تذکرہ لازمی سن جاتا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے دوران کلکتہ فلم سوسائٹی کی اساس سے قبل کلکتہ میں چند سینما اسٹڈی گروپس (یعنی سینما کو اپنے زیر مطالعہ رکھنے والی چند جماعتیں) ہوا کرتی تھیں۔ یہ دستس دہائیوں کے اوائل کی باتیں ہیں۔ ۱۹۳۷ء کے دوران بمبئی میں بھی امیچر سینے اسٹڈی سوسائٹی (یعنی غیر پیشہ ور شوقین فلمی انجمن) کا قیام عمل میں آیا۔ بعدازیں ۱۹۴۲ء کے دوران سوسائٹی ہذا نے بمبئی فلم سوسائٹی کی شکل اختیار کر لی۔ تنظیمی بنیاد اور موزوں و مناسب اغراض و مقاصد میں فقدان کے سبب اپنے پرخلوص ارادوں کے باوجود قبل از وقت روبہ زوال ہوگئے آزادی مدھم امیدوں کے ساتھ آئی گرچہ جس راستہ سے آئی وہ خون آلود اور آہ و بکا سے تحریر تھی۔ چالیس دہائیوں کے اوائل سے ہی تبدیلی کی ایک ہوا ادب، مصوری، ڈرامہ، نغمہ اور رقص جیسے دیگر میدانوں میں بہنے لگی تھی۔ ترقی پسند مصنفین اور فنکاروں کی انجمن اور ہندوستانی لوگوں کی ڈرامہ انجمن نے ادبی اور اداکارانہ پیش کشوں کے نئے مکتبوں کے ذریعہ ان کے اردگرد بنے حقائق کو قبول کرنے کے خواہاں عام لوگوں کی آرزوؤں کی آئینہ داری کی بھرپور کوشش کی۔ فلم سوسائٹی تحریک منزل حقیقت کی جانب اس سفر پر تحریک آزادی کی ہم سفر بن گئی۔ اس طرح آزادی سے پہلے اور اس کے ساتھ چلنے والی تحریکیں ایک دوسرے سے پیوستہ ہوگئی تھیں اور علیحدہ علیحدہ کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ سچ ہے جس قدر امید آزادی نے جگائی تھی وہ جلد ہی پارہ پارہ ہوگئی لیکن نیا ہندوستانی سینما جسکی جنم داتا فلم سوسائٹی تحریک رہی تھی، نے ایسے دلوں ہاتھوں میں فلمی پردہ پر ٹوٹی بکھری امیدوں کی نمائش کے لئے جوش وہمت کی مشعلیں تھام لیں۔

اس مقالہ کا مقصد فلم سوسائٹی کی وقائع نگاری یا فہرست تیار کرنا نہیں ہے۔ الغرض اس مقالہ کے ذریعہ تحریک ہذا کے آغاز سے ہی اس کا ایک کچا چٹھا، ایک جائزہ اور اس کی کامیابیوں اور

اس کی ناکامیوں کا ایک ریکارڈ پیش کرنے کی محض ایک کوشش کی گئی ہے۔ ان پچاس برسوں کے دوران فلم سوسائٹی کو بے شمار نشیب و فراز سے گزرنا پڑا ہے۔ اکثر ایسے نامساعد حالات کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے اور کبھی بہت سارے طوفانوں سے گزرنا پڑا ہے۔ ساٹھ اور ستر کی دہائیاں ہندوستانی فلم سوسائٹیوں کے لئے نہایت ہی مبارک اور نیک فعال ثابت ہوئی ہیں۔ جوش و ولولہ، آہنی ارادے اور شعلہ بیانی نے سارے ملک کے فلم سوسائٹی کارکنان کے اندر ایک ہلچل پیدا کردی۔ وقت کی رفتار کے ساتھ فلم سوسائٹیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ قومی اور بین الاقوامی اہمیت کی حامل منتخب فلموں کی نمائش کے ساتھ ساتھ فلمی جریدوں کی اشاعت سینما اور فلم سازی پر مباحثوں کا انعقاد، فلم سوسائٹیوں قومی کنونشنوں کے انعقاد، بین الاقوامی فلمی ہستیوں کے ساتھ تبادلۂ خیال، سیمینار نمائشوں کا انعقاد اور کھلے آکاش تلے فلمی میلوں کا انعقاد وغیرہ فلم سوسائٹی کے کلینڈر کی حسب معمول زینت بنتے رہے۔ ہندوستانی فلم سوسائٹیوں کا مرکزی ادارہ (سنٹرل باڈی آف انڈین فلم سوسائٹیز) بنام فیڈریشن آف فلم سوسائٹیز آف انڈیا کا قیام ۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا اور اسے جلد ہی اس ریاست نے تسلیم ہی نہیں کر لیا بلکہ اس کی سرپرستی بھی قبول کی۔ فلم سوسائٹی کے بہت سارے سرگرم کارکنوں نے پیشہ ورانہ طور پر فلم سازی کے کام کو اپنایا اور وہ بہت جلد ہی ہندوستانی سینما کے افق پر درخشندہ ستارے بن کر نمودار ہوئے۔ ستیام بینگل، باسو چٹرجی، آدور گوپال کرشنن، گووند نہالنی، گریش کسار والی، بدھادیب داس گپتا، گوتم گھوش، اپرنا سین، اتپلندو چکرورتی اس نسل کے فلم سازوں سے تعلق رکھنے والی قابل تحسین ہستیوں کے نام ہیں۔ ایسا محسوس ہوا ہے کہ ہندوستانی فلم سوسائٹیوں کے لئے یہ ایک حیرت انگیز سال رہا تھا۔

لیکن اسّی کی دہائیوں کے آغاز سے ہی ایک قسم کی سرد مہری و سست رفتاری اگر تنزلی نہیں پھر بھی تحریک ہذا کو متاثر کرنا شروع کردیا تھا اور یہ جمہوری عوامل اب بھی جاری ہیں۔ اس کے اسباب بہتیرے ہیں لیکن اس کی کوئی بھی ایک واحد وجہ سنجیدگی کے ساتھ قابل غور نہیں ہے۔ پورے طور پر سینما کو پیش آنے والا خطرہ ویڈیو ثقافت،

بین الاقوامی وسائل سے فراہم کی جانے والی فلم میں کمی، چھوٹی مچھلیوں کو بڑی مچھلیوں کی نگل جانے کی کوشش کے ساتھ فلم سوسائٹیوں کے اندر غیر صحتمندانہ مقابلہ کا فروغ، بغیر موزوں ولائق قیادت کے ایک کمزور مرکزی ادارہ کی زوردار یلغار یہ تمام اسباب حالیہ برسوں کے دوران تحریک ہذا کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکنے کے کام آلہ کار رہے ہیں۔ کیا اس تعطل سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟

ہاں ہے۔ اگر تمام رہنما ایک جگہ مل بیٹھیں صحیح طور پر سوچیں اپنی عقل و دوراندیشی کے حاصل شدہ نکات پر عمل کریں۔ فلم سوسائٹی کی تحریک کے پچاس سال یوں ہی ضائع نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں کامیابی بھی ملی ہے اور اسے ناکامیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ اچھے سینما کو فروغ دینے والی ریاست خصوصاً مغربی بنگال کی بایاں محاذ حکومت کی روشن خیال فلمی پالیسی کا براہ راست ثمرہ فلم سوسائٹی تحریک رہی ہے۔ نندن مغربی بنگال فلم مرکز، محرم ہندوستان فلم سوسائٹی کے سرگرم کارکنوں کا ایک ایسا خواب تھا جو شرمندۂ تعبیر ہوا ہے۔ دی فلم انسٹی ٹیوٹ، فلم آرکائیو اور تعلیمی نصاب میں سینما کی شمولیت وہ تکمیل شدہ مقاصد ہیں جن کے لئے فلم سوسائٹی کے سرگرم کارکنوں نے ایک پچاس سالہ جنگ لڑی تھی۔ فی الحال کم از کم ہندوستانی سینما سے تعلق رکھنے والا ایک طبقہ سچی ہندوستانی ثقافت کا نمائندہ ہونے پر فخر محسوس کر سکتا ہے اور فلم سوسائٹی تحریک نے ہندوستانی فلم کے نعت متی انقلاب میں ایک دایہ کا کردار ادا کیا ہے۔

تنظیمی طور پر فلم سوسائٹیوں کو کہیں مشکل حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کرتے ہوئے اور کہیں نئی چنوتیوں کو للکارتے ہوئے چند ساختی اور ماہیتی تبدیلیوں سے ہو کر گزرنا پڑ سکتا ہے۔ نہ ہی سسکیوں کی نوحہ خوانی کام آئے گی اور نہ ہی دلجمعی کا احساس معاون ثابت ہوگا اور ان سے فرار اختیار کرنا بمنزلہ ایک بزدلانہ حکمت ثابت ہوتی ہے۔ آخر میں یہ رائے بھی سامنے آتی ہے کہ مواد ضائع نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ محض ایک دوسرا روپ دھار لیتا ہے۔ فلم سوسائٹی کی تحریک کے پچاسویں سال کے دوران جو سوال ہمارا منہ تکتا ہے وہ یہ ہے کہ آنے والے برسوں کے دوران یہ تحریک کون سا روپ دھارے گی؟ کیا یہ دوسرے جنم کا روپ دھارے گی؟ یا پچاس کے بعد کے ہندوستانی بزرگ فنکار حضرات اسے خود جلاوطنی اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے؟ کیا یہ ایک ایسی تخلیقی شکل اختیار کرے گی جس کی چنگاریاں ایک ایسی مشعل روشن کرے گی جو تحریک ہذا کی رہنمائی ایک دوررس افق کی جانب کرے گی۔ ■■

بقیہ :- بنگلہ سینما یادوں کے جھروکے سے

میں ہر کیف مصروفیات یا نکواس کا عنصر غالب رہا ہے۔ سوپن سابھی ان کی روش کے راہرو رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ مصروفیاتی پیش کش۔ ممبئی کے سینما کی بدترین نقالی یا نام نہاد مسالہ دیسی لوک کی مبہم و مشتبہ تخلیقی تحریک۔ ہمیشہ منافع بخش ثابت نہیں ہوتی ہے

آج بھی اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ دستیاب موقع کو بروئے کار لاکر نئے ہدایت کار حضرات اور ان کے تجربہ کار ہم پیشہ حضرات آج بھی اس منظر کی کایا پلٹ کر سکتے ہیں۔ پونے سے آئے اچھے اچھے تربیت یافتہ تکنیک کار یہاں دستیاب ہیں۔ ہر کیف آج بھی ہمارے یہاں باصلاحیت اداکار اور اداکارائیں مشکل سے ہی ملتے ہیں دوردرشن سیریلوں کی پیش کش نے بہت سارے لوگوں کو کام مہیا کیا ہے۔ چند بلند حوصلہ نوجوان مرد اور خواتین کی مختصر فلمیں مستقبل میں مزید تخلیقی کاوشوں کو ظہور میں لا سکتی ہیں۔ فلمس ڈویژن سرکٹ کے تحت مختصر فلموں کی پیش کش میں کوششوں اور پالیسی فیصلوں کی شدت سے کمی کا احساس پایا جاتا ہے۔

دوردرشن ممبئی کی سینما کا نمائندہ بن کر رہ گیا ہے دیگر زبانوں کی فلموں کو مجموعی طور پر "علاقائی" فلموں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کی نمائش مکالموں کے ترجمہ کے ساتھ نہیں کی جاتی ہے اور ایسی فلمیں اصل چینل پر خاطر خواہ تعداد میں بھی نہیں دکھائی جاتی ہیں۔ خصوصاً کثیر العام نمونہ پر مشتمل نئے چھوٹے نمائش گھر اس ریاست کی نکاسی کے مسائل کا جواب بن سکتے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ کی منصوبہ بندی کیلئے کون پہل کرے گا اور ان پر عمل درآمد ایک بحث طلب سوال بن کر رہ جاتا ہے۔ ■■

آزادی کے ۵۰ سال

بنگلہ سینما یادوں کے جھروکے سے

پرابودھ مترا

ہماری آزادی کے ۵۰ سال پورے ہونے سے قبل دو سال دنیا میں سینما کی صد سالہ تقریبات منائی گئیں۔ ہمارے ملک کے نو آبادیاتی عہد کے دوران ہمارے ملک میں سینما کا آغاز ہوا۔ ابتدائی دور میں اسے جس وقت مغرب میں ٹھیک اسی وقت ہمارے ملک میں اسے رائج کیا گیا تھا لیکن یہ ان لوگوں کی ایجاد تھی۔ ہم لوگ آلات کی درآمدگی کے ذریعہ اس نئے واسطہ کا صرف استعمال کرتے تھے۔ اس نئی حیرت انگیز ایجاد نے بمبئی اور کلکتہ کے چند مس چلوں اور مہم جو حضرات کے اندر ایک ہلچل مچادی اور ان لوگوں نے اس صدی کے تبدیل ہوتے ہی جیسا اہم واقعات کی بیتی گسٹس میں اسکو ابتدائی طور پر استعمال میں لایا۔ اس میدان میں کلکتہ نے اولین خدمات انجام دیں اور آزادی سے تقریباً تین دہائیوں سے پہلے ۱۹۱۹ء کے دوران اس نے منظم فلم سرگرمی کا آغاز اول خاموش فیچر فلم کی میڈیئن کسن سے کیا۔ خاموش فلموں کا عہد اوائل تیس۳۰ دہائیوں تک جاری رہا۔ بعدازیں بدقسمتی سے سوائے ایک تین ریل کی تصویر (تھری ریلر) اور کچھ نہ باقی رہ پایا۔ صرف شائع شدہ بیانات ہی، جو کچھ کارنامے انجام ہوئے تھے سے متعلق اطلاعات ہمیں فراہم کرتے ہیں۔

بیس۲۰ دہائیوں کے سامنے ایک عجیب و غریب ہڑبڑی اور گھبراہٹ سے بھری سرگرمیاں آئیں۔ فلم تجارت کو بطور ایک پیشہ اپنانے کی شروعات کرنے والے بے شمار تعلیم یافتہ کاروباریوں کی مذکورہ بالا سرگرمیوں میں پروڈکشن یعنی پیش کش بھی شامل تھی۔ تھیٹر سے وابستہ بیشتر افراد بھی اپنی قسمت آزمانے آگے آئے۔ شروع سے ہی ادبی وسائل نے اسے کہانی کا مواد فراہم کیا ہے۔ رفتہ رفتہ نمائش گھر بھی تعمیر ہونے شروع ہوئے۔ مذکورہ بالا عوامل کی ابتدا پہلے کلکتہ میں اور پھر پورے بنگال میں، چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیگر بستیوں میں بھی ہوئی۔ ناظرین جو بیشتر متوسط طبقہ پر مشتمل تھے پردے پر چلتی پھرتی تصویروں کو دیکھنے کے لئے اتاؤلے ہو رہے تھے۔ ان کی توقعات شاید کچھ نہیں تھیں لیکن ان کے اندر تجسس اور شوق کا جذبہ موجیں مار رہا تھا جب ان خاموش فلموں میں آواز کو متعارف کیا گیا تو اس نے ناظرین کو ان کا اور گرویدہ بنا ڈالا۔ بیتی گسٹس، نگار خانوں (یعنی اسٹوڈیو) اور نمائش گھروں (شو ہاؤس) پر مزید رقم کی سرمایہ کاری کی گئی۔ اپنی زبان بنگلہ کے شوق، موسیقی اور فنکارانہ عناصر کو اس نئے واسطے (یعنی میڈیم) نے اور بڑھاوا دیا اور ادبی، موسیقی اور ڈرامہ نگاری کے عوامل کو ایک پردہ پر منتقل کر دیا اس سے ہمارے ادراک، ہماری محسوسات، ہماری تفریحی ضروریات اور ہماری تخلیقی کاوشوں کو ایک نئی جہت ملی۔

اس صنعت کی منظم طور بنیاد تیس۳۰ دہائیوں کے اوائل میں رکھی گئی تھی۔ نیو تھیٹرس نے نگار خانوں (یعنی اسٹوڈیو)، نمائش گھروں (شو ہاؤس) اور پیشہ ورانہ طرز پیشکش (یعنی پروفیشنل پروڈکشن پیٹرن) کے ساتھ ایک زبردست پیش رفت کی۔ ان لوگوں نے ہندی اور بنگلہ دونوں ہی زبانوں میں فلمیں بنائیں۔ ہندی میں بنانے کا مقصد کل ہند سطح پر انہیں تقسیم اور نمائش کروانا تھا۔ این نیو کار نے ملک بھر میں نئے فنکاروں کی تلاش کی۔ اسی دہائی کے دوران کئی دوسرے نگار خانے (اسٹوڈیو) بھی ظہور میں آئے۔ نیو تھیٹرس محض نگار خانے ہی نہیں تھے بلکہ انہیں فلمی لوگوں کے لئے ایک تربیتی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اس عہد کی ممتاز ہستیاں —— دیوکی بوس، پرامتھا بروا، مودھو بوس، ستین بوس تھیں۔ بعدازیں بمل رائے ہدایت کے میدان میں، بروا کاس دیوی کے ساتھ بنگلہ سینما کے شاید پہلے ستارے تھے۔ موسیقی کے میدان میں رائےچند بورال، پنکج ملک، کے۔ سی۔ ڈے، سہگل اپنی نظیر آپ تھے۔ تیس۳۰ دہائیوں سے ٹھیک تقسیم سے قبل تک کا عرصہ بنگال میں فلم بینوں کے لئے نہایت ہی عمدہ اور فروغ بخش وقت گزرا ہے۔ تقسیم جو آزادی کے ساتھ ساتھ نمودار ہوا تھا اس نے مغربی بنگال کے صوبہ میں ایک زبردست انتشار اور بکھراؤ کی صورت حال پیدا کر دی تھی۔ کلکتہ اور نوتشکیل شدہ مغربی بنگال

کے قرب و جوار کے علاقوں کو ایک غمناک تجربہ سے ہو کر گزرنا پڑا تھا۔ اور اس تلخ تجربے کے اثرات آج ۵۰ سال گزر جانے کے بعد بھی پورے طور پر زائل اور معدوم نہیں ہو پائے ہیں۔ مادی پسماندگی کے علاوہ ثقافت ایک عرصے سے رسم و روایات جس کی تشکیل میں ۱۹ ویں اور اوائل بیسویں صدی کے عظیم اور ترقی پسند ہستیوں نے گراں قدر خدمات انجام دیا تھا اور ممتاز بنگلہ ثقافت کی میراث کو دیر پا نقصان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا لیکن یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ شہر کلکتہ جو عرصہ دراز سے ثقافتی سرگرمیوں پر فوقیت بنائے رکھتا رہا ہے کلکتہ نے اپنے محور پر برقرار رکھ پایا گرچہ تقسیم کی تباہ کاریوں، خیالات، اعتقادات اور ثقافتی میدان میں افراتفری کے بکھرے ہوئے طوفان سے دوچار تھا۔

روایات کی برقراری اور ترقی پسند رجحانات کو کچھ عرصہ تک کے بالترتیب قوت و ثقافت حاصل تھا دوسری جنگ عظیم، قحط بنگالہ، آتش زنی اور تقسیم کے نقصان دہ اثرات نے بنگال کو تباہ و برباد کر ڈالا لیکن مغربی بنگال خصوصاً کلکتہ میں تھیٹر، موسیقی، ادبی اور لوک میدان کو سینے سے لگائے اپٹا (آئی پی ٹی اے) ترقی پسند رجحانات کی حامی ثقافتی تحریک کے آہنی اور بلند ارادوں نے ایک نظریاتی جہت کو اتنا زیادہ فروغ عطا کیا جسے جزوی طور پر اس عہد کی تاریکی کو کم کیا۔

کلکتہ میں فلم سازی تقسیم کے اثرات سے فوری طور پر متاثر نہیں ہوئی تھی مگر جو حقیقت ظہور میں آئی وہ ہندی فلموں کی (ریلیز) نمائش میں کمی تھی یعنی ۱۹۴۷ء کے مقابلہ میں ۱۹۴۸ء کے دوران ہندی فلموں کی نمائش کی تعداد بڑھ کر تقریباً دوگنا ہو گئی بنگال میں ہندی فلموں کی آمد میں اضافہ اور خصوصاً کلکتہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں کے نمائش گھروں میں ہندی فلموں کی نمائش رجحان غالب نظر آیا۔

دوسرا سبب جس نے اس صنعت کے ڈھانچہ کو زبردست نقصان پہنچایا تھا اور دوسری جنگ عظیم کے دوران اور اس کے اختتام کے ٹھیک بعد ہی ظہور پذیر ہوا تھا وہ حساب پیسے کے غلبہ کی وجہ سے تقسیم کار نظام (اسٹوڈیو سسٹم) میں رفتہ رفتہ رونما ہونے کا عمل تخفیف تھا۔ اس سے پیدا بے راہ روی نے باقاعدہ پروڈکشن چینل اور نظام تقسیم کو تباہ کر ڈالا اور نمائش سیکٹر بھی اس کی بے قاعدگی سے بچ نہ پایا۔ الغرض ان خرد برد عوامل نے بالآخر پوری صنعت کو اپنے نرغے میں لے لیا۔

تقسیم کے بعد جلد ہی بڑے بڑے ہدایت کاروں نے آزادی سے قبل کی فلم سازی کی روایت کو جاری کیا۔ برلیش مترا جو دراصل تھیٹر سے وابستہ تھے اور تھیٹر سے آپ کی وابستگی تقریباً ۳ دہائیوں سے زیادہ سے تھی، نے بھی فلموں میں ہدایت کاری کی اور ان میں بحیثیت اداکار کام بھی کیا۔ "سویم سدھا" فلم آپ نے بنائی۔ اس فلم میں ایک خاتون کی خود شناسی کا اظہار ملتا ہے۔ ہیرین گپتا کی فلم ـــ "بھولی نئی" مجاہدین آزادی کے بلند ارادوں اور ان کی قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔ آپ نے ایک خاص انداز کے ساتھ آزادی کی تحریک کو از سر نو پیش کیا۔ نمل رائے کی دو وانگی فلموں ـــ "اودیر پوتھے" اور "انجان گڑھ" نے فلم جگت میں بنگلہ فلم کے ایک ممتاز ہدایت کار کی حیثیت سے انھیں ایک مقام عطا کیا ۱۹۴۷ء کے بعد آپ کی ایک مزاحیہ (کامیڈی) فلم "ممترا موگدھا" نے اس حقیقت کو تقویت بخشا کہ آپ گوناگوں موضوعات میں خود کو ملوث کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن جلد ہی آپ کساد بازاری کی وجہ سے بمبئی چلے گئے اور بنگلہ فلموں کی صنعت کے امکانات کو کسی حد تک تاریک کر گئے۔ وہاں آپ نے اپنی فلم ـــ "دو بیگھا زمین" بنا کر بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ اور ایسی دیگر ہندی فلمیں بنانے میں لگ گئے جنہوں نے انھیں ہندی فلم سازوں کی صف میں بھی اولین نمایاں مقام بخشا۔

۵۰ کی دہائیوں کے اوائلی برسوں کے دوران کچھ نئے ہدایت کاروں نے چند قابل تحسین فلمیں بنائی۔ نمائی گھوش کی فلم ـــ "چھنا مول" مشرقی بنگال سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کی تصویر کشی میں وقت اور حقیقت نگاری دونوں ہی اعتبار سے معیاری رہیں۔ آپ کی حقیقت نگاری کے جذبہ نے آپ کو بنگلہ فلموں کی روایتی خصوصیت کے برخلاف جانے پر مجبور کیا۔ اس صورت حال میں پناہ گزینوں کی تصویر کشی، ان اجڑے ہوئے خاندانوں کی مفلوک الحالی جنہیں اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل بھاگنا پڑا تھا۔ سماج میں یہاں ان کی از سر نو بحالی اور روٹی روزی کمانے کے مسائل وغیرہ نے انھیں ایک انجان وادی میں پھینک دیا تھا، بر معنی یہ ایک کامیاب دستاویزی فلم ہی نہیں تھی بلکہ ہماری سینما کے لئے یہ بالکل نئی تھی۔ کردار سازی کی پرکاری کی کمی تھی، اداکاری تصنع سے پُر تھی لیکن کوشش میں خلوص تھا اور اس فلم نے لوگوں کے ذہن و دل پر اپنا سکہ جما ڈالا۔ ٹھیک اس کے آئندہ سال ریتک گھٹک جو گھوش بابو کی فلموں میں اداکاری کیا کرتے تھے، نے اپنی پہلی فلم "ناگرک"

سائی اور یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل حقیقت پسندانہ تھی۔ ہمارے اصلیت پسند اور تجدیدی ذہن کے مالک ہدایت کاروں میں سے ایک کی یہ فلم عرصہ تک نمائش کے لئے پیش نہیں کی جاسکی لیکن اس امر نے گھٹک کو مایوس نہیں کیا اور جلد ہی چند برسوں کے بعد آپ نے اپنی ایک دوسری فلم سازی شروع کی۔ ۱۹۵۲ء سے کئی برسوں کے دوران بنائی گئیں تین فلمیں سائی اور انھوں نے ناظرین کو نہایت ہی خوشگوار اور اچھی تفریح مہیا کی اور یہ فلمیں روایتی بنگلہ فلموں سے ہٹ کر بنی تھیں۔ "باسو پریوار"، "ساڑھے چوہتر" اور جیسا ڈاکٹر لوٹا" جیسی فلموں نے ان کی اعلیٰ فنکاری کا لوہا منوا ہی لیا۔ "ساڑھے چوہتر" فلم میں اتم کمار اور سچترا سین کی جوڑی تھی۔ ان کی کامیابی نے اچھے کار اور اسیت سین جیسے دوسرے ہدایت کاروں کو بھی انھیں اپنی فلموں میں لینے پر اکسایا اور ان کی فلموں کو بھی ان لوگوں کی بدولت ناظرین نے خوش آمدید کہا اور اس طرح ان اداروں کو عوام نے اسٹار بنا ڈالا۔ کلکتہ کی فلم صنعت کچھ برسوں سے دشواریوں سے دوچار ہے۔ دو دہائیوں سے زیادہ عرصہ تک اتم اور سچترا کی جوڑی فلموں میں چلتی رہی اور اس جوڑی نے بہت حد تک اس صنعت کو سنبھالے رکھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے کچھ عرصہ تک اپنی فنکارانہ صلاحیت کی مدد سے مغربی بنگال میں ہندی فلموں کی یلغار کو روکے رکھا تھا۔

ستیش بوس گرچہ فلم میں نووارد تھے، نے نوجوانوں کی پسندیدہ فلم "بربوتن" بنائی۔ یہ فلم بھی ہر لحاظ سے ستائش کے قابل تھی اس کے بعد ایک مزاحیہ فلم — "بور جاتری" بنی۔ اس نے چند مزاحیہ اداکاروں کی صلاحیت کو بروئے کار لایا اور ان فنکاروں نے ہماری آئندہ مزاحیہ فلموں کو زینت بخشی لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اس بوس نے بعد میں کلکتہ کو خیرباد کہا اور بمبئی چلے گئے۔ بمل گھوش نے مدراس کی جانب پیش رفت کی۔ چند دیگر اچھے اور ممتاز ٹکنیشیوں اور سچن دیو برمن، سلیل چودھری، جیسے جانے مانے موسیقاروں نے بھی بمبئی کی جانب رخ کیا۔ ۱۹۴۷ء سے قبل کے بڑے ہدایت کاروں میں دیبا کی بوس نے ۵۰ دیں دہائیوں تک "کوی" اور "رتنا دیپ" کے ساتھ اپنا فلم سازی کا سفر جاری رکھا۔ آپ نے فلم "پاتھک" میں بحیثیت ہدایت کار اپنی وہی پرانے فنکارانہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے کوئلے کے کانوں کی ایک دنیا کی تصویرکشی کرنے کے دوران اپنے اس ڈرامہ میں اپنے طرز میں تبدیلی لائی۔ شمبھو مترا گروپ تھیٹر نے اداکاروں نے اس نئے ماحول، نئے کرداروں کی ادائیگی اور اس نئے موضوع کی جسم تراشی میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ سوشیل مجمدار نے "ڈکھیر ایمان" نام کی فلم بنائی۔ یہ موضوع کے لحاظ سے دیبا کی بوس کی فلموں کی طرح ایک منفرد فلم تھی۔ پرمیندر امترا کی فلم "موئلہ کا عذر" اور سدھیر مکھرجی کی فلم "بالسر کلا" نے اس امر کو تقویت بخشی کہ حقیقت سے قریب موضوعات کے انتخاب میں ایک مختلف طرز اپنانے کی ان چند ہدایت کاروں کی کوشش صحیح معنوں میں ایک صحیح سمت کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔

مودھو بوس نے عہد رفتہ کے چند عظیم بنگالیوں کی حیات کو فلمایا اور ان میں اتپل دت نے عنوان کردار ادا کیا۔ وہ پاس گرا در گریش گھوش کی حیات پر فلمیں اس لئے بنائی گئی تھیں کہ دور حاضرہ کے لوگوں کو ان عظیم ہستیوں کے کارناموں، کارگزاریوں اور قربانیوں سے روشناس کروایا تھا۔

فی الحال آیئے ہم لوگ ماضی کی جانب نظر دوڑائیں اور بہم دہائیوں کے اختتام کو مدنظر رکھتے ہوئے بنگال میں فلمی ثقافت کی تواریخ کی گراں قدر ترقی و فروغ پر تبادلۂ خیال کریں۔ دراصل عالمی سینما اور بعد از آزاد ہندوستان کی ثقافتی ترقی کی تاریخ میں بالاحر مذکورہ باتیں ضبط تحریر کی گئی ہیں۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دوران ستیہ جیت رائے، چدانند داس گپتا، اور ان کے چند ساتھیوں نے کلکتہ فلم سوسائٹی کی بنیاد رکھی اور یہی سوسائٹی کم از کم کچھ عرصہ کے لئے مستقبل میں ایک تحریک بن گئی تھی۔ یہ خیال کچھ پہلے رائے کے دماغ میں آیا تھا۔ رائے کے اردگرد کا ماحول، آپ کی پرورش، فن اور کلا سے آپ کا گہرا لگاؤ اور کلا کے روپ میں سینما کی وابستگی کا اظہار چند سال بعد فلم سازی کے آپ کے پیشے میں ملتا ہے۔ آپ نے فلم سوسائٹی کی تحریک کے ذریعہ اپنی تحریروں اور فلم سازی کے ذریعہ اس حقیقت کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ سینما محض تفریح کا ایک ذریعہ نہیں ہے بلکہ دوسرے فنون لطیفہ کی طرح بھی اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ دو دہائی قبل یورپ میں اس تحریک کی شروعات ہو چکی تھی اور آزاد ہندوستان کی فلمی دنیا میں روایتی عوامل سے فرار ایک اہم ضرورت بن گئی تھی۔ آپ کے

دوستوں اور ساتھیوں مثلاً ہری الیس داس گپتا (آپ براہ راست فلم سازی کی سبق آموزی کی گردان کے دور سے گزر کر ابھی ابھی ریاستہائے متحدہ امریکہ سے لوٹے تھے) مسی چیدر راگپتا اور رادھا پرساد گپتا نے سینما پر ہونے والے سنجیدہ بحث و مباحثوں کے دوران مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کروانے میں مدد دی تھی۔ سنہ ۱۹۴۹-۵۰ء کے دوران جین رینوئر کلکتہ میں اپنی ایک فلم بنانے کے لئے آئے ہوئے تھے اور ان کی آمد نے نوجوانوں کے حوصلے کو اور بلند کیا۔ کچھ برسوں کے بعد یہاں پہلے بین الاقوامی فلم میلے کا انعقاد ہوا تھا اور اس عہد میں یہاں اس میلے کا منعقد ہونا یہاں کے فلم سے دلچسپی رکھنے والے افراد کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اسی دوران رائے کو ایک اشتہاری ایجنسی کے ایک آرٹ ڈائرکٹر کی حیثیت سے اپنے کسی کام کے سلسلے میں انگلینڈ جانا پڑا تھا۔ وہاں انھیں بہترین کلاسیکی فلموں کو دیکھنے کا موقع ملا۔ انگلینڈ سے واپسی کے بعد آپ نے "پاتھر پانچالی" سے اپنی فلم سازی کے پیشے کی شروعات کرنے کا ارادہ کیا۔

انھیں کن امتحانوں، مایوسیوں اور دقتوں سے ہو کر گزرنا پڑا ہے۔ ان سے سبھی لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ ۱۹۵۵ء کے دوران آپکی محنت آپکے صبر اور آپکے حوصلوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ پہلی بار خود کو ایک فلم ساز کی حیثیت سے پیش کر پائے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں آپ کی فلم کی کامیابی نے ساری دنیا میں آپ کی شہرت اور عظمت کا ڈنکا بجا ڈالا۔ وطن لوٹنے پر کلکتہ میں فلم ہذا کی کامیابی تقریبات کیلئے اہم واقعہ بن گئی۔ عام ناظرین، طلباء، علمی دنیا کی ایک کثیر تعداد، ذرائع ابلاغ سبھوں نے ایک زبان ہو کر فلم ہذا کی شان میں قصیدے پڑھے اور اسے ایک منفرد کارنامہ سے تعبیر کیا۔ حکومت مغربی بنگال، جس نے اس کے آخری مرحلہ کے دوران فنڈ فراہم کر کے اس کی تکمیل کو ممکن بنایا تھا، نے فلم سازی کی رقم فراہم کر کے آزاد ہندوستان میں ایک تاریخ بنا ڈالی۔ ساٹھ کی دہائیوں کے اختتام پر، پاتھر پانچالی کے ایک دہائی سے زیادہ عرصہ کے بعد حکومت ہند نے مین اسٹریم فلم صنعت کے ساتھ ساتھ ایک متوازی اسٹریم کی تشکیل کے لئے فلموں میں باقاعدگی کے ساتھ سرمایہ لگانے والی اسکیم جاری کی تھی۔

رائے نے ایک تنہا فنکارانہ مقصد کے تحت اپنا کام جاری رکھا۔ اس لئے آپ کی تمام فلموں پر آپ کے تخلیقی ذہن کی چھاپ ملتی ہے۔ مواد اور مکالمہ کے انتخاب میں جو بیشتر طور پر ادبی وسائل سے ماخوذ ہوتا ہے۔

سینماٹوگرافر، ایڈیٹر، آرٹ ڈائرکٹر کے اپنے مخصوص یونٹ کے ساتھ اپنے فلم سازی کے کاموں میں کردی اور سخت تخلیقی نظم و ضبط کے ساتھ آپ نے اپنے ایک نئی نظریہ کے ہمراہ اور ایک سچے شوقین کی حیثیت سے اس واسطہ کو استعمال کیا تھا۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ دلچسپ کہانیاں بھی بنی ہیں اور آپ ان کہانیوں کو فلمایا بھی ہے۔

آپ یہ اکثر کہا کرتے تھے کہ آپ نے دانستہ طور پر گوناگوں موضوعات پر فلم بنانے کی کوشش کی ہے اور ان فلموں میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ الغرض ان فلموں میں زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کی قابل تعریف رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ یہ گراں قدر تضاد "اپو" کی دنیا کے ذریعہ ناظرین کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ "اپو" کی مزاحیہ کہانیاں پرسورام کی کہانیوں سے ماخوذ ہیں۔ ان میں اس خاتون کے دکھ درد کو بڑے ہی موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے جو مذہبی توہم کا شکار (دیوی) بن گئی تھی، موسیقی کے لئے جاگیرداروں کا ذوق و شوق اور آہ و نالہ (ناگزیرت (جلسہ گھر)' امتحان خیز صورتحالوں میں خاتون کا ظہور (دیا مگر) آپ کی ہی تحریر پر مبنی پہلی رنگین فلم (کینچن جنگا)، ٹیگور کی کلاسیکی کہانیاں' کلکتہ پر مبنی تثلیث، "گوپی گائن" کے خیالی پلاؤ "ہیرک راجار دیشے" وغیرہ آپ کی گوناگوں جبلت کی غماز ہیں۔ کلکتہ کی تثلیث موجودہ زندگی کی بیباک منہ بولتی تصویر ہے۔ مرئی حسیت، عنائی اور انسان دوست گرمجوشی کے ساتھ ایک وضع دار اور کامل فنکار ہی بنگالی سماج کے بے شمار اوصاف کو اپنے اندر سمیٹے معرکتہ الآراء فلمیں بنا پایا تھا۔ آپ نے کسی مقام پر کہیں کوئی سمجھوتہ نہیں کیا اور ہمیشہ سینما کے لئے ادبی تحریر، موسیقی، ایڈیٹنگ، ڈیزائن کے کام کرتے رہے۔ صحیح معنوں میں آپ نے ایک سچے فنکار کی معیاری زندگی کی نظیر پیش کی ہے۔ ہر قسم کے انعام و اکرام سے آپ کو نوازا گیا لیکن آپ کی انکسارانہ اور عاجزانہ طبیعت میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آیا۔

رائے کے چند قابل ذکر ہم عصروں خصوصاً رتک گھٹک اور مرنال سین نے بنگلہ فلم جگت کی بنیاد کو استحکام بخشنے کے لئے اپنے اپنے طور پر کوششیں کی ہیں۔ ساٹھ دہائی اور ستر دہائی کے کلکتہ میں سینما کو اس وقت کے بنگال کے مجموعی ثقافتی پس منظر میں سراہا گیا تھا۔

تپن سنہا، ترون مجمدار، اسبچے کار، اسیت سین اور راجن ترفدار نے اچھی فلم سازی کو اپنی گراں قدر خدمات کے ذریعہ فروغ بخشتے ہوئے ساتھ

کی دہائی کو مالا مال کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ناظرین کا ایک حلقہ ان لوگوں کی فلموں کو دیکھنے کے لئے ہمیشہ موجود رہا ہے اور ان ہی ناظرین نے ایسی فلموں کی ہمت افزائی کی ہے اور انھیں بقا بخشا ہے۔ گرچہ بہتر آلات کے لئے رنگین پروڈکس، نگار خانوں (اسٹوڈیو) کی سہولتوں میں لانے کیلئے سرمایہ کاری کا فقدان پایا جاتا تھا۔ نمائش گھروں کی تعداد محدود کا شکار بن کر رہ گئی۔ لیکن بے شمار رکاوٹوں کے باوجود کلکتہ، متعلقہ فلموں کی ریلیز (یعنی نمائش) کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں اور عام متوسط طبقہ کے ناظرین بہتر فلم سازوں کی فلمیں دیکھنے کے خواہاں رہے تھے۔ رائے کو بین الاقوامی شہرت ملنے کے بعد ذرائع ابلاغ نے بھی رفتہ رفتہ ان بنگلہ فلموں میں اپنی دلچسپی بڑھانی شروع کی جو عام روش سے ہٹ کر بنتی تھیں۔ فلم سوسائٹیوں نے ایک حلقہ کی تشکیل میں بڑی مدد پہنچائی ہے اور کلکتہ میں اچھے اور غیر روایتی سینما کے لئے کم از کم اقلیتی ناظرین کا ایک حلقہ بن پایا۔

"اجانترک"، رتک گھٹک کی دوسری (۱۹۵۸ء) فلم تھی جسے ناظرین ان کی پہلی فلم کے طور پر دیکھ پائے تھے۔ اس نے فلموں میں نئے فنکاروں کے داخلے کی راہ ہموار کر دی۔ موضوع کی اصلیت، اصل کردار اور واقعہ کو موثر کار سے جوڑنے کا موجدانہ فن، کھلی جگہ فلمائے گئے مناظر، جائے وقوع وغیرہ کو کالی بنرجی نے سینما کے فروغ دہندہ کی حیثیت سے بڑی پرکاری کے ساتھ بروئے کار لایا ہے اور ان کی انہی خوبیوں نے انھیں بہت جلد نئے سینما کے صف اول کے ہدایت کاروں کے درمیان لا کھڑا کیا۔ اپنی بیشتر فلموں میں یہ خود تقسیم بنگال کی تباہ کاریوں سے مخاطب ہوتے ہیں اور اپنی آئندہ فلموں میں انھوں نے اجڑے لوگوں کے المناک حالات، ایک پوری نسل کی سخت جدوجہد سے بھرپور زندگی، خاندانی زندگی میں عدم تحفظ کا احساس، اجنبی ماحول سے خود کو جوڑنے کی جدوجہد، ان لوگوں کے نفسیات کی اندرونی پھوٹ جو اس صورتحال سے مصالحت کروانے میں ناکام رہے جس نے ان کی رہنمائی ایک اندھی گلی کی جانب کی تھی۔ گھٹک کے اپنے محسوسات اور شدید غم خوردگی کو "میگھے ڈھاکا تارا"، "سوبرنا ریکھا" اور "کومل گندھار" فلموں میں پورے طور پر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے تیز اور تیکھے مواد جذبات میں ایک زبردست ہلچل پیدا کر دیتے ہیں۔



• رتیک گھٹک کے زیر ہدایت فلم "تکھتی تاکو گپو"

مغربی بنگال کے سیاسی میدان میں وقوع پذیر ہونے والے آئندہ بالی کے واقعات اور نمودار ہونے والی ہلچل نے آپ کی فلم "جکنی شکتو" کو ایک خودنوشت سوانح حیاتی جہت بخشی اور آپ یہاں صورت حال کا اپنے نجی تجربہ کے ایک جزو کی حیثیت سے جائزہ لیتے ہیں۔ فلم "ٹیشار" میں آپ اپنے محبوب مقام پیدائش کو جاتے ہیں اور وہاں عام لوگوں کی جدو جہد اور محرومی کو بے نقاب کرتے ہیں جن کی صرف روٹی روزی ہی نہیں بلکہ ان کے وجود بھی سخت خطرے سے دوچار ہیں لیکن آج بھی ان کے اندر ایک نئی زندگی کی امید روشن ہے۔

آپ کے کام لازم و ملزوم وسائل کا ایک عنصر خوشگوار انجام (یعنی میلو ڈرامہ) ہوتا ہے لیکن جو باتیں بالآخر شمار کی جاتی ہیں وہ جذباتی قدریں اور مجموعی وانفرادی وجود میں خانماں برباد لوگوں کی مستند اور سچی روداد ہیں۔

گھٹک کی مشاقی اور کسی ہوئی کردار نگاری اس انسانی المیہ کی اہمیت کو کم کرکے پیش کرتا ہے جو عالمگیر سطح کی مقبولیت کا حامل ہے۔ ابھی بہت کم فلموں میں بھی جیسی آپ نے اپنے مختصر علمی عرصۂ حیات کے دوران بنائی ہیں۔ آپ کے اس ذہنی صفات کی غمازی ملتی ہے جس نے بیان ہذا کو ممکن بنایا۔ آپ کی فلمیں عام طور پر ان فلم بینوں میں مقبولیت پا نہیں سکیں جو روایتی طرز کی فلمیں دیکھنے کے عادی تھے۔ بیشتر فلم بینوں تک نہ پہنچ پانے کی صورت میں آپ کو ملنے والی مایوسی نے ہی شاید آپ کی طرز زندگی پر تباہ کن اثرات مرتب کئے تھے۔

گھٹک کی طرح مرینال سین بھی ۴۰ اور ۵۰ دہائیوں کے دوران بائیں بازو کی تحریک سے منسلک رہے۔ "بائشے شراون" اور "نیل آکاشیر نیچے" جیسی ابتدائی فلموں نے آپ کو بڑی شہرت بخشی۔ "آکاش کسم" فلم میں آپ نے شکل ہذا کی شکل و ہیئت کے ساتھ تجربہ کرنے کی کوشش کی اور خود اپنے بیان کے مطابق آپ خصوصاً ٹروفاٹ کی ان چند فلموں سے بڑے متاثر ہوئے تھے۔ جنہیں آپ نے فلم سوسائٹی کی جانب سے منعقد کردہ نمائش میں دیکھا تھا۔ فلم سوسائٹیوں سے آپ کی وابستگی نے آپ کو ساری شاہکار غیر ملکی فلموں کو دیکھنے کا موقع عطا کیا تھا۔

آپ نے روایتی طرز کی فلمیں بھی بنائیں لیکن اس لاحاصل کوشش میں آپ کو کوئی نمایاں کامیابی نہیں ملی۔ ۶۰ کی دہائیوں کے دوران آپ نے ہندی فلم "بھون شوم" بنا کر انقلاب بپا کر دیا۔ یہ فلم ہندی میں نئے سینما کی شروعات تھی۔ اس کم لاگت کی فلم نے فلم بینوں پر جادوئی تاثر ڈالا کیوں کہ اس فلم میں تازگی، ابھرتی ہدایت کاری اور ناقابل فراموش اداکاری بدرجہ اتم موجود تھی۔

اتپل دت جیسے بڑے اداکار ہی نے صرف اچھی اداکاری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ نوعمر اداکارہ سوہاشنی مولے نے بھی شاندار اداکاری کی تھی۔ فلم ہذا نے بمبئی میں نوجوان فلم سازوں کے لئے اس طرز کی فلم بنانے کے سلسلہ میں پورے طور پر امکانات روشن کر دیا تھا۔ حکومت ہند کی ایک ایجنسی نے متوازی سینما یا متبادل سینما جیسے نام سے موسوم تھا، نے ایسی پیشکش کو ممکن بنا دیا۔

کلکتہ میں ۷۰ کی دہائیوں کے دوران وقوع پذیر ہونے والے ہنگاموں کی تصویر کشی سین نے اپنی فلموں میں بڑی پرکاری کے ساتھ پیش کیا اور فلم بینوں کو بھی اس نے بری طرح متاثر کیا۔ بنگال میں سینما کو مضمون و عمل کے میدان میں ایک نئی نگاہ ملی۔ سلسلہ وار فلموں "انٹرویو"، "کلکتہ ۷۱"، "پدا تک"، "کورس" نے اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ خصوصاً ایک عہد کو پیش کیا۔ کبھی کبھی ان فلموں کا لب و لہجہ کسی سماجی صورت حال میں سخت ہو جاتا ہے اور اس کی بنیادوں کو جھنجھوڑ ڈالتا ہے۔ سین براہ راست طور پر بامقصد رہے ہیں۔ اداکاروں کے انتخاب، کھوج کی شدت اور معیاری قابل رشک فلم جس نے آپ کے کام کو ایک نمایاں سینمائی تجربہ میں بدل ڈالا، میں سین نے تلاش حق کو جاری رکھا۔ فلم "آکالیر سندھانے" (قحط کی صورتحال کی حقیقت)، "ایک دن پرتی دن" (جس نے روزمرہ کی خاندانی زندگی کے منافقانہ نقاب کو چیر پھاڑ ڈالا) میں آپ نے انسانی صورت حال کی بنیاد کو پیش کیا ہے۔ اپنی آخری چند فلموں میں آپ کی آواز رفتہ رفتہ زیادہ قربت پسند ہو گئی۔ آپ کا موضوع زیادہ باطنی بن گیا اور آپ اپنی فلموں کے ذریعہ حقائق کو بے نقاب کرنا چاہتے تھے لیکن اس کی وضاحت ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔

کلکتہ کی صنعت ہذا، رائے کی تابناک و روشن موجودگی، گھٹک اور سین کے نمایاں کارناموں الغرض ان تمام باتوں کے باوجود، پروڈیوسروں ڈسٹری بیوٹروں کی عاقبت نااندیشی اور ۶۰ کی دہائیوں کے دوران حکومت کے بے دلانہ اقدامات ہی صرف اس کی وجہ نہیں رہی ہے بلکہ گوناگوں وجوہات کی وجہ سے خود کو سنبھالا نہیں دے پائی۔ استحکامی اقدامات کو آگے بڑھانے کی ایک وجہ تپن سنہا، ترون مجمدار، اجے کار جیسے ہدایت کاروں کی فلمیں بھی تھیں۔ ان کی فلموں کے ناظرین شاید دیگر اور چھوٹے قصبوں میں رہنے والے درمیانی طبقے کے ناظرین کے مقابلہ میں تعداد میں زیادہ تھے اور اس طرز کی تفریح کے شوقین تھے۔ دوسرا اسرا سیجز اور اتم کی فلمی جوڑی تھی۔ اور اس جوڑی کو

اچھے کار۔ اسیت سین اور دیگر اپنی فلموں میں لے رہے تھے۔ ترفدار کی فلم "گنگا" کو بڑے جوشیلے انداز میں سراہا گیا آپ سے اور بھی توقعات وابستہ تھیں۔ اس طرح کی وحدت۔ ۶۰ کی دہائیوں کے دوران جلد ہی بنگلہ سینما کو کوئی قوت ملی اگر یہ مواقع فراہم نہیں ہوتے تو لوہری داس گپتا جنہوں نے مختصر فلموں میں خوب شہرت پائی تھی، بارہ سال جو یورپ سے تربیت حاصل کرکے لوٹے تھے، چدانند داس گپتا جنہوں نے فلم سوسائٹی کی داغ بیل ہی صرف نہیں رکھی تھی بلکہ جنہوں نے خود کو ایک شہرۂ آفاق نقاد بھی تسلیم کروالیا تھا، پرنندو پاتری جنہوں نے کور ڈیزائنر، شاعر اور مصنف کی حیثیت سے کافی شہرت پائی تھی، اوسی گنگولی جو ایک کمرشیل آرٹسٹ تھے، بعد میں کے ساسیاں جو آج بھی ایک اچھے فوٹو گرافر مانے جاتے ہیں، پرنتا پرتم چودھری اور ربل بھومک جیسے افراد اس میدان میں ایک نئی راہ ہموار نہیں کر پاتے اور ٹالی گنج کی روایت توڑ ماحول میں نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر پاتے۔

۷۰ کی دہائیوں کے درمیان اس صنعت کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مثلاً سہولتوں کا فقدان خصوصاً رنگین فلم پروڈکشن کے لئے مواقع کی عدم موجودگی، آلات کا میسر نہ ہونا، فلموں کی نکاسی میں جمود، بے ہنگم ہندی فلمیں، یکسانیت سے ناظرین کی اکتاہٹ، محل کے مسائل، ناموافق ٹیکس ڈھانچہ وغیرہ۔ گزشتہ دہائی کے دوران سرکاری کمیٹیاں بھی وجود میں آئیں لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ اسی دوران بہت سارے نگار خانے (اسٹوڈیوز) سرمایہ کاری کی کمی کے باعث دم توڑ رہے تھے اور ان میں سے کچھ تو بالآخر بند ہو چکے تھے۔ ٹریڈ یونین ادارے بد سے بدتر ہونے سے بچانے کے سلسلہ میں توجہ مبذول کرانے کے لئے زوردار آواز اٹھا رہے تھے لیکن سرکاری سطح پر خاموشی طاری تھی۔ نتیجہ کے طور پر صورت حال کا کوئی حل نہیں نکالا جاسکا۔ فلموں کے پروڈکشن کا کام قریب قریب بالکل بند ہو گیا۔

۷۰ کی دہائیوں کے دوران بائیں محاذ حکومت نے اس کے مسائل پر نظر ڈالی۔ ہنگامی اقدام کے طور پر قرض، عطیات اور براہ راست پروڈکشن کے نتائج اخذ کئے گئے۔ دو نگار خانوں (اسٹوڈیوز) کی انتظامیہ کو سرکار نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ایک رنگین فلم لیبارٹری قائم کی گئی۔ اچھے سینما کے کاز کو آگے بڑھانے کیلئے اور فلمی ثقافت کو فروغ دینے کیلئے ایک آرٹ فلم مرکز کا قیام عمل میں آیا جسے نندن کا نام دیا گیا۔ یہاں تکنیکی کارکنان کے لئے ایک فلاحی فنڈ کا قیام ابھی عمل میں آیا ہے۔

براہ راست فلم پروڈکشن نے براہ راست طور پر چیدہ نئے فلمی ہدایت کاروں کو تعاون دیا ہے۔ گوتم گھوش، اتپلندو چکرورتی، بدھادیب داس گپتا نے اپنے کارناموں سے بہت متاثر کیا۔ تقریباً دو دہائیوں تک اپنی شاندار اداکاری کی دھاک جما لینے کے بعد اپرنا سین نے ہدایت کاری کے میدان میں قدم رکھا۔ سندیپ رائے اپنی قابل تحسین صلاحیت کو بروئے کار لاکر فلمی آکاش پر ایک ہدایت کار کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ قومی فلم فروغ کارپوریشن اور بعد میں دوردرشن نے بھی ایک دہائی سے زیادہ عرصہ تک بنگلہ سینما کے پروڈکشن میں اپنا تعاون دیا اور ریاستی حکومت کی متعلقہ میدان میں مذکورہ کوششوں کے ساتھ ساتھ مذکورہ تعاون نے بہت حد تک پروڈکشن سیکٹر کو صحت یاب ہونے میں مدد پہنچائی۔

۹۰ (نوے) کی دہائیوں کے دوران بے شمار فلم سازنے اس میدان عمل میں قدم رکھا۔ بسدیو چٹرجی نے پہلے ہدایت کاری کے میدان میں قدم رکھا تھا لیکن موجودہ دہائی میں انہیں نکاسی کے زیادہ مواقع حاصل ہیں۔ راجا مترا نے بھی اپنا ایک مقام بنا لیا ہے۔ نبودار داشوک وشواناتھن جو ایف ٹی آئی آئی سے فارغ ہو کر نکلے ہیں (بنگال میں پیشہ ورانہ طور پر تربیت یافتہ فلمی ہدایت کار مشکل سے ملتا تھا)، ریتو پرنو گھوش اور مولائے بھٹاچاریہ نے اپنی پہلی فلموں کے لئے قومی انعام پاکر شہرت کمائی۔ دستاویزی فلمی میدان کے ست داس گپتا نے فیچر فلم سازوں کی جماعت میں خود کو شامل کیا۔ اسی طرح راجا سین بھی اپنی ایک بچوں کی فلم کے ساتھ فیچر فلم کی دنیا میں وارد ہوئے۔

لیکن بنیادی کمی جو نمائش گھروں کی کمیابی اور محدود نکاسی میں ہندی فلموں کی ریل پیل تھی جسے دور نہ کیا جاسکا۔ دراصل کچھ نمائش گھر بند بھی ہو چکے تھے۔ نئی پروڈکشن یا بیٹکس کے لئے تفریحی ٹیکس میں اس دوران کافی تخفیف بھی کی گئی ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عوامی ذوق نے ٹالی گنج کو تیاگ دیا ہے۔ نمائش گھروں کے متبادل بھی وجود میں آگئے ہیں۔ اب لوگ اپنے دیوان خانوں میں بیٹھ کر فلمیں دیکھ رہے ہیں۔ اس کے لئے لوگ کیبل ٹی۔ وی کے نیٹ ورک اور ویڈیو سیٹس کے شکر گزار ہیں۔

ٹالی گنج میں اصل دھاروں کے تحت فلموں کی پیشکش پر کچھ عرصہ تک کیلئے سوکھین داس غالب رہے۔ انجان چودھری اور پربھات رائے نے سوکھین داس کی پیروی کی۔ ان دو حضرات کو بھی انجان سوکھین داس کے مقابلے میں عوام نے زیادہ پسند کیا اور ہمت افزائی کی۔ مذکورہ بالا لوگوں کی طرز کی پیشکش

(باقی صفحہ پر)

”رُوزِ واقعہ“ اور ”اوینار“ کے خالق شہرام اسدی سے پریس کی ملاقات



• پریس نمائندوں سے مخاطب مسٹر اسدی

تیسرے کلکتہ فلم فیسٹول کے دوران شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے بیورو کی جانب سے سدن کے میڈیا سنٹر میں میٹ دا پریس " کے تحت روزانہ مختلف ملکی و غیر ملکی ڈائرکٹروں سے پریس نمائندوں کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا ایسے ہی سلسلہ کی ایک کڑی مشہور ایرانی فلم ساز مسٹر شہرام اسدی کے ساتھ ایک ملاقات تھی۔

۴۴ سالہ شہرام اسدی نے ایران میں کالج آف فلم اینڈ ٹیلی ویژن سے گریجویشن کرنے کے بعد لاس اینجلس ویلی کالج میں درس و تدریس سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اسی دوران انھوں نے لاس اینجلس یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویشن کیا۔ مسٹر اسدی متعدد مختصر دستاویزی فلمیں بنائیں جن میں سنگسار اور بلڈ منگس شامل ہیں۔ انھوں نے ٹی وی سیریز کے لئے بھی کئی مختصر تصویریں بنائیں۔ پھر بعد میں ڈیگس من آف کاش اور ڈیتھ آف لے سیلس میں سمیت کئی تماشوں کی تخلیق کی۔ ۱۹۹۲ء 'اوینار' میں انھوں نے پہلی فیچر فلم بنائی جو ملک و بیرون ملک میں انتہائی مقبول ہوئی۔ روزِ واقعہ ان کی دوسری کامیاب فیچر فلم ہے۔

" ہم تشدد اور جنس پر مبنی فلمیں بنانا نہیں چاہتے " یہ بات مسٹر اسدی نے گزشتہ ۱۳ نومبر کو نندن میں پریس نمائندوں سے ملاقات کے دوران کہی۔ پریس کے اس سوال پر کہ کیا سرکاری مشنری فلموں کی کڑی نگرانی کرتی ہے۔ جواب دیتے ہوئے مسٹر اسدی نے کہا کہ فلم سازی اور فلم سازوں کے خیالات کی نگرانی سرکاری مشنری ہمارے ملک میں بھی کرتی ہے ہمارے یہاں بھی سنسر شپ ہے اور متحدہ ریاست ہائے امریکہ میں بھی۔ انھوں نے کہا کہ شاہ کے زمانے میں ایران میں سالانہ ۴۰ تا ۵۰ فلمیں بنتی تھیں لیکن اب ایک سال میں ۶۰ تا ۷۰ فلمیں بنتی ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ وہ ہمیشہ کم از کم اخراجات پر فلمیں بنانا پسند کرتے ہیں۔ معاشی مسئلہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور ایران میں چونکہ فلموں کی نمائش کے لئے دریغ تھیٹر نہیں ہیں اس لئے ایرانی فلمی صنعت میں منافع نہیں کمایا جا سکتا۔ ہم فلموں کے ذریعہ اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس موقع پر ان کی فلم " Fateful Day " کی ہیروئن محترمہ زہرہ مصطفوی بھی موجود تھیں۔

مسٹر شہرام کے زیر ہدایت اس فیسٹول میں دو فلمیں دکھائی گئیں

(۱) Fateful Day (روزِ واقعہ) اور

(ii) Avinar (اوینار) ذیل میں ان کی دونوں فلموں کا مختصر تعارف قارئین کی دلچسپی کے مطالعہ کے لئے پیش ہے :

The Fateful Day

(روزِ وقوعہ)

ہدایت کار :- شہرم اسدی — اسکرین پلے :- مہرم بہیاضی
موسیقی :- مجید انتظامی — کیمرہ :- ایم۔ پرتو
ایڈیٹنگ :- مہدی رمیان — پروڈیوسر :- فریبی سینما فونڈیشن
ستارے :- علی رضا شجاع نوری • زہرہ مصطفوی • عزت اللہ انتظامی • مہدی فتحی • محمد علی خاور و جمشید وغیرہ



اس کی کہانی اسلامی تاریخ کے ایک باب پر مبنی ہے۔ جواں سال عبداللہ جو حال ہی میں مشرف بہ اسلام ہوا ہے رحلہ کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے اور اسے شریک حیات بنانا چاہتا ہے لیکن رحلہ کے والد کو یہ رشتہ کسی طرح منظور نہیں۔ لڑکی کے والد کے بار بار انکار سے عبداللہ مایوس نہیں ہوتا۔ آخر میں رحلہ کے والد کو دونوں کی شادی کی تجویز منظور ہو جاتی ہے لیکن شادی کی عین تقریب کے موقع پر عبداللہ کے کان میں ایک غیبی آواز آتی ہے جو اسے پکار رہی ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے اپنی مدد کے لئے بلا رہا ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نینوا کی طرف نکل پڑتا ہے۔ اس کی اس حرکت سے سب ششدر رہ جاتے ہیں۔ رحلہ کو گہرا صدمہ پہنچتا ہے اور اس کے والدین و رشتہ دار اسے اپنی ہتک عزت سمجھ کر عبداللہ کو سزا دینا چاہتے ہیں لیکن حقیقت جاننے کے بعد رحلہ اور ان کے والدین اسے سفر کی اجازت دیدیتے ہیں۔ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے عبداللہ نینوا (کربلا) پہنچتا ہے لیکن اس سے قبل بدبخت واقعہ رونما ہو جاتا ہے۔

اس فلم کو بڑے اسکرین پر بہت ہی موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عبداللہ کے کردار میں علی رضا شجاع نوری نے اداکاری کے شاندار نمونے پیش کئے ہیں۔ زہرہ مصطفوی نے رحلہ کا خوبصورت کردار ادا کیا ہے۔ فلم کی فوٹوگرافی بہت خوب ہے۔ ہدایت لاجواب۔

(اوینار) Avinar

ہدایت کار:- شہرام اسدی — اسکرین پلے:- ایس اسدی، اے۔شاہ حسینی

موسیقی:- مجید انتظامی — کیمرہ:- ایم۔ پرتو

ایڈیٹنگ:- روح اللہ امامی — پروڈیوسر:- 84 سینماٹوگرافی ارگنائزیشن



کہانی ایک جنگ کے پس منظر میں فلمائی گئی ہے جس میں کیمیائی گیس کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے زہریلے گیس سے ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے ہیں۔ جو بچتے ہیں وہ آنکھ کی بینائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ شہر کے بیلے سے الگ الگ راستوں سے اپنے عزیز و اقارب سے بچھڑ کر سرحد کی جانب گرم سفر ہیں۔ دوسری جانب مال و اسباب سے آراستہ ایک سوار جو اپنی آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھتا ہے اپنی رہبری و مسافت کے لئے ایک گھوڑا اور اس کے مالک بشیر کو کرایہ پر ٹھیک کرتا ہے جو صحیح اور پیچ راستوں سے بخوبی واقف ہے۔ سوار کی پریشانی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کچھ جنگ زدہ مجروح مرد و خواتین ایک قافلے کی صورت میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگتے ہیں۔ بشیر کی قیادت میں یہ چھوٹی سی خودساختہ جماعت دشوار گزار راستوں سے گزرتے ہیں۔ اس دوران سوار گھوڑا سمیت ایک حادثے میں مارا جاتا ہے۔ اب بشیر کی رہنمائی میں باقی ماندہ افراد سفر کرتے ہیں۔ اس طویل و خطرناک سفر میں ایک ایک کرکے دیگر لوگ بھی موت کے مہیب سائے میں گم ہو جاتے ہیں۔ بشیر بھی لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔ آخر میں ایک بدنصیب خاتون جس کے آل و عیال بم باری میں مارے جاتے ہیں اور ایک بے نام یتیم بچہ جو بعد میں اوینار (پیار کرنے والا) کہلاتا ہے بچ جاتے ہیں۔ تھوڑی ہی دوری پر انھیں رات کے اندھیرے میں شہر کی جگمگاہٹ دکھائی دیتی ہے۔ فلم یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ فلم کے مناظر و واقعات کی عکاسی انتہائی خوبصورت ہے۔ فوٹوگرافی کمال کی ہے۔ فلم شروع سے آخر تک دلچسپ ہے۔ --

۱۳۵ویں برسی کے موقع پر خراجِ عقیدت

جنگِ آزادی کا سپہ سالار بہادر شاہ ظفرؒ

جسٹس خواجہ محمد یوسف



ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ دوئم جو تاریخ میں بہادر شاہ ظفر کے نام سے مشہور ہیں، ایک محب وطن اور پُرخلوص انسان کے علاوہ عہدِ مغلیہ کی شاہی تہذیب کا آخری نمونہ تھے۔ شہنشاہانِ مغلیہ کا یہ آخری نمائندہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہندو مسلم اتحاد کا پیغام بن کر ابھرا۔ ایک صاحب دقت اور سیاسی حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے انھوں نے شاہی فرمان کے ذریعے دہلی اور اس کے نواحی علاقوں میں ذبیحہ گاؤ پر پابندی عائد کر دی جو فرنگیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک زبردست ہتھیار ثابت ہوا۔ ملک گانہ اور پوربیہ فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لیتے ہی انھوں نے یہ حکم صادر کیا اور ۲ر اگست ۱۸۵۷ء کو عید الاضحیٰ کے دن بھی اس فرمان میں کوئی نرمی نہیں کی گئی۔ کرنل کیتھ ینگ اپنی اہلیہ کو لکھتا ہے "ہماری امیدیں کل عید کے دن خاک میں مل گئیں۔ گائے کی قربانی پر بادشاہ نے سخت پابندی عاید کر دی جس سے ہندو مطمئن ہو گئے اور آپس میں لڑنے کے بجائے ہندو مسلم متحد ہو کر ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے میں گامزن ہو گئے۔"

بہادر شاہ ہندوؤں کا احترام کرتے تھے اور یہ صفت انھوں نے اکبر اعظم اور دارا شکوہ سے ورثہ میں پائی تھی۔ ذکاء اللہ "تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ" میں لکھتے ہیں: "اگر تم مسلمان میری ایک آنکھ ہو تو ہندو اسی طرح مجھے عزیز ہیں جیسی میری دوسری آنکھ۔ دہلی کے مسلمانوں سے بادشاہ نے بار بار یہ بات دہرائی۔

بہادر شاہ ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئے جب ان کی عمر ۶۲ سال تھی۔ درحقیقت وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیدی تھے۔ ملک اور دہلی کی انتظامیہ میں ان کا کوئی دخل نہیں تھا۔ مشہور مورخ ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا کام صرف کتابیں لکھنا، مشاعرہ میں حصہ لینا اور صوفیائے کرام کی درگاہوں کی زیارت کرنا تھا۔ وہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مزاروں پر اکثر حاضری دیا کرتے تھے۔ درگاہ بختیار کاکیؒ کے نزدیک انھوں نے ظفر محل تعمیر کروایا تھا جہاں سے وہ ہر سال ہندو مسلم اتحاد یعنی "پھول والوں کی سیر" کا نظارہ کرتے تھے جس کے آغاز کا سہرا بھی ان ہی کے سر تھا۔

وہ ایک ذی علم، پختہ کار شاعر اور اعلیٰ درجہ کے خطاط تھے۔ انگریز مورخ اسپیئر لکھتا ہے۔ "بہادر شاہ نہایت مہذب اور اعلیٰ کیریکٹر کے انسان تھے۔ وہ اپنے زیادہ تر اوقات روشن آرا باغ میں کتابوں کے مطالعہ اور شعر و شاعری میں گزارتے تھے۔ وہ فلسفہ اور فطری مناظر کے دلدادہ تھے۔ مغل بادشاہوں میں ان کا مقام بہت بلند ہے" (ملاحظہ ہو اسپیئر کی تصنیف "ٹوائی لائٹ آف دی مغلس") بہادر شاہ نے پانچ دیوان چھوڑے۔ ایک جنگ آزادی میں برباد ہو گیا۔ گلستانِ سعدی کی شرح ان کی مشہور تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے علم تصوف کا بھرپور جائزہ لیا۔ ان کی غزلیں مقبول عام ہوئیں۔ ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ اس بڈھے بادشاہ کی غزلوں نے باغی فوجیوں کی مجموعی طاقت سے زیادہ انگریزوں کو نقصان پہنچایا۔

ایک بار پھر اسپیر کا ہ الدینا مروری ہے کہ بہادر شاہ ظفر کو مخالف حالات کے تحت قبول کرنا چاہیے کہ کران چند انگریز یا گوروں کے بیانات سے جو جنگ کی مصیبت سے تنگ آ گرا ہے دل و دماغ کھو بیٹھے تھے اور ہندوستانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ ان پر حاوی تھا۔"

ہندوستانی فوجی دستے نے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ دوسرے دن یہ دستہ دہلی پہنچا اور شہر میں بغاوت کے عام اثرات رونما ہو گئے۔ ۱۲ مئی کو باغی فوج بہادر شاہ سے لال قلعہ میں ملی اور درخواست کی کہ وہ جنگ آزادی کی قیادت فرمائیں۔ اس وقت بادشاہ کی عمر ۸۲ سال تھی۔ اس پیری میں بھی بہادر شاہ نے ان کی التجا قبول فرمائی۔ شاہی سواری میں قلعہ معلیٰ سے چاندنی چوک تشریف لائے اور بیگم باغ میں باغی فوج کو یوں خطاب فرمایا "میں دل و جان سے تمہارے ساتھ ہوں لیکن میرے پاس نہ تو فوج ہے اور نہ خزانہ۔ اگر سلطنت واپس ہوئی تو میں تمہیں انعامات اور اعزازات سے نوازوں گا جو شایان مغلیہ کے شایان شان ہوگا۔" ان لوگوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا ظلِ سبحانی ہمیں دولت کی ضرورت قطعی نہیں ہے۔ ہماری مخلصانہ التجا ہے کہ ظلِ سبحانی ہمارے سر پر اپنی شفقت کا ہاتھ رکھیں اور ہمت افزائی کریں اور اپنے نام نامی سے ہمارا تعاون فرمائیں۔ ہماری جانیں آپ کے قدموں پر قربان ہوں گی۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے۔ بہادری سے جو مرد کھاؤ فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرو اور ہمارا سکہ رائج کرو۔" اسی وقت ایک طلائی اشرفی بادشاہ کے نام پر جاری کی گئی جس پر مندرجہ ذیل الفاظ نقش تھے: بزر زد سکہ نصرت طرازی:

سراج الدین بہادر شاہ غازی

۱۳ مئی کو بادشاہ نے ایک عام دربار منعقد کیا جس میں تمام فوج کے سارے افسران موجود تھے۔ فوج کے کچھ جوان ساٹھ انگریزوں کو پکڑ لائے اور بادشاہ سے انہیں قتل کرنے کی اجازت چاہی لیکن بادشاہ نے سختی سے انہیں اس حرکت سے باز رکھا اور ان انگریزوں کو قلعہ میں پناہ دی۔ ۱۴ مئی کو ایک ہندوستانی قومی حکومت (Indian National Government) کی تشکیل ہوئی۔ دوسرے دن فوج کے کمانڈر مقرر کئے گئے۔ بادشاہ کے شہزادے مرزا مغل سپہ سالار اعلیٰ مقرر ہوئے اور ملکہ زینت محل نائب سپہ سالار اعلیٰ۔ بادشاہ کے دوسرے صاحبزادے جوان بخت وزیر مقرر ہوئے۔ راؤ صاحب پرگنہ دادری کو محکمۂ مواصلات اور فوجی رسد و خوراک سونپا گیا اور راجہ بل اس فوجی دستہ کے کمانڈر ہوئے جس کا کام انگریزی فوجوں کے اسلحہ اور خوراک پر قبضہ کرنا تھا۔

افسوس کہ ہندوستانی فوج میں تنظیم کا فقدان تھا۔ ان لوگوں نے بڑی بڑی حماقتیں کیں اور انگریزوں کو موقع دیا کہ وہ اپنی پوزیشن مستحکم بنالیں۔ انگریزوں نے باغی فوج کی کمزوری کا پورا فائدہ اٹھایا اور حکمت عملی سے کام لیا ۱۴ ستمبر کو انگریزوں نے دہلی پر یلغار کی۔ بہادر شاہ جنگی لباس زیب تن کر کے گھوڑے پر سوار لال قلعہ سے باہر آئے تاکہ فرنگی فوج کا مقابلہ بحیثیت سپریم کمانڈر (Supreme Commander) کریں۔ ہر طرف سے انگریزوں کی توپیں گولہ داغ رہی تھیں۔ عجیب ہیبت ناک عالم تھا۔ ہندوستانی فوج منتشر ہو گئی تھی۔ بادشاہ کے وفادار بہی خواہوں نے استدعا کی کہ وہ لال قلعہ لوٹ جائیں اور اپنی جان نہ دیں کیونکہ ہندوستانیوں کے ہاتھ سے میدان نکل چکا ہے۔ اس طرح چار مہینے میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد انگریز دہلی پر دوبارہ قابض ہو گئے۔

۲۰ ستمبر کو بہادر شاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور فاتحہ خوانی کے بعد سجادہ نشین شاہ غلام حسین سے کہا "میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ بدنصیب فوجی خود غرض ہیں۔ ان کو نہ جنگ کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ تنظیم اور نہ ہی قوت برداشت۔ جس کا مجھے خوف تھا وہی ہوا۔ تیمور کی عظیم شاہی خاندان کا میں واحد نشان ہوں۔ سلطنت مغلیہ کا چراغ جلد گل ہونے والا ہے صرف چند گھنٹوں کی دیر ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو خون خرابہ کرنے سے کیا فائدہ۔ اس لئے میں نے قلعہ چھوڑ دیا۔ ملک اللہ کا ہے جسے چاہے بخشے۔" اس کے بعد بادشاہ نے چاندی کا ایک خوبصورت بکس سجادہ نشین کے حوالے کیا جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین عدد موئے مبارک رکھے ہوئے تھے۔ یہ مقدس امانت خاندانِ تیموریہ میں چودھویں صدی عیسوی سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ محفوظ تھی۔ بادشاہ نے سجادہ نشین کے اصرار پر چند لقمے تناول کئے اور پھر شہنشاہ ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ لی۔

انگریزوں کو بھنک مل گئی کہ بہادر شاہ نے مقبرہ ہمایوں میں پناہ لے رکھی ہے کیونکہ خود ہندوستانی انگریزوں کی مخبری کر رہے تھے۔ فرنگی فوج مقبرہ میں داخل ہوئی اور سنگ مرمر کی جالی توڑ کر بادشاہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ بھی ایک کرامت ہے کہ فتح دہلی کے بعد بادشاہ زندہ بچ گئے۔ دراصل بہادر شاہ کی جان بچانے میں دہلی میں انگریزی فوج کے سپہ سالار جنرل آرک ڈیل ولسن کا نمایاں حصہ تھا۔ اس نے بادشاہ کو زندہ گرفتار کرنے کی سخت ہدایت جاری کی تھی کیونکہ جنرل ولسن کا خیال

تھا کہ بہادر شاہ صرف باغی فوج کے سپریم کمانڈر ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے راجاؤں مہاراجاؤں، شہزادوں اور جاگیرداروں کے واحد رہنما ہیں اور ہر حال میں فرنگیوں کی بغاوت کے اولین ہیرو بھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ لفٹننٹ ہوڈسن اور میجر لارنس بادشاہ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ جب بادشاہ بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے تو ہوڈسن نے کمخواب کی چادر سے ڈھکا ہوا ایک بڑا طشت ان کے سامنے پیش کیا۔ اس مہمان نوازی پر بادشاہ حیران ہوئے۔ جیسے ہی چادر اٹھائی تو ایک تیر دل سے اتر گیا اور بہادر شاہ چیخ اٹھے۔ طشت میں ۲۱ معل شہزادوں کے خون آلود سر کٹے رکھے تھے۔ ایک مورخ کا کہنا ہے کہ جب لارنس کو بادشاہ کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ غصہ سے پاگل کی طرح چیخنے لگا: "اس بڈھے بدمعاش کو کیوں نہیں گولی سے اڑا دیا گیا؟" مگر یہ کمبخت جنرل ولسن کے سامنے بے بس تھا۔

اس کے بعد دہلی، اس کے نواحی علاقے اور لال قلعہ میں فرنگیوں نے قتل و غارت گری اور لوٹ کا وہ بھیانک مظاہرہ کیا کہ ہلاکو اور چنگیز کی روح بھی شرما گئی ہوگی۔ انصاف پسند انگریزوں نے بھی ان وحشیانہ مظالم کی سخت مذمت کی۔ ایڈورڈ تھومس اپنی کتاب "دی آدرسائڈ آف دی میڈل" میں رقم طراز ہے "برٹش فوج کی اس وحشیانہ بربریت اور غیر انسانی حرکت کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔"

اس ایک تاریخی مقدمہ کا آغاز لال قلعہ کے "دیوانِ خاص" میں شروع ہوتا ہے اور ۴۲ دن تک جاری رہتا ہے۔ جس دیوانِ خاص کی دیوار پر شاہجہاں نے یہ شعر کندہ کروایا تھا جو آج بھی موجود ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

ملزم بہادر شاہ دوئم تھے۔ چار الزامات ان کے خلاف عائد کئے گئے۔ (۱) حکومت وقت کے خلاف ہندوستانی فوج کو بغاوت پر ابھارنا (۲) حکومتِ وقت کے خلاف دہلی اور دوسرے صوبوں میں بغاوت کی ترغیب دینا (۳) خود کو ہندوستان کا شہنشاہ قرار دینا اور حکومت انگلشیہ سے اعلانِ جنگ کرنا اور (۴) ۴۹ یورپین مرد اور عورتوں کو قتل کرنا اور مزید انگریز حکام و عوام کا سر قلم کروانا (یہ ۴۹ انگریز وہ تھے جنہیں باغی فوج پکڑ لائے تھے اور شکست کے بعد بادشاہ کی نافرمانی کرتے ہوئے انہیں قتل کر دیا تھا) مقدمہ بالکل یک طرفہ تھا اور بادشاہ قصوروار پائے گئے۔ ان پر جلاوطنی میں تاحیات قید کی سزا صادر ہوئی۔

رنگون سے میں: انگریز فوج کی نگرانی میں شاہی قیدیوں کا قافلہ ۷ اکتوبر ۱۸۵۸ کو دہلی سے روانہ ہوا اور بری و بحری راستہ طے کرتا ہوا ۹ دسمبر کو رنگون پہنچا۔ جب بہادر شاہ کا قافلہ مڈاٹسڈ بارہ میں لنگر انداز ہوا تو اودھ کے معزول نواب واجد علی شاہ جو انگریزوں کی زیر نگرانی اسیری کی زندگی مٹیا برج میں ایک لاکھ روپیہ ماہانہ وظیفہ پر گزار رہے تھے، بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ واجد علی شاہ پر فرنگیوں کا عتاب کم ہو گیا تھا کیونکہ انھوں نے انگریزوں سے جنگ نہیں کی تھی اور تخت سے سبکدوش ہو گئے تھے۔

بہادر شاہ کی رنگون میں اسیری کی زندگی ایک دردناک کہانی ہے جو کسی کو بھی اشک بار کرنے کے لئے کافی ہے۔ بادشاہ اور ملکہ کو جس عزت و احترام سے رکھا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ شاہی قیدیوں کی تعداد سولہ تھی جن میں شہزادے بھی تھے۔ لکڑی کے بنے ہوئے چار کمروں کے ایک مکان میں ان قیدیوں کو نظربند کیا گیا جو فوجی چھاؤنی سے چند گز کے فاصلہ پر تھا۔ کیپٹن ڈیوس ان قیدیوں کا نگراں تھا۔ حکومت ہند کے محکمہ خارجہ کو اپنی رپورٹ مورخہ ۳ اگست ۱۸۵۹ء میں لکھتا ہے "ان سولہ قیدیوں کی خوراک کا خرچ یومیہ گیارہ روپیہ ہے اور ہر اتوار کو ایک روپیہ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو فی کس دو روپیہ صابن وغیرہ اور دیگر اخراجات کے لئے دیا جاتا ہے لیکن کاغذ، روشنائی اور قلم کی سخت ممانعت ہے۔"

مورخہ یکم جولائی ۱۸۶۲ء کو رپورٹ میں ڈیوس لکھتا ہے "ابو ظفر کمزور ہو رہا ہے۔ سول سرجن کا خیال ہے کہ اس کی زندگی چند روزہ ہے"۔ اکتوبر میں بہادر شاہ کی حالت بگڑنے لگی۔ حلق پر فالج کا حملہ ہوا اور ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے اترنا مشکل ہو گیا۔ وطن سے دور بے بسی اور بے کسی کی حالت میں ۷ نومبر ۱۸۶۲ء جمعہ کے دن صبح صادق خاندان تیمور کا یہ چراغ ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گیا۔ وفات کے وقت عمر ۸۷ سال تھی۔ اسی دن شام چار بجے بہادر شاہ فوجی چھاؤنی کے پیچھے دفن کر دیئے گئے۔ عوام کی ایک خاص تعداد جمع ہو گئی تھی لیکن انہیں دور ہی روک رکھا گیا۔ جنازہ لال چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہ ڈھونگ رچانے کیلئے کہ جنازہ میں عام لوگوں نے حصہ لیا۔ چند مسلمانوں کو نماز جنازہ میں شرکت کی اجازت دی گئی مگر جنازہ کے ساتھ قبر تک صرف بادشاہ کے دو بیٹے جواں بخت اور شاہ عباس اور ایک وفادار ملازم احمد بیگ کے علاوہ ایک مولوی کو جانے کی اجازت ملی۔ فاتحہ خوانی کے وقت بادشاہ کے القاب کو زبان پر لانے کی اجازت نہیں تھی۔ انگریز فوجیوں کا دستہ قبر پر تعینات کر دیا گیا اور کمانڈر کے حکم پر گوروں نے قبر کو پاؤں سے روندنا شروع کر دیا تاکہ زمین ہموار ہو جائے اور قبر کا نشان باقی نہ رہے۔ کیپٹن ڈیوس اپنی رپورٹ مورخہ

۱۰ نومبر ۱۸۶۲ء کو لکھتا ہے "قبر کی جگہ کو کافی دور تک بانس سے گھیر دیا گیا ہے۔ بانس کے سبز ہونے تک قبر گھاس سے ڈھک جائے گی اور پتہ بھی نہ چلے گا کہ شہنشاہان مغلیہ کا آخری نمائندہ یہاں مدفون ہے۔" اور ایسا ہی ہوا۔ بہادر شاہ نے کیا خوب پیشین گوئی کی تھی ؎

پس مرگ قبر پہ آئے ظفر کوئی فاتحہ بھی کہاں پڑھے
وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشاں اسے ٹھوکروں سے مٹا دیا

۱۹۰۳ء میں شہری کاوشوں کے بعد مقامی لوگوں کی مدد سے چند ہندوستانیوں نے بہادر شاہ کی قبر کے مقام کا پتہ چلایا مگر اصل قبر کی نشاندہی پھر بھی نہ ہوئی۔ چند مقامی مسلم تجار نے اسی جگہ مقبرہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور بہادر شاہ ظفر ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا۔ ٹرسٹیوں نے ایک دردمندانہ اپیل "ظفر کا مرثیہ" کے عنوان سے شائع کی جس میں ظفر کا یہ کلام بھی شامل ہے

؎ دنیا میں بلا سے اگر آرام نہ پایا
ہم نے یہی پایا کہ برا نام نہ پایا

ٹرسٹیوں کے عزائم حکومت کو پسند نہ آئے اور انھیں باز رہنے کی سختی سے ہدایت کی گئی لیکن ۱۹۳۴ء میں ٹرسٹ لورڈ کے دن پھرے اور ایک برمی مسلمان احمد اللہ حاجی عرف یو باہ او کے مالی تعاون سے ایک اوسط قسم کا مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ بہادر شاہ کے قریب ہی ان کی ملکہ بھی آرام فرما ہیں۔ "آزاد ہند فوج" کے سپہ سالار اعظم نیتا جی سبھاش چندر بوس نے بہادر شاہ ظفر کی اسی جعلی قبر پر حاضری دی تھی اور فوجی سلامی کے ساتھ عہد کیا تھا کہ آزاد ہندوستان کا جھنڈا وہ لال قلعہ پر لہرائیں گے۔ بہادر شاہ کی ایک اور پیشین گوئی بھی کیا خوب تھی ؎

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

۱۹۹۴ء میں بہادر شاہ ظفر کی قبر اسی جعلی مقبرے کے قریب دریافت ہوئی اور اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ یہ اصل قبر جعلی مقبرے کے متصل تہہ خانے میں واقع ہے مگر ملکہ زینت محل کی اصل قبر ابھی تک دریافت نہیں ہوئی ہے۔ حکومت ہند نے بہادر شاہ کے مزار پر ایک یادگاری ہال تعمیر کرایا ہے مگر ان کا مزار ابھی تک آخری شہنشاہ ہند کے شایان شان نہیں ہے۔ بہت سادہ سا مزار ہے جس پر ہر سال عرس بھی ہوتا ہے اور رنگون کے مسلمان بڑی عقیدت سے شریک ہوتے ہیں۔

اس مقبرے کی دوسری منزل پر دو جعلی قبریں تعویذ کے طور پر بنی ہوئی ہیں۔ ایک قبر شاہ ظفر اور دوسری قبر ملکہ زینت محل کے نام سے منسوب ہے۔ یہ اصلی قبریں نہیں ہیں۔

(شکریہ آزاد ہند، کلکتہ) ■■

غزلیں

یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا
اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
کیوں خرد مند بنایا، نہ بنایا ہوتا
خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش! خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا
نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا
تھا جلانا ہی اگر دوریٔ ساقی سے مجھے
تو چراغِ درِ مے خانہ بنایا ہوتا
روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

یار تھا، گلزار تھا، مے تھی، فضا تھی، میں نہ تھا
لائقِ پابوسِ جاناں، کیا حنا تھی، میں نہ تھا
ہاتھ کیوں باندھے مرے، چھلا اگر چوری گیا
یہ سراپا شوخیٔ دزدِ حنا تھی، میں نہ تھا
ہائے ساقی! یہ ہو ساماں اور عاشق واں نہ ہو
یار تھا، سبزہ تھا، بدلی تھی، ہوا تھی، میں نہ تھا
میں سسکتا رہ گیا اور مر گئے فرہاد و قیس
کیا انھیں دونوں کے حصے میں قضا تھی، میں نہ تھا
میں نے پوچھا کیا ہوا وہ آپ کا حسن و شباب
ہنس کے بولا وہ صنم، شانِ خدا تھی، میں نہ تھا
اے ظفر! یہ دل پہ میرے داغ کیسا رہ گیا
خانہ باغِ یار میں خلقِ خدا تھی، میں نہ تھا

بہادر شاہ ظفر

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۴ ▪ یکم دسمبر ۱۹۹۷ء ▪ شمارہ نمبر ۲۲

ترتیب

• سرورق: ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ ۱۹۹۷ء

مدیر اعلیٰ: ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون: محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: دس روپئے ▪ نصف سالانہ: پانچ روپئے
• فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۱/۷ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 25-5601/3371Ext: 710

تیسرا کلکتہ فلم فسٹیول کی اختتامی تقریب

بچوں کیلئے بھی فلمیں بنانے کے سلسلے میں ہدایت کاروں کو پہل کرنی چاہئے

: شری جیوتی باسو



• شری جیوتی باسو تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول کی اختتامی تقریب میں اظہار خیال کرتے ہوئے۔

کلکتہ رابندرناتھ اور ستیہ جیت رے کا شہر ہے۔ یہ مناسب ہے کہ یہاں فلمی تہوار سالانہ تقریب کے طور پر ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں ایسے تہواروں سے قومی اتحاد اور بھائی چارگی کو تقویت ملتی ہے کیونکہ ملک کے مختلف حصوں سے عوام فلموں اور آرٹ و ثقافت کے دیگر پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کرنے کے لئے ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے مواقع دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی تعلقات استوار کرنے میں ہمیں مدد کرتے ہیں۔ یہ باتیں وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۱۷ نومبر کو تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول کی اختتامی تقریب میں مندوبین، پریس نمائندوں، ممتاز فلمی شخصیتوں اور دیگر مہمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہیں۔ ٹیلی ویژن اپنی گونا گوں وسعتوں کے باوجود فلموں کا متبادل نہیں ہے۔

فسٹیول کے تمام دنوں میں نندن کمپلیکس اور دیگر تھیٹروں میں پُر ہجوم مجمع فلموں کی بھرپور جاذبیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ وہ بچے جو ٹیلی ویژن سیٹ سے چپکے بیٹھے رہتے ہیں اب اپنی افزائش عمر کے ساتھ ساتھ اسے سراہ رہے ہیں۔ کچھ ٹیلی ویژن پروگراموں کے مضر اثرات کے حوالے سے شری جیوتی باسو نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا بچوں کے لئے خاطر خواہ فلمیں نہیں بنائی جارہی ہیں اگرچہ یہاں بہت سے باصلاحیت ہدایت کار ہیں جو بچوں کی فلمیں بنانے میں پہل کرسکتے ہیں۔

وزیراعلیٰ موصوف نے بچوں کا سیکشن شامل کرکے صرف

بچوں کی فلموں کی نمائش کے لئے فسٹیول کے حکام کو مبارکباد دی۔ انھوں نے بتایا کہ اس سال کے فسٹیول کے اہم خاصیت مجتمع اداروں کی شمولیت ہے جس نے فسٹیول کے حکام کی بڑے پیمانے پر مدد کی۔ اس سے ریاستی حکومت کے محدود بجٹ پر دباؤ نہیں پڑا۔

اختتامی تقریب کے بعد نندن اور رہندر سدن میں رات بھر فلموں کی نمائش کا حوالہ دیتے ہوئے شری باسو نے کہا کہ میں اپنی تقریر کی طوالت سے آپ کے اور فلم کے درمیان رکاوٹ بننا نہیں چاہتا۔

وزیر اطلاعات و ثقافتی امور و شعبۂ داخلہ (پولس) شری بدھا دیب بھٹا چاریہ نے اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ تیسرا کلکتہ فلم فسٹیول شاندار کامیابی سے ہمکنار ہونے جا رہا ہے۔ ہمیں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ کئی ہفتوں کی محنت اور تین برسوں کی مستقل کوششوں سے آخر کار خاطر خواہ نتائج بر آمد ہونا شروع ہو گیا ہے۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ گذشتہ دو برسوں کی بہ نسبت تیسرا کلکتہ فلم فسٹیول کا اہتمام بڑے پیمانے پر کیا گیا ہے اور اب یہ واضح طور پر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے بین الاقوامی خصوصیت حاصل کر لی ہے۔ مثال کے طور پر گزشتہ سال ہم نے ۳۶ بیرونی فلمیں نمائش کے لئے حاصل کی تھیں۔ امسال ایسی فلموں کی تعداد بڑھ کر ۶۰ ہو گئی ہے۔ گذشتہ سال کے فسٹیول میں شامل ہونے والے بیرونی مندوبین کی تعداد صرف ۶ تھی جبکہ امسال فسٹیول میں کل بیرونی مندوبین کی تعداد ۲۴ رہی جو یقیناً حوصلہ افزا ہے۔ بین الاقوامی شہرت کے مالک ایسے فلم ڈائرکٹروں میں میزرس زنوزی لوزینگا، بلدولی ہاشم رم اسدی، ہوار ڈائیرون، اظہر الاسلام پولا کو، لیون اور مس بینڈورا درس ونتا پاڈل شامل ہیں۔

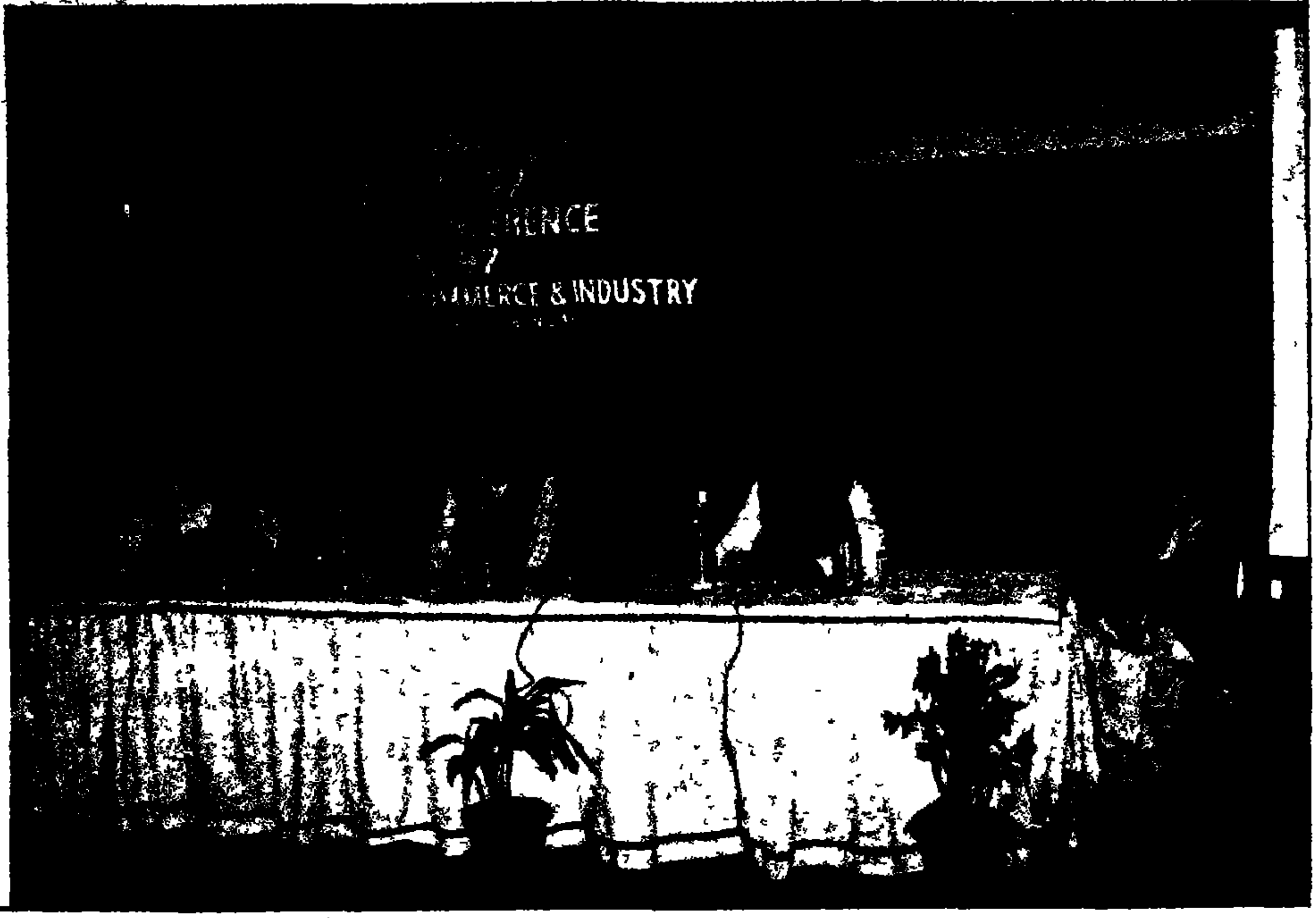
وزیر موصوف نے کہا کہ ہمیں صرف بڑی تعداد پر فخر نہیں ہے بلکہ اس سال معیار اور معاصر پر بھی زور دیا گیا ہے۔ بین الاقوامی فلم سازوں تقسیم کاروں، اطلاعات و نشریات، سیاحت و شہری فضائیہ کی وزارتوں اور بیرونی سفارت خانوں کے بھر پور تعاون سے کلکتہ کے عوام کے لئے کثیر تعداد میں معاصر فلموں کو حاصل کیا جا سکا ہے۔ انھوں نے کہا کہ انگریزی ضمنی عنوانات کے ساتھ فلموں کی دستیابی و فیصلہ کم ہیں پھر انھیں حاصل کرنا اور بھی دشوار کن کام ہے۔ یہ تہوار فلموں کے حوصلہ افزا مرکز کے طور پر کلکتہ کی گونا گوں خوبیوں کو اجاگر کرتا ہے۔ جہاں بہت سی معاصر بین الاقوامی فلموں کی کامیاب نمائش کا پُر عزم اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس شہر کو اپنے طور پر بین الاقوامی فلم فسٹیول کی آخر ضرورت کیوں ہوئی۔ ہمارا ملک واضح طور پر ایک بہت بڑا ملک ہے جو واحد فسٹیول کی سربراہی کرتا ہے۔ ہمارے اس ملک کے مختلف شہروں اور دیگر جگہوں میں با ذوق ناظرین دستیاب ہیں اور کسی ایک منتخبہ شہر میں "اچھے سنیما" کو مخصوص کر دینا بالکل صحیح نہیں ہے۔ ہندوستان کے عوام کو دنیا کی بہترین فلمیں دیکھنے کا حق حاصل ہے۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ ایک دہائی سے کلکتہ کے نندن فلم کمپلکس نے بذات خود فلمی دنیا میں ساٹ نذار مرکز کے طور پر بے مثال مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس شہر میں کثیر تعداد میں فلم کلبوں اور سوسائٹیوں جن میں بیشتر کی عمر پچاس سال سے کم نہیں ہے، نے ایسے باشعور فلم بینوں کی پرورش کی ہے جو بہترین عالمی سنیما کے شائقین ہیں۔ ایسے ناظرین کا ہجوم سالانہ کلکتہ فلم فسٹیول کا منتظر ہوتا ہے اور اس مانگ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے قابل ہو کر ہمیں انتہائی تشفی ہوتی ہے ہم ایسے ناظرین کے مفاد کیلئے بہترین قومی و بین الاقوامی فلموں کی حصولی اور نمائش کی ہر سال کوشش کریں گے۔

شری بدھا دیب بھٹا چاریہ نے کہا کہ اس فسٹیول کی دوسری بے مثال خاصیت یہ ہے کہ اس میں شہر کے مجتمع اور ثقافتی اداروں کی جانب سے پُر جوش مالی و دیگر حمایت رہی ہے۔ حکومت اگر ضرورت پڑی تو ایسے بڑے پیمانے کے فلم فسٹیول کے لئے بھی مالی تعاون دے سکتی ہے۔ لیکن بحث طلب نقطہ یہ ہے کہ مجتمع اداروں، فلم سوسائٹیوں، شخصیتوں اور دیگر ثقافتی جماعتوں کی سرگرم شمولیت کے بغیر بین الاقوامی فلم پروڈیوسرز ایسوسی ایشن کی کامیابی کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ وزیر موصوف نے آخر میں کہا کہ امسال غیر سرکاری ایجنسیوں کی جانب سے حمایت کی وجہ سے ہم غیر سرکاری ایجنسیوں اور فلم شخصیتوں کی وسیع تر شمولیت سے ایک آزاد فسٹیول اتھارٹی کے ذریعہ ایسے بڑے پیمانے پر آئندہ سال کے فسٹیول کی منصوبہ بندی سے متعلق خود اعتماد ہو گئے ہیں۔ تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول کے ڈائرکٹر شری انگشو سور نے فسٹیول کی اختتامی تقریب میں اظہار تشکر کیا۔

ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ ۱۹۹۷ء



• شری بدودت گانگولی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے

گزشتہ برسوں کی طرح امسال بھی ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میں حکومت مغربی بنگال نے شرکت کی۔ ۱۴ نومبر کو اس میلے کا افتتاح دہلی کے پراگتی میدان میں وزیراعظم شری آئی کے گجرال نے کیا جو مقبولیت اور کامیابی کے ساتھ ۲۷ نومبر کو اختتام پذیر ہوا۔ مغربی بنگال کے مستقل پیویلین میں حکومت کے مختلف شعبوں کے علاوہ دیگر سرکاری و نیم سرکاری اداروں کی شمولیت سے کل ۱۰۰ اسٹال لگائے گئے تھے۔ مغربی بنگال میں صنعتی افزائش پر نمائش کے موضوع کو شعبۂ صنعت و تجارت نے فروغ دیا تھا۔ اس میں مغربی بنگال کو اپنی پرانی روایت کے ساتھ مشرقی خطہ میں صنعتی اور تجارتی سرگرمیوں میں مصروف دکھایا گیا ہے۔

وزیر صنعت و تجارت شری بدودت گانگولی نے گزشتہ ۱۵ نومبر کو پراگتی میدان میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ شمالی اور دیگر غیر ترقی یافتہ علاقوں میں صنعتیں قائم کرنے کے لئے پہل کی جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ مغربی بنگال نے گیارہ فیصد صنعتی شرح افزائش کے ساتھ اور ۶٫۹ فیصد کل ہند شرح کے مقابلے میں کل گھریلو پیداوار ۷٫۳ فیصد کے ساتھ نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

وزیر موصوف نے بیرونی پیداوار کی ریل پیل سے گھریلو صنعتوں کو بچانے کے لئے درآمد محصول کی بحالی کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

۲۲ نومبر کو پراگتی میدان میں لال چک تھیٹر میں یوم مغربی بنگال منایا گیا۔ اس اہم یادگار وزیر سیاحت و ماحولیات و خدمات نوجوانان شری مانب مکھرجی نے مہمان اعلیٰ کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس موقع پر بنگالی گیتوں کے علاوہ مختلف ثقافتی پروگرام پیش کئے گئے۔

کافی تعداد میں لوگوں نے مغربی بنگال پیویلین میں شرکت کی اور اس کے مختلف اسٹالوں سے بھاری خریداری کی۔ ■

آزادی کی گولڈن جبلی اور ہماری ذمہ داریاں

بنوئے چودھری

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ۱۹۴۲ء کے بھارت چھوڑو آندولن نے کچھ دن کے لئے پورے ملک کے انگریزوں کے لئے پریشانیاں کھڑی کر دی تھیں لیکن اس سے برطانوی حکمرانوں نے اقتدار کی منتقلی کے بارے میں ذرا بھی نہیں سوچا تھا۔ اس سے قبل ستمبر ۱۹۳۹ء میں جب دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تھی اس وقت ہم بائیں بازو والوں نے اس جنگ کو سامراجی جنگ قرار دیکر "نہ ایک بھائی، نہ ایک پائی" کا نعرہ بلند کیا تھا۔ ہندوستان کو اس جنگ میں بغیر کسی مذاکرہ کے بت ملوث کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہم نے اس کوشش کی مخالفت کی تھی۔ ہم میں سے بہتیرے لوگ گرفتار ہوئے تھے۔ بہت سارے ورکروں اور لیڈروں نے روپوشی اختیار کی لیکن تحریک جاری رہی۔ ادھر کانگریسی لیڈران نے اس وقت اس جنگ کا مقصد کیا ہے، اس کا اعلان کرنے کا مطالبہ شروع کیا لیکن اس مطالبے پر ذرا بھی توجہ نہیں دی گئی۔ ونوبا بھاوے جیسے معتبر ترین گاندھیائی لیڈر جنہیں بہتیرے لوگوں کے نزدیک شخصی طور پر زبردست احترام حاصل تھا، انھوں نے بھی اس بارے میں پروپگنڈا شروع کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ادھر بغیر کسی تنازعہ کے سوویت یونین پر جرمنی نے حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے مغربی یوروپ کو جرمن نے زیر کر لیا تھا۔ نا جنگ معاہدہ کے باوجود جرمنی کے سوویت یونین پر اس طرح کے حملہ کے نتیجہ میں جنگ نے نیا موڑ لے لیا۔ کمنٹرن نے اس وقت عالمی سطح پر عوام کو فاشزم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی پکار دی تھی۔ قیدیوں کے کیمپ میں اس وقت جنگ سے متعلق مذاکرات جاری تھے۔ قیدیوں میں بھی کیا کیا کرنا چاہئے اس پر مباحثہ شروع ہوا۔ "دیولی کیمپ جیل ڈاکیومنٹ" کے نام سے دستاویز کو باہر بھیجا گیا۔ اس کی بنیاد پر باہر پارٹی لیڈروں میں بھی مباحثہ شروع ہوا بالآخر دسمبر میں ایک فیصلہ لیا گیا جسے "پارٹی چٹھی" کے طور پر ممبروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس درمیان میں جاپان نے براہ راست جنگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ پارل ہاربر کی تباہی اور سنگاپور کا زوال ہوا۔ چیانگ کائی شیک نے اس صورت حال میں روزویلٹ سے درخواست کی چرچل اپنی پالیسی تبدیل کر کے جنگ میں ہندوستانی عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اقتدار کی منتقلی کے موضوع پر بحث شروع کریں۔ اس درمیان میں صورت حال اور بھی سنگین ہو گئی تھی۔ اس وقت کے کانگریسی صدر مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہرلال نہرو نے کرپس اور دیویلس کے ساتھ مذاکرہ شروع کیا۔ برطانوی حکمرانوں نے بتایا کہ جنگ سے پہلے اور کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ کے بعد ہندوستان میں اقتدار کی منتقلی کا انتظام کیا جائیگا۔ اس درمیان میں کانگریس اور لیگ کو عبوری حکومت میں حصے لے کر جنگ میں تعاون کرنا پڑے گا۔ برطانوی حکمرانوں کی پیغمبر واسنکر کا کانگریسی ایڈوائی نے وزارت دفاع کی ذمہ داری لینے کا مطالبہ شروع کیا۔ کافی کچھ مباحثہ کے بعد بالآخر وزارت دفاع ہندوستانیوں کے سپرد کر دینے کی منظوری دینے کے باوجود انھوں نے واضح طور پر یہ ظاہر کر دیا کہ جنگ کے دوران تمام اختیارات سپہ سالار اعظم کو حاصل رہیں گے۔ ان کے معاملے میں کسی قسم کی مداخلت نہیں چلے گی۔ لیکن کانگریسی لیڈران اس شرط پر راضی نہیں ہوئے۔ مباحثہ کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد گاندھی جی کی قیادت میں "بھارت چھوڑو" تحریک کا منصوبہ بنایا گیا۔ ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو بھارت چھوڑو تحریک کی تجویز منظور ہوئی۔ برطانوی حکمراں بھی تیار ہو گئے۔ اسی رات کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو گرفتار کر لیا گیا انھیں قید میں ڈال دیا گیا لیکن تحریک ختم نہیں ہوئی۔ اس تحریک کے مختلف قابل فخر پہلوؤں کے باوجود یہ بالآخر برطانوی حکمرانوں نے اس کے انسداد میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔

برلن کے زوال کے ساتھ ہی مختلف واقعات کی وجہ سے ۱۹۴۵ء میں اس وقت کے یورپ کی صورت حال تبدیل ہونے لگی۔ اس درمیان میں یہاں انقلابی راس بہاری باسو، موہن سنگھ وغیرہ نے آزاد ہند فوج کی تشکیل کر لی تھی۔ اس کے بعد سبھاش چندر بوس نے دہلی چلو کی پکار دی۔ آخر آخر تک مختلف واقعات سے گزر کر بھی آزاد ہند فوج اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکی۔ ۵ / اکتوبر ۱۹۴۵ء کو آزاد ہند فوج کے سپہ سالار شہنواز اور

ڈھلوں پر مقدمہ شروع ہوا جس کی بنیاد پر ملک گیر پیمانے پر ہلچل مچ گئی۔ کلکتہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ جلوس یہاں تک کہ راستوں پر بریگیڈ بھی ہوئے لیکن برطانوی حکمرانوں نے اس پر قابو پا لیا۔ رشید علی کے مقدمے پر ایک بار پھر عوام میں زبردست اتھل پتھل مچ گئی۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد (۱۹۴۶ء) ۸ ر فروری کو جہازیوں کی بغاوت شروع ہو گئی۔ ایئر فورس میں بھی بغاوت ہوئی۔ صورت حال آتش فشاں جیسی ہو گئی۔ مجموعی طور پر برطانوی حکمرانوں کے لئے پریشانیوں کے دن شروع ہو گئے۔ ۲۱ فروری کو برطانوی پارلیامنٹ نے اقتدار کی منتقلی کا فیصلہ کیا۔ بالآخر بنگال اور پنجاب کو تقسیم کر کے فساد کے خون میں ڈوب کر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کا سورج طلوع ہوا۔

سیاسی آزادی تو ملی لیکن اقتصادی آزادی کا چہرہ آج ۵۰ سال گزرنے کے باوجود عوام نے نہیں دیکھا، اس لئے آزادی کے خواب اور حقیقت کے فرق کو لے کر اتنے سارے سوالات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آزادی کے بعد ملک کو چلانے کے لئے جو پالیسیاں وضع کرنے کی ضرورت تھی کانگریسی قیادت نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا۔ سوشلسٹ نظام میں ایک فلاحی ملک کے نام پر عملاً جو کچھ ہوا وہ سرمایہ داری کے فروغ کی کوششیں تھیں۔ مگر پوری طرح اسے فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ سوشلزم کے ساتھ سرمایہ کاری کے مسائل بڑھتے چلے گئے۔ یہ تصویر آزادی کے فوراً بعد کی ہے اور اسی وقت سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے لیکن گزشتہ چند برسوں سے ملک کے عوام جس خطرے سے دہشت زدہ ہیں وہ ملک کو سامراج واد کے مفاد پورے کرنے کے لئے سراب میں تبدیل کر دینے کے مترادف ہے۔ خود انحصاری کے بارے میں ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے آزادی کے فوراً بعد جو باتیں کہی تھیں، ان پر کچھ حد تک عمل درآمد کے اقدامات بھی کئے گئے تھے۔ گزشتہ پانچ دہائیوں میں آہستہ آہستہ ملک نے اس راستے کو بھی ترک کر دیا ہے۔ یہ بے راہ روی آٹھویں دہائی سے شروع ہوئی ہے۔ بالخصوص راجیو گاندھی کے دور اقتدار سے اس خطرے نے سر ابھارنا شروع کیا۔ ملک کو اکیسویں صدی میں پہنچانے کے نام پر اس وقت کی حکمراں جماعت نے آزاد اقتصادیات کی نرم پالیسی کا جو اعلان کیا تھا۔ وہ اس سے قبل اندرا گاندھی کے دور اقتدار میں اس قدر کھل کر سامنے نہیں آیا تھا۔ اس صورت حال نے نویں دہائی کے ابتدائی چھ برسوں میں اور بھی خطرناک رخ اختیار کر لیا جب ملک کے وزیر اعظم نرسمہا راؤ تھے۔ ملک کے عوام نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے احتجاج شروع کیا۔ تحریکیں شروع کیں لیکن حکمراں جماعت نے انھیں اس طرح نظر انداز کر دیا کہ اتنی ساری تحریکیں بھی ان پالیسیوں کو روک نہیں سکیں۔ جہاں تک کہ خود انحصاری کے جو معاملات ابھی تک اچھوت تھے، اس پر بھی نرسمہا راؤ کے دور اقتدار میں زبردست حملہ شروع ہو گیا۔ اقتصادیات کی آزاد پالیسی کا خمیازہ ملک کے عوام کو بھگتنا پڑا۔ بڑا خطرہ یہ سامنے آیا کہ اقتصادیات کی آزاد پالیسی کو انگلی پکڑ کر ملک کی حکمراں جماعت کی سب سے اعلیٰ سطح میں بے انتہا بدعنوانی داخل ہو گئی۔ راجیو گاندھی کے دور اقتدار میں جو بدعنوانیاں شروع ہوئی تھیں، ان کا انکشاف اب ہو رہا ہے۔ اس تصویر نے ہمارے ملک کے وقار کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے۔ اس درمیان میں نظام عدلیہ کی وجہ سے بہت ساری بدعنوانیاں طشت از بام ضرور ہوئی ہیں لیکن اس سے مطمئن ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی ہے۔ خاص طور پر دو اسباب ہیں: (۱) اس طرح کی بدعنوانیوں کا منبع اقتصادیات کی نرم پالیسی ہے اور اس پالیسی کی وجہ سے کانگریس کو اقتدار سے اکھاڑ پھینکا گیا لیکن نئی متحدہ محاذ حکومت نے اس پالیسی کی تقلید کرنا پسند کیا ہے۔ بائیں بازو کی پارٹیوں کے دباؤ کی وجہ سے انھیں کہیں کہیں رخنہ ضرور پڑا ہے لیکن تمام معاملات میں نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو لوگ حکومت چلا رہے ہیں وہ خود ہی اس خطرے کو اچھی طرح محسوس کریں۔ دوسری طرف نظام عدلیہ کی وجہ سے بدعنوانیوں میں ملوث لوگ کٹہرے میں کھڑے ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن ہوشیار رہنا ہوگا۔ عدلیہ کہیں انتظامیہ کا متبادل نہ ہو جائے۔ اس سے بلاشبہ ایک نیا خطرہ سر ابھارنے لگے گا، لہٰذا آزادی کے ۵۰ برسوں میں ہماری ذمہ داری ہے کہ عوام کے مفاد کے خلاف نرم پالیسی کے چنگل سے ملک کو بچایا جائے۔

دوسرا خطرہ فرقہ پرستی کا مسئلہ ہے، یہ مسئلہ پہلے بھی تھا۔ برطانوی حکمراں اپنی حکومت چلانے کے لئے فرقہ پرستی پر بہت زیادہ انحصار کرتے تھے۔ حکمراں طبقے کو یہ معلوم ہے کہ عوام کے اندر نفاق پیدا ہو گیا تو اقتدار چلانے اور عوام کا استحصال کرنے میں سہولت ہوگی۔ فرقہ پرستی کا حالیہ خطرہ یہ ہے کہ فرقہ پرست حکومت کے اختیارات کے سب سے اعلیٰ مرکز پر قابض ہونے کے لئے پاگل ہوا اٹھے ہیں، کانگریس آج بہت کمزور

ہوچکی ہے۔ فرقہ پرست طاقتوں سے مقابلہ کرنے کی ذمہ داری آج بہت حد تک بائیں بازو، جمہوریت پسند اور سیکولر طاقتوں کے پروگرام پر منحصر ہے۔ ہم کانگریس کو [illegible]ت طاقت نہیں کہتے لیکن اس کا جرم یہ ہے کہ اپنے مفاد کے لئے اس نے اکثر فرقہ پرست طاقتوں کو مدد پہنچائی ہے یا ان کے ساتھ مصالحت کی ہے۔ یہ سنا گیا ہے کہ اس وقت کی برسراقتدار پارٹی نے بابری مسجد کے واقعے کے لئے افسوس کا اظہار کرنا چاہا ہے، چار برسوں کے بعد ان کا احساس بیدار ہوا ہے لیکن مسجد تو فرقہ پرست طاقتوں نے ڈھائی ہے پھر وہ کیوں معافی مانگ رہی ہے؟ دراصل اس وقت یہی اقتدار میں تھی اور نرسمہا راؤ وزیراعظم تھے۔ پیشگی اطلاع کے باوجود نرسمہا راؤ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ہم اکثر جس کا ذکر نہیں کرنا چاہتے، صورتحال کے انجام کے خدشے سے ضرورت پڑنے پر دفعہ ۳۵۶ کا نفاذ کرکے بھی اجودھیا کی بابری مسجد ڈھانے کی سازش کو ناکام بنانے کی درخواست کی تھی لیکن مرکزی حکومت نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ نتیجے میں فرقہ پرست طاقتوں نے بابری مسجد کو شہید کردیا۔ اس لئے کانگریس اپنی ذمہ داریوں سے دامن نہیں بچا سکتی لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے وقت خاموشی اختیار کرکے چار برسوں کے بعد کیوں معافی مانگی جارہی ہے؟ اس کا ایک ہی سبب ہے الیکشن میں اقلیتوں کے ووٹ حاصل کرنا۔ اگر ووٹ کا معاملہ سامنے نہ آتا تو معافی مانگنے کی یہ خواہش اور کچھ دنوں کے بعد پیدا ہوتی۔ فرقہ پرست پارٹیوں کی اشتعال انگیزی اب بھی برقرار ہے۔ لہٰذا آزادی کی گولڈن جبلی کے موقع پر اس کے خلاف لڑائی کرنا بھی یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ ایک اور خطرہ علیحدگی پسندی کا رجحان ہے۔ ہمارا متحدہ قومی ڈھانچہ ہے۔ لیکن پے در پے اختیارات کی مرکزیت نے اس ڈھانچے کیلئے خطرہ پیدا کردیا ہے۔ سیاسی وجوہات سے علاقائی نابرابری کو دور کرنے کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا ہے۔ نتیجے میں محرومی کے شکار علاقوں کے عوام میں غم و غصہ بڑھتا جارہا ہے۔ عوام کے غم و غصہ پر سنجیدگی سے توجہ دینے کے بجائے گزشتہ ۵۰ برسوں کے دوران کچھ ایسے اقدامات کئے گئے ہیں کہ محرومی کے شکار عوام کے غم و غصے کو علیحدگی پسند طاقتیں بڑی آسانی سے اپنے لئے استعمال کررہی ہیں اس کا خطرہ کچھ کم نہیں ہے۔

ہم بار بار کہتے ہیں کہ آزادی کے ۵۰ برسوں میں ملک میں کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ اس طرح کی باتیں ٹھیک نہیں ہیں کچھ نہ کچھ کام ضرور ہوا ہے لیکن اس کا فائدہ مٹھی بھر لوگوں کو پہنچا ہے۔ عوام کی بڑی اکثریت محرومی کا شکار ہے۔ پے در پے پانچ سالہ منصوبے ہوئے ہیں۔ اصلاحات آراضی سے لیکر بنیادی طور پر جو کام ہونے چاہیئے تھے وہ نہیں ہوئے۔ عوام کی زندگی کے لئے کم از کم جو کچھ کرنے کی ضرورت تھی وہ بھی نہیں ہوا ہے۔ ملک کے عوام غیر ملکی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔ قرض کا سود ادا کرنے میں ہی مزید قرض لینا پڑ رہا ہے یعنی ملک قرض کے جال میں جکڑتا چلا جارہا ہے۔ آزادی کی گولڈن جبلی کے موقع پر ملک کے عوام کے لئے یہ اذیت اور بھی ناقابل برداشت ہے۔ ایک عجیب ابتر صورتحال ہے ہر طرف آزاد و نرم پالیسی یا فرقہ پرست طاقتوں سے مقابلہ کرنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کیلئے متبادل راستہ کیا ہوگا۔ اس کا تعین کرنا۔ اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مغربی بنگال، تریپورہ اور کیرالا کے عوام نے بائیں محاذ حکومت کے دور میں اس متبادل راستے کا حقیقی تجربہ بہت حد تک کرلیا ہے۔ اس کے باوجود ریاست تو کوئی ملک نہیں ہے۔ ملک کا جو اجتماعی مسئلہ ہے۔ ریاستوں کو بھی اس سے دوچار ہونا پڑے گا لہٰذا ضرورت ملک گیر پیمانے پر اس متبادل راستے کی تعمیر کے امکان کو یقینی بنانا ہے۔ یہ بھی ہمارے لئے اہم ذمہ داری ہے۔

حصول آزادی کے بعد ہی کسی ملک کا کام ختم نہیں ہوجاتا۔ اس کے بعد محکومی کے ملبے کو ہٹا کر آزاد ملک قائم کرنا پڑتا ہے۔ ۵۰ سال پہلے ہم نے جو آزادی حاصل کی ہے اس کے بعد سے ہمارے ناخداؤں نے ملک کی تعمیر کا کام نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان ۵۰ برسوں میں الٹا کام ہی زیادہ ہوا ہے۔ نتیجے میں ملک آزادی کی لذت بھولتا جارہا ہے۔ گولڈن جبلی کے موقع پر اس لئے ذمہ داریاں اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ الٹے رخ چلنے کی بجائے واقعی ملک کی تعمیر کے کام میں آگے بڑھنا ہوگا۔ ۵۰ سالہ آزادی نے ملک کو یہی اضافی ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ اس ذمہ داری کو پوری کرنے کی اول شرط عوامی تحریک ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ہمیں اس کی قیادت کرنی ہوگی۔

(بشکریہ آبشار خصوصی نمبر ۹۷ء) ■

گذشتہ بیس ۲۰ برسوں کے دوران شعبۂ رہائش و عمارات کے کارہائے نمایاں

۱۔ مغربی بنگال میں رہائش کا مسئلہ دیگر مسئلوں میں نمایاں اہمیت کا حامل ہے اور یہ مسئلہ بڑھتے ہوئے شہروں کے ساتھ ساتھ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ حکومت اسے کسی حد تک ای ڈبلیو ایس، کم از کم آمدنی گروپ / متوسط آمدنی گروپ / زیادہ سے زیادہ آمدنی گروپ کے لوگوں کے واسطے رہائشی اکائیوں، کام کرنے والی خواتین کے لیے ہوسٹلوں، ریاستی حکومت کے ملازمین کے لئے آرایچ۔ای اور اونرشپ فلیٹوں، ضعیف لوگوں کی رہائش کے لئے گھر دن ولت بسر کرنے کے لئے پناہ گاہوں، قطعات اراضی کی حصولی و فروغ کی تعمیر جیسی گوناگوں اسکیموں پر عمل درآمد کے ذریعہ حل کرنے کی مسلسل کوشش کرتی چلی آ رہی ہے۔ رہائشی اکائیوں برائے ایل ڈبلیو ایس / ایل آئی جی افراد، کام کرنے والی خواتین، ضعیف اشخاص وغیرہ کی تعمیری اسکیموں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔

۲۔ اس امر کا ذکر کرنا بھی یہاں لازمی ہو گیا ہے کہ اس رہائشی مسئلے کو نہ صرف شعبۂ رہائش ہی حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے بلکہ دیگر ایجنسیاں مثلاً شعبۂ شہری فروغ ، سی آئی ٹی ، شعبۂ دیہی فروغ ، شعبۂ امداد باہمی، شعبۂ راحت و بحالی مہاجرین اور سی ایم ڈی اے بھی اسے سلجھانے میں لگی ہوئی ہیں۔ بہرکیف شعبۂ رہائش دیگر ایجنسیوں کے اشتراک سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۳۔ حکومت نے رہائش کے اس مسئلہ کو دو طریقوں سے ذریعہ حل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اول ایک نیا سٹیلائٹ ٹاؤن شپ قائم کر کے، دوم پروموٹروں کی سرگرمیوں میں ضابطگی لا کر۔ حکومت نے راجرہاٹ کے مقام پر ایک نیا ٹاؤن شپ قائم کرنے کے سلسلہ میں ایک پروجکٹ کا ابتدائی کام بھی شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں خیالی منصوبہ تیار کیا جا چکا ہے اور پروجکٹ ہذا کو روبہ عمل لانے کے سلسلے کی تمام کارروائیوں میں باقاعدگی اور تیزی لانے کی خاطر ایک پروجکٹ

انتظامیہ جماعت کی تشکیل بھی کی گئی ہے۔ پروجکٹ ہذا کے سلسلے میں قطعات آراضی اکٹھا کرنے کے کام کاج کی دیکھ ریکھ پریسیڈنسی ڈویژنس کے ڈویژنل کمشنر کے چیئرمین کی ماتحتی میں ایک اعلیٰ اختیار کمیٹی کر رہی ہے۔ ..۲۷ ہکٹائر مطلوبہ قطعات آراضی کے لیے قطعات اراضی کی حصولی کے کام کا آغاز شعبۂ رہائش بہت پہلے ہی کر چکا ہے۔ اس نئے ٹاؤن شپ کے کام کاج میں تیزی لانے کی خاطر مغربی بنگال رہائشی بورڈ ایکٹ برائے ۱۹۷۲ء کی گنجائشوں کے مطابق ایک قطعات اراضی خریدنے والی کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے۔ علاقۂ ہذا کے کچھ افراد نے رضاکارانہ طور پر اپنے قطعات آراضی فروخت کرنے کے لئے مغربی بنگال رہائشی بورڈ اور پروجکٹ ہذا کی نوڈل ایجنسی سے رابطہ قائم کیا ہے۔ ..۱۰ ایکڑ سے زائد قطعات اراضی مذکورہ قطعات اراضی خریدنے والی کمیٹی کے ذریعہ خریدے جا چکے ہیں۔ اس پروجکٹ کی مطلوبہ خاطر خواہ فراہمی کے سلسلہ میں اب تک لازمی فنڈ کے لئے ایچ یو ڈی سی او اور قومیائے گئے بینکوں سے رابطہ قائم کیا جاتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف اقسام کے لوگوں کے لئے ایک لاکھ رہائشی اکائیوں پر مشتمل رہائشی کمپلکس، کمرشیل کمپلکسز برائے غیر اقامتی ہندوستانی بھی اس ریاست کے مختلف پروجکٹوں میں سرمایہ لگانے کے خواہاں ہیں۔ اس نئے ٹاؤن شپ میں پارک، باغ، اسکول اور دیگر تمام لازمی شہری سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

۴۔ حکومت پرموٹروں کی غیر قانونی اور غیر منصوبہ بند سرگرمیوں پر روک لگا کر ماحولیاتی توازن کو فروغ دینے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مغربی بنگال عمارت (پروموٹروں کے ذریعہ تعمیر و منتقلی کے فروغ کا ضابطہ) ایکٹ برائے ۱۹۹۳ء کو کلکتہ میونسپل کارپوریشن علاقہ میں ۹ اگست ۱۹۹۵ء سے نافذ کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے نفاذ کا مقصد (i) عمارتوں کا محفوظ پہلو (ii) مالیاتی منتقلی کا پہلو (iii) قانونی کارروائی کے پہلو میں مضمر ہے۔ ۳۱ مئی ۱۹۹۷ء

۱۹۹۹ درخواستیں رجسٹریشن کے لیے موصول ہوئی ہیں۔ جاری شدہ رجسٹریشن سند کی تعداد ۷۹ کو پہنچ چکی ہے۔

۵۔ اضافی مالی وسائل اکٹھا کرنے کے نظریہ کے تحت حکومت نے مغربی بنگال رہائشی بورڈ اور نجی سیکٹر کمپنیوں کے اشتراک سے دو مشترکہ کمپنیاں قائم کی ہے جن کا کام بڑے پیمانے پر مکان/فلیٹس تعمیر کرنا ہے۔ دو مشترکہ کمپنیوں — (۱) بنگال امبوجا ہاؤسنگ ڈیولپمنٹ لمیٹڈ اور (۲) بنگال پیرلیس ہاؤسنگ ڈیولپمنٹ کمپنی لمیٹڈ نے ۴۲۶ ایل آئی جی، ۳۲۰ ایم آئی جی، ۲۵۲ ایچ آئی جی فلیٹوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا ہے (۲) نمبر کمپنی نے ۹۱۲ فلیٹوں (ایل آئی جی۔ ۴۴۸، ایم آئی جی۔ ۴۰۸، اور ایچ آئی جی۔ ۵۶) کی تعمیر کا بیڑا مرحلہ۔ I کے تحت اٹھایا ہے۔ مذکورہ بالا اسکیموں کو روبہ عمل لانے میں ۲۰۰ کروڑ روپئے کی کل لاگت آئیگی۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ پہلے مرحلہ کی تعمیر کا کام حالیہ مالی سال کے دوران تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ حکومت نے راجرہاٹ کے مقام پر نئے ٹاؤن شپ کے فروغ اور مختلف رہائشی اسکیموں میں شرکت کے لیے تین دیگر مشترکہ کمپنیوں کی تشکیل کے سلسلے میں اقدامات اٹھائے ہیں۔ عوام کے لئے مزید رہائشی اکائیوں کی منصوبہ بند تعمیر کو بڑھاوا دینے کے لئے مارچ ۱۹۹۷ء کے دوران ایک معاہدہ پر میسرز سراچی سیکوریٹیز لمیٹڈ، آئی ایف بی (انڈسٹریز لمیٹڈ) اور ڈی سی پراپرٹیز لمیٹڈ نے دستخط کئے۔

(الف) شعبہ رہائش/نظامت رہائش اور مغربی بنگال رہائشی بورڈ کی ایک مختصر تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

<u>۱۔ دیہی رہائش اسکیم (آر۔ ایچ۔ ایس) برائے ملازمین ریاستی حکومت</u>:۔ یہ اسکیم ریاستی حکومت کے ملازمین کی رہائش کے لئے تشکیل دی گئی ہے۔ گزشتہ ۲۰ برسوں کے دوران تعمیر کردہ مختلف اقسام کے فلیٹوں کی مجموعی تعداد ۴۶۵۶ ہوتی ہے۔ مختلف اضلاع میں ۸۱۸ عدد فلیٹوں کی تعمیر فی الحال جاری ہے۔

<u>۲۔ کام کرنیوالی لڑکیوں کیلئے ہوسٹل</u>:۔ مغربی بنگال کے اندر کلکتہ اور دیگر قصبوں اور شہروں میں کام کرنے والی خواتین کو پیش آنے والے رہائشی مسئلے سے سبھی لوگ بخوبی واقف ہیں۔ ریاستی حکومت کام کرنے والی لڑکیوں کی رہائشی اسکیم کو ترجیح دیتی چلی آرہی ہے فی الحال

کلکتہ میں اس طرز کے تین ہوسٹل ہیں اور ان میں ۲۴۴ خواتین کی رہائش کی گنجائش ہے۔ گزشتہ بیس برسوں کے دوران تعمیر کردہ رہائشی اکائیاں ۵۴۲ ہیں۔ ضلع سلی گوڑی اور دارجلنگ میں کام کرنے والی خواتین کے لئے ۸۴ نشستوں والے ہوسٹل کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

<u>۳۔ اونرشپ فلیٹس برائے سرکاری ملازمین</u>:۔ گزشتہ بیس برسوں کے دوران تعمیر شدہ فلیٹوں کی مجموعی تعداد ابتک ۱۸۰ (بشمول جن میں ۸۰، ڈاب گرام میں ۱۰۰) کو پہنچی ہے۔ لیک گارڈن، کلکتہ اور ڈاب گرام سلی گوڑی میں ۵۶ فلیٹوں کی تعمیر کا کام چل رہا ہے۔

<u>۴۔ اولڈ ایج ہوم (ضعیفوں کیلئے مکان)</u>:۔ موجودہ سماجی و معاشی ڈھانچہ کے تحت کبھی کبھی ضعیف لوگوں کے لئے علیحدہ رہائش کی ضرورت پڑتی ہے۔ حکومت اس مسئلہ سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ اور حالیہ مالی سال کے دوران اس سلسلہ میں ایک اسکیم چالو کریگی بشرطیکہ کلکتہ کے قرب و جوار میں اراضی دستیاب ہو پاتی ہے۔

<u>۵۔ رات بسر کرنے کی پناہ گاہ (نائٹ شیلٹرس)</u>:۔ حکومت ان لوگوں کے مسائل سے اچھی طرح واقف ہے جو وقتاً فوقتاً دور افتادہ اضلاع کے اندرونی مقامات سے کلکتہ/دیگر شہروں میں علاج یا دیگر مقاصد کے لئے آتے ہیں اور انہیں مستحق شرحوں پر شہر یا شہروں میں رات بسر کرنے کے لئے ایک مناسب رہائش گاہ تلاش کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت نے رات گذارنے کیلئے سرائے خانے تعمیر کرنے کا فیصلہ لیا ہے۔ موجودہ مالی سال کے اندر ٹاکی میں توقع کی جاتی ہے کہ ایک رات بسر کرنے کا سرائے تعمیر ہو جائیگی۔

<u>۶۔ بلڈنگ مراکز</u>:۔ عام طور پر لوگ اپنی ناواقفیت یا دیگر اسباب کی بنا پر جدید تکنیکوں اور مقامی طور پر دستیاب تعمیری ساز و سامان کو استعمال میں نہیں لا رہے ہیں۔ مقامی طور پر دستیاب تعمیری ساز و سامان کے استعمال سے صرف تعمیری لاگت ہی کم نہیں آئے گی بلکہ ان ساز و سامان کا صحیح مصرف بھی ہوگا۔ اس سلسلہ میں حکومت نے لوگوں کو جانکاری فراہم کرنے کے لئے این جی تنظیموں کے ذریعہ چلنے والے تعمیری (بلڈنگ) مراکز قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

<u>۷۔ ایم آئی جی رہائشی اسکیمیں</u>:۔ گزشتہ بیس برسوں کے دوران رہائشی نظامت اور مغربی بنگال رہائشی بورڈ نے بالترتیب علیحدہ ۸۴۳ ایم

آئی جی کرایہ کے فلیٹس اور ۴۲۷۹ اونرشپ فلیٹس تعمیر کیا ہے۔
علاوہ ازیں مغربی بنگال رہائشی بورڈ کے ذریعہ ۴۱۲ ایم آئی جی فلیٹس اور دو مشترکہ مہم (وینچر) کے ذریعہ ۱۰۴۸ ایم آئی جی فلیٹوں کی تعمیر کا کام فی الحال جاری ہے۔

۸۔ ایل آئی جی رہائشی اسکیمیں:۔

۹۷۔۱۹۷۷ء کے دوران رہائشی نظامت نے ۲۲۸۳ عدد ایل آئی جی کرایہ کے اور ۵۲۸ عدد اونرشپ فلیٹس تعمیر کیا ہے۔ مذکورہ بالا مدت کے دوران مغربی بنگال رہائشی بورڈ نے ۲۸۱۱ عدد فلیٹس تعمیر کیا ہے۔ علاوہ ازیں مشترکہ مہم (وینچر) کمپنیوں کے ذریعہ ۵۱۲ عدد اونرشپ فلیٹوں کی تعمیر کا کام چل رہا ہے۔ ۹۸۔۱۹۹۷ء کے دوران رہائشی نظامت توقع کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں ایک اور اسکیم چالو کرے گی۔

۹۔ ای ڈبلیو ایس رہائشی اسکیمیں:۔ مذکورہ بالا اسکیم غریب لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے چالو کیا گیا تھا اس سلسلہ میں گزشتہ بیس برسوں کے دوران رہائشی نظامت نے ۲۱۴۳ عدد اونرشپ فلیٹس تعمیر کیا اور مغربی بنگال رہائشی بورڈ نے ۱۰۸۶ عدد ای ڈبلیو ایس فلیٹس تعمیر کیا۔ علاوہ ازیں ۸۹-۱۹۸۸ء کے دوران طوفان سے متاثر ہونے والے لوگوں کے لئے ای ڈبلیو ایس رہائشی اسکیم کے تحت اور ایچ یو ڈی سی او سے ملے مالی تعاون سے بعد کے برسوں کے دوران ضلع رہائشی اسکیموں کے تحت ۳۰۲۰۶ عدد ای ڈبلیو ایس افراد مستفیض ہوئے۔ فی الحال وہ لوگ جن کی آمدنی ۲۱۰۰/- روپے ماہانہ تک ہے اور ان کے پاس ایک قطعہ اپنی اراضی بھی ہے اگر اپنی رہائش کے لئے گھر کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو انھیں ۹ فیصد سود پر ۲۵۰۰۰ روپے بطور قرض مل سکتے ہیں۔

۱۰۔ بگان مزدوروں کیلئے امدادی رہائشی اسکیم:۔ ۷۷-۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۷ء تک کے دوران اسکیم ہذا کے تحت ۳۲۴۲ عدد رہائشی اکائیوں کی تعمیر عمل میں آئی ہے۔

۱۱۔ پرائمری اسکول ٹیچروں اور پرائمری اسکول بورڈ کے ملازمین کے لئے (ایل آئی جی / ایم آئی جی) نقد قرض اسکیم:۔
اسکیم ہذا کو پیش کرنے کا مقصد مذکورہ بالا ملازمین کو ان کے اپنے گھروں کی تعمیر کے لئے گھر تعمیری قرض فراہم کرنا ہوگا۔

آمدنی سیلنگ:۔

ایل آئی جی۔ ۲۶۵۱ روپے تا ۴۵۰۰ روپے ماہانہ
ایم آئی جی۔ ۴۵۰۱ روپے تا ۷۵۰۰ روپے ماہانہ

قرض سیلنگ:۔

۷۰۰۰۰ روپے مع شرح سود ۱۳.۶۵ فیصد
۳۰۰۰۰ روپے مع شرح سود ۱۲.۶۵ فیصد

۱۲۔ اراضی کو فروغ دینے اور ان کی حصولی کی اسکیمیں:۔ اس ریاست میں رہائشی سرگرمیوں کو فروغ دینے کی راہ میں پیش آنے والی اصل رکاوٹ مناسب داموں پر موزوں اراضی کی عدم دستیابی ہے خصوصاً اس مسئلہ نے کلکتہ اور اس کے اطراف میں بڑی شدت اختیار کرلیا ہے۔ نجی فروغ کنندگان (پرائیویٹ ڈیولپرس) اور عمارت ساز اشخاص (بلڈرس) کی سرگرمیوں میں کافی اضافہ ہوچکا ہے۔ اور یہ حضرات اونچے بازار و داموں پر اراضی حاصل کر رہے ہیں۔ لہٰذا اراضی کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی ہیں۔

مزید برآں اراضی کی حصولی کی کارروائی میں بہت زیادہ وقت صرف ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر متعلقہ اراضی عدالتی معاملوں میں جکڑی ہوتی ہیں۔ بہت ساری اسکیموں کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا ہے اور اگر ان کو روبہ عمل لانے کی کوشش کی بھی گئی تو ٹھیک وقت پر ان کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچایا جاسکتا ہے اور اس کی اصل وجہ اراضی کی عدم دستیابی ہے۔ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود بڑی تعداد میں حصولیٔ اراضی کی تجاویز کو آگے بڑھایا گیا ہے۔

(ب) مغربی بنگال رہائشی بورڈ:۔ مغربی بنگال رہائشی بورڈ کی تشکیل ۱۹۷۲ء میں ہوئی تھی اور اس کے ساتھ یہ توقع وابستہ تھی کہ ایچ یو ڈی سی او جیسے مالی اداروں سے قرضوں کی حصولی اور بازار سے مالی وسائل اکٹھا کرکے گھروں / فلیٹوں کی تعمیر کے کام میں ایک اہم اور زبردست کردار ادا کرے گی۔

مغربی بنگال رہائشی بورڈ نے ۳۱ مارچ ۱۹۹۶ء تک مذکورہ مدت کے دوران ۳۰۲۰۹ عدد ای ڈبلیو ایس افراد کو دیئے گئے رہائشی قرض امداد کے علاوہ گزشتہ بیس برسوں کے دوران ۲۸۶۰ ـ

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

۹

جنگلات کی تباہ کاری کے اثرات

• از: ڈاکٹر الیس کے چٹوپادھیائے

کیا ہم لوگ صحیح معنوں میں سنجیدگی سے ایک مزید سبز اکیسویں صدی میں قدم رکھنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور اس کے لئے کیا ہم لوگ ارد گرد پائے جانے والے سبزہ زاروں کی ٹھیک طور پر دیکھ بھال کر رہے ہیں؟ جنگلات کے اجاڑے جانے اور سبزہ زاروں کے ختم ہونے کی حاصل شدہ شرح ساری دنیا میں واحد انسانی ذمہ داری کا نتیجہ ہے اور یہ حقیقت کے برعکس ثابت ہو رہا ہے۔ دنیا بھر میں ۱۷ ملین ہکٹائر پر مشتمل منطقہ حارہ کے جنگلات ہر سال اجاڑے جا رہے ہیں۔ بوریل (بارانی) سنٹرل، سب ٹمپریٹ (اعتدال سے گرا ہوا)، ٹمپریٹ (اعتدال) والے دیگر جنگلات کے اجاڑے جانے کی کیفیت کو اگر زیر غور لایا جائے تو ایک نہایت ہی بھیانک تصویر سامنے آئے گی۔

یہ کس طرح ہو رہا ہے؟ بہر کیف اس کے اسباب تلاش کرنے والوں کو بآسانی مل جائیں گے۔ آبادی میں بے پناہ اضافہ بھی جنگل پر بہت زیادہ دباؤ ڈال رہا ہے۔ آدی باسیوں کی ایک بڑی تعداد پوری دنیا میں جنگل کے اندر رہ رہی ہے یا جنگلات کے قرب و جوار میں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے۔ صرف ہندوستان میں ہی ۸۴ ملین آدی باسی جنگلات میں رہ رہے ہیں اور جنگل کے وسائل ہی ان کی روٹی روزی واحد ذریعہ ہے۔ ان کی تعداد جتنی بڑھے گی جنگلات پر اتنے ہی زیادہ دباؤ پڑیں گے۔

اگلی صدی کے آتے ہی شہر آباد کاری (اربانائزیشن) عالمی سماج (کمیونٹی) کا ایک اہم ترین مسئلہ بن کر نمودار ہوگی۔ سڑکوں، پلوں، عمارتوں کی تعمیر جو شہری فروغ کی علامتیں ہیں بیشتر طور پر روایتی سبزہ زاروں کو تباہ و برباد کرتی ہیں اور ان سبزہ زاروں کو پھر کبھی لگایا نہیں جاتا ہے۔

مزید برآں ان بڑھتے ہوئے مسئلوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کے لئے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک اپنے یہاں بڑے پیمانے پر صنعتوں کے قیام کو فروغ دے رہے ہیں۔ ان کا یہ عمل ماحولیات پر برے اثرات ثبت کر رہا ہے یعنی یہ جنگلات کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ ان سرگرمیوں نے شمالی امریکہ، مشرقی ایشیا، یورپ وغیرہ پر بہت برے اثرات ڈالے ہیں۔ چند سال قبل ہی جرمنی میں بڑے پیمانے پر صنعتوں کے قائم کئے جانے کے سبب پیدا شدہ بہت زیادہ ماحولیاتی کثافت نے وہاں کے جنگلات کو بہت بری طرح تباہ و برباد کیا۔

کیا ہم لوگ اتنے زیادہ سادہ لوح / معصوم ہیں اور اس قسم کی سرگرمیوں سے بالکل ناواقف ہیں جو بالآخر دیگر میدانوں میں حاصل کردہ ہماری تمام کامیابیوں پر پانی پھیر دیں گے یعنی ہمارے سہارے زمین کا مستقبل بذات خود خطرہ میں پڑ جائے گا اور ماحولیاتی نظام کے بنیادی اور اہم کام کاج بہت بری طرح متاثر ہوں گے۔

عالمگیر انسانی سماج کے ایک طبقہ کی لڑاکو ذہنیت کا اظہار اپنے ہمسایوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے سے ہوتا ہے۔ ان جنگوں میں ایسے خطرناک کیمیائی اور آتشگیر مادوں کا بطور ہتھیار یا اسلحہ استعمال ہوتا ہے جن کے نتیجہ میں انسانی زندگیاں اور نباتات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

ان کے نتائج انسانی سماج اور نظام قدرت دونوں ہی کیلئے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں۔ ہمالیہ کی پہاڑیوں کی جنوبی نشیبی علاقے عرصہ دراز سے درختوں سے محروم رہے ہیں اور آج یہ نشیبی علاقے بارش کے پانی کو روکے رکھنے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر بڑی سطح پر سیلاب آنے کے واقعات کی تعداد ہمالیائی پن دھاراؤں (water shed) میں بہت بڑھ گئی۔ جب ہمالیائی پہاڑوں کا سلسلہ درختوں سے ڈھکا ہوا تھا تب بنگلہ دیش ہر پچاس برس پر ایک بار سیلابوں کا شکار ہوا کرتا تھا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائیوں تک مذکورہ بالا مدت کے دوران بنگلہ دیش میں بارہ مرتبہ سیلاب آئے۔ ہندوستان میں وہ علاقے جہاں برابر سیلاب آتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے

دہائیوں کے دوران ۲۵ ملین ہکٹائر پر مشتمل تھے مگر ۱۹۸۰ء کی دہائیوں کے دوران ان میں اضافہ ہوا اور یہ علاقے ۵۹ ملین ہکٹائر پر مشتمل ہو گئے۔ علاوہ ازیں ۱۹۸۰ء کی دہائیوں کے اختتام کے دوران اس مد کے سلسلہ میں عوامی خزانہ پر تقریباً دو ہزار کروڑ روپے سالانہ خرچ آنے لگا۔ مزید برآں ہندوستان میں جنگلات کی کٹائی بھی زمین کے کٹاؤ کی ذمہ دار ہے اس کے نتیجہ کے طور پر ملک کو کیمیائی کھاد درآمدات سے زیادہ گراں قدر ۶۰۰۰ ملین ٹن تغذیات سے محروم ہو جانا پڑتا ہے۔ کیا ہندوستان، بنگلہ دیش وغیرہ جیسے ممالک قدرتی اور قومی دولت کی اس بربادی کی تلافی کر پانے کی اہلیت رکھتے ہیں جبکہ ان کے اسباب قابل گزیر ہیں؟

غربت سے مجبور اور فضائی ابتری سے پریشان ہو کر بہت سارے لوگوں نے اپنے اپنے ملک کو خیر باد کہا اور مرکزی امریکہ کریبین افریقہ اور ایشیا میں پناہ لی۔ ان لوگوں کو "ماحولیاتی پناہ گزینوں" کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ الغرض مذکورہ پناہ گزینوں کے اس جتھے کو بڑے پیمانے پر جنگلات کی تباہی و بربادی ہی نے جنم دیا۔

جنگل کی تباہی و بربادی جنگلی جانوروں کے لئے ایک زبردست خطرہ بن کر سامنے آئی ہے۔ دراصل عالمی سطح پر بقیہ ۵ فیصد سے کم منطقہ حارہ کے جنگلات کو پارکس اور ریزرووس کی شکل میں تحفظ بخشا گیا ہے۔ جواہر لال نہرو کے ایک قول کے مطابق "زندگی بڑی خشک اور بے رنگ ہو جائے گی۔ اگر ہم لوگوں نے ان پر شکوہ اور عمدہ جانوروں کی دیکھ بھال میں کوئی کمی رکھی اور ان کو پورے طور پر تحفظ نہیں بخشا۔" آپ نے جو کچھ ابتک جنگلاتی زندگی کی حفاظت ہو پائی ہے ان کے تحفظ کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ پناہ گاہوں کی تعمیر کرنے پر زور ڈالا ہے لیکن اس وقت سے ابتک مذکورہ صورت میں کوئی خاطر خواہ بہتری نظر نہیں آتی ہے۔

درختوں کی بے تحاشہ کٹائی نے بنی نوع انسان کے لئے ایک دوسرے بڑے خطرہ کو جنم دے ڈالا ہے۔ جبکہ گرین ہاؤس گیس کے اخراج کے ۲۵ فیصد کل گرم اثرات کے لئے یہ گرین ہاؤس گیسوں۔ کاربن ڈائی اکسائڈ، میتھین، نائٹرس اکسائڈ کا اخراج کر رہا ہے۔ تمام منطقہ حارہ جنگلات کے کاربن ذخیرہ اندوزی کے کام کاج میں آنے

والی تبدیلی پر تخمینہ شدہ ۲۰۷ ٹریلین ڈالر کی لاگت آئے گی اور یہ لاگت جاپان کی سالانہ بجٹ کے قریب قریب برابر ہے۔

اس مسئلہ کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اب آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم سبھوں پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ ہم سب سبزہ زاروں کو تحفظ بخشیں۔ ہر سپاہی پر یہ لازم ہوتا ہے کہ دوسرے ممالک میں اس سے ہوئی جنگلات کی تباہی و بربادی کی تلافی کے لئے شجر کاری کرے۔ ۱۹۹۲ء کے رالیو کانفرنس کا ایجنڈا۔ ۲۱ نے مذکورہ صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے مخصوص اقدامات جاری کرنے کے سلسلے میں فراخ دلی کے ساتھ تجویز پیش کی ہے۔ اجتماعی طور پر تمام قومی حکومتوں کو چاہئے کہ وہ موجودہ صورت حال میں خاطر خواہ توجہ دیں۔ چونکہ ہر ایک حکومت کی جنگلاتی پالیسی کو اس کی ترقیاتی سرگرمیوں سے جوڑا نہیں جا سکتا ہے اس لئے حکومت ہذا کو چاہئے کہ وہ صحیح تناظر میں اس کا جائزہ لیں اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اپنی شہری آباد کاری اور صنعتی آباد کاری کے منصوبوں کو ترتیب دیں۔

جنگلات اور سبزہ زاروں کو تحفظ بخشنے کے لئے وعدوں اور توقعات کا یہاں ہونا لازمی ہے۔ کیا اقوام متحدہ ان ممالک میں جہاں جنگلات کی تباہی اور سبزہ زاروں کی بربادی کی شرح بڑی اونچی ہے ان کے لئے "امن بحال رکھنے والی طاقتوں" کو سبزہ زاروں کو تحفظ بخشنے کے لئے متعین کرنے سے متعلق سوچ سکتی ہے؟ کسی محارب ملک کے خلاف تعزیری کارروائی کے طور پر معاشی ناکہ بندی کا اعلان کر دیا جاتا ہے کیوں کہ معاشی سہولت اس ملک کو نہیں عطا کی جائے گی جسے سبزہ زاروں کو فروغ دینے اور انھیں تحفظ بخشنے کے سلسلہ میں خاطر خواہ اقدامات اپناتے ہوئے دیکھا گیا ہے؟ ہر ایک ملک میں نمونہ کے طور پر ایک "سبز شہر" ہونا چاہئے۔

اگر بالغ افراد جنگلات کی خیر خواہی اور دیکھ ریکھ کے کام میں غفلت برتتے ہیں تو وہاں بچوں کو اس جانب راغب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان کی دیکھ ریکھ میں بلاشبہ قدرت بالکل محفوظ رہتی ہے۔ اس سلسلہ میں بچوں کی جماعتیں تشکیل دینی چاہئے اور ان جماعتوں کو درختوں کی پرورش و پرداخت کے لئے علیحدہ علیحدہ مخصوص علاقے عطا کرنے چاہئے۔ اگر قدرت کی دیکھ ریکھ کے کاموں سے انھیں ابھی سے ہی اس طرح سے منسلک کیا جا سکتا ہے تو ہم لوگ اکیسویں صدی کے دوران ایک ایسی

بالغ نسل کے افراد پائیں گے جو قدرت کے دوست اور بہی خواہ ہوں گے۔

۱۹۸۸ء کے دوران حکومت کی اپنائی گئی قومی جنگلاتی پالیسی جنگلات کی ترقی و تحفظ میں لوگوں کی شرکت کو دوراندیشی سے تعبیر کرتی ہے شاید یہی ایک واحد جواب ہے۔ جب تک عوام میں بیداری نہیں آتی ہے اور وہ بغیر کسی چوں و چرا کے بے ساختہ طور پر ایک سبز جشن کے ساتھ آگے نہیں آتے ہیں اس وقت تک تمام نظریاتی بحث و مباحثے ثمر آور نہیں ہوں گے۔ مغربی بنگال کے چند گاؤں میں مشترکہ جنگلاتی انتظامیہ کے تحت تشکیل شدہ مشترکہ تحفظ کمیٹیاں بہت ہی زیادہ مؤثر ثابت ہوئی ہیں۔

سالہا سال سے انسان قدرت کے ساتھ ہم آہنگی سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ جنگلات جو قدرت کا ایک نہایت ہی گراں قدر اور نازک ... ہے، نے ہم آہنگیزی کے عمل میں معاون بنتا رہا ہے۔ یہ ... ذہن و جسم پر ایک نہایت ہی نفیس اور لطیف اثرات ثبت ... ہیں۔ سبزہ زاروں سے عدم موجودگی کے ماحول میں انسان ایک وحشی جانور بن جائے گا۔ ایسی صورت حال میں کیا ہم لوگوں کو چاہیے کہ ہم لوگ موجودہ صورت حال کو فروغ دینے میں اس کی مدد کریں؟

رابندر ناتھ ٹیگور نے جنگلات کو اس سرزمین پر انسان کا پہلا دوست قرار دیا ہے۔ یہ جنگلات ہی رہے ہیں جنہوں نے ہمیشہ ... نوع انسان کو ناپید ہونے سے بچایا ہے لیکن آج عمل اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ ... آپ نے انسان کی اس بدعقلی اور غیر دوراندیشی کو اس کی بے جا ہوس اور جہالت سے تعبیر کیا ہے۔ یہی وہ موزوں وقت ہے جب ہم لوگوں کو جنگلات کی تباہی و بربادی کو روکنے کیلئے حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے، ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم لوگ "درختوں" سے صرف مستفیض ہی نہیں ہو رہے ہیں بلکہ "اس انمول دولت کے رکھوالے" بھی ہیں کیوں کہ یہ دولت ہمیں عرصہ دراز سے جنگلات ہی کی بدولت ملتی آ رہی ہیں۔

ہمارا طرز عمل ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو بذات خود ہماری موت کو خوش آمدید کہے۔

حوالہ جات:-

(i) سیونگ آور پلینٹ (یعنی ہمارے سیارے کا تحفظ): — چنوتیاں اور توقعات :- از مصطفیٰ کے طولبا۔

(ii) ایجنڈا - ۲۱، ہمارے سیارہ کو بچانے کیلئے ارض چوٹی حکمت عملی۔

(iii) ایکولوجک اینڈ پالیٹکل ویکلی (یعنی معاشی و سیاسی ہفتہ وار جریدہ) مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۹۷ء اور جولائی ۲۹، ۱۹۹۵ء

(iv) ورلڈ واچ پیپر (جہاں نما اخبار) ۱۱۷

(v) مشترکہ جنگلاتی انتظامیہ از ایس بی راے، گورمیتالی چیٹرجی

(vi) میٹرو پولیز - ۲۰۰۰ (عروس البلاد ۲۰۰۰ء): شہری مسائل پر ایک فورم

(vii) سائنس رپورٹر، اکتوبر ۱۹۹۵ء

(viii) ہماری ماحولیات : از لئیق فتح علی (نیشنل بک ٹرسٹ)

(ترجمہ: صفدر علی خان) ■

بقیہ :- گذشتہ بیس برسوں کے دوران شعبہ رہائش و عمارات کے کارہائے نمایاں

ای ڈبلیو ایس، ۱۰ اکائیوں، ۲۸۱۱ ایل آئی جی اکائیوں، ۴۷۲۴ ایم آئی جی اکائیوں اور ۹۱۷ ایچ آئی جی اکائیوں پر مشتمل ۱۸۵۳۴ رہائشی اکائیوں کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔

(ج) شعبہ ہذا کے انتظامی کنٹرول کے تحت اینٹ سازی کی نظامت میکانیکی طریقہ کار اور مروجہ (یعنی دستی) طریقہ کار کے ذریعہ مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں اینٹ تیار کرنے کے کام میں مشغول ہے۔

مروجہ یا دستی طریقہ کار کے ذریعہ اینٹ تیار کرنے کی بھٹیاں آکڑا (جنوبی ۲۴ پرگنہ)، کلیانی (ندیا)، عبدالگھاٹا (شمالی دیناجپور)، جالا گھاٹا (ہگلی)، کینن نگر اور رامپور پور (بردوان)، بورائی بگلی اور مدناپور میں واقع ہیں۔ مروجہ طریقہ کار کے ذریعہ اینٹ تیار کرنے کی سب سے بڑی بھٹی آکڑا میں واقع ہے اور یہ تقریباً ۳۲۰ ایکڑ اراضی علاقہ پر پھیلی ہوئی ہے۔

میکانیکی طریقہ کار کے ذریعہ اینٹ تیار کیا جانے والا واحد کارخانہ پلتا کے مقام پر ۱۹۶۶ء میں سی ایم سی کے پلتا واٹر ورکس کی شکل میں پہلے سے تہ نشین بآسانی دستیاب گنگا کی مٹی کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔ ■

مہاراجہ اپور بوکرشن بہادر کنور ایک عظیم بنگالی شاعر: تنقید و تجزیہ

از :- ڈاکٹر ابوبکر جیلانی



راجہ اپور بوکرشن بہادر کنور ——— 1815 - 1867

ھندوستان کے سبھی صوبوں میں بنگال ہی ایک ایسا صوبہ ہے جس نے زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی ترقی پسندیت کی عمدہ مثال پیش کی ہے۔ اس کی وجہ یہاں کے باشندوں کی انگریزی تعلیم سے آشنائی اور اس کے نتیجے میں ان کی روشن خیالی ہے۔ بنگال نہ صرف ہندوستان میں شروع ہونے والی ہر انقلابی تحریک، سیاسی اور سماجی جدوجہد کے آغاز کا مرکز رہا ہے بلکہ علم و ادب، شعر و سخن، نغمہ و موسیقی، رقص و سرود جیسے تہذیبی ورثے کا علم بردار رہا ہے۔ بنگال کو اس بات کا بھی فخر حاصل ہے کہ اردو نثر کی توسیع کی باضابطہ ابتداء یہیں سے ہوئی ہے اور اس کی اشاعت کے دیگر مراکز اردو کی طرح یہ بھی ایک اہم مرکز رہا ہے۔

جہاں تک مہاراجہ اپور بوکرشن بہادر کنور کا تعلق ہے وہ اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں جس کی تاریخ اگر ایک طرف ایک خاندان کے محدود افراد کی تاریخ ہے تو دوسری طرف بنگال کی وہ تاریخ ہے جو آگے چل کر ہندوستان کا مقدر بن گئی۔

مہاراجہ اپور بوکرشن بہادر کنور کے آباؤ اجداد کے سوانحی حالات مختلف پرچوں، رسالوں، اور کتابوں کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان سماجی اور اقتصادی اعتبار سے بنگال کا ایک اعلیٰ اور معزز خاندان تھا اور اس خاندان میں سیاسی شعور کے علاوہ تعلیمی بصیرت اور ادبی ذوق بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ ان کے آباؤ اجداد اردو، فارسی، عربی اور بنگلہ زبان میں نہ صرف اچھی لیاقت، صلاحیت اور استعداد رکھتے تھے بلکہ شعر و سخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور ان کا شمار اس وقت کے صف اول کے شاعروں میں ہوتا تھا۔ شوبھا بازار راج خاندان کی ذاتی لائبریری آج بھی ہندوستان بھر میں مشہور ہے اور اس میں نادر اور کمیاب کتابیں اب بھی قیمتی ذخیرہ کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن ان کی بوسیدگی کسمپرسی کی غماز ہیں۔

مہاراجہ اپور بوکرشن بہادر کنور، راجہ راج کرشن دیب بہادر کے چوتھے بیٹے تھے۔ کنور کی پیدائش سی۔ اے۔ اسٹوری کے مطابق سنہ ۱۸۱۵ء میں ہوئی تھی۔ پریت کرشن دیب (کنور کے پوتے کے پوتے) نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۲۵ء کی پروسیڈنگ میں بھی تاریخ ولادت ۱۸۱۵ء ہی مندرج کی ہے۔ یہ بہت ہی تعجب کی بات ہے کہ دیگر تاریخ نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے جہاں ان کے آباؤ اجداد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے وہاں سے حیرت انگیز طور پر کنور کو فراموش کر دیا ہے۔ ویسے کچھ تذکروں میں ان کا ذکر خال خال مل جاتا ہے جو ان کی شخصیت اور زندگی کو اجاگر کرنے کے لئے قطعی ناکافی ہے۔ سی۔ اے۔ اسٹوری کے بموجب مثنوی طیب اللہ از طیب اللہ کلکتہ ۱۸۴۷ء میں کنور اور ان کے آباؤ اجداد کی حیات مرقوم ہے لیکن اس مثنوی کا سراغ اب کہیں نہیں ملتا ہے۔

بہرکیف! کنور بنگال کے مشہور و معروف شوبھا بازار راج خاندان

کے فرد تھے۔ اپنے اجداد کی طرح کنور بھی سماجی اور علمی میدانوں میں بہت ہی اہم مقام رکھتے تھے علم و ادب سے گہرا لگاؤ اور دلچسپی انھیں خاندان سے ورثے میں ملی تھی۔ ماحول کا اثر کنور نے بھی قبول کیا تھا اور بچپن ہی سے شعر و شاعری کی جانب راغب ہو گئے تھے۔ کنور تخلص اختیار کیا اور ریاض فن کے بعد ان کی شاعری کو جلا بخشی [illegible] صف اول کے شاعروں میں شمار کئے جانے لگے۔

سیل کرشن دیب جو کنور خاندان میں عزیز بھتیجا ہی انھوں نے بتایا کہ کنور اردو غزل کے کامیاب ترین شاعر تھے۔ ان کی آواز بلا کی سحر انگیز تھی۔ سنگیت سے بھی انھیں والہانہ لگاؤ تھا اور [illegible] سنگیت پر غزل گایا کرتے تھے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ کنور دہلی دربار کے شاہی شاعر تھے۔ گرچہ اس سلسلہ میں انھوں نے کوئی حوالہ فراہم نہیں کیا لیکن دوسرے ذرائع مثلاً ان کی تخلیقات پر جو تبصرے رسالوں، جرنلوں اور اخباروں میں آئے ہیں ان میں انھیں شاہی شاعر ہی کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ۲۴ مئی ۱۸۴۸ء کا بنگلہ اخبار "سنگباد پربھاکر" کنور کے بارے میں یہ خبر دیتا ہے کہ: "ان کی (کنور) مختلف قسم کی شاعری سے متعلق تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد عزت مآب مختلف بادشاہوں نے ان کی خوب خوب تعریفیں کی ہیں۔ خاص کر شاہ دہلی نے ان کو دربار کا شاہی شاعر تسلیم کیا ہے۔"

تصانیف:۔ (۱) چار جلدوں پر مشتمل (شاہنامہ ہند) فارسی زبان میں ہے جنہیں ۱۸۴۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور اس کا ایک سیٹ امریکن اورینٹل سوسائٹی کو بھی تحفتاً دیا تھا۔

(۲) دو اردو دیوان: — پہلا دیوان جو بنگلہ تاریخ ۱۲۵۰ مطابق ۱۸۴۳ء میں طبع ہوا۔ اور دو کیٹلاگ میں اس کی نشاندہی ملتی ہے لیکن دوسرا دیوان جو بنگلہ تاریخ ۱۲۵۱ مطابق ۱۸۴۴ء میں چھپا تھا، خدا بخش خاں اورینٹل لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ (۳) اردو کی دو مثنویاں بعنوان "مثنوی کنور" ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں موجود ہیں۔ پہلی مثنوی پر سن اشاعت ۱۸۴۸ء اور دوسری کا ۱۸۴۶ء درج ہے (۴) ہندو تہذیب کے ویدانتی عہد پر ایک بہت ہی عالمانہ کتاب لکھی ہے لیکن وہ نایاب ہے۔ (۵) وفا راشدی کے بموجب کنور نے ایک ہفت روزہ رسالہ "نظام شمسی" ۱۸۳۰ء میں جاری کیا تھا جس کی کوئی کاپی کافی تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکی۔

اولاد:۔ [illegible] کنور [illegible] پسماندگان میں دو بیٹے [illegible]

وفات:۔ لوک ناتھ گھوش اور پربت کشن دیب کے مطابق کنور کا انتقال ۱۸۹۷ء میں ۸۵ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

کنور کی شاعرانہ حیثیت متعین کرتے وقت یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ کنور کا تعلق نہ دکن سے ہے اور نہ شمالی ہند سے اور نہ ہی عظیم آباد سے، جہاں صدہا برس سے غزل کی روایتی شاعری قائم ہے اور جہاں کی تہذیبی اور معاشی زندگی میں غزل رچی بسی ہے اور جہاں خالص غزل کا مخصوص ماحول ہے، بلکہ کنور ایک علیحدہ زبان داں، ایک الگ تہذیبی و تمدنی ماحول اور ایک مختلف معاشرے میں رہتے ہوئے بھی غزل کی شاعری کرتا ہے جہاں نہ صرف غزل کی روایت ہے اور نہ ہی غزل گوئی کا کوئی ماحول ہے اس کے باوجود کنور کی غزلوں کے اشعار میں غزلیہ عناصر پوری طرح برقرار ہیں۔

کنور کا دور تشنج کا دور ہے لیکن وہ اس دور کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں سوائے حسن و عشق کے اور کوئی دوسرا موضوع نہیں ملتا ہے۔ خصوصی طور پر تصوف کا ذکر جو ان حالات کا نتیجہ ہے وہ بھی ان کی شاعری میں جگہ نہیں پاتا ہے۔ بظاہر تو اس سے کنور کی شاعرانہ حیثیت کمتر ہوتی نظر آتی ہے۔ مگر جب غزل کو اس کے مخصوص مفہوم کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے تو کنور کی حیثیت کچھ مضبوط سی دکھائی پڑتی ہے۔ اور وہ اپنے انداز اظہار میں مومن کے مزاج سے قریب نظر آتے ہیں۔

کنور کے عشق کا تعلق خالص ارضیت سے ہے اور ان کا محبوب گوشت پوشت کا انسان ہے اس سے جو تلخ و شیریں تجربات حاصل ہو سکتے ہیں ان کی غزلوں کے اشعار انھیں احساسات و کیفیات سے عبارت ہیں۔ وہی ہجر و وصال کے مرے، وہی شکوہ شکایات کی باتیں، وہی رقیب روسیاہ کا ذکر۔ الغرض وہ تمام جذبات و محسوسات جو لوازمات عشق و محبت سے منسلک ہیں کنور کی غزلوں میں موجود ہیں۔ کنور کے یہاں محبوب کا تصور کافی صحت مند ہے۔ وہ زندگی سے مطابقت اور انسانی نفسیات سے ہم آہنگ ہے۔ یعنی کنور کی غزل گوئی پاکیزہ اور معیاری عشق و محبت کے گرد گھومتی ہے۔

لیکن جہاں کہیں کنور کا اظہار عشق اخلاقی حدود سے ہٹ کر ابتذال کی سرحد کو چھو لیتا ہے لیکن اس سے ایک طرف اگر غزل کا فن مجروح ہوتا ہے تو دوسری طرف چونکہ کنور کا یہ جارحانہ [illegible] کنور کا رقیب جرأت والفت [illegible]

سے بچ جاتا ہے۔ کنور کا محبوب ایک اعلیٰ اور بلند و پاکیزہ کردار کا مالک نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کنور اپنے محبوب کو بوسہ لینے کے بعد اس کے برہم ہونے کے امکان سے متفکر رہتے ہیں اور جس کا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں۔

اس کا بوسہ تو لے لیا ہم نے
برہمی کی ہے پر عجب تشویش

محبوب کے برہم ہو جانے سے عاشق جس قسم کی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے اس شعر سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

کنور کی غزلوں میں اردو غزل کے عام روایتی مضامین کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً بزمِ یار، برم غیر، شبِ وصل، شبِ فراق، نامہ بر وغیرہ گرچہ ان روایات کا تذکرہ ابتدائی دور کے غزل گو شعراء کے یہاں خصوصی طور پر پایا جاتا ہے۔ لیکن کنور کی انفرادیت یہ ہے کہ ان روایات کو وہ بھی بہت حسن و خوش اسلوبی سے برتتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کنور اسلوب اور اندازِ بیان پر قدرت رکھتے ہیں۔ شبِ فراق کے مضمون کو مختلف شعراء نے اپنے اپنے طور پر باندھا ہے۔ کسی کے یہاں شبِ فراق کی حد قیامت سے جا ملتی ہے اور تکلیف کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ موت آسان نظر آتی ہے۔ کنور نے شبِ فراق کے مضمون کو کس کس طریقے سے برتا ہے اس کے چند اشعار بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں:

منتہائے صحرائے فرقت کا نظر آتا نہیں
منزلِ مقصود دشتِ حشر ہے یا کوہ قاف
شامِ شبِ فراق میں اے دل یہ اضطراب
بچتا جہاں میں کب ہے بھلا خام کوئی شخص
مثالِ شمع سراپا گداز دل کے ساتھ
فراقِ یار میں رو رو کے میں گزاری رات

کنور کی شاعری میں جو کیف، تغزل اور ارضیت پائی جاتی ہے اس کے سرچشمے اس کی ذاتی زندگی اور خارجی حالات ہیں۔ کنور کی شاعری میں فلسفیانہ خیالات تو نہیں ملتے ہیں لیکن میر کی طرح غیر معمولی درد و کرب پایا جاتا ہے مگر زندگی سے فراریت کی تبلیغ نہیں کرتے ہیں بلکہ سودا کی طرح زندگی گزارتے تھے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا احساس [illegible] اشعار سے جہاں واردات قلبیہ کا [illegible] زندگی کی بے ثباتی اور اخلاقی

مسائل کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ زندگی سے محبت اور وابستگی ہی ان شعراء کے اثر قبول کرنے کا نتیجہ ہے جو غزل کے شاعر ہیں۔ جن کے دم سے غزل کی عظمت قائم ہے اور جن کا انفرادی رنگ تغزل اردو غزل کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ کنور انھیں شعراء سے متاثر بھی ہیں اور اس کا اظہار وہ اپنے ایک شعر میں اس طرح کرتے ہیں،

کنور، درد، سودا ہیں یا میر ہیں
سبھی نام سنتے ہی ڈر ڈر گئے

چنانچہ کنور کی غزلوں میں ان شعراء کی سادگی و پُرکاری، والہانہ پن، سرمستی، نشتر انگیزی اور جدت طرازی پائی جاتی ہے۔ کنور کی شاعری غزل کی روایتی شاعری ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں واردات قلبی، زندگی کے متنوع موضوعات اور بے ثباتی دنیا کے ساتھ اخلاقی مسائل کو بھی پیش کیا ہے۔ گرچہ کنور کی غزلیں نفسِ موضوع کے اعتبار سے قطعی نئی، اچھوتی اور اجنبی نہیں ہے مگر طرزِ اظہار، جدت بیان، زبان کی چاشنی سے ان کے اشعار میں ایک اچھوتا اور نیا پن ضرور معلوم ہوتا ہے جو کسی بھی شاعر کے لئے سرمایۂ فخر بن سکتا ہے اور بقول مجنوں گورکھپوری:

"شاعری اور بالخصوص غزل کا سب سے بڑا کمال ہر جگہ یہی قرار دیا گیا ہے کہ نفسِ موضوع کوئی اجنبیت نہ ہو، لیکن اسلوبِ بیان میں وہ جدت طرازی اور طرفگی ہو کہ ہر شخص اس کو اپنے دل کی بات مانتے ہوئے اس کو ایک نئی بات پائے۔"

یہی وہ شاعرانہ خصوصیات ہیں جو کنور کی شاعری کو اردو غزل کے پرانے انداز کے شعراء میں اہم مقام دلاتی ہیں لیکن کنور کی خصوصیات شعری کو بنگال کی سرزمین اور یہاں کے حالات کی روشنی میں اگر پرکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ کنور نے بنگال میں جہاں نہ اردو زبان کا خالص کلچر تھا اور نہ زبان، وہاں اردو غزل کی روایات کو زندہ کیا اور یہی وہ خاص بات ہے جو کنور کو بنگال کی اردو غزل کی تاریخ میں جگہ دلانے کے لئے کافی ہے۔

(ماخوذ از کنور ایک عظیم بنگالی شاعر۔ تحقیقی و تجزیہ)

انتخاب از
غزلیاتِ
کنور

دل تو مرا آگے ہی تھا بس کہ بہکایا ہوا
تیری فرقت میں ہوا اب اور گھبرایا ہوا
آتشِ فرقت سے میں جل بل کے ہوں آتشکدہ
گو کہ دل ایک شعلہ ہے تیرا ہی چمکایا ہوا
ہوں میں تیری یاد میں اپنی خودی سے جا بجا
نقش تیرا ہی ہمارا دل میں ہے چھایا ہوا
یاد میں اس کی کبھی آتی نہیں اپنے سے یاد
دوڑتا ہوں سو بسو جوں لہ بھٹکایا ہوا
فرقتِ دلدار سے بیخود کنور ہے اس طرح
دفعتاً گویا پری کا اس پہ ہے سایا ہوا

غم نے تو نقشِ ہستی کو میرے مٹا دیا
جوں شمع اس ہوا نے ہمیں ہی بجھا دیا
دل خوں ہو کوفت سے میرے سینے میں تھا نہاں
چشموں نے اس کو اشک کے ہمرہ بہا دیا
قصّہ وصلِ جہاں کا نہیں جز میاں دخواب
آخر کو اس فسانہ نے سب کو سُلا دیا
آخر مزار میں بھی نہیں عاشقوں کو چین
لیکر غبارِ تن کو ہوا نے اُڑا دیا
میں نے جو اس سے دل کی تمنا کو عرض کی
جو کچھ کہ منہ میں آیا سو اس نے سُنا دیا

عشوہ و ناز غضب غمزۂ دلدار غضب
دل ہے آتشکدہ پھر چشم شرر بار غضب
تیرِ مژگاں سے کیا دل کو وہ ہے ستار نے صید
تس پہ دشنام غضب مختلف اطوار غضب
تند خوئی سے رقیبوں کے ہوں میں دل خستہ
تس پہ بے مہری بت ستار جفاکار غضب
یار سے کس طرح کنور اس سے نبھے گی اپنی
ظلم پر کرتا ہے بُرا نہیں جو وہ ہوا غضب

میں ہوں مقتول چشمِ جادو کا
میں ہوں محتاج گُل کا نے بو کا
انتظاری میں لگ گئی جو ندھی
کچھ نہ دیکھا نشان وہ گلرو کا
تیرے کوچے میں آ کے پھر جانا
ہے یہ معمول اس دعا گو کا
شب کو پاکر شراب خانے میں
ریش پر شیخ جی کے میں تھو کا
مت ہو دشنام سے دلا برہم
گالیاں ہیں وظیفہ بد خو کا
تب سے دل میں کنور کے پیچ پڑا
کھُل گیا پیچ جب سے گیسو کا

وہ عیّار جب سے بگڑنے لگا
تبھی سے مرا دل کُھڑکنے لگا
بہت کی میں دلدار کی منتیں
خفا ہو وہ مجھ پر کڑکنے لگا
جفا کار جب روٹھ کر اٹھ گیا
جدائی سے دل پس تڑپنے لگا
کہا جب کہ دلدار میں اب چلا
جگر میرا جب سے پھڑکنے لگا
وہ دلدار جب سے ہوا ہمکلام
خوشی سے مرا دل تھرکنے لگا

جب سے آئی دید میں تصویرِ یار
بن گیا ہے تب سے دل تخچیرِ یار
کیوں خشونت سے کرو ہو گفتگو
بندہ سے تو کچھ نہیں تقصیرِ یار
اس تصور سے رہا کرتا ہوں خوش
قاتلِ عشاق ہے شمشیرِ یار
بن نہیں آتی ہے کچھ دل کی مراد
کیا دعا سے اٹھ گئی تاثیرِ یار
جان و دل سے ہے کنور تجھ سے فدا
اس سے کیوں رہتا ہے تو دلگیرِ یار

مرغِ قفس کو ہے نہیں گلزار کی خبر
مہجور کو نہ وصل سے ہے یار کی خبر
بیدار نہ ہو مستِ مئے عشق حشر تک
زاہد کو کیا ہے ان کی سرو کار کی خبر
رہتا ہے یک نشہ ہے انھیں جن کو معرفت
غافل کو کب ہے راز خبردار کی خبر
سمجھے وہی ہے تیرِ نگہ سینہ میں جس کے
غیروں کو کیا ہو غمزۂ دلدار کی خبر
ہے رات دن کنور اسی فکر میں مضطر
کیا کچھ ہے ان دنوں میں طرحدار کی خبر

خوبانِ عالم اور مرا گلعذار اور
سرمہ ہے اور اس کی گلی کا غبار اور
دل کو تو لاگ تم سے ہے ہجراں میں روز و شب
تس پر عذاب سخت یہ ہے انتظار اور
مدت ہوئی کہ چہرہ دکھا کر چلے گئے
آئے نہ پھر کبھو بھی ادھر ایک بار اور
یک تو جور و ظلم رقیبوں کا تس پہ پھر
حرماں وصل سے ہے سدا اضطرار اور

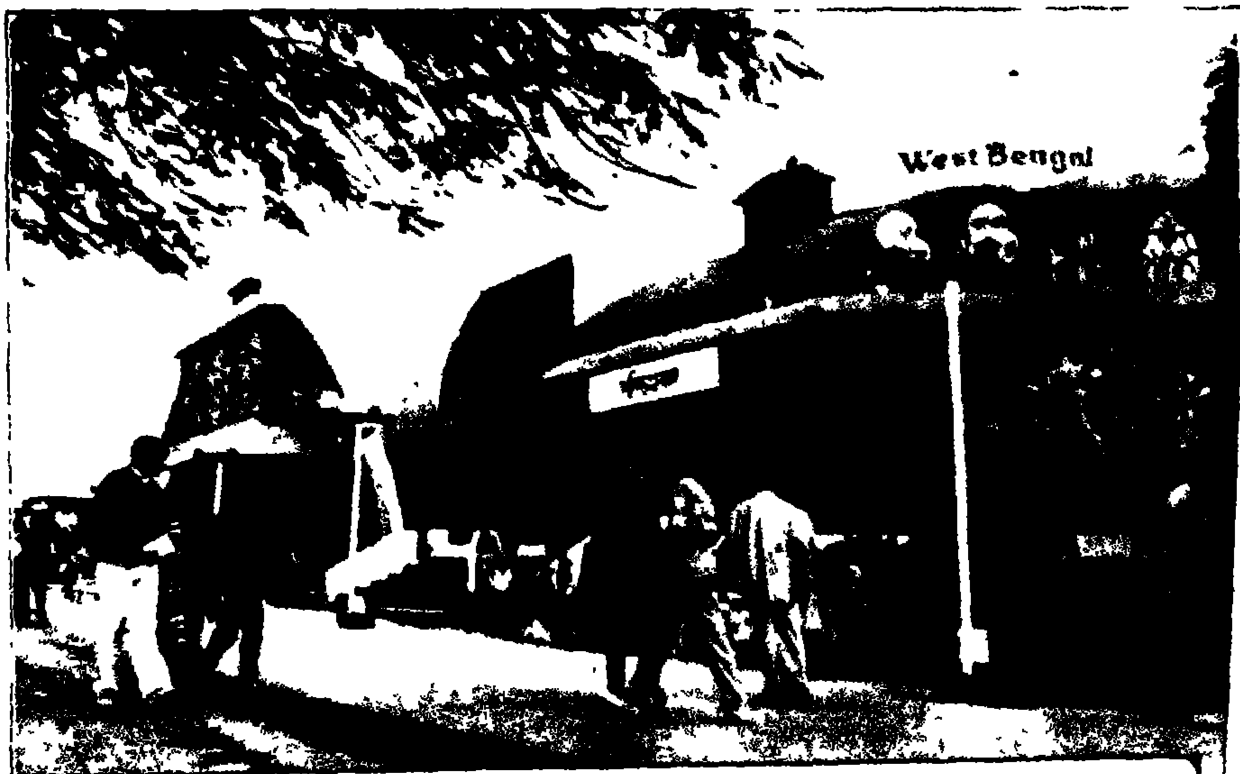


تیسرے کلکتہ فلم فسٹیول کی اختتامی تقریب میں شری بدھادیب بھٹاچاریہ تقریر کرتے ہوئے۔ پیچھے پیردلی فلم ساروں
کے ساتھ وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو، شری بدھادیب بھٹاچاریہ اور ایرناسین دیکھے جاسکتے ہیں ۔۔۔۔۔



MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
December 1, 1997

REGD. No. WB/CC-596
Vol No. 44, Issue No 22
Price 50 Paise



۱۴۔ ۲۷ نومبر نئی دہلی کے پراگتی میدان میں منعقدہ ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلے میں مغربی بنگال پیویلین کا بیرونی جھلک۔
نیچے وزیر سیاحت و ماحولیات مسٹر مانب مکھرجی ایک اسٹال کا معائنہ کرتے ہوئے۔ ——— ••



Chief Editor Tarun Bhattacharya, Asst. Editor Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd. 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012.

مَغربی بَنگال

13/4/98



پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۲۴ ■ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء ■ شمارہ نمبر ۲۳

مدیر اعلیٰ :۔ ترون جیوتی چارجیہ

مدیر معاون :۔ محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے • نصف سالانہ پانچ روپئے

• فی شمارہ کی قیمت ۔ ۵۰ پیسے

• ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

ترتیب

پلس پولیو امیونائزیشن پروگرام

پورے ملک میں ۲۰۰۰ تک پولیو مائیلائٹس کے مکمل خاتمہ کیلئے پچھلے دو برسوں کی طرح امسال بھی، ۷ دسمبر ۹۷ کو ۵ سال تک کی عمر کے بچوں کیلئے پولیو ٹیکہ کی پہلی خوراک کھلائی گئی۔ دوسری خوراک ۱۸ جنوری ۱۹۹۸ کو دی جائے گی۔۔۔ مذکورہ ۷ دسمبر کو پلس پولیو کی دوائیں سبھی پولنگ اسٹیشنوں، سرکاری ہسپتالوں، ہیلتھ سنٹروں میں صبح ۹ بجے سے شام ۴ بجے کے درمیان دی گئیں۔ ملک کے دیگر حصوں میں بھی اسی دن قومی سطح کے اس پروگرام پر عمل درآمد کیا گیا۔ اس ملک گیر مہم میں سرکاری حکام کے علاوہ ڈاکٹروں، نرسوں، رضاکار ایجنسیوں کے افراد، سماجی کارکنوں، تعلیمی اداروں کے عہدیداروں اور دیگر تنظیموں کے ممبروں نے حصہ لیا۔ یو این آئی کی ایک رپورٹ کے مطابق پورے ملک میں دس کروڑ سے بھی زائد بچوں کو تیسرے مرحلے میں پولیو کی پہلی خوراک کھلائی گئی۔



• وزیر صحت شری پارتھو دے ایک بچے کو پلس پولیو کی خوراک کھلاتے ہوئے

گزشتہ دو مرحلوں کی طرح اس بار بھی، ۷ دسمبر کو پوری ریاست مغربی بنگال میں پلس پولیو کی پہلی خوراک کھلانے کے قومی پروگرام پر عمل درآمد کیا گیا۔ اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں عوام نے کافی گرمجوشی دکھائی ۔۔۔ اسی دن رائٹرس بلڈنگس میں ریاستی شعبۂ صحت و خاندانی رفاہ کے کمشنر شری کے جے کوشی نے بتایا کہ شام تک ریاست کے مختلف اضلاع سے موصول خبروں سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم اس بار مقررہ نشانے کو پار کر جائیں گے۔ گذشتہ سال ۵ سال تک کی عمر کے بچوں کو ۹۱ فیصد پلس پولیو کی خوراک کھلائی گئی تھی جس کی کل تعداد ۹۳ لاکھ تھی۔ اس بار دوپہر تک موصول خبروں کے مطابق ۷۰ فیصد بچوں کو پلس پولیو کی دوائیں کھلائی جا چکی ہیں۔۔۔ کلکتہ کے میئر شری پرسنتا چٹرجی نے کہا کہ کلکتہ میں جوش و خروش کے ساتھ اس قومی پروگرام کو در عمل لایا گیا ہے۔ انھوں نے اس کی کامیابی کیلئے کلکتہ کے عوام کو مبارکباد دی ۔۔۔ اسی دن ریاست کے وزیر صحت شری پارتھو دے، شیڈولڈ کاسٹ کے وزیر شری اوپین کسکو اور میئر شری پرسنتا چٹرجی نے کلکتہ کے راجا دینیندرا اسٹریٹ میں قائم شدہ ایک پلس پولیو سنٹر میں بچوں کو دوائیں کھلائیں۔ اس کے بعد میئر شری پرسنتا چٹرجی نے وارڈ نمبر ۵۹ کے مختلف سنٹروں کا معائنہ کرکے قومی پروگرام پر کامیاب عمل درآمد پر اپنی تشفی کا اظہار کیا۔

شعبۂ محنت کے کارہائے نمایاں

از: سفری شانتی گھٹک وزیر شعبۂ محنت

بنائیں ہی ذ حکومت کی محنت پالیسی میں محنت کش طبقہ کو مدد پہنچانے، ٹریڈ یونین تحریک کو منظم بنانے، ان کے مقاصد کی تکمیل کی مزدورتوں کو پورا کرنے، سماج کے کمزور طبقہ کے مفاد کو تحفظ بخشنے، مزدوروں کی مستقل سے حاصل کردہ سہولتوں کو بچانے اور صنعتی نشو ونما کو فروغ بخشنے پر خصوصی توجہ ڈالی گئی ہے۔ ان مقاصد کو ٹریڈ یونینوں کے سرگرم تعاون اور محنت کش طبقہ کی حمایت سے مجموعی معاملہ بندی اور گوناگوں قوانین محنت کے نفاذ کے ذریعہ بڑے پیمانے پر عملی شکل دی گئی ہے۔ ریاستی حکومت اس بات پر بھی پابند وعدہ ہے کہ وہ ٹریڈ یونینوں کے جمہوری کام کاج کی سرگرم حمایت کرے گی، مزدوروں کے جائز حقوق کو تحفظ بخشے گی اور اس بات پر نظر بھی رکھے گی کہ صنعت کے اہم مفادات مجروح نہ ہوں۔ ان مقاصد کی برآری کے لئے ریاستی حکومت نے صلاح و مصالحت کے جاری رکھنے والے طریقہ کار کو ترجیح دی ہے۔

سہ رخی/ دو رخی :۔ (۲) ریاستی حکومت نے ریاستی محنت مشاورتی بورڈ ایک سہ رخی ادارہ کو سرگرم عمل بنایا ہے اور اسے مزدوروں کے اہم مسائل پر بحث و مباحثہ کرنے اور انہیں حل کرنے کا کام سونپا ہے۔ مزید برآں متعدد مشاورتی ادارے / کمیشنوں کا قیام گوناگوں قوانین محنت کے تحت عمل میں آیا ہے اور انہیں قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں دیکھ ریکھ کا کام اور ان قوانین کے عمل درآمد کے سلسلہ میں ریاستی حکومت کو صلاح و مشورہ دینے کا کام سونپا گیا ہے۔ یہ کام کم از کم اجرت مشاورتی بورڈ، معاہدہ محنت مشاورتی بورڈ، بچہ مشاورتی بورڈ، مساوی مشاہرہ ایکٹ کے تحت ریاستی مشاورتی بورڈ، بیڑی اور سگار ایکٹ کے تحت ریاستی مشاورتی کمیٹی وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ یہ ادارے فطری اعتبار سے سہ رخی ہیں اور ان میں مالکوں، مزدوروں اور ریاستی حکومت کے نمائندے شامل ہیں۔ یہ بورڈ/ کمیٹیاں باقاعدگی کے ساتھ نشستوں کا انعقاد کرواتی ہیں اور قوانین ہذا پر عمل درآمد کے تمام پہلوؤں پر ریاستی حکومت کو صلاح و مشورہ دیتی ہیں۔

(۳)۔ مختلف پہلوؤں پر دہائیوں سے چلے آنے بحث و مباحثہ کے بعد ریاستی حکومت نے اس ریاست کی مختلف بڑی صنعتوں کے سلسلہ میں تصفیۂ اجرت کا ایک طریقہ تیار کیا ہے۔ صنعت پر مبنی ان بے مثال اجرت کے تصفیوں پر ہمیں فخر حاصل ہے کیونکہ ان تصفیوں سے مزدوروں کی اجرت میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے اور ان کی ملازمی حالتوں میں کافی بہتری لایا ہے۔ اس پالیسی کی وجہ سے بے شمار دیگر صنعتوں کے مزدوروں کو بھی خاطر خواہ فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ حال ہی میں اجرت کا تعین کولڈ اسٹوریج، ہوزیری، آٹا ملوں، مال گاڑیوں وغیرہ جیسے دیگر سکٹروں میں سہ رخی تصفیوں کے ذریعہ کیا گیا ہے۔

درج ذیل جدول مختلف بڑی صنعتوں میں سہ رخی تصفیوں کے ذریعہ اجرت میں لائے گئے اضافہ کو بتاتی ہے :۔

اے آئی سی پی آئی	جنوری ۱۹۷۷ ۲۹۶ : ۱۹۶۰	جنوری ۱۹۹۷ ۱۴۴۶ : ۱۹۶۰	رقم میں اجرت کے اضافے کا فیصد	۱۹۷۷ والی فرح سطح پر اجرت کے اضافے کا فیصد
چائے	۳۹۲-۴ روپئے ۳۰ پیسے (روزانہ)	۲۶ روپئے ۳۰ پیسے	۵۱۱	۱۵
پٹسن	۳۶ روپئے ۱۵ پیسے (ماہانہ)	۲۹۴۶ روپئے ۹۵ پیسے	۷۱۸	۴۷
انجینیرنگ	۳۵۰ روپئے ۴۰ پیسے (ماہانہ)	۲۸۶۹ روپئے ۳۰ پیسے	۷۱۸	۴۷
کپاس	۳۴۵ روپئے ۴۲ پیسے (ماہانہ)	۲۳۳۵ روپئے ۲۵ پیسے	۵۷۳	۲۱

مذکورہ جدول اس امر کا مظہر ہے کہ مذکورہ برسوں کے دوران بڑی صنعتوں کے مزدوروں کی اجرت میں اضافہ زر و اصل دونوں کی ہی اصطلاح میں ہوا ہے۔

بڑی صنعتوں میں صنعتی بنیاد پر درج ذیل تاریخوں کے دوران تصفیے

واقع ہوسکے گیا ہے

چائے: ۳؍اگست ۱۹۷۷ء، ۱۵؍مئی ۱۹۸۰ء، جولائی ۱۹۸۳ء، ۱۰؍جون ۱۹۸۷ء، ۱۰؍مئی ۱۹۹۳ء، ۲۰؍جولائی ۱۹۹۴ء۔

پٹسن:- ۲۳؍فروری ۱۹۷۹ء، ۱۷؍اپریل ۱۹۸۴ء، ۲۴؍فروری ۱۹۸۸ء (ایمبنڈے ایم سی)، ۲۵؍فروری ۱۹۸۸ء، ۱۷؍مارچ ۱۹۹۲ء، ۲۰؍دسمبر ۱۹۹۵ء، ۱۴؍جنوری ۱۹۹۷ء۔

انجینئرنگ:- ۱۱؍جنوری ۱۹۹۷ء، ۲؍ستمبر ۱۹۸۳ء، ۳؍فروری ۱۹۸۸ء، ۱۰؍فروری ۱۹۹۷ء نجی سکٹر: ۲۷؍جنوری ۱۹۸۸ء، عوامی سکٹر ۱۴؍مئی ۱۹۹۲ء۔

کپاس:- ۴؍مارچ ۱۹۷۹ء، ۱۶؍اگست ۱۹۹۱ء (ایم ٹی سی) ۱۱؍جون ۱۹۹۵ء۔

سامان نقل وحمل: ۵؍اکتوبر ۱۹۸۰ء، ۸؍مارچ ۱۹۸۳ء، ستمبر ۱۹۸۵ء، دسمبر ۱۹۹۰ء

کولڈاسٹوریج:- جون ۱۹۸۱ء، ۱۸؍اگست ۱۹۸۸ء، ۲۹؍نومبر ۱۹۹۶ء

سنیما:- ۱۰؍مئی ۱۹۹۱ء ۱۲؍مارچ ۱۹۹۶ء

میدہ کے مل:- ۷؍اپریل ۱۹۷۹ء، ۱۵؍ستمبر ۱۹۸۳ء

ربر (چھوٹا پیمانہ) ۱۷؍فروری ۱۹۹۲ء

۵۔ اس ریاست کے مزدوروں نے مالکوں کے حملوں اور ان کی اشتعال انگیزی کا مقابلہ کرنے کے دوران اپنی بالغ نظری اور عقل وفہم کا مظاہرہ کیا۔ انتظامیہ کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کارخانوں میں / کام بند کر دیا گیا۔ کام کی بیجا شرائط وحالات کو لاگو کرنے کے لئے تالہ بندی کی مدت کو جان بوجھ کر بڑھادی گئی۔ بہت سے معاملوں میں ریاستی حکومت نے صنعتی تنازعہ ایکٹ برائے ۱۹۴۷ کے تحت حکمنامے جاری کئے اور مالکوں کو تالہ بندی اٹھا لینے کو کہا۔ اکثر وبیشتر انتظامیہ مزدوروں پر اجرت میں تخفیف، اجرت کو منجمد، مزدوروں کی قلت، مزدوروں کی چھنٹائی وغیرہ جیسے نقصان پہنچانے والی شرائط تھوپتی ہے۔ بہرحال ریاستی حکومت نے محنت کش طبقہ کی پشت پناہی کی اور بہتر حالات ملازمت اور بلند طرز رہائش کے سلسلہ میں ان کی جدوجہد کو تقویت پہنچائی۔ انتظامیہ کی جانب سے اپنائے گئے اشتعال انگیز رویوں اور اٹھائے گئے دیگر مزدور دشمن اقدامات کے باوجود محنت کش طبقہ کے تعاون سے ہی کام کی رکاوٹوں میں تخفیف لانا ممکن ہو پایا ہے۔ ۱۹۹۶ء کے دوران ہڑتال کے ۲۰۶ واقعات پیش آئے۔ تالہ بندی کے ۱۹۹ واقعات ظہور میں آئے اور ان سب کے نتیجہ میں تقریباً

۹۰ لاکھ دنوں کا کل خسارہ ہوا۔ ۱۹۹۵ء کے دوران ۲۴۳ عدد ہڑتالیں ہوئیں اور ۱۳۶ عدد تالہ بندی کے واقعات پیش آئے اور ان کی وجہ سے ۶۵ لاکھ کام کے دنوں کا نقصان ہوا۔

۱۹۹۴ء کے دوران ہڑتال اور تالہ بندی کی تعداد بالترتیب ۱۹۰ اور ۱۴۴ تھیں۔ بہرحال چند مخصوص صنعت پر مبنی مزدوروں کی ہڑتال کی وجہ سے کام کے دنوں میں نقصان میں حاشیائی اضافہ ہوا تھا۔ کام میں رخنوں کے واقعات میں تخفیف لانے میں ریاستی حکومت کو کامیابی اس حقیقت کے سبب ملی کہ اس دوران مصالحت کروانے والی مشنری ہمیشہ مستعد رہی ہے اور جب کبھی تنازعہ کی صورت حال پیدا ہونے لگی ہے فوراً ہی مذکورہ مشنری حرکت میں آ گئی اور اس نے ہڑتال ٹالنے کے لئے گفت وشنید شروع کردی۔ تالہ بندی اور دیگر مزدور معاملات سے متعلق موجودہ مرکزی ایکٹوں میں گرفت سے بچنے کے لئے بہت سی بڑی اور اہم راہیں موجود ہیں ان باتوں کو بروئے کار لاکر تالہ بندی وغیرہ اٹھانے سے متعلق سرکاری حکم نامہ کے خلاف عدالت سے حکم امتناعی حاصل کرنا مالکوں اور انتظامیہ کے لئے ایک عام سی بات بن گئی ہے۔ اس طرح یہ لوگ بیشتر معاملات میں دیگر قانونی بقایاجات کی ادائیگی سے مزدوروں کو محروم کرتے رہتے ہیں۔

(۶)۔ ہمارے یہاں مختلف سطح پر تقریباً ۲۰۰ افسران پر مشتمل ایک مضبوط مصالحت کرنے والی مشنری موجود ہے۔ اس مشنری نے ۱۹۹۶ء کے دوران ۷۰۸۵ تنازعوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ۲۳۵۲ تنازعوں کو سلجھایا۔ جب کبھی ہڑتال / تالہ بندی ہوتی ہے تو مصالحتی مشنری صورت حال کا بغور اور متاثر جائزہ لیتی رہتی ہے اور تالہ بندی کو اٹھانے اور بند کارخانوں کو کھلوانے کے سلسلہ میں گفت وشنید کرتی ہے۔ ۱۹۹۶ء کے دوران ہڑتال کے ۱۷ معاملوں، تالہ بندی کے ۵۰ واقعات اور بندی کے ۴ معاملوں کو تنہا اس مصالحتی مشنری کی کوششوں کے ذریعہ ہی طے کیا جاسکا تھا اور اس مصالحت سے ۴۷۳۷، ۴۸۰۷۸ اور ۵۶ مزدور بالترتیب مستفیض ہوئے تھے۔

(۷)۔ ریاستی حکومت نے صنعتی تنازعات کی عدالتی جانچ کے لئے صنعتی عدالتیں اور مزدور عدالتیں قائم کی ہیں۔ فی الحال یہاں ۹ عدد صنعتی عدالتیں اور ۲ عدد مزدور عدالتیں قائم ہیں۔ معاملات سلجھ جانے کی بلند شرح کے باعث حالیہ برسوں کے دوران ٹریبونل اور لیبر کورٹس میں زیر سماعت معاملوں کی تعداد گھٹ گئی ہے۔ ۱۹۹۶ء کے دوران ٹریبونل اور لیبر عدالتوں نے تنازعات

کے ۲۹۲۷ عدد معاملوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ۸۲۳۵ عدد معاملوں کو نپٹایا۔ یکم جنوری ۱۹۹۷ء تک ٹربیونل اور لیبر عدالتوں میں ۲۳۷۹ مقدمے زیر سماعت ہیں۔ یکم جنوری ۱۹۹۵ء اور یکم جنوری ۱۹۹۶ء کے دوران بالترتیب مذکورہ بالا نوعیت کے ۲۸۹۲ اور ۲۵۵۶ عدد مقدمے زیر سماعت تھے۔ لہذا ریاستی حکومت اس ریاست کے صنعتی حلقوں میں مزید ٹربیونلس قائم کرنے کی تجویز پر غور کر رہی ہے۔

پٹسن صنعت:- ۸-۱۔ تقریباً ۲ لاکھ مزدور اور ہزاروں پٹسن کاشتکار اسی پٹسن صنعت پر ہی انحصار کر کے اپنی گزر بسر کرتے ہیں۔ اگرچہ صنعت ہذا نے گزشتہ چند برسوں کے دوران کافی ترقی کی ہے تاہم آج بھی یہ گوناگوں مسائل سے دوچار ہے۔ آج بھی یہ صنعت ان تاجروں اور سٹے بازوں کے رحم و کرم پر چل رہی ہے جو پیشہ ورانہ طور پر اس صنعت کو چلانے کی بجائے خام پٹسن کی سپلائی اور قیمت کی الٹ پھیر کرنے میں ہی زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی پٹسن کارپوریشن نے درحقیقت خام پٹسن ہی خریدنا بند کر دیا ہے۔ اس وجہ سے پٹسن کے کاشتکاروں کو پٹسن کی بکری میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ صنعت ہذا میں کسی طرح کی کوئی تجدید نہیں لائی گئی ہے اور نہ ہی اس کی مصنوعات کو کسی طرح کی گوناگونیت سے آراستہ کیا جا سکا ہے۔ پٹسن صنعت کے سامانوں کو رکھنے کے لیے سنتھیٹک تھیلیوں کے ساتھ زبردست مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے گرچہ پہلے پٹسن سے بنے تھیلیوں میں ہی سامان رکھے جاتے تھے۔ مرکزی حکومت نے ۱۹۸۷ء کے دوران ایک ایکٹ (یعنی قانون) نافذ کر کے پٹسن سے بنے تھیلیوں کا استعمال لازمی بنا دیا تھا لیکن سیمنٹ، کھاد وغیرہ صنعتیں قانون مذکورہ پر عمل نہیں کر رہی ہیں۔ حال ہی میں عدالت عالیہ نے قانون ہذا کی معقولیت کو استحکام بخشا ہے اور اس کے باوجود بھی اس پر عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے۔ وزیر اعلیٰ خود بھی بغیر کسی تخفیف کے عدالت عالیہ کے حکمنامہ پر عمل درآمد کے لیے مرکزی حکومت سے استدعا کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۸-۲۔ اس صورت حال کے پیش نظر پٹسن صنعت کو جلا بخشنے کیلئے چند اقدامات کو فوری طور پر لاگو کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً خام پٹسن کی دستیابی، ہندوستان کی پٹسن کی خریداری پر اجارہ داری، سنتھیٹک کے بنے تھیلیوں پر پابندی وغیرہ وغیرہ

۸-۳۔ ان تمام دقتوں کے باوجود ریاستی حکومت ٹریڈ یونینوں، انتظامیہ

اور حکومت ہند کے ساتھ تبادلہ خیال جاری رکھتے ہوئے صنعت ہذا کو جلا بخشنے کی انتھک کوشش کر رہی ہے۔ صنعت پر سہ فریقی تصفیوں کے ذریعہ خاطر خواہ طور پر مزدوروں کی اجرت میں اضافہ کیا جانا ممکن ہو پایا ہے۔۔۔۔۔ ابدلی مزدوروں کو صنعت ہذا کے ذریعہ مستقل مزدور بنوایا گیا ہے۔ صنعت ہذا کے مسائل پر غور و خوض کے لیے ریاستی حکومت نے دو کمیٹیاں تشکیل دی ہیں۔ ایک کا کام تعریف اور مزدوروں کی طرز تقرری کی جانچ کرنا اور دوسری (کمیٹی) کا کام مصنوعات اور عمل پیداداری پر نظر رکھنا ہے۔

کپاس:- ۹-۱۔ اس ریاست میں ۳۷ عدد سوتی کپڑے کی ملیں ہیں۔ مرکزی حکومت کی غلط پالیسی کی وجہ سے پچھلے کئی برسوں کے دوران اس ملک میں ٹکسٹائل صنعت کی صورت حال نمایاں طور پر خراب ہوئی ہے۔ اس ریاست کی چند ملوں نے سنتھیٹک آمیز مصنوعات تیار کرنے کی جانب رخ اختیار کیا ہے تاکہ وہ ملک کے گھا اور ہتھ کرگھا سکٹروں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھ پائیں۔ نجی اور سرکاری دونوں ہی سکٹروں کے سوتی کپڑوں کے ملوں کے مالکین اور انتظامیہ نے مذکورہ صنعت میں تجدید لانے سے بڑی غفلت برتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر یہاں کی اکائیاں دیگر ریاستوں کی جدید اکائیوں کے ساتھ مقابلہ ہی نہیں کر پا رہی ہیں اس کے باوجود بھی یہاں کے مزدوروں نے فاضل کام کی ذمہ داری رضاکارانہ طور پر قبول کرلی ہے۔

۹-۲۔ دی نیشنل ٹکسٹائل کارپوریشن لمیٹڈ نے ایک سہ رخی سمجھوتہ کے تحت ۱۴ ملوں کو ۱۲ میں از سر نو ترتیب دیا تھا۔ این ٹی سی ملوں کے تقریباً ۔۔۔ مزدور لایقینی کا شکار ہیں کیونکہ ہولڈنگ کمپنی نے یہ دھمکی دی ہے کہ یکم اپریل ۱۹۹۴ء کے بعد مذکورہ ملوں کو کوئی فنڈ نہیں فراہم کیا جائے۔ یہ بیان واضح طور پر یونین حکومت کے پچھلے بیان کی تردید کرتا ہے کہ مذکورہ ملوں کے لیے تجدیدی پیکجوں کا فیصلہ متعلق بجٹری حمایت جاری رہیں گے۔ مرکزی حکومت مزدوروں کو ادائیگی اور پیداوار کو جاری رکھنے کے سلسلہ میں لازمی خام مال کی سپلائی کے لیے فنڈ فراہم نہیں کر رہا ہے۔ نتیجہ کے طور پر چند ملوں نے مصنوعات تیار کرنا بند کر دیا ہے اور چند نے معاہدہ کی بنیاد پر مصنوعات تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ قریب قریب تمام ملوں میں اجرت اور تنخواہ کی ادائیگی میں بڑی بے قاعدگی واقع ہو رہی ہے۔ ریاستی حکومت اس خراب صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے حکومت ہند پر بڑا دباؤ ڈال رہا ہے۔ حسب معمول طور پر پیداوار کو برقرار رکھنے، مزدوروں کی

اجرت اور تنخواہ کی ادائیگی کو حسب معمول بحال رکھنے کے لئے بجٹری حمایت ملتی رہے گی لیکن ایسا نہیں کیا جا رہا ہے۔

انجینئرنگ صنعت:- ۱۰۔ اس ریاست کی انجینئرنگ صنعت کو فی الحال برے دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ کیوں کہ خصوصاً ریلویز سے ایسے آڈرس مل رہے ہیں اس نے صرف ویگن بنانے والی صنعت کو ہی متاثر نہیں کیا ہے بلکہ اس ریاست میں واقع ان دیگر چھوٹی اور متوسط انجینئرنگ اکائیوں کو بھی متاثر کیا ہے جو بڑی انجینئرنگ اکائیوں کی ذیلی صنعتوں کی حیثیت سے ملک کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ریاستی حکومت نے حکومت ہند سے استدعا کی ہے کہ وہ ریلویز سے خاطر خواہ تعداد میں آرڈرس فراہم کروائے۔ متوسط اور چھوٹی اکائیاں بھی خاطر خواہ تعداد میں پگ آئرن کی عدم دستیابی کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہیں۔ اس ریاست میں واقع دی سنٹرل پبلک سکٹر انجینئرنگ یونٹس جو سخت بدحالی کی شکار ہے اس بات کی منتظر ہے کہ حکومت ہند اسے جلا بخشنے اور جدید بنانے کے سلسلے میں اپنے فیصلوں کو کب حتمی شکل دیتی ہے۔ ریاستی حکومت اس نوعیت کے مسائل کا کوئی دوسرا حل تلاش نہیں کر پا رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے حکومت ہند سے التجا کی ہے کہ جب تک بحالی پیکجوں پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں لیا جاتا ہے اس وقت تک چالو سرمایہ کی شکل میں سنٹرل پبلک سکٹر کو بجٹری مدد دی جانی چاہیئے۔

چائے:- ۱۱۔۱۔ اس ریاست کی چائے صنعت نے ۲۶۶ لاکھ مزدوروں کو ۲۷۰ چائے باغات میں ملازمت دلوائی ہے۔ ۹-۱۹۸۹ء کے دوران ایک سہ فریقی صلحنامہ کے تحت چائے صنعت نے ۱۰ ہزار اضافی مزدوروں اور منشی و ٹکنیشین پر مشتمل ۳۵۰ افراد کو ملازمت دلوائی ہے۔ اجرت سمجھوتہ مورخہ ۱۰ رمئی ۱۹۹۳ء کے ذریعہ مزدوروں کو اجرت کی بلند تر شرح، دارجلنگ کی پہاڑیوں اور ڈوارس کی ترائی میں مقیم مزدوروں کو اجرت میں نابرابری سے نجات، مہنگائی بھتہ میں اضافہ چند عہدوں کو ترقی، جی ٹی اے کی شرحوں میں اضافہ وغیرہ جیسے فوائد سے مستفیض کروایا گیا۔ حتمی سمجھوتہ ۳۰ رجولائی ۱۹۹۴ء کو اختتام کو پہونچا۔

۱۱۔ ۲۔ ریاستی حکومت نے چائے باغات میں کام کرنے والے مزدوروں کی رہائش کے ارد گرد تک بجلی کی سہولتیں پہونچانے پر خصوصی زور ڈالا ہے۔ مالکوں اور مزدوروں کی مختلف تنظیموں، مغربی بنگال ریاستی الکٹریسیٹی بورڈ اور نظامت محنت کے نمائندوں پر مشتمل ایک نگران کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ اور اس کا کام بجلی کی سہولت پہنچانے کے کام کی دیکھ ریکھ کرنی ہے۔ یونینوں، مالکوں اور سرکار کے نمائندوں پر مشتمل ایک دوسری سہ رخی کمیٹی بھی تشکیل دی جا چکی ہے اور اس کا کام مغربی بنگال پلانٹیشن لیبر ایکٹ پر عمل درآمد اور اس کے تحت وضع شدہ ضوابط کے نفاذ کی جانچ پڑتال کرنا ہے۔

۱۲۔ ماضی میں خاص طور پر پوجا تہوار سے قبل ہر سال بونس کی مانگ کو لے کر ایک عجیب و غریب شور شرابہ کا ماحول پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ سہ فریقی ریاستی محنت مشاورتی بورڈ سے صلاح و مشورہ کے بعد بونس کی ادائیگی کے سلسلہ میں ایک رہنما اصول کا طریقہ تشکیل کیا ہے ان رہنما اصولوں کے تحت گذشتہ سال سے اونچی شرح پر بونس کی ادائیگی ہونی چاہیئے، جہاں مزدور بلند تر بونس کی شرح کی مانگ کرتے ہیں وہاں بونس کی ادائیگی کیلئے بات چیت پُرامن ہونی چاہیئے اور بونس کی ادائیگی ایک مخصوص وقت پر پوجا سے قبل کی جانی چاہیئے۔ اس قدم نے پوجا تہوار سے قبل مزدوروں کے لئے بونس کو یقینی بنا دیا ہے اور صنعتی تنازعوں اور مزدوروں کے تشدد آمیز واقعات کی تعداد کو بھی بہت کم کر دیا ہے۔

۱۳۔ حال ہی میں ایک خطرناک رجحان سامنے آیا ہے اور وہ یہ کہ صنعتوں میں خصوصاً مرکزی سرکاری سکٹر اکائیوں میں جدت کاری اور ریشنالائزیشن کے نام پر عملوں کی چھٹائی کی جا رہی ہے۔ ستمبر ۱۹۹۲ء سے مارچ ۱۹۹۷ء تک کی مدت کے دوران نیشنل ٹکسٹائل کارپوریشن لمیٹڈ (ڈبلیو بی او بی ایم) کے تحت سوتی کپڑے کی ۱۳ ملوں میں تقریباً ۱۲۰۰۰ افراد کی چھٹائی کی گئی ہے۔ اور ۳۷۰۵ مزدوروں نے وی آر ایس کے لئے اپنی مرضی کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے کل ۳۷۰۵ مزدوروں میں سے ۳۱۶۴ مزدوروں کا تعلق مغربی بنگال میں واقع سوتی کپڑے کی ملوں سے ہے۔ این جے ایم سی کے تحت پانچ پٹسن ملوں کے کل تقریباً ۲۸۰۰۰ مزدور (بشمول خاص بدلی اور بدلی) میں سے اب تک تقریباً ۲۳۵۰ مزدوروں نے وی آر ایس کے لئے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ایم اے ایم سی جیسی سی پی ایس کی بیشتر اکائیوں وی آر ایس اسکیموں کو چالو کیا گیا ہے اور مزدوروں کی ایک بڑی تعداد نے قبل از وقت ملازمت سے دستبردار ہونے کو قبول کیا ہے۔ اسی طرز پر نجی سکٹر کی اکائیوں میں بھی ملازمین کی چھٹائی جاری ہے۔ اس طرح مستقبل میں روزگار کے مواقع کو کم کیا جا رہا ہے۔ ہم لوگوں نے حکومت ہند سے استدعا کی ہے کہ صنعت میں جدت کاری، مصنوعات کو بہتر سے بہتر بنانے مگر

موجودہ ملازمین کی تعداد میں تخفیف نہ کرے اور انہیں نام نہاد وی آر ایس کی جانب نہ دھکیلے۔

۱۴۔ مغربی بنگال میں سرکاری اور نجی سیکٹر پر مشتمل ۱۵۰ ملیں اور کارخانے ہیں اور یہ بی آئی ایف آر کے تحت ہیں۔ چند معاملے بر سوں سے زیر غور پڑے ہیں اس طرح ان اکائیوں کی خستہ حالی پر پہنچ کر اور گمبھیر ہو جاتی ہے۔ بی آئی ایف آر کی جانب سے منظوری پانے والے پیکج بیشتر حالات میں مزدوروں کے مفاد کو تحفظ بخشنے اور صنعت ہذا کو جلا بخشنے میں مددگار ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ چند معاملوں میں بی آئی ایف آر ٹریڈ یونینوں اور انتظامیہ کی مشترکہ طور پر پیش کردہ جلا بخشنے والے پیکج پر بالکل کوئی دھیان نہیں دیتی ہے۔ بی آئی ایف آر کے سامنے کسی کیس کا اپنے تمام تر عوامل کے ساتھ پیش کرنا اور اس پر خاطر خواہ حتمی فیصلہ کی امید کرنا نہایت ہی دقت طلب ہے۔ نتیجہ کے طور پر اکائیوں کی خستہ حالی اور مزدوروں کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت سے استدعا کی ہے کہ وہ صنعتی اکائیوں کی جلا بخشی اور مزدوروں کے مفاد کو تحفظ بخشنے کیلئے ٹریڈ یونینوں سے صلاح و مشورہ کے بعد ایس آئی سی اے ایکٹ میں ضروری ترمیمات لائے۔

قانونی کارروائیاں:۔ ۱۵-۱۔ حکومت ہند نے چند ایک قوانین وضع کئے ہیں اور جنہیں ریاستی حکومت لاگو کر رہی ہے۔ ان سے متعلق تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(الف) بچہ مزدوری (امتناع و ضابطہ) ایکٹ برائے ۱۹۸۶ء

(ب) بین ریاست ہجرت کرنیوالے مزدور (روزگار اور شرائط ملازمت کا اندراج) ایکٹ برائے ۱۹۷۹ء

(ج) فلمی صنعت کے مزدوروں کے فلاحی فنڈ ایکٹ برائے ۱۹۸۱ء

(د) عمارت اور دیگر عمارت ساز اداروں کے ملازمین (روزگار اور شرائط ملازمت کا اندراج) ایکٹ برائے ۱۹۹۶ء

(ہ) عمارت اور دیگر عمارت ساز مزدوروں کی فلاحی سیس ایکٹ برائے ۱۹۹۶ء

۱۵-۲۔ حکومت ہند زرعی مزدوروں کے لئے ایک جامع قانون وضع کرنے کی بات پر غور کر رہی ہے۔

۱۵-۳۔ مغربی بنگال کے اندر صنعتی تنازعہ ایکٹ برائے ۱۹۴۷ء کے اطلاق میں ترمیم لائی گئی ہے۔ صنعتی تنازعہ (مغربی بنگال ترمیم) ایکٹ برائے ۱۹۸۰ء کے ذریعہ فروخت کو فروغ دینے والے ملازمین کو "مزدور" کی اصطلاح کے اندر لایا گیا ہے اور اس کے تحت مزدوروں کے پچھلے معاوضہ کی ادائیگی کسی بند ہو جانے والی کمپنی کو اپنا کاروبار اٹھانے سے قبل ہی کر دینی ہوگی۔ مزید برآں صنعتی تنازعہ (مغربی بنگال ترمیم) ایکٹ برائے ۱۹۸۹ء کے ذریعہ انفرادی تنازعوں میں مبتلا مزدوروں کو بھی ٹربیونل اور لیبر عدالت میں اپیل کرنے کی سہولت مہیا کی گئی جہاں مصالحت کرنیوالے افسران ۶۰ دنوں کے اندر کسی تنازعہ کا حل تلاش نہ کر پائیں۔

۱۵-۴۔ مغربی بنگال ورکمین ہاؤس رینٹ بھتہ ایکٹ برائے ۱۹۷۴ء میں مالکوں کی جانب سے ملنے والے ۳ ½ فیصد ہاؤس رینٹ بھتہ کی شرح کو بڑھا کر ۵ فیصد کرنے کے لئے ترمیم لائی گئی۔ بعد ازیں دوسری ترمیم کے ذریعہ اس ایکٹ کو بیس یا بیس سے زیادہ مزدوروں پر مشتمل کارخانوں پر نافذ کیا گیا اس سے قبل ایکٹ ہذا ۵۰ یا اس سے زیادہ مزدوروں پر مشتمل کارخانوں پر نافذ ہوتا تھا۔

۱۵-۵۔ ریاستی حکومت نے ایکٹ ہذا کے نفاذ کے سلسلہ میں بچہ مزدور (امتناع و ضابطہ) ایکٹ برائے ۱۹۸۶ء کے تحت اصول و ضابطے تشکیل دیئے ہیں۔

۱۵-۶۔ منافع بخش ایجنٹوں اور مخفی بیلٹوں کے ذریعہ مقصد ہذا کے سلسلہ میں انتخاب کروانے کے طور پر ٹریڈ یونینوں کو تسلیم کروانے کے لئے خصوصاً ٹریڈ یونین ایکٹ برائے ۱۹۲۶ء میں ترمیم لائی گئی۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ ترمیم ہذا پر بہت جلد ہی عملدرآمد کئے جائیں گے۔

۱۵-۷۔ مزدوروں کے کور یج میں اضافہ اور گریچویٹی کی ادائیگی پر لگنے والی سیلنگ کو ہٹانے کے لئے اجرت ادائیگی ایکٹ اور گریچویٹی ادائیگی ایکٹ میں ترمیم لانے کے سلسلہ میں ریاستی قانون ساز مجلس نے دو بل پاس کروائے ہیں۔ انہیں ابتک صدر ہند کی رضامندی کا انتظار ہے۔

۱۵-۸۔ مغربی بنگال مزدور رفاہ فنڈ ایکٹ برائے ۱۹۷۴ء کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت دیگر فنڈ جیسے سینما مزدور رفاہ فنڈ اور بیڑی مزدور رفاہ فنڈ کی انتظامیہ سے بھی وابستہ ہے۔ ریاستی حکومت عمارت اور دیگر تعمیراتی مزدور (ضابطہ روزگار اور شرائط ملازمت) ایکٹ برائے ۱۹۹۶ء کے تحت ایک رفاہی بورڈ قائم کرنے پر غور و خوض کر رہی ہے۔ اس سے تعمیراتی [illegible]

مشغول ہزاروں مزدوروں کو فائدہ پہنچے گا۔

صحت و تحفظ :- ۱۶-۱-۱۔ ریاستی حکومت نے صنعتی مزدوروں کی صحت و بھلائی کی برقراری کے لئے کارخانوں اور بوائلروں کی نظامتوں کو مضبوطی اور استحکام بخشا ہے۔ کارخانوں کی نظامت پر کارخانوں کے اندراج، کارخانوں کی جانچ پڑتال اور مزدوروں کی صحت و محافظت سے متعلق کارخانہ ایکٹ پر عمل درآمد کروانے کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اسی نظامت کے زیر اہتمام ایک تحقیق و فروغ بازو بھی کام کرتی ہے اور اس بازو کے تحت چار سیل یعنی صنعتی حفظان صحت سیل، کیمیائی سیل، طبی سیل اور اعداد تحقیق سیل ہیں۔ صنعتی حفظان صحت سیل کا کام مختلف کام گاہوں کے ماحولیاتی خطرات کا جائزہ لینا اور انکی روک تھام کرنا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے خوشگوار حالات پیدا کرنا ہے جو مزدوروں کو ہر طرح کی بیماریوں سے محفوظ رکھے۔ کیمیائی سیل کا کام کیمیائی صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے مسائل صحت و تحفظ مطالعہ/مشاہدہ بغور اور بالتفصیل کرنا ہے۔ طبی سیل کا کام خطرناک اور صحت خراب کرنے والے کام سے وابستہ مزدوروں کی صحت کا باقاعدہ جانچ کرنا ہے۔ اعداد تحقیق سیل کا کام حادثات کے ذمہ دار ایجنسیوں، طریقہ کار و عمل کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا اور کارخانوں میں وقوع پذیر ہونے والے حادثات کو روکنے کے لئے مناسب اقدامات تجویز کرنا ہے۔ جملہ سیل جدید اور اعلیٰ ترین آلات سے لیس ہیں۔ ان تمام اقدامات نے مختلف کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی معیار زندگی میں کافی بہتری لائی ہے اور ان کی وجہ سے کارخانوں میں پیش آنے والے حادثات کی تعداد میں کافی کمی واقع ہوئی ہے۔ ۱۹۸۸ء سے اس نظامت نے کمپریسڈ گیسوں اور خطرناک دھماکہ خیز اور گلا دینے والے مادوں کے مختلف اقسام کے محفوظ استعمال کی جانب مزدوروں کو راغب کرنے کے سلسلہ میں صنعتی مزدوروں کے لئے ایک تربیتی پروگرام شروع کیا ہے۔

۱۶-۲۔ بوائلروں کی نظامت نے شعبۂ ہذا کو تین مخصوص شعبوں یعنی تشکیلی تحفظ، برقراری تحفظ اور عملی تحفظ کی فراہمی کا کام سونپا ہے۔ نظامت ہذا اکسرے کوالیٹی ہائی پریشر ویلڈنگ کی جانچ بھی کرتا ہے۔ اس نظامت کی جانچ کیلئے لیبارٹری میں کمپیوٹر کی بھی سہولت مہیا ہے۔ یہ سیکشن پائپ لائنوں اور بوائلروں سے منسلک نقشہ سے متعلق گوناگوں مسائل کامیابی کے ساتھ سلجھا رہا ہے۔ یہ قابل فخر بات ہے کہ گزشتہ چند برسوں کے اندر بوائلروں میں کسی نوعیت کا کوئی حادثہ نہیں پیش آیا ہے۔

مزدور بہبود رفاہ بورڈ :- ۱۷-۱۔ مغربی بنگال مزدور رفاہ فنڈ ایکٹ برائے ۱۹۷۴ء کے تحت آنے والے کارکنوں کی رفاہی خدمات اور تفریحی سہولتوں کو فروغ دینے کے مقصد کے ساتھ مزدور رفاہ بورڈ اس ریاست میں ۵۶ مزدور رفاہ مراکز اور ۱۴ ہولی ڈے ہوم چلا رہا ہے۔ ان میں ایک ہولی ڈے ہوم مارچ ۱۹۹۰ء کے دوران بکھالی کے مقام پر کھلا ہے۔ بورڈ ہذا نے دو مثالی مزدور رفاہ مراکز — ایک مراتی میں اور دوسرا دارجلنگ ضلع کے پوکھریا بونگ میں اس علاقے میں واقع چائے باغات میں کام کرنے والے مزدوروں کے فائدے کیلئے تعمیر کیا ہے۔ بورڈ ہذا نے شمالی بنگال کے ڈاگاپور میں ایک نیا مثالی رفاہ مرکز مع ڈورمٹری (اقامت گاہ) کھولا ہے۔ بورڈ ہذا درج ذیل سرگرمیوں کا انعقاد کرواتی ہے:۔ (۱) کھیل کود اور جسمانی ورزش (۲) مزدوروں کی ذہنی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے لئے تفریحی و ثقافتی سرگرمیاں (۳) پیشہ ورانہ تربیت (۴) ہولی ڈے ہوم کی سہولتیں (۵) قومی اہمیت کے حامل ممتاز دنوں خصوصاً یوم مئی کا منانا (۶) کتب خانوں کی سہولتیں (۷) کھیل کود اور ثقافتی مقابلوں کا انعقاد کروانا۔

۱۷-۲۔ رسمی تعلیمات یا پیشہ ورانہ تربیت کی حصولی کے سلسلہ میں کم اجرت پانے والے مزدوروں کو اسکالرشپ/اسٹائی پنڈ فراہم کرانے کے لئے بورڈ ہذا ایک اسکیم پر عمل درآمد کر رہی ہے۔ اسکیم ہذا کے تحت اوسطاً ۲ء۲۵ لاکھ روپئے بطور اسکالرشپ/اسٹائی پنڈ سالانہ دیئے جاتے ہیں۔

۱۷-۳۔ بورڈ ہذا نے ای ایس آئی ہسپتالوں اور اس ریاست کے ایک ٹی بی سینا ٹوریم کو ۳۱ عدد بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی سیٹس عطا کیا اور ای ایس آئی ہسپتالوں کو ان کے مریضوں کی تفریح کے لئے کتابیں، تاش اور شطرنج کے بورڈس سپلائی کئے۔

۱۷-۴۔ بورڈ ہذا نے مسائل آبادی اور خاندانی رفاہ کے موضوعات پر لاتعداد سیمینار کا انعقاد بھی کروایا ہے اور حکومت ہذا کے شعبۂ صحت عامہ و خاندانی رفاہ کے اشتراک سے مزدوروں کے فائدے کے لئے چند لیپروسکوپی آپریشن کیمپ کا بھی انعقاد کرلیا ہے۔ اس بورڈ نے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے اشتراک سے شمالی بنگال میں ایک لوک ثقافتی میلہ کا انعقاد بھی کروایا ہے۔ مختلف صنعتوں کے مزدوروں کی سرگرم شرکت کے ساتھ بورڈ

ہذا نے اپنے رفاہی مراکز میں مزدور رفاہی ہفتہ کا بھی اہتمام کروایا ہے۔

۱۸۔ ریاستی لیبر انسٹی ٹیوٹ میں جاب ورفاہ مزدور پر ایک سرٹیفکیٹ کورس کو فروغ دیکر ڈپلوما کورس بنایا گیا ہے تاکہ طلبہ مختلف مزدور قوانین کی واقفیت سے آراستہ ہوسکیں اور صنعتوں میں لیبر ویلفیئر افسران/ پرسنل افسران کی حیثیت سے روزگار حاصل کرنے کے لیئے ان کا خاطر خواہ استعمال کرسکیں۔ حال ہی میں مذکورہ ریاستی لیبر انسٹی ٹیوٹ کی سرگرمیاں کو لامرکوز بنا دیا گیا ہے۔ درستی گوڑی میں ایک برانچ (شاخ) انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ ہر سال یہاں سے ۶۰ عدد طلباء فارغ ہوکر نکلتے ہیں۔

غیر منظم سکٹر:۔ ۱۹۔۱۔ ہمارے ملک میں غیر منظم سکٹر روزگار اور آمدنی پیدا کرنے کے میدان میں ایک نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ ۹۰ فیصد سے بھی زائد ہمارے مزدور اپنی روزی روٹی کے لیئے اس غیر منظم سکٹر پر انحصار کرتے ہیں لہٰذا ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کے لئے زرخیز امکانات اور اچھے روزگار تلاش کریں، ان کے کام کی صورت حال کو بہتر بنائیں اور سماجی اور قانونی اقدامات کو بروئے کار لاکر انھیں تحفظ بخشیں۔ مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل کے لیئے حکومت ہذا نے ابتک درج ذیل کارروائیاں کی ہیں۔

۱۹۔۲۔ اجرت کو پُر یقین بنانے کی خاطر کم سے کم نچلی سطح تک شعبہ ہذا نے کم سے کم اجرت کا تعین کیا ہے اور نافذ کرنے والی مشنری کے ذریعہ اس پر عمل درآمد کروایا ہے۔ فی الحال ۱۹۷۷ء کے دوران کم از کم ۲۳ روزگاروں کے مقابلہ میں ۴۴ روزگاروں میں اجرت کا تعین ہو چکا ہے۔ حکومت ہذا نے مذکورہ فہرست میں مزید ۱۲ روزگاروں کو بھی شامل کیا ہے۔ ان روزگاروں میں کم از کم اجرتوں کے تعین کا کام جاری ہے۔ غیر منظم سکٹر میں مزدوروں جنکی کم از کم اجرت کا تعین ہو چکا ہے، کیلئے مہنگائی بھتہ کی غیر جانبدارانہ شرح کو ۶۰ پیسے سے بڑھاکر ایک روپیہ فی نکتہ بنایا گیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر کم از کم اجرت میں صارفین کی قیمت اشاریہ میں اضافے کے ساتھ اضافہ ہوتا ہے۔ اس ریاست کے روزگار کی اکثریت میں کم از کم اجرت بارہ سو روپے ماہانہ یا اس سے بلند ہے۔ چونکہ کم از کم اجرت کے تعین یا اس پر نظر ثانی کے ۱۹ اطلاع ناموں کے سلسلے میں عزت مآب عدالتوں نے حکم امتناعی جاری کردیا ہے۔ ریاستی حکومت ان حکم امتناعی کو خارج کروانے کی کوشش کر رہی ہے [illegible] پیش کی ہے کہ وہ دستور ہند [illegible] کی [illegible] سے بکھیڑوں سے محفوظ رکھا جاسکے۔

۱۹۔۳۔ ریاستی حکومت بڑی بے چینی کے ساتھ اس حقیقت کو جاننا چاہتی ہے کہ ہر جگہ سے بندھوا مزدوری کو ختم کیا جائے۔ اگرچہ اس کی جڑیں کافی مضبوط ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت ہذا نے درج ذیل کارخانوں کے سلسلے میں مخصوص کام کاج سے متعلق بندھوا مزدوری کو ختم کرنے کے لیئے ایکٹ ہذا کے تحت اطلاع نامہ جاری کیا ہے:

(۱) انڈین آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی، برن پور (۲) ڈنلپ (انڈیا) لمیٹڈ۔ (۳) درگاپور اسٹیل پلانٹ (۴) ہندوستان فرٹیلائزر کارپوریشن لمیٹڈ (۵) مائننگ اینڈ الائڈ مشنری کارپوریشن لمیٹڈ (۶) الائے اسٹیل پلانٹ، درگاپور (۷) ہندوستان پٹرولیم کارپوریشن لمیٹڈ، بج بج (۸) انڈین آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی لمیٹڈ، کلٹی (۹) درگاپور تھرمل پاور اسٹیشن، ڈی وی سی (۱۰) اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمیٹڈ، اسٹوریارڈ (۱۱) ہندوستان اسٹیل ورکس کنسٹرکشن لمیٹڈ اور (۱۲) دامودر ویلی کارپوریشن کے تحت ڈی۔ ٹی۔ پی۔ ایس کی کینٹین۔

۱۹۔۴۔ اس ریاست کے بیڑی مزدوروں کو ہسپتال میں داخلہ کے اخراجات، بچوں کے لیئے وظیفہ، گروپ انشورنس کی سہولتیں ہو اسپنے مکان خود بنائیے" اسکیم کے تحت مکان کی تعمیر وغیرہ جیسی چند مخصوص سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ جملہ اسسٹنٹ لیبر کمشنروں، بلاک ڈیولپمنٹ افسران اور کم از کم اجرت انسپکٹروں کو یہ اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ بیڑی مزدوروں بشمول گھریلو کارکنوں کو شناختی کارڈ جاری کریں تاکہ مذکورہ بالا کارکنان رفاہی سہولتوں سے مستفیض ہوپائیں۔ ابتک ۳ لاکھ سے زائد شناختی کارڈ جاری کئے جاچکے ہیں۔ صرف ۱۹۹۶ء کے دوران ہی درجہ پنجم میں تعلیم پانیوالے بیڑی مزدوروں کے ۱۰۷۲۵ عدد بچوں کے درمیان ۴۲ لاکھ روپیے بطور وظیفہ تقسیم کیئے گئے ہیں۔ مزید برآں درجہ یکم تا چہارم میں تعلیم پانے والے بیڑی مزدوروں کے اسکول جانے والے بچوں کو ایک جوڑا لباس کی فراہمی کے سلسلے میں ۶۰۲۵ لاکھ روپیے بطور مالی امداد دیئے گئے ہیں۔ ۱۲۲۶ عدد بیڑی خواتین مزدوروں کو سال رواں کے دوران ۲۰۵۰ روپیے بطور زچگی فوائد عطا کیئے گئے ہیں۔ شناخت کردہ تمام بیڑی مزدوروں کو گروپ انشورنس اسکیم کے تحت لایا گیا ہے اور ۱۹۹۶ء کے دوران [illegible] رفاہی فنڈ سے [illegible]

نے ۱۸۹ بیگری مزدوروں یا ان کے خاندان کے ہر فرد کو ۳۰۰۰ روپئے دیئے تھے۔

۱۹۔۵۔ کمشنر برائے معاوضہ ملی مزدور کلکتہ، درگاپور اور جلپائی گوڑی کے مقامات پر اپنے دفتر میں دستیاب رہتے ہیں۔ یہ کمشنر حضرات صنعتی مزدوروں سے وابستہ دعوئ معاوضہ اور مہلک حادثاتی معاملات کی شنوائی کرتے ہیں۔ کمشنر برائے معاوضۂ ملی مزدور کی جانب سے جاری کردہ حکمنامہ پر ملی مالکوں نے ابتک ۱۶ کروڑ روپئے جمع کروا لئے ہیں اور ان میں سے تقریباً ۱۵ کروڑ روپئے ۳۰۰۰۰ متاثر ملی مزدوروں کے درمیان ادائیگی کے لیے نکالے گئے ہیں۔

۲۰۔۱۔ ریاستی حکومت نے حکومت ہند کے تعاون سے مہلک پیشوں سے بچہ مزدوری کے خاتمہ کے نیک فعل کے لیئے بڑے پیمانے پر پروگرام چلائے ہیں۔ ابتدائی طور پر مالکوں، خصوصاً مزدوروں اور عموماً عام لوگوں کے اندر بیداری پیدا کرنے کی مہم چلائی گئی تھی۔ اس مقصد کے تحت دو سیمنار ایک کلکتہ میں دوسرا اسلی گوڑی میں منعقد کیئے گئے ہیں اور ان دونوں ہی سیمناروں کو مغربی بنگال کے گورنر نے خطاب کیا تھا۔ مزیدبرآں لاتعداد سیمنار، ورک شاپ، گروہ بہ بات چیت کا انعقاد مقامی سطح پر انتظامیہ اور غیر سرکاری تنظیموں کی ایماء پر منعقد ہوئے تھے۔

۲۰۔۲۔ قومی بچہ مزدور پروجکٹ کو اس ریاست کے شامت اضلاع بردوان، مدناپور، مرشد آباد، شمالی ۲۴ پرگنہ جنوبی ۲۴ پرگنہ، شمالی دیناجپور اور جنوبی دیناجپور میں روبہ عمل لایا گیا۔ مہلک اور پُرخطر پیشوں سے منسلک بچہ مزدوروں کو غیر رسمی تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے ان اضلاع میں ۲۰۵ اسکول قائم کیئے گئے۔ ان اسکولوں میں تقریباً ۱۰۰۰۰ بچہ مزدوروں نے داخلہ لیا۔ یہاں ہر بچہ مزدور کو ۱۰۰ روپئے ماہانہ وظیفہ ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں دن کا کھانا، پڑھنے لکھنے کے سامان اور طبی امداد بھی فراہم کیئے جاتے ہیں۔

۲۰۔۳۔ ہندوستان کی عزت مآب سپریم کورٹ کی جاری کردہ ہدایات پر ریاستی حکومت نے حال ہی میں اس ریاست کے تمام بچہ مزدوروں کا سروے کیا ہے۔ اس کے پورے ہو جانے کے بعد بچہ مزدوروں کو مہلک اور پُرخطر پیشوں سے نکال لیا جائیگا اور انھیں رسمی اسکولوں میں داخل کروا دیا جائیگا۔ بچہ مزدور بحالی و رفاہی فنڈ کا قیام ضلع سطح پر عمل میں لایا جائیگا اس کا کام مہلک اور پُرخطر پیشوں سے رہائی پانیوالے بچہ مزدوروں کو مالی امداد فراہم کرنا ہوگا۔

۲۱۔ اہم مزدور قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں ایک تفصیلی اطلاع درج ذیل جدول میں پیش کی جاتی ہے:

جدول ــــــ ۱

کم از کم اجرت ایکٹ برائے سنہ ۱۹۴۸ء

اعداد شمار	تفصیلات	صنعت	زراعت کے علاوہ دیگر امور
۱	۔ کیئے گئے معائنہ کی تعداد	۵۷۵۶۱۸	۴۶۸۸۱۸
۲	۔ چالو کیئے گئے استغاثہ کی تعداد	۱۲۰۴۲	۱۴۴۳۰
۳	۔ نپٹائے گئے استغاثہ کی تعداد	۷۵۰۹	۱۰۳۹۷
۴	۔ عدالتوں کی جانب سے لگائے گئے جرمانے کی رقم	۵۴۶۵۱۳۶۸۷ روپئے	۱۷۹۹۷۰۰۶۰۰ روپئے
۵	۔ داخل شدہ معاملات دعویٰ کی تعداد	۲۸۹	۳۴۵
۶	۔ نپٹائے گئے معاملات دعویٰ کی تعداد	۸۹	۱۲۸
۷	۔ طے شدہ معاملات دعویٰ کی رقم	۶۸۱۲۸۷۶۸۰ روپئے	۲۵۸۰۰۶۹۳ روپئے
۸*	۔ نفاذی مشنری کی مداخلت پر مزدوروں کو مالکوں کی جانب سے ادا کی جانے والی رقم	۴۷۶۷۷۴۶۱۵ روپئے	۹۴۹۲۸۲۶۴۸ روپئے

* سال ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، تا ۱۹۹۶ء سے متعلق اعداد شمار دستیاب ہیں۔

جدول ـــــ II
موٹر ٹرانسپورٹ ورکرس ایکٹ برائے ۱۹۶۱ء

۱۔ اندراج شدہ اندر ٹیکنگس کی کل تعداد	۱۰۷۵۳	(۴) اندراج کی سند کی تجدید کیلئے حاصل شدہ فیس کی رقم	۱۷۲۹۸،۳۰ روپے
۲۔ اندراج شدہ اکائیوں کے تحت آنے والے کارکنوں کی کل تعداد	۹۲۴۳۸	(۵) کئے گئے معائنہ کی تعداد	۹۱۸۱
		(۶) طے شدہ معاملات استغاثہ کی تعداد	۱۰۴۷
۳۔ اندراج کیلئے حاصل شدہ فیس کی رقم	۲۰۷۸۷۱،۶۱ روپے	(۷) جرمانے کے ذریعہ ملنے والی رقم	۷۷،۶۸۷۷۴۳۲ روپے

جدول ـــــ III
مغربی بنگال ورک مینس ہاؤس رنٹ الاؤنس ایکٹ برائے ۱۹۷۴ء

۱۔ کئے گئے معائنہ کی تعداد	۳۵۸۳	(۴) لگائے گئے جرمانے کی رقم	۵۵۰۰۶،۰۰ روپے
۲۔ چالو کئے گئے معاملات استغاثہ کی تعداد	۸۴	(۵) تعدادی مشنری کی مداخلت	
۳۔ طے شدہ معاملات استغاثہ کی تعداد	۳	پر مالکوں کی جانب سے کارکنوں کو ملنے والی رقم	۱۶۸۱۵۸۶،۸۶ روپے

جدول ـــــ IV
بین الریاست ہجرت کرنے والے ورک مین (ریگولیشن آف ایمپلائمنٹ اینڈ کنڈیشنس آف سروس) ایکٹ برائے ۱۹۷۹ء

۱۔ کئے گئے معائنہ کی تعداد	۸۷۴۴	۶۔ حاصل شدہ اندراج فیس کی رقم	۵۹۲۷۳،۵۰ روپے
۲۔ چالو کئے گئے معاملات استغاثہ کی تعداد	۱۸۸	۷۔ منظوری پانے والے لائسنس کی تعداد	۱۷۶
۳۔ طے شدہ معاملات استغاثہ کی تعداد	۱۵۶	۸۔ حاصل شدہ لائسنس فیس کی رقم	۱۱۹۴۱،۰۰ روپے
۴۔ عدالتوں کی جانب سے عاید کردہ جرمانے کی رقم	۷۴۲۶۵،۰۰ روپے	۹۔ اندراج کے تحت آنے والے کارکنوں کی کل تعداد	۱۵۱۷۲
۵۔ منظوری پانے والے نئے اندراج کی تعداد	۱۰۷۵	۱۰۔ لائسنس رکھنے والوں کے تحت آنے والے کارکنوں کی کل تعداد	۱۶۲۱

جدول ـــــ V
بیڑی، سیگار ورکرس (کنڈیشنس آف ایمپلائمنٹ) ایکٹ برائے ۱۹۶۶ء

۱۔ کئے گئے معائنہ کی تعداد	۴۴۶۸۲	۵۔ منظوری پانے والے لائسنس کی تعداد	۵۶۵۲
۲۔ چالو کئے گئے معاملات استغاثہ کی تعداد	۱۵۷۳	۶۔ حاصل شدہ لائسنس فیس کی رقم	۴۹۵۴۳،۸۵ روپے
۳۔ طے شدہ معاملات استغاثہ کی تعداد	۵۴۶	۷۔ حاصل شدہ تجدیدی فیس کی رقم	۱۸۰۶۸۲،۰۰ روپے
۴۔ عدالتوں کی جانب سے عاید ہونے والے جرمانے کی رقم	۵۹۹۱،۰۰ روپے	۸۔ بیڑی مزدوروں کو جاری کردہ شناختی کارڈ کی تعداد	۳۴۵۱۰

۴۲۔ اس ریاست کے صنعتی مزدوروں کا مفاد اس ریاست کی صنعت کاری سے براہ راست جڑا ہوا ہے۔ فرائٹ اکوالائزیشن پالیسی، لائسنسنگ پالیسی، اور مرکزی حکومت کی سرد مہری وغیرہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے ابتک اس ریاست میں صنعت کاری کی رفتار اتنی سست رہی ہے۔ ریاستی حکومت بار بار مرکزی حکومت کو اس پالیسی میں بدلاؤ لانے کی تاکید کرتی رہی ہے اور اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ فرائٹ پر سے پابندیاں ہٹالی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت کی جانب سے اعلان کردہ ایک نئی صنعتی پالیسی سے اس ریاست میں تیز رفتار صنعت کاری کا ایک دور شروع ہوا ہے۔ پرانی اور بیمار صنعتوں کو جلا بخشنے اور ان میں جدت کاری لانے کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت نے اس ریاست میں نئی صنعتیں قائم کرنے کے لئے کاروباریوں کی بھی ہمت افزائی کی ہے۔ بیمار صنعتوں کو سیلس ٹیکس کی ادائیگی سے بری کر دیا گیا ہے۔ یا ٹیکس مذاکراں کے لئے سہل مدتی قرض میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت اکویٹی (یعنی غیر معین شرح سود کے حصے) میں شریک ہوتی ہے اور کریں کو آپریٹیو سوسائٹیز (یعنی کارکنان کی امداد باہمی انجمنوں) کو سرکاری شرکت سے بڑھاوا مل رہا ہے۔ سو فیصد ماہرین پر مشتمل اکائیوں کے لئے خالص اکسپورٹ پروسسنگ زون کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ ہر ضلع میں صنعتی اثاثوں کا قیام اس لئے عمل میں لایا جا رہا ہے تاکہ لازمی ضروریات کے ساتھ چھوٹے کاروباریوں کو ٹکانے رکھا جا سکے۔ "یک روزن مسطوری نظام (ون ونڈو کلیئرنس سسٹم)" قائم کیا گیا تاکہ لائسنس جاری کرنے کے عمل میں تیزی آئے۔ پشمینہ، کاشن جیسی روایتی صنعتوں کو جلا بخشنے اور ان میں جدت کاری لانے کے ساتھ ساتھ انجینئرنگ کو بھی بڑھاوا دیا گیا۔ علاوہ ازیں ریاستی حکومت نے الیکٹرونکس، کمپیوٹر سوفٹ ویئر، خوراک پروسسنگ، قالین جیسی صنعتوں کی ترقی جیسی نئی صنعتوں کے قیام میں ہر ممکن تعاون دیا ہے۔ ان تمام اقدامات کے نتائج آنے لگے اور آپسی سمجھ بوجھ کے قرارداد پر دستخط ہوئے اور اس کے تحت ہزاروں کروڑوں روپئے کی سرمایہ کاری عمل میں آئی۔

۴۳۔ ریاستی حکومت مرکزی حکومت کی غلط سماجی و معاشی پالیسیوں کے خلاف جد و جہد کرنے والا محنت کش طبقہ اور انتظامیہ کے استحصال کا شکار طبقہ کو اپنا بھرپور تعاون دے رہی ہے۔ آج بھی ہولوگ بڑھتی ہوئی بے روزگاری، صنعتی گراوٹ، بندی، بڑھتی ہوئی قیمتوں، ناقابل برداشت پریشانیوں اور مختلف فرقوں کے لوگوں کی پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ ہمیں لوگوں کو محنت کش طبقہ پر پورا پورا اعتماد ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ طبقہ متحد رہے گا اور بہتر خدمات اور بہتر رہائشی حالات کیلئے اپنی جد و جہد جاری رکھے گا۔ مجھے کسی شک و شبہ کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ ہماری ٹریڈ یونینیں پُرامن طریقہ عمل کے ذریعہ اپنے مقاصد کی حصول کیلئے ضرورت سے زیادہ بالغ نظر ہیں۔ مزدوروں نے پیداوار اور اس کی زرخیزی کے بارے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ میں انتظامیہ کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنے کارکنوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے کے راستے کو نہیں اپنائیں، ان کے مسائل کو ہمدردی کے ساتھ بانٹنے کی کوشش کریں اور ان سے ان کا تعاون مانگیں اور مشورہ لیں۔ مجھے یقین ہے کہ مزدور اس برتاؤ کا خیر مقدم کریں گے اور اس ریاست میں مالک اور مزدور کے تعلقات کے میدان میں ایک نئے دور کا سورج طلوع ہوگا۔

■■

بقیہ:- لالہ لاجپت رائے کی وطنی خدمات

اس بزدلانہ حملے کا ہمیں بدلہ لینا ہے اور اس کا طریقہ یہ نہیں کہ ہم بھی ان پر حملہ کریں بلکہ ہم آزادی حاصل کر کے اس کا بدلہ چکائیں گے..."

اس جگہ لالہ لاجپت رائے کو جو جسمانی اور ذہنی چوٹ پہنچی اس کی وجہ سے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے۔ ان کو شدید صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

کہا پر لال کہتے ہیں کہ ان کو شخصی یا ذاتی بے عزتی پر غصہ یا تلخی نہ تھی بلکہ [illegible] کہ یہ پوری قوم کی توہین ہوئی ہے۔ ان حالات میں ۱۷ر نومبر ۱۹۲۸ء کو وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ سبھاش چندر بوس کے قول کے مطابق لالہ جی کی موت کے بعد قوم نے زبردست سوگ منایا اور عوام میں زبردست غم و غصہ پایا گیا۔ سائمن کمیشن عوام میں انتہائی غیر مقبول ہوا۔ اس طرح شیر پنجاب کی وفات نے ہندوستان کے ایک مجاہد آزادی کو چھین لیا۔ اس کے بعد ہی ہندوستان کے عوام میں حصول آزادی کے لئے ایک نئے جذبے نے جنم لیا۔ (بشکریہ پی آئی بی)

■

لالہ لاجپت رائے کی وطنی خدمات

عادل صدیقی

لالہ لاجپت رائے کا شمار ان عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ہندوستان کے عوام میں بیداری لانے اور تحریک آزادی کو آگے بڑھانے میں نمایاں رول ادا کیا۔ ان کے معاصرین میں کم ہی ایسے لوگ ہیں جنہیں دیش بھگتی میں ان کے برابر ہونے کا دعویٰ ہو۔ وہ ملک کی خاطر اپنی قربانیوں اور اپنی دانشورانہ صلاحیتوں کے لئے تاریخ ہندوستان میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایک صحافی، مصنف اور پیدائشی لیڈر تھے۔ انھوں نے ایک دانشور مفکر اور سیاسی سرگرم کارکن کی حیثیت سے ابنائے وطن کی بڑھ چڑھ کر خدمت کی۔

جسٹس ایم۔ ہدایت اللہ نے ۱۹۶۵ء میں لاجپت رائے میموریل لکچر دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہندوستان کی آزادی کی لڑائی لڑنے والے بہت سے لوگ تھے لیکن اس شیر پنجاب کی طرح کم ہی لوگ تھے۔ بحیثیت قومی لیڈر بلاشبہ وہ ایک نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ وہ محض قومی لیڈر ہی نہ تھے بلکہ قومی معمار بھی تھے۔ انھوں نے متعدد خدمات اور قربانیوں سے نہ صرف ہندوستان کی آزادی کے کاز کو آگے بڑھایا بلکہ ہندوستانیوں میں جذبہ قومیت کا صور پھونکا جس سے تحریک آزادی کو قومی سطح پر آگے بڑھانے میں مدد ملی۔ اگر انھوں نے ملک میں ان انتہا پسندوں کے ساتھ ناطہ جوڑا جو کہ ہر قیمت پر ملک کو آزاد کرانا چاہتے تھے تو یہ اس سے جوش و خروش اور جذبہ کا مظہر تھا جو اس دور میں قوم میں پایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے بجا طور پر کہا کہ اگر کسی فرد یا کسی دور کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تاریخ پوری طرح نظر ہو اور ان حالات و واقف کا علم ہو جن کے تحت اس دور کے فیصلے کئے گئے تھے۔ مہاتما گاندھی ان کے دور کے ایک عظیم انسان تھے۔ انھوں نے لالہ لاجپت رائے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ رنگا رنگ اور ہمہ گیر شخصیت تھی۔ لالہ لاجپت رائے کے یورپ میں قیام کے دوران مشہور مفکر روماں رولاں سے ان کی ملاقات ہوئی، انھوں نے لالہ لاجپت رائے کو عظیم سیاستداں اور بالغ النظر انسان بتایا۔ سبھاش چندر بوس نے لالہ لاجپت رائے کو کانگریس کا عظیم دانشور کہہ کر ان کو خراج عقیدت پیش کیا۔

صورت میں کانگریس دو حصوں میں بٹ گئی تھی مگر اس کے بعد لالہ لاجپت رائے کا نام بچے بچے کی زبان پر آگیا۔ ہندوستان میں برطانوی دور میں جب سائمن کمیشن آیا تو انھوں نے برطانوی سامراجیت کے خلاف کھل کر لڑائی لڑی۔ اگرچہ برطانوی حکم سے سپاہیوں نے اپنی لاٹھیوں سے ان کو مار گرایا، لیکن ان کی اس انداز کی موت نے ان کے کروڑوں دیش واسیوں کے دل میں حب وطن کا شعلہ بھڑکا دیا۔ اس طرح لالہ لاجپت رائے قومی تحریک آزادی کو آگے بڑھانے والوں کی صف میں ایک نمایاں اور رنگا رنگ شخصیت کے روپ میں تاریخ ہند کا ایک جزو لاینفک بن گئے۔

ابتدائی زندگی:- لالہ لاجپت رائے ۲۸ جنوری ۱۸۶۵ء کو پنجاب کے ضلع فیروز پور میں ڈھڈکی (Dhudike) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام منشی رادھا کرشن آزاد اور والدہ کا نام گلاب دیوی تھا۔ ان کا تعلق مالیر کوٹلہ کے اگروال بنیا خاندان سے تھا۔ بعد میں یہ لوگ ڈھڈکی سے آٹھ کیلومیٹر دور ایک گاؤں جگراؤں میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ لالہ لاجپت رائے کی والدہ جس خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، وہ ایک سکھ خاندان تھا۔ لالہ لاجپت رائے کے ایک قریبی ساتھی لالہ فیروز چند لکھتے ہیں:

"میں جب غور و فکر کرتا ہوں تو مجھے یہ خیال آتا ہے کہ نوجوان لالہ لاجپت رائے پر سکھ اثرات کافی غالب رہے۔ میں یقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ گورو گووند سنگھ کی زندگی لالہ لاجپت رائے کے لئے تحریک عمل کا سرچشمہ رہی اور ان کی زندگی کا یہ وہ گوشہ ہے جو کم لوگوں کو معلوم ہے۔"

لالہ لاجپت رائے کے والد منشی رادھا کرشن کی ابتدائی تعلیم ایک فارسی اسکول میں ہوئی تھی جہاں ایک مسلمان ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کی زندگی اور سیرت سے وہ بیحد متاثر تھے اور انھیں کے زیر اثر وہ سر سید احمد خاں کو بہت مانتے تھے۔ انھوں نے بحیثیت مدرس فارسی اپنا کیریر شروع کیا۔

لالہ لاجپت رائے اپنے باپ کے زیر اثر کبھی کبھی ماہ رمضان میں روزے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔ ۱۸۷۹ء میں انھوں نے لدھیانہ مشن ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ انھوں نے مولوی محمد حسین کی کتاب قصص ہند پڑھی جس سے

وہ ہندو راجپوت راجاؤں کی بہادری اور کردار سے متاثر ہوئے۔ ہندوستان کی تاریخ پر لکھی گئی ایک کتاب "واقعات الہند" نے بھی ان پر گہرا اثر ڈالا۔ نومبر ۱۸۸۰ء میں وہ لدھیانہ سے لاہور گئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے انھوں نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۲ء میں انھوں نے مختار شپ میں جونیئر وکیل کا امتحان پاس کیا۔

<u>ہندو مسلمان اتحاد</u>:۔ لاجپت رائے نے سماج سدھار کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ ان کے سماجی اور معاشرتی مقاصد کو سیاسی اور اقتصادی خیالات سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ برطانوی سرکار ہندو اور مسلمانوں کو آپس میں فرقہ وارانہ بنیادوں پر لڑا کر خود حکومت کرنا چاہتی ہے۔ ہندو مسلمانوں کے تعلقات خراب کرنے میں برطانوی سرکار کے اس رول کو نہ صرف لالہ لاجپت رائے بلکہ بعد کے مصنفین مثلاً اشوک مہتہ، اچیوت پٹوردھن، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور مہاتما گاندھی نے تسلیم کیا ہے۔ انھیں اس بات پر بہت افسوس تھا کہ خلافت تحریک کے دوران ہندو مسلمان کے درمیان اتحاد کی جو بے مثال صورت حال دیکھنے کو ملی تھی وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکی۔ خلافت تحریک سرد پڑ جانے کے بعد مسلمانوں کی عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریکات سے دلچسپی سرد پڑ جانے پر بھی انھیں افسوس ہوا۔ لالہ لاجپت رائے نے گاندھی جی کے زیر اثر خلافت تحریک کی بھرپور حمایت کی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد پر زور دیتے ہوئے انھوں نے کہا تھا۔

"اس مرحلے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم جہاں تک ہو سکے اس راستہ پر آگے بڑھیں اور ایسا کرنا ملک کے مفاد کے عین مطابق ہوگا، بھلے ہی اس میں ہندوؤں کو کچھ نقصان اٹھانا پڑے۔ ہندو مسلم اتحاد تاریخ ہند میں ایک نئی صبح ہوگی اور اس موقع کو گنوانا انتہائی بے وقوفی ہوگی اور تنگ نظری بھی۔ ایسے مواقع شاید و باید آتے ہیں۔

لالہ لاجپت رائے نے ہندو مسلم تنازعات کو جذبہ قومیت اور وسیع النظری سے حل کرنے پر زور دیا اور دونوں فرقوں سے کھلے ذہن سے کام کرنے کی اپیل کی۔ لالہ لاجپت رائے تمام فرقوں کی مذہبی آزادی کے اصول میں یقین رکھتے تھے۔ سیکولرزم میں ان کا کٹر یقین تھا اور وہ آزاد ہندوستان میں اسے اپنانا ضروری سمجھتے تھے۔ انھوں نے اعلانیہ یہ بات کہی "آئین ہند کا پہلا آرٹیکل تمام مذاہب کی مکمل مذہبی آزادی پر ہونا چاہیئے، صرف ان پابندیوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے جو لاء اینڈ آرڈر کے قیام کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ ملک

میں جو بھی حکومت بنے وہ مذہبی اعتبار سے سب کے لئے غیر جانبدار ہو"

ان خیالات سے ان کی وسیع المشربی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لالہ لاجپت رائے نے ہندوستان کی آزادی کے لئے ہندو۔ مسلم اتحاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھا کہ " اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کا جھگڑا نہیں نپٹایا گیا تو پورا ملک اس کی لپیٹ میں آسکتا ہے۔ اس سے ہندوستان کی تحریک آزادی پارہ پارہ ہو جائے گی اور یہ اتنا بڑا نقصان ہوگا کہ اس کی تلافی ممکن نہیں"

<u>سماجی بہبود</u>:۔ لالہ لاجپت رائے کا خیال تھا کہ ہندوستانی عوام میں سماجی بیداری نہیں ہے اور وہ سماجی ذمہ داریوں کو نہیں پہچانتے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں سماجی حالات ناخوشگوار ہیں۔ ملک میں بہبودی سرگرمیاں کو آگے بڑھانے کے لئے سماجی بیداری لانی ضروری ہے وہ عوام کی ہمہ جہت ترقی پر زور دیتے تھے۔ مغربی ممالک جس طرح فلاحی ممالک بنتے جا رہے تھے اس سے بھی انھوں نے بہت زیادہ اثر قبول کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ مغربی ملکوں میں ایسے قوانین بن رہے ہیں کہ جن سے ہر بچے کو تغذیہ بخش خوراک، غریبوں کے لئے مکانات، صحت کی خدمات مہیا کرائی جا سکیں۔ بچوں کو استحصال سے بچانا، خواتین کی بہبود، شادی کے بہتر قوانین، بوڑھوں کے لئے راحت وغیرہ کے سلسلے میں یورپ میں بنے قوانین پر بھی ان کی نظر تھی۔ لالہ لاجپت رائے کو یہ شکایت تھی کہ غیر ملکی حکومت کی موجودگی میں ہندوستان میں یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے کہا کہ " ہندوستان میں سماج سدھار انتہائی مشکل حالات میں کام کر رہے ہیں۔ انھیں ایسے لوگوں کے درمیان کام کرنا پڑ رہا ہے جو تعلیمی سہولتوں سے محروم ہیں، ان پڑھ ہیں اور حکومت کی طرف سے ان کے لئے کوئی امداد نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ غیر ملکی حکومت نے ایسے نئے طریقے وضع کئے ہیں جن سے پرانے طریقے اور قدیم وضع قطع ہی چلتی رہے اور ان کے ذریعہ اس حکومت کے اپنے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔

<u>پسماندہ اقوام</u>:۔ لالہ لاجپت رائے کے دور میں ہندوستان میں سماجی حالات مشکل ترین راستوں سے گزر رہے تھے۔ پسماندہ طبقات کو طرح طرح کی ناانصافیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لاجپت رائے نے صاف ذہن کے ساتھ لکھا کہ " ہندوؤں میں ذات پات کا نظام سماج کے لئے ایک کلنک ہے اور ان کی سماجی اور قومی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کو دور کر کے قوم استحکام کی بلندیوں کو چھو سکتی ہے"

اس طرح لالہ جی کو ہندوستان میں احیائے نو کی تحریک کا نقیب کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے چھوا چھوت کے خلاف جو مہم چلائی، وہ ہندوستانی سماج

کی کایا پلٹ اور آئندہ کے لئے راستہ ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندوستانی سماج کی اخلاقی حالات سدھارنے اور دانشورانہ صلاحیتوں کو جلا دینے کے لئے سماج کے سبھی طبقات کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے۔ پسماندہ طبقات کی گرتی ہوئی صورت حال ہماری سماجی تنظیموں کے لئے ایک چیلنج ہے اور سماجی نظام کے سدھار کے لئے ان کی حالت سنوارنا وقت کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ان کا ایک سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے چھوا چھوت کے مسئلے کو قومی آزادی کی ضرورت سے جوڑا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پسماندہ اور غریب نیز اچھوتوں کی بڑی تعداد کو ساتھ لائے بغیر ہندوستان میں حصول آزادی کا خواب پورا نہیں ہو سکے گا۔

تعلیمی اصلاحات:- تعلیم کس طرز کی ہو اس بارے میں لالہ لاجپت رائے کے خیالات آزادانہ انداز پر تھے اس سلسلہ میں وہ ایسی تعلیم کی فوقیت پر زور نہ دیتے تھے جس سے انداز فکر محدود ہو جائے۔ وہ تنگ نظری پر مبنی تعلیم کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ انگلش پبلک اسکول کی طرز کی تعلیم کے حق میں نہ تھے البتہ امریکی طرز تعلیم سے بے حد متاثر تھے۔ اس طرز تعلیم کی خاص بات یہ ہے کہ یہ آدمی کو نفسیاتی طور پر کسی ایسی انا میں مبتلا نہیں کرتی جس سے مرتبہ کی بنیاد پر اس میں غرور آئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"امریکہ میں امیر آدمیوں کے بیٹے کسی خصوصی اسکیم کے تحت تعلیم نہیں پاتے۔ اس ملک میں خاندان کی بنیاد پر کوئی امارت ملحوظ نہیں ہوتی۔ اس ملک میں اس بات کی کوئی حقیقت نہیں کہ کون آدمی کتنے امیر اور کتنے بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ امریکہ میں کسی طرح کے خطابات سے نہیں نوازا جاتا۔ یہ الگ بات ہے کہ انسانوں میں علمی لحاظ رتبہ بڑا چھوٹا ہونا انتظامیہ کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ امریکہ میں ایسے آدمی ہیں جو اپنی دولت کے حساب سے بے مثال ہیں مثلاً یہ کہ راک فیلر اور یہ وہ لوگ ہیں جو سلطنت کی سلطنت خرید سکتے ہیں لیکن ان کے بیٹے بھی عام اسکولوں میں ہی تعلیم پاتے ہیں اور وہیں پڑھتے ہیں جہاں عام مزدور کے بچے حروف تہجی سیکھتے ہیں۔"

لالہ لاجپت رائے قومی زندگی کا سب سے زیادہ اہم حصہ مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ملک میں مستقبل کی تعلیم کا ڈھانچہ غور و فکر چاہتا ہے اور یہ کام جلدی میں انجام نہیں پاسکتا۔ تعلیم کے مقاصد اور اس کے لئے طریق کار ٹھوس اصولوں کی بنیاد پر مرتب کیا جاتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے سے قومی نظریات فروغ پاسکتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ تعلیم کا مقصد آزادی ہے اور اس آزادی

کا مطلب ہے کہ ہم غربت، بیماری، ناخواندگی اور غلامی سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ وہ کہتے تھے کہ ترک دنیا یا ترک لذات زبردست روحانی نظریہ ہے۔ لیکن آشرموں اور گروکل میں ان نظریات کے اصلیت کو صحیح مفہوم کے ساتھ نہیں اپنایا جاتا۔ وہ کہتے تھے کہ ہندوستانی عوام کی نفسیات کو بدلنا سب سے بڑا چیلنج ہے اور اس کے بغیر سماجی تبدیلی ممکن نہیں۔

اقتصادی انداز نظر:- ہندوستان کے اقتصادی مسائل کو وہ قومی انداز نظر سے حل کرنا چاہتے تھے۔ دیسی طریقوں سے وہ امیری اور غریبی کا فرق دور کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے وہ سودیشی تحریک اور غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کو ضروری سمجھتے تھے۔ سودیشی تحریک کے ذریعے سے وہ عوام کو خود کفیل بنانا چاہتے تھے۔ سرمایہ سے کس طرح کا کام لیا جائے وسائل کو کیسے کام میں لایا جائے، محنت کش طبقے کو کس طرح فائدہ پہنچایا جائے اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو کس طرح کام میں لایا جائے، یہ سب مقاصد وہ سودیشی تحریک کے توسط سے حاصل کرنا چاہتے تھے وہ کہتے تھے کہ یورپ کی تہذیب کے جس پہلو کو ہمیں کسی قیمت پر نہیں لینا چاہئے وہ یہ کہ ہم اپنے اندر طبقاتی تفریق پیدا ہونے دیں۔ وہ کام کی عظمت اور محنت کش طبقہ کی بہبود کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

لاٹھی چارج اور موت:- ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو سائمن کمیشن لاہور آیا۔ لالہ لاجپت رائے نے مدن موہن مالویہ کے ساتھ اس جلوس کی قیادت کی جو ریلوے اسٹیشن کے پاس کسی بھی طرح کے عوامی مظاہرے کے خلاف سرکاری احکامات کی خلاف ورزی میں نکالا گیا تھا۔ اس جلوس کو غیر قانونی قرار دیا گیا اور پرامن جلوس پر پولس نے لاٹھی چارج کیا۔ لاجپت رائے چونکہ سب سے آگے تھے، اس لئے ان پر وحشیانہ طور پر حملہ کیا گیا۔ برطانوی افسر مسٹر سانڈرس نے لالہ جی پر حملہ کیا۔ یہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولس تھے۔ ان کے ہمراہ کچھ لوگوں نے ان کو بچانے کی کوشش کی لیکن سانڈرس نے اس مجمع پر خاص کر جہاں لاجپت رائے اور ان کو بچانے والے ان کے ساتھی تھے، بھرپور وار کیا، لاجپت رائے شدید زخمی ہوئے۔ اسی شام انھوں نے ایک بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا "میں اس پلیٹ فارم سے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سہ پہر کو ہم کو جس چوٹ کو سہنا پڑا، اس کا ہر وار برطانوی سلطنت کے تابوت کی آخری کیل تھا۔ جس کسی نے اس ظلم و ستم کو دیکھا، وہ اسے فراموش نہیں کرسکتا۔ یہ ہماری روح میں پیوست ہو چکا ہے۔

(باقی صلا پر)

عوامی تعطیلات برائے سنہ ۱۹۹۸ء

گورنر کے حکم کے مطابق حکومت مغربی بنگال نے ۱۹۹۸ء کے مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیلات کا دن قرار دیا ہے:

این آئی ایکٹ کے تحت تعطیلات:

نیتاجی کا یوم پیدائش	۲۳ر جنوری، جمعہ
یوم جمہوریہ	۲۶ر جنوری، سوموار
عیدالفطر	۳۰ر جنوری، جمعہ
دول یاترا	۱۳ر مارچ، جمعہ
عیدالاضحیٰ	۸ر اپریل، بدھ
گڈ فرائی ڈے	۱۰ر اپریل، جمعہ
بنگلہ نئے سال کا پہلا دن	۱۵ر اپریل، بدھ
یوم مئی	یکم مئی، جمعہ
محرم	۷ر مئی، جمعرات
عید میلادالنبی (فاتحہ دوازدہم)	۷ر جولائی، منگل
جنم اشٹمی	۱۴ر اگست، جمعہ
یوم آزادی	۱۵ر اگست، سنیچر
درگا پوجا (سپتمی)	۲۸ر ستمبر، سوموار
〃 (اشٹمی)	۲۹ر ستمبر، منگل
〃 (نومی)	۳۰ر ستمبر، بدھ
〃 (دشمی)	یکم اکتوبر، جمعرات
گاندھی جی کا یوم پیدائش	۲ر اکتوبر، جمعہ
لکشمی پوجا	۵ر اکتوبر، سوموار
کالی پوجا	۱۹ر اکتوبر، سوموار
رشوناتھ کا رتھ یاترا اور گرونانک کا یوم پیدائش	۴ر نومبر، بدھ
کرسمس ڈے	۲۵ر دسمبر، جمعہ

نوٹ: (۱) این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔ چونکہ ۱۹۹۸ء کے مندرجہ ذیل تہوار اتوار کے دن پڑے ہیں اس لئے انھیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

سری پنچمی یکم فروری

مہالایا ۲۰ر ستمبر

(۲) اگر مسلمانوں کا تہوار اس دن نہ ہو جس دن کا ذکر اس فہرست میں کیا گیا ہے تو مسلم سرکاری ملازمین کو اعلان کردہ تعطیل کے دن کے ساتھ ساتھ اس دن بھی سیکشنل چھٹی دی جائے گی جس دن وہ تہوار منایا جائے گا۔

(۳) ** نشان کے ساتھ اعلانیہ تعطیلات کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پورے تعطیل کے دن نہیں ہوتے۔

۱۹۹۸ء کے مندرجہ ذیل دن عوامی تعطیلات کے دن قرار دیئے گئے ہیں۔

۱۔ بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی — یکم اپریل، بدھ

۲۔ بینک اکاؤنٹس کی نصف سالانہ بندی — ۲۹ر ستمبر، سنیچر

نوٹ: درج بالا دنوں کو سرکاری دفاتر، ٹریزریز اور سب ٹریزریز بھی کھلے رہیں گے۔

۱۹۹۸ء کے مندرجہ ذیل دن جو عوامی تعطیلات کے دن قرار نہیں دیئے گئے ہیں کلکتہ کے رجسٹرار آف انشورنسز اور کلکٹریٹ آف اسٹامپ ریونیو کو چھوڑ کر حکومت مغربی بنگال کے تحت دفاتر بند رہیں گے۔

** ربندر ناتھ کا یوم پیدائش	۹ر مئی، سنیچر
شاعر بھانو بھکت کا یوم پیدائش	۱۳ر جولائی، سوموار
** درگا پوجا، دوادشی	۳ر اکتوبر، سنیچر

** (۱) نشان کے ساتھ اعلانیہ تعطیل کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پورے تعطیل کے دن نہیں ہوتے۔

(۲) ۱۹۹۸ء میں اکادشی کا تہوار (درگا پوجا کے بعد کا تہوار) اور گاندھی جی کا یوم پیدائش (۲ر اکتوبر) ایک ہی دن پڑا ہے اور ترپودشی (درگا پوجا کے بعد کا تہوار) ۴ر اکتوبر اتوار کے دن پڑا ہے۔ اس لئے ان تہواروں کو عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں مندرجہ ذیل دن مختلف فرقوں کے لئے سیکشنل تعطیلات کے دن ہوں گے۔

(۱) مہابیر جینتی	(صرف جینیوں کیلئے)	۹ر اپریل، جمعرات
** (۲) ایسٹر سٹرڈے	(صرف عیسائیوں کیلئے)	۱۱ر اپریل، سنیچر
(۳) بیساکھی	(صرف سکھوں کیلئے)	اسکا اعلان بعد میں کیا جائیگا
(۴) بودھ پورنیما	(صرف بودھوں کیلئے)	۱۱ر مئی، سوموار

(۵) ** شب برات (صرف مسلمانوں کے لئے) — ۵ر دسمبر، سنیچر
** نشان کے ساتھ والی اختیاری تعطیلات کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پورے تعطیل کے دن نہیں ہوتے ہیں۔

ایک سرکاری ملازم ۱۹۹۸ء میں مندرجہ ذیل "محدود تعطیلات" کی فہرست سے کسی بھی دو دن کی تعطیل سے مستفید ہو سکتا ہے۔

۱۔ نئے سال کا پہلا دن	یکم جنوری، جمعرات
۲۔ پوس سنکرانتی	۱۴ر جنوری، بدھ
۳۔ سنکرات	۱۵ر جنوری، جمعرات
۴۔ شب قدر	۲۷ر جنوری، منگل
۵۔ گرو روی داس کا جنم دن	۱۱ر فروری، بدھ
۶۔ شیوراتری	۲۵ر فروری، بدھ
۷۔ ** ہولی / بابا	۱۴ر مارچ، سنیچر
۸۔ رتھ جاترا	۲۶ر جون، جمعہ
۹۔ فاتحہ یازدہم	۵ر اگست، بدھ
۱۰۔ رکشا بندھن	۷ر اگست، جمعہ
۱۱۔ دیوالی	۲۰ر اکتوبر، منگل
۱۲۔ بھاترید وتیہ	۲۲ر اکتوبر، جمعرات
۱۳۔ راشش جاترا	۳ر نومبر، منگل
۱۴۔ بسنت پنچمی (صرف ضلع پرولیا کیلئے)	۲ر فروری، سوموار
۱۵۔ بکریشور میلا (صرف ضلع بیربھوم کیلئے)	۲۶ر فروری، جمعرات
۱۶۔ ** شیا شیول (صرف ضلع مرشدآباد کیلئے)	۱۴ر مارچ، سنیچر
۱۷۔ بارد ول (صرف ضلع ندیا کیلئے)	۷ر اپریل، منگل
۱۸۔ ** کمتیکال پوجا (صرف ضلع بیربھوم کیلئے)	۱۸ر اپریل، سنیچر
۱۹۔ رام کیلی میلا (صرف ضلع مالدہ کیلئے)	۱۵ر جون، سوموار
۲۰۔ * لونز جاترا (صرف ضلع ہگلی کیلئے)	۴ر جولائی، سنیچر
۲۱۔ شاعر بھانو بھگت کا جنم دن (صرف ضلع جلپائی گوڑی کیلئے)	۱۳ر جولائی، سوموار
۲۲۔ مانسا پوجا میلہ (صرف ضلع جلپائی گوڑی کیلئے)	۱۸ر اگست، منگل
۲۳۔ پنڈ وا میلا (صرف ضلع مالدہ کیلئے)	اس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

نوٹ:۔ (۱) ** نشان کے ساتھ تہواروں کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے ہیں۔
(۲) ۱۹۹۸ء میں رام نومی کا تہوار (۵ر اپریل) اتوار کو پڑا ہے، چونکہ این ایں آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔ اس لئے اسے "محدود تعطیلات" کی فہرست شامل نہیں کیا گیا ہے۔
(۳) جمعتہ الوداع ۲۳ر جنوری کو پڑا ہے جوکہ نیتاجی کا یوم پیدائش بھی ہے اور این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیل کا دن ہے اس لئے اسے "محدود تعطیلات" کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

عازمین حج برائے ۱۹۹۸ء کے لئے ایک ضروری اطلاع

عازمین حج برائے ۱۹۹۸ء سے درخواست ہے کہ وہ مرکزی حج کمیٹی کی ہدایت کے مطابق ۲۴ر دسمبر ۱۹۹۷ء تک ۱۱ بجے سے ۴ بجے دن کے دوران رائٹرس بلڈنگس کلکتہ کی پہلی منزل میں واقع ریاستی حج کمیٹی کے آفس میں ہوائی جہاز کے کرایہ کی رقم بطور پیشگی کسی ۱۲ ہزار روپے کا ایک بینک ڈرافٹ جمع کر دیں۔
بینک ڈرافٹ ریاستی حج کمیٹی، مغربی بنگال کے نام بنوائیں جسے مغربی بنگال میں کسی بھی قومیائے گئے بینک میں بھنایا جا سکے۔ ڈرافٹ کے پشت پر کاور نمبر، سیریل نمبر اور عازم کے نام کا بیان ضروری ہے۔



عالمی یوم معذور کے موقع پر ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی گذشتہ ۳ر دسمبر
کو شعبہ سماجی بہبود کی ایک تقریب میں ایک معذور خاتون کو انعام سے نوازتے ہوئے۔
نیچے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ایشیائی خطہ میں مجالس قانون ساز کے سکریٹریوں
اور متعلقہ افسروں کی تربیت پر ۔ اسے ۱۵ جنوری تک چلنے والے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے



MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
December 15, 1997

REGD. No. WB/CC-396
Vol No 44, Issue No. 23
Price 50 Paise



Chief Editor ; Tarun Bhattacharya, Asst. Editor · Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd. 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012.